ع۶۶۳۱
~~۵۴۸۵~~
تصویر غزا
ع۶۶۳۱

علمی و دینی ماہوار رسالہ

جلد ۱۹ — نمبر ۳

الشمس

قواعد وضوابط	اغراض و مقاصد
(۱) یہ رسالہ اس سال سنہ ۱۳۵۱ھ میں محرم سے جمادی الاخریٰ تک ۳۲ صفحہ۔ رجب سے ذی القعدہ تک ۴۸ صفحہ ماہوار اور ذی الحجہ میں ۸۰ صفحہ شایع کیا جائیگا (۲) اس کا سالانہ چندہ مع محصولڈاک صرف دو روپیہ ہے (۳) جو صاحب اسکے دس خریدار عنایت کرینگے انکو ایک جلد کتاب تصویر عزا بلا قیمت حاضر کیجائیگی (۴) جواب طلب امور کے کیلئے جوابی کارڈ یا آنہ کا ٹکٹ ضروری ہے (۵) اجرت اشتہار خط وکتابت سے طے کیجئے (چونکہ اس رسالہ کی اشاعت بہت زیادہ ہوگی۔ اسمیں اشتہار دینے سے تاجروں کو بہت نفع ہوگا)	۵۰۰ صفحہ میں ایک جامع کتاب تصویر عزا کا شایع کرنا۔ جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی عزاداری (ذکر مصائب۔ ماتم۔ نوحہ و بکا مجالس۔ تعزیہ دلدل علم۔ تابوت۔ دوسری شبیہیں۔ فاقہ عاشورا) حضرت کی شہادت اور یزید کی حمایت وغیرہ کے متعلق مخالفین کے بکثرت اعتراضات اور ان سب کے بہت تشفی بخش مفصل اور محققانہ جوابات غیر مقلد شہر اور حنفی بہوی سے دلچسپ مباحثہ کی صورت میں درج کئے گئے ہیں۔ تاکہ کل مسلمانوں کو عزاداری کے متعلق ہر بات کا تفصیلی علم ہوجائے اور اسکی خوبی ذہن نشین ہو۔

(مقام اشاعة)

چندہ سالانہ — دفتر اصلاح کھجوا (صوبہ بہار) — دو روپیہ

الشمس

نمبر ۱	ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۵۱ ہجری	جلد ۱۶

الحمد للہ

کہ رسالہ الشمس کی جلد ۱۵ کتاب مستطاب "جواب شرر" و "حضرت سکینہؑ" کے ساتھ تمام ہو گئی اور اب جلد ۱۶
شروع ہوئی جسمیں نہایت ضروری کتاب "تصویر عزا" شایع ہو رہی ہے۔ اسکو انشاء اللہ اسی سال
ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۱ھ تک ۵۰۰ صفحوں میں تمام کر دینا ہے۔ اس طرح کہ محرم سے جمادی الاخری تک ۳۲ صفحہ اور رجب سے ذیقعدہ
تک ۲۴ صفحہ ماہوار اور ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۱ھ میں ۴۶ صفحہ شایع کیے جائینگے۔ اس نمبر کے ناظرین سے ضروری التماس یہ ہے
کہ ہر سال عزاداری کی مخالفت میں بہ کثرت اشتہارات۔ اخبار۔ رسالے۔ کتابیں اور دوسری صورتوں سے
مضامین شایع کیے جاتے ہیں جس سے خدا و رسولؐ اور حضرات ائمہ طاہرینؑ کو جس قدر اذیت ہوتی
بیان نہیں ہو سکتی۔ تو کل مومنین کا فرض ہے کہ اس عظیم الشان عبادت کی حمایت میں مستعد رہیں اور اس کتاب
تصویر عزا کو بھی ہر پڑھے لکھے عزادار امام حسین علیہ السلام تک پہونچائیں تاکہ آئندہ محرم سے قبل وہ
سب حضرات اسکے مضامین کو بھی دیکھ لیں۔ اسکی تین صورتیں ہیں کہ جن حضرات کی نظر سے
یہ نمبر گزرے وہ (۱) دوسرے پڑھے لکھے مومنین کو بھی اسے دکھا کر اس کا خریدار بنائیں (۲) جو
مومنین اُن سے دور ہوں اُنکے نام اور پتے سے ہمیں مطلع کریں کہ ہم اُنکے پاس نمبر بطور
نمونہ مفت روانہ کریں (۳) جو حضرات حیثیت رکھتے ہوں وہ اپنی توفیق کے مطابق (۵-۱۰-۲۰-۲۵) غرض جس قدر
ہو سکے نسخوں کی قیمت اپنے پاس سے عنایت کر کے اُن عزاداروں کے نام یہ کتاب جاری کرا دیں جو قیمت نہیں
دے سکتے تاکہ اس کتاب کے مضامین سے خوشحال و نادار کل طبقوں کے عزادار مطلع ہو جائیں۔ جہاں صرف چار پانچ
عزادار اور زیادہ تر مخالفین ہوں اُن مقامات میں اس کتاب کو ضرور اور بہت تاکید سے پہونچانے کی کوشش کرنی چاہیے

الحمد لله

کہ

کتاب ذخیرہ تحقیقات

مسمّی بہ

تصویر عزاء

جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کے متعلق مخالفین کے بکثرت اعتراضات اور ان سب کے بہت تشفی بخش مفصل اور محققانہ جوابات غیر مقلد شوہر اور حنفی زوجہ سے دلچسپ مباحثہ کی صورت میں درج کئے گئے ہیں

مصنّفہ

جناب مولانا السیّد علی حیدر صاحب قبلہ عم فیوضہم

پہلی دفعہ سنہ ۱۳۵۱ ہجری

باہتمام

سید محمد جعفر

مطبع اصلاح کھجوا میں چھپکر شایع ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا و مولانا ابی القاسم محمد و آلہ الطاہرین۔

احقر علی حید عفی عنہ ابن حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین ظہیر الایمان والمومنین فخر المحققین وصدر المتکلمین مولانا السید علی اظہر صاحب قبلہ دام ظلہم العالی عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کے (۱) فضائل و مناقب (۲) آپ کے فرزند رسول خدا ہونے (۳) آپ کے بیعت یزید سے انکار کرنے (۴) حضرت کے قتل کے لئے یزید کے حکم دینے (۵) حضرت امام حسین ؑ کے تقیہ کر کے بیعت یزید نہ کرنے (۶) اسلام کی حفاظت کے لئے حضرت ؑ کے مکہ معظمہ سے کوفہ روانہ ہونے (۷) کربلا معلی میں کمال صبر و استقلال و پابندی حق و جوہر شجاعت دکھانے کے بعد حضرت ؑ کے شہید ہونے (۸) شہادت سے حضرت کی نیت اور غرض (۹) حضرت کے سید الشہدا ہونے (۱۰) اہلبیت طاہرین کی اسیری و بے پردگی (۱۱) ابن سعد۔ ابن زیاد اور یزید کے مظالم (۱۲) شہدائے کربلا کے درجات (۱۳) حضرت ؑ کے قاتلوں کے مذہب کی تحقیق کہ وہ شیعہ تھے یا سنی (۱۴) اُن سزاؤں کے بیان جو حضرت کے قاتلوں کو دنیا میں بھی ملیں (۱۵) ان حضرات پر گریہ و بکا کرنے (۱۶) ا محرم سے ۲۰ صفر تک سال نو کی خوشی کرنے کے عوض ایام غم منانے (۱۷) ماہ محرم کی حرمت (۱۸) مجالس امام حسین ؑ و ذکر شہدائے کربلا (۱۹) تعزیہ بنانے رکھنے۔ اور اسکے احترام کرنے (۲۰) نوحہ و ماتم کرنے سر پر خاک اڑانے۔ دلدل۔ تابوت۔ علم۔ سپر اور دوسری شبیہیں نکالنے (۲۱) عاشورہ کو روزہ نہ رکھنے بلکہ اسکے عوض فاقہ کرنے (۲۲) واقعات

کربلا و کوفہ و شام کے ذکر کرنے اور سُننے سے انسانی اخلاق میں ترقی ہونے (۲۳) معجزات و کرامات تعزیہ و عزاداری وغیرہ (۲۴) عزاداری سے دین اسلام کے محفوظ رہنے بلکہ زندہ ہونے (۲۵) امام باڑوں اور کربلاؤں کی تعظیم کرنے (۲۶) روز عاشورا بعض تسبیحوں کے سرخ ہو جانے (۲۷) یزید پر لعنت اور قاتلان شہدائے کربلا سے تبرا کرنے (۲۸) قومی ترقی کے لئے کل مسلمانوں کے ملکر عزاداری میں ترقی دینے (۲۹) واقعہ کربلا اور رسوم عزاداری پر محققین یورپ کے خیالات (۳۰) عزاداری میں غیر مسلم قوموں کی شرکت۔ وغیرہ امور کے متعلق بعض متعصب (اہلحدیث ناصبی اور خارجی) جماعتیں برابر متعدد اعتراضات کرتی اور مختلف کتابیں۔ رسالے۔ اشتہارات اور اخباروں میں مضامین شایع کر کے مخالفت کرتی رہتی ہیں۔ اور اسلام کی اس روح افزا عبادت کے روکنے میں کسی کوشش سے باز نہیں رہتیں۔ بلکہ ان جماعتوں کے وہ حضرات بھی جو یورپ اور ہندوستان میں اعلیٰ درجہ کی مغربی تعلیم حاصل کر کے بی۔ اے۔ ایم۔ اے نیز ڈاکٹری۔ بیرسٹری کی سندیں پاکر بظاہر مذہبی پابندیوں سے دور سمجھے جاتے ہیں عزاداری کی مخالفت اور بنی امیہ کی حمایت میں ویسے ہی مستعد ہو جاتے ہیں جیسے جاہل طبقہ یا متعصب علماء سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔

اگرچہ حق پسند علماء اسلام برابر ہر قسم کے شکوک و شبہات کی تحقیق اور جملہ اعتراضات کے جواب میں چھوٹی کتابیں متفرق رسالے اور اخباروں میں مفصل اور تشفی بخش مضامین شایع کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً رسالہ اصلاح کھجوا ہی میں دو سو سے زیادہ مضامین ان امور کے متعلق لکھے گئے۔ جن کے حسب ذیل مضامین بہت تحقیق و جامعیت سے مرتب ہوئے اور اس مسئلہ کے متعلق بہترین معلومات کا نہایت قیمتی ذخیرہ ہیں۔

۱۳۱۶ ہجری میں (۱) محرم الحرام

۱۳۱۷ ہجری میں (۲) تاریخ عطش بنی ہاشم

سنہ ۱۳۱۹ ہجری میں مرزا حیرت دہلوی اڈیٹر کرزن گزٹ دہلی نے یہ جدید تجویز پیش کی کہ محرم میں مسلمانوں کو عید نوروز کرنی چاہیئے (۳) اس کا مفصل جواب

سنہ ۱۳۲۰ھ و ۲۱ و ۲۳ ہجری میں مضامین (۴) "واقعات کربلا کا اثر اخلاق پر" لکھکر دکھایا گیا کہ ان واقعات کے بیان کرنے اور سننے سے انسان کے اخلاق میں اعلیٰ درجہ کی ترقی ہوتی ہے (۵) مضمون "تقسیم عاشورا" لکھکر دکھایا گیا کہ مسلمانوں سے کون لوگ اور کیوں اس روز غم کرتے اور کون جماعتیں کس وجہ سے اس عبادت سے علحدہ رہتی ہیں (۶) حقیقت تبرا

سنہ ۱۳۲۲ ہجری میں (۷) فضائل ماتم و عزاداری (۸) شہادت امام حسینؑ کی نسبت ایک بیجی راے اور اسکی غلطی (۹) اصلاح عزا (۱۰) عزاداری سے فرقہ حقہ شیعہ کی حیرت انگیز ترقی جو ایک فرانسیسی مورخ ڈاکٹر جوزف کی تحقیق کا ترجمہ ہے۔ (۱۱) مضمون اصلاح عزا پر ریمارک۔

سنہ ۱۳۲۳ ہجری میں (۱۲) مضمون فرقہ شیعہ کی حیرت انگیز ترقی اور اسکی شرح (۱۳) محرم الحرام اور رسوم (۱۴) مرزا حیرت نے امام حسینؑ کی شہادت سے انکار کیا تو اسکے جواب میں کئی مضامین (۱۵) محرم کا ماتم (۱۶) صحابہ اہلسنت کا امام برحق یزید (۱۷) فرقہ شیعہ کی حیرت انگیز ترقی یا تنزل۔

سنہ ۱۳۲۴ ہجری میں (۱۸) مضمون "اہلسنت بھی سب تبرائی ہیں" (۱۹) ماتم کرنا (۲۰) مرثیہ خوانی (۲۱) واقعہ کربلا (۲۲) فرقہ شیعہ کی حیرت انگیز ترقی یا تنزل (۲۳) مرزا حیرت کے جواب میں بہت سے مضامین (۲۴) انسائکلوپیڈیا سے جناب امام حسنؑ و امام حسینؑ کے حالات (۲۵) یزیدیوں کا حشر (۲۶) شہادت امام حسینؑ از اخبار اہلحدیث امرتسر۔

سنہ ۱۳۲۵ ہجری میں مضمون (۲۷) یزید بن معویہ کی بنوۃ (۲۸) بڑے عالم اہلسنت جناب مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی کے صاحبزادے جناب مولوی حسن میاں

صاحب کا "رسالہ گریہ و بکا و مشکل کشا (۲۹) تسبیح کا بروز عاشوراء سرخ ہو جانا قرآن سے مستنبط ہے (۳۰) ابو اسحاق سبیعی و شمر ذی الجوشن کے حالات (۳۱) نبوۃ یزید بن معویہ (۳۲) واقعات کربلا کی ابتدائی تاریخ (۳۳) ثبوت تعزیہ داری بجواب اشتہاری (۳۴) ٹھیکہ داران یزید (۳۵) فرقہ یزیدیہ

سنہ ۱۳۲۶ ہجری میں (۳۶) عزاداری کے متعلق مہادیو جی اور رانی پاربتی کا مکالمہ۔

سنہ ۱۳۲۷ ہجری میں (۳۷) نبوۃ یزید دوبارہ (۳۸) فرزند رسولؐ اور امت یزید۔ (۳۹) بقیہ نبوۃ یزید دوبارہ (۴۰) شیعہ سنی ہندو کی تعزیہ داری (۴۱) حضرت یزید علیہ مایستحقہ (۴۲) مسئلہ شہادت پر مرزا حیرت سے مباحثہ (۴۳) حسن الکلام (۴۴) مضمون عاشوراء۔

سنہ ۱۳۲۸ ہجری میں (۴۵) مضمون عاشوراء ۲ (۴۶) شہید کربلا (۴۷) اخبار وکیل امرتسر نے "بدعات محرم" ایک بڑا مضمون لکھا تھا اس کا مفصل جواب کئی نمبروں میں۔ (۴۸) روزانہ پیسہ اخبار لاہور کا مضمون سانحہ کربلا (۴۹) مضمون عاشوراء پر اڈیٹر اہل فقہ کا خط اور اس کا جواب (۵۰) القول الجمیل فی رد بدعات الوکیل (۵۱) حسینؑ اب بھی بے کس ہے (۵۲) غم حسینؑ کی نسبت اڈیٹر وکیل امرتسر کا منشا (۵۳) کیا حسینؑ اب بھی بے کس ہے (۵۴) غم حسینؑ کی نسبت اڈیٹر وکیل کا منشا (۵۵) کیا حسینؑ ابن علیؑ بے کس ہیں؟

سنہ ۱۳۲۹ ہجری میں (۵۶) جرمنی ڈاکٹر کا مضمون فلسفہ شہادت اور اس کی شرح (۵۷) متہادہ امام حسینؑ (۵۸) شہادت امام حسینؑ پر مرزا حیرت کی قرآنی شہادت (۵۹) علم کا اثر آگ پر (۶۰) تحقیق صوم عاشوراء (۶۱) آگ پر ماتم (۶۲) مجلس عزا بخانہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی۔

سنہ ۱۳۳۰ ہجری میں (۶۳) عزاداری مظلوم کربلا (۶۴) تبدیل سال (۶۵) مسافر

اور مسلمان اور شہادۃ کربلا، (۶۶) اسحاق کی بیٹی ارنیب (۶۷) نجاۃ الداریق بعزاء الحسینؑ (۶۸) تعزیہ داری کے متعلق علمائے مکہ معظمہ کے فتاوے (۶۹) قصبہ پھپھوند میں ایک معجزہ (۷۰) قتلۃ الحسینؑ یعنی امام حسینؑ کے قاتلوں کے مذہب کی تحقیق کہ سب سنی تھے (۷۱) حیاۃ الشہداء

سنہ ۱۳۳۱ ہجری میں (۷۲) عزاداری (۷۳) ذکر سید الشہداءؑ از کتاب وسیلۃ النجاۃ (۷۴) کرامت تعزیہ (۷۵) مدح و ذم اہل کوفہ

سنہ ۱۳۳۲ ہجری میں (۷۶) آداب مجلس عزاء (۷۷) مخالفت مخالفین عزاداری (۷۸) حضرت امام حسینؑ (۷۹) عزاداری ملک سیام (۸۰) شہداء کربلا اور اخبار مسافر (۸۱) معراج الشہادۃ (۸۲) قتلۃ الحسینؑ۔

سنہ ۱۳۳۳ ہجری میں (۸۳) شہادت امام حسینؑ اور غضب خدا (۸۴) شہداء زندہ ہیں (۸۵) مفارقات عثمانیہ و حسینیہ یعنی خلیفہ ثالث حضرت عثمان اور سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی شہادۃ میں کن باتوں کا فرق ہے اُن سب کی محققانہ تفصیل (۸۶) شہادۃ امام حسینؑ اور ایک عالم جرمنی کی رائے (۸۷) خون مظلوم کب تک چھپیگا۔ (۸۸) غم محرم

سنہ ۱۳۳۴ ہجری میں (۸۹) جناب امام حسینؑ (۹۰) یزیدیوں کا جوش (۹۱) کرامات عزا (۹۲) ذبح عظیم (۹۳) صحابہ رسولِ خداؐ اور اصحاب امام حسینؑ میں فرق (۹۴) عفیف بن عبداللہ ازدی (۹۵) افضلیت اصحاب امام حسینؑ

سنہ ۱۳۳۵ ہجری میں (۹۶) استقبال محرم (۹۷) شہادت امامین (۹۸) شہادۃ کا دوسرا سبق (۹۹) کرامات تعزیہ (۱۰۰) افضلیت اصحاب امامؑ (۱۰۱) کرامات محرم (۱۰۲) مسجد اور بازاری عورتیں۔

سنہ ۱۳۳۶ ہجری میں (۱۰۳) شہادۃ امام حسینؑ اور صواعق محرقہ۔

سنہ ۱۳۳۳ ہجری میں (۱۰۴) عزاداری کی مخالفت اور اس کا جواب (۱۰۵) لعنت کی ضرورت۔

سنہ ۱۳۳۹ ہجری میں (۱۰۶) اخبار اہلحدیث امرتسر کا مضمون "شہادت امامین توحید کی شہادۃ ہے" اور اس پر نوٹ (۱۰۷) حضرت اسماعیل ذبیح اللہ (۱۰۸) تعزیہ اور محراب مسجد (۱۰۹) ممانعت شرکت مجالس عزا (۱۱۰) شہادۃ امامین اور اہلحدیث کا معیار توحید (۱۱۱) تعزیہ داری اور سنیوں کی مزاحمت۔

سنہ ۱۳۴۰ ہجری میں (۱۱۲) عزاداری حسینؑ باعث رضا خدا و رسول ہے۔

سنہ ۱۳۴۱ ہجری میں (۱۱۳) برکات المجالس (۱۱۴) حضرت امام حسینؑ نے تقیہ کیوں نہ کیا (۱۱۵) عشرہ کابل (۱۱۶) غم امام حسینؑ (۱۱۷) عزاداری پر حملے اور انہیں ترقی (۱۱۸) کل ہند تک ہنوز سنی ہیں یا بعض شیعہ ہو گئے۔

سنہ ۱۳۴۲ ہجری میں (۱۱۹) برکات المجالس (۱۲۰) کربلا کا واقعہ ذبح عظیم (۱۲۱) اجازت گریہ و بکا (۱۲۲) محرم الحرام

سنہ ۱۳۴۳ ہجری میں (۱۲۳) خصائص حسینی (۱۲۴) اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد (۱۲۵) شہید کربلا (۱۲۶) محرم کی آمد (۱۲۷) صوم عاشورا (۱۲۸) وہ ہندو قوم جو شہیدان کربلا کی فدائی تھی (۱۲۹) تعزیہ داری منجانب عزاداران امام حسینؑ

سنہ ۱۳۴۴ ہجری میں (۱۳۰) لکھنؤ میں یادگار شہدا مٹانے کی کوشش (۱۳۱) علمائے اہلسنت کا فیصلہ حرمت تعزیہ داری کے بارے میں (۱۳۲) علماء فرنگی محل لکھنؤ اور تعزیہ (۱۳۳) اہلبیت طاہرین کا دوبارہ کربلا میں آنا (۱۳۴) عزاداری امام حسینؑ حضرت رسولخدا صلعم کی سنت ہے (۱۳۵) افغانستان کی مجالس اور عزاداری (۱۳۶) احکام قرآنی و تعزیہ داری۔

سنہ ۱۳۴۵ ہجری میں (۱۳۷) شجاعت حضرت مسلم بن عقیل (۱۳۸) ہیجر پرالس کی کتاب

سے واقعات کربلا، کا تذکرہ (۱۳۹) تعز من تشاء و تذل من تشاء (۱۴۰) اخبار اسٹیٹسمین کلکتہ کا مضمون ہندو اور محرم (۱۴۱) حضرت سید الشہداء کی اخلاقی تعلیم (۱۴۲) غمناک واقعہ کربلاء

سنہ ۱۳۴۶ ہجری میں (۱۴۳) یزیدی اجنٹ (۱۴۴) غمناک واقعہ کربلاء (۱۴۵) غم حسین علیہ السلام (۱۴۶) عزاداری (۱۴۷) ریب بنود در کرامات حسینؑ (۱۴۸) فلسفہ شہادت (۱۴۹) تعزیہ داری۔

سنہ ۱۳۴۷ ہجری میں (۱۵۰) مجلس عبادت ہے (۱۵۱) حضرت سید الشہداءؑ کی اخلاقی تعلیم (۱۵۲) ٹھیکہ داران یزید (۱۵۳) امام حسینؑ اور عقل و انصاف کی تجویز (۱۵۴) تابیخ علمؑ (۱۵۵) شہادۃ عظمیٰ۔

سنہ ۱۳۴۸ ہجری میں (۱۵۶) ٹھیکہ داران یزید (۱۵۷) قرآن مجید سے تعزیہ کا ثبوت (۱۵۸) واقعہ شہادت پر رونا یا خوش ہونا (۱۵۹) اخبار مدینہ بجنور کا مضمون شہادۃ کبریٰ اور اس کا جواب (۱۶۰) روز عاشوراء کی خیرات (۱۶۱) اخبار اتحاد بمبئی اور مسئلہ عزاداری (۱۶۲) مخالفۃ عزاداری میں اخبار اتحاد بمبئی کا درس قرآن اور اُس کا مفصل جواب۔

سنہ ۱۳۴۹ ہجری میں (۱۶۳) رونے اور ہنسنے کی حقیقت (۱۶۴) حضرت امام حسینؑ (۱۶۵) سال نو کی خوشی یا غم (۱۶۶) مسٹر تلک اور شہیدان اسلام (۱۶۷) اہلحدیث اور عزاداری (۱۶۸) فرقہ یزیدیہ اور اُس کا طغیان۔

سنہ ۱۳۵۰ ہجری میں (۱۶۹) قاتلان حضرت امام حسین شیعہ تھے یا سنی (۱۷۰) آسمان و زمین کا امام حسینؑ پر رونا (۱۷۱) یزید نے امام حسینؑ کو قتل کرایا یا نہیں (۱۷۲) شہادت امام حسینؑ اور تقیۃ "بیعت یزید نہ کرنا" (۱۷۳) عتبات عالیات کے معجزات (۱۷۴) مسٹر صلاح الدین خدابخش کی حمایۃ یزید (۱۷۵) معرکہ کربلا (۱۷۶) عید عاشوراء

اور مدینہ کا شور ہی (۱۷۷) چودہویں صدی کے یزید (۱۷۸) دمشق (شام) میں اربعین حضرت سید الشہداء (۱۷۹) مسٹر صلاح الدین خدابخش کی یزید نوازی (۱۸۰) مسٹر صلاح الدین خدابخش کی تاریخ دانی متعلق عزاداری (۱۸۱) روحانی شہادت (۱۸۲) خدائی فیصلہ اور یزید پلید وغیرہ بکثرت مضامین۔

مگر غالباً اردو زبان میں کوئی ایسی بڑی کتاب ابتک نہیں شایع ہوئی جسمیں شہادۃ حضرت امام حسینؑ اور حضرت کی عزاداری کے متعلق مخالفین کے اکثر اعتراضات اور حمایتہ یزید کے ادلہ کے مفصل جوابات درج کئے گئے ہوں۔ اس وجہ سے ایک مدۃ دراز سے اسکی شدید ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ اس موضوع پر ایک تحقیقی اور جامع کتاب لکھی جائے جو ان کل اعتراضات و شکوک اور ان کے مفصل۔ نیز تشفی بخش جوابات کا ذخیرہ ہو۔ الحمد للہ کہ اُسی کی توفیق سے اس غرض کے لئے کہ جس قدر اعتراضات ان حضرات کیطرف سے ہوتے ہیں اُن سب کو ایک جگہ جمع کرنے اور سب کے جوابوں کو درج کرنے کا انتظام کیا جائے۔ یہ کتاب "تصویر عزاء" لکھی جاتی ہے۔ انشاء اللہ اس میں پوری کوشش کیجائیگی کہ ۱۳۱۵ سنہ ہجری سے ۱۳۵۱ سنہ ہجری تک عزاداری کے متعلق جس قدر اعتراضات سُننے یا دیکھنے میں آئے اور جن کا ذکر رسالہ اصلاح میں بروقت کر دیا گیا تھا اُن سب کا ذکر کیا جائے اور سب کا جواب تفصیل سے دیا جائے۔ اس طرح انشاء اللہ یہ کتاب اُن کل مضامین و تحقیقات علمیہ و دینیہ کا جوہر بھی ہو جائیگی جو عزاداری اور حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی حمایتہ میں رسالہ اصلاح کی گزشتہ زندگی میں شایع ہوتے رہے اور جنکی مختصر فہرست اوپر لکھی جا چکی ہے۔ خدا کرے اس خدمت کے انجام دینے میں یہ کتاب کامیاب ہو سکے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۵۱ سنہ ہجری فرض کیجئے کہ

تمہید

شہر الہ آباد میں ایک معزز عالم اور حاذق طبیب جناب حکیم عبدالوہاب صاحب رہتے تھے جن کا اسلامی فرقوں میں جماعۃ اہلحدیث سے تعلق تھا۔ آپ جس طرح فن طب میں بڑا کمال رکھتے اپنے مذہبی علوم میں بھی سردار سمجھے جاتے تھے۔ حضرات اہلحدیث کو حنفی جماعت سے اکثر مناظرہ کی نوبت آتی اور جناب حکیم صاحب ہی مرد میدان بنائے جاتے مگر چونکہ طبابت میں آپ بہت مشہور ہو گئے تھے اور دور دور سے مریض آپ سے علاج کرانے آتے آپ کو مذہبی خدمات کا وقت بہت کم ملتا تھا باوجودیکہ دنیا کی ریاست اور مال و متاع کی زینت آپکو بہت کچھ حاصل ہو گئی تھی لیکن دولت اولاد سے بہت کم حصہ ملا کیونکہ خدا نے صرف ایک لڑکا دیا تھا کہ وہی گھر بھر کا چراغ سمجھا جاتا۔ دوسری ولادۃ ہوئی ہی نہیں۔ اس صاحبزادے کا نام عبدالغفار تھا۔ حکیم صاحب نے اسکی تربیت پر پوری توجہ کی اور ایک بڈھے جید عالم کو اسکی تعلیم کے لئے مقرر کیا۔

حکیم صاحب کے محلہ میں ایک اور معزز عالم جناب مولوی عبدالحمید صاحب بھی تھے جو بہت بڑے مذہبی پیشوا سمجھے جاتے۔ آپ حنفی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور چونکہ سرکاری عربی امتحانات کے سند یافتہ بھی تھے۔ گورنمنٹ اسکول میں آپ کو ہڈ مولوی کی جگہ مل گئی تھی۔ اسی سے آپ کی بسر اوقات ہوتی۔ مگر آپ بھی نعمت اولاد سے محروم تھے۔

ان مولوی صاحب اور مذکور بالا حکیم صاحب میں اچھی ملاقات تھی بلکہ ایک طرح کی دوستی ہوگئی تھی۔ مولوی صاحب جب اسکول سے فارغ ہوکر مکان پہونچتے تو اپنی ضروریات انجام دیکر حکیم صاحب کے ہاں پہونچ جاتے۔ اگر حکیم صاحب موجود رہتے تو اُن سے باتوں میں دل بہلاتے۔ اور اگر وہ کسی

کے ہاں گئے ہوتے تو انکی کتابوں کے مطالعہ میں وقت صرف کرتے۔ حکیم صاحب بھی مولوی صاحب کے ہاں ایسی بے تکلفی سے آتے جاتے کہ جب کسی وقت مریضوں کی خدمت سے فرصت رہتی اور مولوی صاحب کے اسکول کا وقت نہ ہوتا آپ انکے ہاں پہونچ جاتے اور گھنٹوں بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کیا کرتے۔ اکثر مذہبی گفتگو بھی ہوتی اور تقلید کے صحیح اور باطل ہونے پر مہذب اور دوستانہ مباحثہ ہوتا رہتا۔ اور باوجودے کہ دوسرے حنفی اور غیر مقلد حضرات میں عموماً شدید اختلاف بلکہ عناد ہوتا۔ مگر یہ دونوں بزرگ ایسے بلند خیال، روشن ضمیر اور صلح پسند تھے کہ کبھی کسی کے دل میں کوئی کدورت نہیں ہوئی بلکہ لطف یہ ہے کہ بڑے مجمع میں عام مذہبی مناظرہ ہوتا تو غیر مقلد حضرات کی طرف سے حکیم صاحب اور حنفی جماعۃ کی طرف سے کبھی مولوی صاحب ہی مناظر قرار پاتے۔ اور خوب زور شور کا مقابلہ ہوتا کہ ہر صاحب دوسرے کے مقابلہ میں بادل کی طرح گرجتے تھے۔ مگر جلسہ سے باہر آنے کے بعد پھر ایسے شیر و شکر ہو جاتے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا انمیں کسی قسم کا بھی اختلاف ہے۔ البتہ ایک بات کا اثر مولوی صاحب کے دل پر ایسا ہوتا کہ اسکی کیفیت چھپنے نہیں پاتی۔ مولوی صاحب جب حکیم صاحب کے ہاں آتے تو اکثر ان کا لڑکا عبد الغفار وہاں کھیلتا رہتا جس سے حکیم صاحب کا دل تو باغ باغ ہوتا مگر مولوی صاحب اپنی حالت پر حسرت سے ٹھنڈی سانس لیتے اور اپنی تقدیر پر دل ہی دل میں افسوس کرتے کہ دولت اولاد سے بالکل محروم ہیں۔ آپنے پہلے اپنی بیوی کے بہت کچھ علاج کئے۔ مشہور اور نامی حکیموں۔ ویدوں اور ڈاکٹروں کے پاس پہونچکر اس مصیبت کو رفع کرنا چاہا مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی پھر فقیروں کی تلاش کی اور جب دو ایک روز کی تعطیل بھی اسکول میں

ہو جاتی تو آپ کسی خدا رسیدہ فقیر کے ہاں روانہ ہو جاتے لیکن اس سے بھی
وُہ مقصود ہاتھ نہیں آیا۔ اسکے بعد آپ رُدولی تشریف گئے وہاں منت مانی مگر
بے کار۔ پھر کچھوچھہ شریف گئے اور بہت سی نذریں کیں لیکن سب بے سود۔
اسکے بعد اجمیر شریف پہونچے۔ وہاں بہت دنوں تک برابر دعا اور عمل
کرتے رہے۔ ان سب کا بھی کوئی نفع نہیں ہوا اور کسی طرح آپکی مراد پوری
نہیں ہوئی۔ ان سب کوششوں کے بعد آپ مایوس ہو کر بیٹھ رہے۔
اور چونکہ صاحب علم و فضل تھے یہ خیال کر کے کہ خدا کی مشیت مجھے اولاد دینے
کی نہیں ہے صبر کر لیا۔

جب اس مایوسی اور ناامیدی میں بھی کئی سال گزر گئے۔ تو ایک دفعہ محرم کے
مہینہ میں عاشورا کے روز آپ گھر سے نکلے۔ اتفاقاً دیکھا کہ ایک بوڑھی
ہندو عورت جو اپنی وضع سے بہت خوش حال اور معزز خاندان کی معلوم ہوتی ہے
دوسرے تعزیہ داروں کے ساتھ ماتم کرتی "حسینؑ حسینؑ" کہتی اور پھوٹ
پھوٹ کر روتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ اُسکے ساتھ ایک لڑکا بھی ہے جو سر پر
تعزیہ رکھے اور بائیں ہاتھ سے اُس تعزیہ کو پکڑے ہوئے اور داہنے ہاتھ
سے ماتم کرتا اور مُنہ سے "حسینؑ حسینؑ" کہتا چلا جاتا ہے۔ مولوی صاحب نے اُس
عورت کو اس طرح تڑپ کر روتے اور آنسوؤں سے منہ دھوتے دیکھکر بہت
تعجب کیا اور وہاں کسی سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ لڑکا جو اس کے
ساتھ ہے اُس عورت کا بیٹا ہے اور اسکی اولاد میں صرف وہی ہے۔ دوسرا
لڑکا یا لڑکی کوئی بھی نہیں ہے۔ یہ سُنکر مولوی صاحب کو اُس سے دلچسپی
ہوئی اور چند قدم کا فاصلہ چھوڑ کر اُسکے ساتھ ساتھ آپ بھی ہو لئے۔ جب
دوسرے تعزیہ داروں کے ساتھ وہ عورت بھی اپنے اس لڑکے کا تعزیہ دفن

کر کے پلٹی تو مولوی صاحب بھی اسکے مکان پر پہونچے اور جب وہ اپنے گھر
میں داخل ہونے لگی تو آپ اسکی دیوار کے پاس کھڑے ہو گئے۔ وہ عورت
ایک اجنبی مگر مہذب بزرگ کو اپنے مکان پر کھڑا دیکھکر گھبرائی اور پوچھا۔

عورت۔ آپ کون ہیں۔ اور کیا چاہتے ہیں؟

مولوی صاحب۔ گھبراؤ نہیں۔ میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں اور تم سے
ایک بات دریافت کرنے آیا ہوں۔ اگر اجازت دو تو پوچھوں۔

عورت نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا اور اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر میں اس مکان
سے ایک بوڑھا ہندو شخص باہر نکلا اور مولوی صاحب سے پوچھا۔

وہ شخص۔ کون صاحب ہیں اور یہاں کیا کام ہے؟

مولوی صاحب۔ کیا آپ ہی اس گھر کے مالک ہیں؟

وہ شخص۔ جی ہاں میرا ہی یہ غریب خانہ ہے۔ ارشاد فرمائیں کیا حکم ہے۔

مولوی صاحب۔ کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ کا اسم گرامی کیا ہے

وہ شخص۔ مجھے پنڈت رادھاکشن کہتے ہیں۔ اور آپ کا نام نامی؟

مولوی صاحب۔ حقیر کا نام مولوی عبد الحمید ہے

پنڈت جی۔ میں آپ کی عزت افزائی سے نہایت شکر گزار ہوا۔ آپ نے
کیوں زحمت فرمائی۔ آئیے تشریف رکھئے۔

پنڈت جی نے باہر کا کمرہ کھول دیا۔ مولوی صاحب تشریف لے گئے۔ ایک
کرسی پر وہ دوسری پر پنڈت جی بیٹھے۔ پنڈت جی نے پان اور سگرٹ
منگایا اور مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کر کے پوچھا۔

پنڈت جی۔ ہاں جناب اب ارشاد فرمائیں۔

مولوی صاحب۔ آپ تردد نہ فرمائیں۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے اچھا

ہوا کہ آپ سے ملاقات ہوگئی۔ آپ کی باتوں سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔
پنڈت جی ۔ یہ آپکی مہربانی ہی مگر جب تک آپ اُس غرض کو نہ ظاہر فرمائیں گے مجھے تو اطمینان نہیں ہوگا۔
مولوی صاحب ۔ میں آنے کو تو آگیا مگر معلوم ہوا کہ آپ کوئی بڑے معزز اور شریف و تعلیم یافتہ بزرگ ہیں۔ اب جس غرض سے میں حاضر ہوا ہوں اسکو ظاہر کرتے ہوئے تامل ہوتا ہے کہ شاید آپ کو ناگوار ہو۔
پنڈت جی ۔ نہیں آپ ایسے عالم کی بات تو نامناسب نہیں ہوگی۔ پھر مجھے ناگوار کیوں ہونے لگی۔
مولوی صاحب ۔ میں اس غرض سے حاضر ہوا کہ ابھی جو بوڑھی عورت اس مکان میں گئی ہے اُس کو میں نے سڑک پر دیکھا کہ ماتم کرتی ہوئی بے چین ہوکر روتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ایک لڑکا بھی سر پر تعزیہ رکھے ماتم کرتا جاتا تھا۔ میں صرف یہ دریافت کرتا ہوں کہ یہ عورت کب سے تعزیہ رکھتی ہے اور کس خاص وجہ سے ایسا کرتی ہے کیونکہ یہ کام تو مسلمانوں کا ہے۔
پنڈت جی ۔ یہ نہ کہیے کہ یہ کام مسلمانوں کا ہے۔ اسکو تو مسلمان اور ہندو سب ہی کرتے ہیں۔ لاکھوں ہندو ہندوستان بھر میں تعزیہ رکھتے اور ماتم کرتے ہیں۔
مولوی صاحب ۔ یہ سچ ہے مگر اس طرح بے چین ہوکر رونے اور ماتم کرنے کی غالباً کوئی خاص وجہ ہوگی۔
پنڈت جی ۔ ہاں اسکی ایک بڑی وجہ ہے۔ یہ عورت میری بیوی ہے۔ ہم دونوں کی شادی تو بچپن میں ہوئی مگر جوان ہونے پر بھی مدۃ دراز تک اولاد نہیں ہوئی تو ہم لوگوں کو تردد ہوا۔ حکیم ڈاکٹر وید سب کے علاج کیے اور ہزاروں

روپیہ خرچ کیا مگر سب بیکار - پھر پنڈتوں - جوتشیوں - سادھوؤں کی خوشامدیں کیں - مندروں میں منت مانی - ہر طرح کا پوجا پاٹ کیا - کاشی جی - متھرا جی - ہردوار جی جاکر دعائیں کیں اور کہاں کہاں کی خاک چھانی مگر کسی طرح میری بیوی کی گود آباد نہیں ہوئی - اس طرح جب میری عمر پینتیس ۳۵ سال اور میری بیوی کی عمر تینتیس ۳۳ سال کی ہو گئی تو ہم لوگ نا امید ہو کر اور ہر کوشش سے تھک کر بیٹھ رہے -

مولوی صاحب - معاف کیجئے گا میں قطع کلام کرتا ہوں کہ آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو فارسی آپ پوری پڑھے ہوئے ہیں اور اس میں بہت صاف تقریر کرتے ہیں -

پنڈت جی - جی ہاں میں بچپن میں اردو فارسی ہی پڑھایا گیا - گلستان - بوستان - انشاء مادھورام - دفتر ابوالفضل - رقعات عالمگیری - دیوان حافظ شاہنامہ فردوسی وغیرہ سب پڑھ چکا ہوں -

مولوی صاحب - واہ واہ تب تو آپ بڑے قابل قدر بزرگ ہیں - مجھے آپ سے ملکر نہایت مسرت ہوئی -

پنڈت جی - آپ یہ سنکر اور زیادہ خوش ہونگے کہ میری بیوی بھی جن کو آپ نے ماتم کرتے ہوئے دیکھا تھا - اردو مڈل پاس ہیں - اور اردو کی کتابیں بہت کثرت سے دیکھتی رہتی ہیں - مسلمانوں کی مذہبی چیزیں دیکھنے کا بھی ان کو شوق ہے - میرانیس صاحب اور مرزا دبیر صاحب کے مرثیوں سے تو انکو عشق ہے -

مولوی صاحب - سبحان اللہ تب تو آپ بڑے ہی خوش قسمت ہیں -

پنڈت جی - یہ آپکی عزت افزائی ہے - ہاں تو وہ بات رہ گئی - جب ہم لوگ

ہم مایوس ہوکر بیٹھ رہے۔ اسکے دو سال کے بعد محرم کا چاند دکھائی دیا تو پڑوس میں جو خاں صاحب رہتے ہیں انکی بیوی نے میری بیوی سے کہا کہ بہن تم اولاد ملنے کے لیئے ہر طرح کی کوشش کر چکیں۔ منتیں مان چکیں۔ پوجا پاٹ کر چکیں۔ اگر مانو تو میں بھی ایک بات کہوں۔ شاید خدا تم پر رحم کرے۔ تمہاری گود آباد اور تمہارے اندھیرے گھر میں اوجالا ہو جائے۔

میری بیوی بولیں کہ بہن اس سے بڑا احسان مجھ پر کیا ہوگا۔ اگر ایسا ہو جائے تو میں تمہاری لونڈی بن جاؤں اور زندگی بھر تمہاری خدمت کروں۔

خانصاحب کی بیوی نے کہا اے لو! تم بھی تو قیامت کی باتیں کرنے لگیں۔ یہ احسان کیوں ہونے لگا اور تم میری لونڈی کیوں بنوگی۔ یہ تو میرا ہی کام ہے اور تمہاری آرزو خود میرے دل کی تمنا ہے۔ اللہ کرے تم جلد چاند سا بیٹا کھلاؤ۔ اُس کا بیاہ کرو۔ اسکی بہو لاؤ۔

میری بیوی۔ بہن ایسا دن کہاں آئیگا۔ میری تقدیر میں یہ نعمت ہوتی تو اب تک ترستی رہتی۔ ان باتوں سے کیوں میرا دل دُکھاتی ہو۔ اب تو یہی کہنا پڑتا ہے کہ بھلا پتھر میں دوب جم سکتی ہے۔

خانصاحب کی بیوی۔ نہیں ایسا نہ کہو۔ خدا میں ہر طرح کی قدرت ہے۔ ابھی تو تمہارا زیادہ دن نہیں گیا۔ خدا تو چالیس برس سے زیادہ عمر والی عورتوں کو بھی اولاد دیتا ہے۔ اسکی رحمت سے بندوں کو نا امید نہیں ہونا چاہئے۔ میرے مذہب میں تو خدا کی رحمت سے مایوس ہونے کو بڑا گناہ لکھا ہے۔

میری بیوی۔ ہاں اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ اُس کو سب باتوں کا اختیار ہے۔ وہ چاہے تو کیا کچھ نہیں کر سکتا۔

خانصاحب کی بیوی۔ اچھا تو زبان ہار دو کہ جو بات میں کہوں گی اُسکو مانو گی

اور ابھی کسی سے نہیں کہو گی۔

میری بیوی۔ جیسی کہو میں قسم کھاتی ہوں کہ تم جو کہو گی وہی میں کرونگی اور کسی سے بھی کہونگی نہیں۔

خانصاحب کی بیوی۔ میری رائے یہ ہے کہ میرے یہاں امام باڑے میں مجلس ہوتی ہے۔ مجلس ختم ہونے کے بعد تعزیہ کے پاس کھڑی ہو کر (تعزیہ سے نہیں بلکہ خدا سے) تم منت مانو کہ اگر خدا تم کو بیٹا دے تو تم بھی امام حسینؑ کا تعزیہ ہر سال رکھا کرو گی اور عاشورا کے دن اس کے سر پر تعزیہ دفن کرنے کو کسی کربلا بھیجا کرو گی۔

میری بیوی۔ بہن میں تو منت مان لونگی کہ اگر خدا مجھے بیٹی بھی دیگا تو میں امام صاحب کا تعزیہ ضرور رکھونگی۔ ہائے اللہ کسی طرح میرے دل کی یہ آگ تو بجھے۔

مولوی صاحب! آپ یقین کریں کہ میرے گھر بھر اور میرے سسرال کے بھی سب لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اب میرے کسی طرح اولاد نہیں ہو سکتی اور میں اور میری بیوی دنیا سے لاولد ہی جائیں گے۔ مگر خدا کی قدرت کو نہ کوئی سمجھ سکا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ میری بیوی نے خانصاحب کے امام باڑے میں جا کر تعزیہ کے سامنے کھڑی ہو کر خدا کی درگاہ میں ہاتھ اُٹھا دیئے اور رو رو کر دعا کی کہ اے اللہ صاحب! اگر آپ مجھ پر بھی رحم کریں اور مجھ دکھیاری کو ایک ہی اولاد دیدیں تو میں نذر کرتی ہوں کہ آپ کے پیارے حضرت امام صاحب کا تعزیہ میں بھی رکھا کرونگی۔ اور اُس تعزیہ کو ہر سال اسی اولاد کے سر پر رکھکر کربلا لیجایا کرونگی۔ اے خدا دہائی ہے اب بھی اس غریب پر ترس کھایئے اور کسی طرح میری یہ حسرت پوری کر دیجئے۔ مولوی صاحب! میری بیوی نے دعا کرنے کو تو کر لی اور اُس وقت سچے دل ہی سے خوب رو رو کر اور اچھی طرح گڑگڑا کر منت مانی مگر دل پہلے ہی مردہ ہو چکا تھا۔ کہنی

امید باقی نہیں رہی تھی۔ دس بارہ دنوں کے بعد نہ اس منت کا خیال رہا۔ نہ دعا یاد رہی۔ سمجھی کہ تقدیر کا لکھا مٹ نہیں سکتا۔ اور قسمت کی بات بدل نہیں سکتی ہے۔ اگر خدا کو دینا ہوتا تو اس سے پہلے کہاں کہاں کا تیرتھ کر چکی ہوں۔ کس کس دیوتا کا پوجا پاٹ کر چکی ہوں۔ کس کس ندی کا اشنان کر چکی ہوں۔ پرمیشور اُسی وقت مجھ پر ترس نہ کھاتے۔ خدا اور پرمیشور جی تو ایک ہی ہیں مسلمان اُس نام سے پکارتے ہیں اور ہم لوگ اس نام سے یاد کرتے ہیں۔ مگر دو نام ہوتے سے کیا ہوتا ہے۔ مالک تو وہی ہے۔ اُسکو دینا ہوتا تو اب تک کیوں تڑپاتا میری تقدیر کو نہ امام صاحب بدل سکتے ہیں نہ میرے لکھے کو تعزیہ مٹا سکتا ہے۔

مگر آپ یقین کریں کہ تین مہینہ گزرنے کے بعد اس بیچاری کو کچھ شبہہ ہوا۔ تو حکیم عبدالوہاب صاحب کو میں نے بلایا۔ نبض اور قارورہ دکھایا۔ آپ کو سُن کر کس قدر تعجب ہوگا کہ انھوں نے کہا کہ "مجھے حمل کا شبہہ ہوتا ہے" اس خوش خبری کا سُننا تھا کہ میری بیوی فوراً دوڑی ہوئی خانصاحب کے امام باڑے میں گئیں اور تعزیہ کے سامنے زمین پر گر کر لوٹنے لگیں اور خوشی کا رونا اس قدر روئیں کہ وہاں کی زمین بھیگ گئی۔ حکیم صاحب قوۃ کا نسخہ لکھ گئے تھے میں نے فوراً وہ معجون بنوائی اور گھر میں استعمال کرانے لگا۔ اسکے بعد کیا پوچھنا ہے جس قدر دن گزرتے گئے حمل کا یقین بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ دل کی بات کیوں نہ کہہ دوں کہ حضرت امام صاحب کے تعزیہ کے سامنے دعا مانگنے کی برکت یا تعزیہ رکھنے کی نذر کرنے سے خدا کو ہم بے بسوں پر رحم آگیا اور جس بات کو اب ہم لوگ ناممکن سمجھنے لگے تھے وہ ممکن ہوگئی ابھی دوسرا محرم نہیں آنے پایا تھا کہ ہمارے گھر میں سورج اُتر آیا۔ ہمارا اندھیرا گھر روشنی سے جگمگانے لگا۔ ہم لوگوں کا مردہ دل زندہ ہوگیا اور وہی چاند سا بیٹا جس کو آج آپ نے میری بیوی کے ساتھ سر پر تعزیہ رکھے جاتے دیکھا ہے پیدا ہوا۔

اِس نعمت کی جو خوشی ہم لوگوں کو ہوئی اُس کا اندازہ آپ اچھی طرح کر سکتے ہیں۔
اِس آخری جملہ نے مولوی صاحب کے دل پر نشتر کا کام کیا مگر ضبط سے کام لیا۔ کیونکہ پنڈت جی تو جانتے نہیں تھے کہ یہ بیچارے لاولد ہیں۔ مولوی صاحب نے اُن سے فرمایا۔

مولوی صاحب۔ واقعاً خدا نے آپ لوگوں پر بڑا رحم کیا اُس کا جو کچھ شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔

پنڈت جی۔ جی ہاں کون شخص اُس کا شکریہ ادا کر سکتا ہے۔ اُسی سال سے میں اور میری بیوی تعزیہ رکھنے لگیں اور اس لڑکے کے سر پر رکھکر عاشورا کو جہاں آپ لوگ تعزیے لے جاتے ہیں میری بیوی بھی جاتی ہیں۔ آپ ہی انصاف سے فرمائیں کہ اس قدر دوا علاج۔ تعویذ گنڈے۔ پوجا پاٹ۔ دعا عمل کرنے کے بعد بھی جکو اولاد نہ ہو اور صرف تعزیہ رکھنے کی منت ماننے سے خدا اسکو اتنی بڑی دولت دیدے وہ کیوں نہ یقین کرے کہ یہ اسی تعزیہ کا احسان ہے کہ خدا اس طرح مہربان ہو گیا۔ اور تعزیہ رکھنے سے خدا اس درجہ خوش ہوتا ہے کہ اسکے مقابلہ میں وہ کسی کام کو کوئی چیز نہیں سمجھتا۔ ورنہ دوسری سب دعائیں اور عبادتیں بے اثر ثابت ہوئیں اور تعزیہ رکھنے کی نیت کرتے ہی ہم لوگوں کے دل کا چراغ روشن ہو گیا۔ اسکی کوئی وجہ بھی ہو سکتی ہے؟

مولوی صاحب۔ واقعاً اس جگہ انسانی عقل حیران ہے کہ یہ کیا کرشمہ ہے۔

پنڈت جی۔ یہ کرشمہ ہمارے ہی ساتھ تو ہے نہیں لاکھوں ہندو جو تعزیہ رکھتے ہیں سب کے ساتھ ایسے ہی عجیب و غریب واقعات ہوئے جن سے مجبور ہو کر ان لوگوں کو امام صاحب کا کلمہ پڑھنا پڑا۔

مولوی صاحب۔ نہیں یہ کیوں ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اور ہندو بھائیوں

نے ہم مسلمانوں کی دیکھا دیکھی تعزیہ رکھنا شروع کیا ہو اور بعد کو ان کی اولاد نے اسکو بزرگوں کی یادگار سمجھکر باقی رکھا ہو۔

پنڈت جی - بہت اچھا - پھر یہ فرمائیے کہ اُن بزرگوں نے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی تعزیہ رکھنا کیوں شروع کیا؟

مولوی صاحب - ایک جگہ رہنے سہنے - آپسمیں مل جلکر بسر کرنے اور ایک دوسرے کی تقریبوں میں شریک ہونے کی وجہ سے -

پنڈت جی - جناب مولانا! آپ تو منقول و معقول سب علوم کے جامع ہیں - تاریخ اور منطق سے بھی اچھی طرح واقف ہیں - وعظ اور مناظرہ کے سلسلہ میں مختلف شہروں میں دورہ بھی کرتے رہتے ہیں - ان وجہوں سے جو بات آپکی زبان سے نکلیگی وزن دار ہی ہوگی - ذرہ یہ تو ارشاد فرمائیں کہ "ایک جگہ رہنے سہنے - آپسمیں مل جلکر بسر کرنے اور ایک دوسرے کی تقریبوں میں شریک ہونے کی وجہ سے" ہندوؤں نے مسلمانوں کی صرف عبادت تعزیہ داری کیوں اختیار کی؟ دوسری عبادتیں - دوسری مذہبی رسمیں کیوں چھوڑ دیں؟

مولوی صاحب - آپ مسلمانوں کی اور عبادتوں اور مذہبی رسموں کا نام لیں تو میں بتاؤں کہ ہندوؤں نے کیوں اُنمیں شرکت نہیں کی -

پنڈت جی - یہ تو کوئی بتانے کی بات نہیں ہے - اچھا فرمائیے نماز میں ہندوؤں نے کیوں شرکت نہیں کی - روزہ کیوں نہیں رکھتے - عید بقرعید - شب براوت میں کیوں آپکا ساتھ نہیں دیتے -

مولوی صاحب - واہ آپ تو ہندو ہیں - پھر نماز کیوں پڑھتے - روزہ کیونکر رکھتے - عید بقرعید اور شب براوت کیونکر کرتے -

پنڈت جی - یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ چونکہ ہم لوگ ہندو ہیں اس وجہ سے

آپ کی کسی اور عبادت میں شریک نہیں ہوتے۔ کسی مذہبی تقریب میں ساتھ نہیں دیتے۔ مگر محرم کی عبادتوں میں کروڑوں ہندو مل جاتے ہیں۔ مجلسوں میں کس کثرت سے پڑھے لکھے ہندو شریک ہوتے ہیں بلکہ خود بھی کرتے ہیں تعزیہ کس کثرت سے ہندوؤں کے ہاں رکھے جاتے ہیں۔ امام باڑے اور کربلائیں کس کثرت سے ہندو راجاؤں نے بنوائی ہیں اور انکے سالانہ خرچ کیلئے جائداد ہیں نکال دی ہیں۔ نوحہ و ماتم میں کتنے ہندو آپ کے ساتھ رہتے ہیں۔ غرض آپ کی کسی عبادت۔ کسی تقریب اور کسی مذہبی رسم کو ہندوؤں نے اختیار نہیں کیا سوائے تعزیہ داری کے۔ جو ایک دو نہیں بلکہ لاکھوں بلکہ کروڑوں ہندوؤں کے ہاں زور شور اور بڑے اہتمام سے ہوتی ہے۔ تو صرف عزاداری میں شریک ہونے اور باقی کل عبادتوں۔ تقریبوں اور رسموں سے الگ رہنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟

مولوی صاحب۔ بنانے کے لئے تو بہت سی وجہیں بنائی جاسکتی ہیں مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ اس کا اصلی سبب سمجھ میں نہیں آتا۔

پنڈت جی۔ ایک بات یہ بھی خیال کرنے کی ہے کہ ہر کام تین ہی قسم کا ہوتا ہے۔ اسکے کرنے سے کرنے والے کو یا خوشی ہوگی یا رنج۔ یا نہ خوشی نہ رنج۔ چوتھی قسم تو نہیں ہوسکتی ہے؟

مولوی صاحب۔ جی ہاں تین ہی قسمیں ہوسکتی ہیں۔ چوتھی کیا ہوگی۔

پنڈت جی۔ یہ بھی آپ مانیں گے کہ انسان کی فطرت خوشی اور آرام پسند ہے۔ جس کام سے اس کو خوشی ہوگی اسکو پہلے کرنا چاہیگا اور جس میں نہ خوشی ہوگی اور نہ رنج اس کو دوسرے نمبر پر کریگا اور جس سے رنج ہوگا اس کو کرنا ہی نہیں چاہیگا اور مجبوراً کریگا بھی تو سب کے آخر میں۔

مولوی صاحب ۔ ہاں بالکل صحیح ہے ۔
پنڈت جی ۔ اب دیکھئے کہ آپ کے ہاں کتنے کام خوشی کے ہیں ۔ کتنے ایسے ہیں جنمیں نہ خوشی ہوتی ہے نہ رنج ۔ کتنے صرف رنج کے ہیں ۔
مولوی صاحب ۔ آپ تو ہمارے کل مذہبی امور سے واقف معلوم ہوتے ہیں ۔ آپ ہی بیان فرمائیں ۔
پنڈت جی ۔ میرے خیال میں عید ۔ بقرعید ۔ شب برارت ۔ میلاد شریف وغیرہ تو خوشی کے کام ہیں ۔ نماز نہ خوشی کی عبادت ہے نہ رنج کی ۔ اور عزاداری مسلم رنج وغم ہی کا کام ہے ۔
مولوی صاحب ۔ ہے تو ایسا ہی ۔ آپ نے اچھی تقسیم کی ہے ۔
پنڈت جی ۔ تو ہندوؤں کو چاہئے تھا کہ پہلے اور سب سے زیادہ آپ کے اُن کاموں میں شریک ہوتے جو خوشی کے ہیں کہ عید کرتے ۔ بکروں کی قربانی کرکے بقرعید مناتے ۔ شب براءت میں شریک ہوتے ۔ اُس کے بعد نماز پڑھتے اور تعزیہ داری سے بالکل الگ رہتے کیونکہ یہ تو رنج ہی رنج کا کام ہے ۔ کوئی انکو مجبور تو کرتا نہیں ۔ اس کے قریب بھی نہیں آتے ۔
مولوی صاحب ۔ (ہنسکر) واقعی آپ تو بالکل عقل کی تقریر کر رہے ہیں ۔
پنڈت جی ۔ پھر واقعہ کیا ہے ۔ آپ کسی ہندو کو دیکھتے ہیں کہ وہ عید کرتا ہے ؟ کوئی ہندو عید کے روز نہاتا دھوتا ۔ خط بنواتا ۔ کپڑے بدلتا ۔ عطر لگاتا ۔ دوستوں سے ملتا ۔ عمدہ کھانے پکواتا ۔ اعزہ واقربہ کی دعوۃ کرتا غرض کسی طرح کی بھی خوشی کرتا ہے ؟
مولوی صاحب ۔ نہیں مجھے تو نہیں معلوم ۔ بلکہ جہاں تک جانتا ہوں یہ ہے کہ آپ لوگ ایسا نہیں کرتے ۔

پنڈت جی۔ اچھا بقر عید کیوں نہیں کیجاتی۔ آپ جانتے ہیں کہ کتنے ہندو بکرا بکری کا گوشت کھاتے ہیں۔ اگر آپ کی دیکھا دیکھی ہندو بھی بقر عید کے روز بکرا ذبح کرکے گوشت کھاتے۔ کباب بنواتے اور لذیذ غذائیں پکوا کر خود کھاتے دوست احباب کو کھلاتے تو کسی طرح ان کے مذہب کے خلاف ہوتا؟ پھر کوئی ہندو ایسا کرتا ہے؟

مولوی صاحب۔ ہاں بقر عید بھی آپ کے ہاں نہیں ہوتی۔ بلکہ اسکی وجہ سے تو اکثر ہندو مسلمانوں میں جھگڑا ہی ہوتا رہتا ہے۔

پنڈت جی۔ اچھا شب برات کو لیجئے۔ اس میں حلوا روٹی کھانے کا موقع ملتا ہے۔ اسی میں ہندو شریک ہوتے آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ پوری حلوا مٹھائی کثرت سے کھاتے ہیں۔ اگر آپ لوگوں کی دیکھا دیکھی یہ بھی اُس روز خاص اہتمام سے نذر نیاز کے لئے حلوا روٹی پکواتے اور خود کھاتے دوستوں کو کھلاتے تو اِن کا کچھ بگڑتا نہیں۔ بلکہ انہیں کو لذت ملتی۔ مگر کیا ہندو یہ کرتے ہیں؟

مولوی صاحب۔ نہیں یہ تقریب بھی آپ کے ہاں نہیں ہوتی ہے۔

پنڈت جی۔ باقی رہا میلاد شریف۔ اس میں بھی خوشی کیجاتی ہے شیرینی تقسیم ہوتی ہے تو اس کو بھی کوئی ہندو کرتا ہے؟

مولوی صاحب۔ نہیں اس سے بھی آپ لوگ بالکل الگ ہیں۔

پنڈت جی۔ اب دوسرے نمبر کے کام کو لیجئے جس میں نہ خوشی ہوتی ہے نہ رنج۔ جیسے نماز۔ کیا کوئی ہندو نماز پڑھتا ہے۔ آج تک کسی ہندو کو یہ کام کرتے دیکھا گیا ہے؟

مولوی صاحب۔ نہیں یہ تو محال ہے۔ کوئی کہے بھی کہ ہندو نماز پڑھتے ہیں

تو جھوٹا سمجھا جائیگا۔

پنڈت جی ۔ پھر انصاف سے فرمائیں کہ تعزیہ رکھنا۔ تعزیہ اُٹھانا۔ مجلس کرنی نوحہ و ماتم کرنا۔ امام باڑہ۔ کربلا، بنوانا جو سب مال خرچ ہونے اور رونے دھونے۔ رنج و غم کرنے کے کام ہیں۔ ان کو ہندو کثرت سے کرتے ہیں؟

مولوی صاحب ۔ ان کا تو شمار بھی نہیں ہو سکتا۔ لاکھوں ہی ہونگے۔

پنڈت جی ۔ نہیں جناب۔ اگر کوئی باقاعدہ انتظام حساب کرنے کا ہوتا تو معلوم ہوتا کہ کروڑوں ہندو اس عبادت یا تقریب یا رسم کو انجام دیتے ہیں میرا ذاتی خیال تو ایسا ہی ہے۔

مولوی صاحب ۔ ہوسکتا ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہو کہ میں آپکی تخمین کو غلط بتاؤں

پنڈت جی ۔ نہیں میں فرض کر لیتا ہوں کہ لاکھوں ہندو ہی اسکو کرتے ہیں۔ جب بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی خوشی کے کل کاموں اور بے خوشی اور بے رنج کے کل کاموں کو چھوڑ کر صرف اس کام کو کیوں کرتے ہیں جو سراسر رنج و غم ہی کا ہے؟

مولوی صاحب ۔ اگر آپ مجھ سے دریافت کرتے ہیں تو میں اسکی کوئی وجہ نہیں بتا سکتا۔

پنڈت جی ۔ تو آپ یقین کریں کہ یہ صرف تعزیہ داری کے معجزوں کی وجہ سے ہے۔ کتنے لوگوں کو اسکی نذر کرنے سے اولادیں مل گئیں۔ کتنے لوگوں کی مشکلات اسکی منت ماننے سے دور ہو گئیں۔ کتنے لوگوں کی اس کام کے شروع کرنے کے بعد حیرت خیز ترقی ہو گئی۔ اسکی وجہ سے کس قدر لوگ سخت سے سخت مصیبتوں سے نکل گئے۔ اور کتنے لوگوں کی مختلف مرادیں پوری ہوئیں اور برابر ہی پوری ہوتی رہتی ہیں۔ جس شخص کو شک ہو وہ آزما کر دیکھ لے۔

مولوی صاحب ۔ خیر میں آپکی اس زحمت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور

اب اجازت چاہتا ہوں۔

پنڈت جی - آپ نے بڑا کرم فرمایا۔ آپکی ملاقات سے مجھے جو خوشی ہوئی بیان نہیں ہوسکتی ہے۔

مولوی صاحب - یہ آپکی ذرہ نوازی ہے۔ آداب عرض ہے۔

پنڈت جی - آداب عرض ہے۔

مولوی صاحب وہاں سے چلے تو خیال کیا کہ پرسوں ۱۲ محرم کو محلہ رانی منڈی میں تیجے کی مجلس ہوتی ہے۔ کسی میں شریک ہوں اور نذر کروں کہ اگر خدا مجھے اولاد دیگا تو میں بھی تعزیہ رکھونگا۔ یہ سوچتے ہوئے مکان پہونچے۔ بیوی سے پورا قصہ بیان کیا۔ انھوں نے بھی نذر کرنے کا وعدہ کیا۔ ۱۲ محرم کو دونوں میاں بیوی نے نذر کی اور پھر روزانہ نماز کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کا واسطہ دیکر خدا سے اولاد کی دعا کرنے لگے۔ خدا کے بھید وہی جانتا ہے دوسرے کو کیونکر علم ہوسکتا ہے۔ اس کے تیسرے ہی مہینہ مولوی صاحب کی بیوی حاملہ ہو گئیں۔ چوتھے مہینہ تو حکیموں نے یقین دلا دیا۔ پھر تو ان دونوں کی خوشی کا کیا پوچھنا ہی گویا دنیا بھر کی بادشاہت مل گئی۔ اور دونوں مردے سے زندہ ہو گئے۔ اسی وقت مولوی صاحب اور انکی بیوی نے ایک تعزیہ بنوا کر رکھا۔ اور محرم آنے سے پہلے ہی خدا نے مولوی صاحب کو بھی چاند ایسا بیٹا دے دیا۔ جس پر ان دونوں نے خدا کا شکریہ ادا کیا اور پنڈت جی کی ایک ایک بات کا یقین کر لیا۔ پھر دوسرے سال ایک بیٹی بھی مل گئی۔ اس طرح دونوں میاں بیوی کو اپنی اپنی نذر کا پھل مل گیا۔ مولوی صاحب نے بیٹے کا نام فضل حسین اور بیٹی کا حسینی بیگم رکھا اور اپنے گھر کو پھلا پھولا دیکھکر عیش و راحت سے بسر کرنے لگے۔

جب لڑکا پانچ سال کا ہوا تو مولوی صاحب نے اس کو اسکول میں داخل کر دیا۔

لڑکی اگرچہ ابھی چار ہی سال کی تھی مگر خدا نے اسکو بے مثل ذہن و حافظہ دیا تھا۔ اس نے بھی باپ سے پڑھنے کا شوق ظاہر کیا۔ مولوی صاحب نے خاص محبت سے پڑھانا شروع کیا۔ اس نے اس بلا کی طبیعت پائی تھی کہ ابھی پوری چھ برس کی بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ قرآن مجید اور اردو کی دوسری تیسری کتابیں ختم کر ڈالیں۔ پھر فارسی کا شوق کیا دو برس میں اسکی بھی اچھی قابلیت پیدا ہوگئی۔

اسکے بعد عربی پڑھنے کی خواہش کی۔ باپ نے بہت سمجھایا کہ اسکی تم کو ضرورت نہیں۔ اور یہ مشکل علم بھی ہے مگر وہ مانی نہیں۔ تب تو مولوی صاحب بھی مستعد ہو گئے اور حسینی بیگم نے عربی پڑھنی شروع کردی۔ کتاب الصرف۔ کتاب النحو۔ عربی بول چال حصہ اول و دوم پڑھکر سلم الادب پڑھنے لگی۔ اسکے بعد علم الصیغہ۔ کافیہ اور نفحۃ الیمن کا درس لینے لگی۔ غرض چودہ سال ختم کرنے کے پہلے ہی وہ اچھی خاصی مولوی ہوگئی۔ اب مولوی صاحب نے اسے پڑھانا چھوڑ دیا مگر وہ کتاب کا کیڑا تھی۔ گھر کے ضروری کام کے بعد کتاب لیکر بیٹھ جاتی۔ بیکار تو وہ کبھی رہتی ہی نہیں۔ فرصت کے وقت بس کتاب ہوتی اور وہ۔ بلکہ رات کو بھی بارہ بجے تک کتاب دیکھتی رہ جاتی۔ مولوی صاحب کے پاس جو سیکڑوں کتابیں تھیں اُن سب کو دیکھنے کے علاوہ سیکڑوں روپیہ کی عربی فارسی کتابیں اس نے باپ سے فرمایش کرکے خریدیں اور سب کو دیکھ ڈالا۔ اس طرح سولہ برس کے سن میں حسینی بیگم بہت بڑی عالم ہوگئی اور مولوی صاحب سے گھنٹوں علمی مسئلوں میں مہذب بحث کیا کرتی۔ اسکے علم و فضل کا شہر بھر میں ڈنکا بج رہا تھا۔ مولوی صاحب کے دوست حکیم عبدالوہاب صاحب کے صاحبزادے مولوی عبدالغفار صاحب بھی مدرسہ الہ آباد۔ مدرسہ کانپور۔ مدرسہ رامپور۔ مدرسہ دیوبند میں اپنی علمی قابلیت اور فضیلت کا سکہ بٹھا چکے تھے۔ ہر امتحان میں اول۔ ہر درجہ میں سب سے ممتاز۔ غرض بڑے بڑے مدرسوں میں انکے علمی استعداد کی دھوم ہوگئی تھی۔ جب مدرسہ دیوبند

سے بھی انکی دستار بندی ہوچکی اور اب کوئی درجہ باقی نہیں رہا تو باپ کے پاس الہ آباد
میں آکر عربی کتابوں کا ترجمہ کرکے اور اس کو چھپوا کر تجارت کا کام شروع کردیا جس سے
سیکڑوں روپیہ ماہوار کی آمدنی ہونے لگی۔ اب حکیم صاحب کو انکی شادی کی فکر
ہوئی۔ اونچی اونچی جگہوں سے نسبت آنے لگی۔ ادھر مولوی عبدالحمید صاحب کی بیٹی
حسینی بیگم کی بات بھی بڑے بڑے گھروں سے آتی تھی۔ مگر حکیم صاحب اور مولوی صاحب
کی دوستی کا اثر یوں ظاہر ہوا کہ مولوی عبدالغفار کی شادی حسینی بیگم کے ساتھ کردیگئی
جس میں شہر کے کل اہل علم جمع ہوئے اور سب نے مولوی عبدالغفار کی خوش قسمتی پر رشک
کیا کہ حسینی بیگم ایسی فرشتہ خصال اور حور صفت بیوی انکو ملی جسکی عقل و فہم اور علم و
فضل کا دور دور شہرہ ہوگیا ہے۔ مولوی عبدالغفار اور حسینی بیگم کو بھی بہت خوشی
تھی اور ایک دوسرے کو اپنے لئے نہایت درجہ پسند کیا بلکہ طرفین سے ہر شخص اپنے
کو دوسرے سے زیادہ خوش قسمت سمجھتا تھا۔ غرض دونوں میاں بیوی نہایت لطف
و مسرت کی زندگی بسر کرنے لگے اور ہر شخص دوسرے پر فریفتہ تھا۔

پہلا باب

حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا

ایک روز مولوی عبدالغفار مکان میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ انکی بیوی نہایت زرق
برق کپڑے پہنے اور عطر میں بسی ہوئی بیٹھی ہیں اور باورچی خانہ میں بھی عمدہ
کھانوں کا سامان ہے جسکی خوشبو سے دماغ معطر ہوگیا۔ تھوڑی دیر میں
دسترخوان چنا گیا تو واقعاً نہایت لذیذ غذائیں ملیں مولوی صاحب گھبرائے
کہ یہ قصہ کیا ہے۔ آج اس گھر میں عید کا سامان کیوں کیا گیا جب کھانے سے
فارغ ہوکر کمرے میں آرام کرنے گئے اور تھوڑی دیر میں حسینی بیگم بھی وہاں پہنچیں

تو اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی عبدالغفار صاحب۔ یہ آج کیا ہے کہ تم نے اس قدر زینت کی ہے اچھے اچھے کپڑے پہنے ہیں۔ لذیذ غذائیں پکوائی ہیں اور خوشی کا اس قدر سامان کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے آج عید ہے۔

حسینی بیگم۔ واقعاً آج عید ہے۔ تم کو خبر نہیں کہ آج تیسری شعبان ہے۔ آج حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر عید ہی تھی۔ کیونکہ آپ کے چھوٹے نواسے حضرت حسین علیہ السلام آج ہی پیدا ہوئے تھے۔

مولوی صاحب۔ ہاں سچ ہے۔ مگر تم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو "علیہ السلام" کیوں کہتی ہو۔ یہ تو خاص پیغمبروں کے لئے بولا جاتا ہے۔ سوائے انبیاء ومرسلین کے اور کسی کے نام کے ساتھ علیہ السلام نہیں کہنا چاہئے۔ اُن حضرت کو رضی اللہ عنہ بولنا چاہئے۔ جس طرح صحابہ کو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اسیطرح ان لوگوں کو بھی کہا کرو۔

حسینی بیگم۔ اگر تم شوہر کی حیثیت سے حکم دیتے ہو تو خیر۔ لیکن اگر قاعدے سے پوچھتے ہو تو میں نے صحیح کہا ہے حضرت امام حسین کو علیہ السلام بھی کہہ سکتے ہیں اور بڑے بڑے علماء لکھتے رہے ہیں۔

مولوی صاحب۔ قاعدہ تو پیچھے بتانا کیونکہ تم بڑی منطقی ہو۔ ہر بات میں کوئی نہ کوئی نکتہ نکال ہی لیتی ہو۔ اور کسی نہ کسی دلیل سے اپنا دعویٰ سچ ہی کر دکھاتی ہو۔ مگر یہ بتاؤ کہ وہ بڑے بڑے علماء کون ہیں جنھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کبھی بھی علیہ السلام کہا یا لکھا ہو۔ ہرگز کسی عالم نے یہ بدعت نہیں کی ہوگی۔

حسینی بیگم۔ یوں میں نہیں بتانے کی۔ کچھ انعام کا وعدہ کرو تو میں ابھی بتاتی ہوں اور تمہاری ساری مولویت کو شرما دیتی ہوں۔

مولوی صاحب۔ اللہ اکبر اتنے بڑے دعوے۔ اچھا میں تم کو سو روپیہ کے

نیئے زیور بنوا دوں گا۔ معاذ اللہ ایسی بدعت کوئی مسلمان عالم کر سکتا ہے؟

حسینی بیگم - جی نہیں۔ زیور لیکر کیا کرونگی۔ زیور میں زیادہ روپیہ لگانا پاگلوں کا کام ہے۔ جس کی قیمت دس سال کے بعد بیس فیصدی تو ضرور ہی کم ہو جاتی ہے اور جسکی حفاظت میں انسان کو کس قدر زحمت ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر وقت چوری کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ میں زیور سے باز آئی۔ مجھے آپ سو روپیہ کی نئی کتابیں منگا دینے کا وعدہ کریں تو میں بتاؤں کہ یہ بدعت ہے یا سنت!

مولوی صاحب - ہاں میں منگا دوں گا۔ تم بتاؤ۔

حسینی بیگم - میں کیا بتاؤں سیکڑوں کتابوں میں ہے۔ چند کتابوں کا نام لیتی ہوں بلکہ انکی عبارتیں بھی سنا دیتی ہوں۔ شمس العلما جناب مولوی شبلی صاحب نعمانی کو تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں وہ قسطنطنیہ میں محرم کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یہاں کا محرم بھی ایک قابل ذکر چیز ہے ... محرم کے زمانہ میں دھوم دھام کی مجلسیں اور نوحہ و بکا کا ہنگامہ زیادہ تر یہیں ہوتا ہے۔ مجلسوں میں یہاں سوز اور تحت لفظ کا دستور نہیں صرف حدیث خوانی ہوتی ہے اور درحقیقت مجلس عزا کا مقصود بھی یہی ہے۔ عام طریقہ یہاں کا یہ ہے کہ اول منبر کے قریب ایک شخص کھڑے ہو کر جناب امیرؑ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب کے اشعار پڑھتا ہے"۔ (سفرنامہ روم و مصر و شام صفحہ ۱۰۳)۔ مصر کے متعلق لکھتے ہیں "مزارات اور مشاہد بھی کثرت سے ہیں اور ان کے مصارف کے لئے بہت سے اوقاف ہیں حضرت زینبؑ (امام حسین علیہ السلام کی بہن) حضرت ام کلثومؑ۔ امام شافعیؒ۔ امام لیثؒ کے مقبرے بڑی شان و شوکت کے ہیں" (سفرنامہ مذکور صفحہ ۲۰۰) موصوف دوسری کتاب میں لکھتے ہیں "حضرت علی علیہ السلام کے عہد میں امیر معویہؓ نے ہمسری کا دعویٰ کیا ... امام حسن علیہ السلام نے گو مصلحۃً خلافت سے ہاتھ اٹھالیا ... حضرت حسین علیہ السلام

کے جانگاہ واقعہ کو ہم دہرانا نہیں چاہتے" (المامون صہ ۱۳) اور بڑے جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن عباس کے بارے میں لکھتے ہیں "عبد اللہ بن عباس نے حسین علیہ السلام کی رکاب تھامی تھی" (المامون صہ ۲۰۵) یہی مولوی صاحب ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں "اسی سال (۴ھ ہجری) شعبان میں امام حسین علیہ السلام کی ولادت ہوئی" (سیرۃ النبی جلد اول صہ ۲۸۷) اور ۹ھ ہجری کے واقعات میں لکھتے ہیں "جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا اور امام حسن و حسین علیہما السلام کو لیکر مباہلہ کے لئے نکلے" (سیرۃ النبی جلد ۲ صہ ۳۹) ایک اور جگہ لکھا ہے "حضرت زینبؑ ۔ امام حسن امام حسین علیہ السلام اور ام کلثوم اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں مشہور ہیں" (سیرۃ النبی جلد ۲ صہ ۳۴۲) اور کچھ زمانہ قبل ایک مشہور عالم جناب مولوی احتشام الدین صاحب مراد آبادی گزرے ہیں جنھوں نے شیعوں کی مخالفت میں ایک بڑی کتاب نصیحۃ الشیعہ لکھی تھی وہ لکھتے ہیں "جناب امام حسین علیہ السلام کی ذات مبارک میں" (نصیحۃ الشیعہ جلد ۱ صہ ۴۴) "آخر کو حسین علیہ السلام امت رسول کے ہاتھ سے قتل ہونگے" (صہ ۱۴) "شہادت حسین علیہ السلام کے واقعات میں سب سے پہلا امر جو باسباب ظاہر باعث اس حادثہ کا ہوا یہ تھا کہ جناب امام علیہ السلام نے بیعت یزید کی گوارا نہ کی" (صہ ۱۴۹) اسی طرح سیکڑوں جگہ اس کتاب میں بھی حضرت کو علیہ السلام لکھا ہے ۔ جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری بھی اپنے اخبار اہلحدیث امرتسر میں برابر امام حسین علیہ السلام لکھتے ہیں ۔ اور حضرات اہلحدیث کے پیشوائے اعظم جناب مولوی وحید الزمان خانصاحب حیدر آبادی لکھتے ہیں "امام حسن اور امام حسین علیہما السلام بھی وہیں تھے" (انوار اللغۃ پارہ ۶ صہ ۷۶) "وہ شخص ملعون ہے ملعون ہے جو کسی گھاٹ کا پانی روکے یعنی جہاں لوگ پانی پیتے ہوں اونکو نہ پینے دے ۔ ایسی حالت میں جن لوگوں نے امام حسین علیہ السلام اور آپ کے ساتھی

اور عیال و اطفال خورد سال کو فرات کے پانی سے روکا اون کے ملعون ہونے
مین بموجب نص حدیث کیا شک ہی" (انوار اللغۃ پارہ ۱۳ صـ۳۶) "برخلاف معویہ
کے وہ تو مرتے دم تک اہلبیت علیہم السلام کے دشمن اور مخالف رہے اور حضرت علی ع
کو گالیاں دینے کے لئے تمام خطیبوں کو حکم دیا اور اپنی آخری عمر میں مکر و فریب اور
پولٹکل چالوں سے یزید کے سے نالائق فرزند کو خلیفہ بنایا حالانکہ امام حسین علیہ السلام
کے موجود ہوتے ہوئے یزید اون کے پاخانہ کا لوٹا اوٹھانے کے بھی لائق نہ تھا"
(انوار اللغۃ پارہ ۱۴ صـ۱) اور جناب جامع معقول و منقول ابو الاحسان مولوی عبد الحق
صاحب سہارنپوری نے لکھا ہے "سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام" (التصدیق
شہادت مطبوعہ میرٹھ سنہ ۱۳۲۳ ہجری صـ۳) "امام حسین علیہ السلام" (التصدیق شہادت
صـ۶ و ۱۲ و ۱۳ و ۲۶ و ۳۲ و ۳۶ و ۴۵ و ۶۳ و ۷۱) اور جناب شیخ المشائخ تاج العلماء
مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب ساکن پھلواری ضلع پٹنہ جو زمانہ حال کے بہت بڑے
امام اہلسنت ہیں تحریر فرماتے ہیں "سید الشہدا جناب امام حسین علیہ السلام" (رسالہ
غم حسین مطبوعہ لکھنؤ صـ۳ و ۴ و ۱۳ و ۱۵ و ۲۱ و ۴۵ و ۵۲ و ۵۵ و ۵۷ و ۶۷ و ۷۱ و ۷۲
و ۷۶ تا آخر کتاب) مولانا ممدوح اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں "حضرت سید الشہدا
امام ہمام جناب سیدنا و مولانا امام حسین علی جدہ و علیہ الصلوٰۃ والسلام" (رسالہ شہادت
حسین ٹیٹل و صـ۱ و ۳ تا آخر کتاب)

کہو! میں یوہیں بکتی چلی جاؤں اور تم چپ چاپ سنتے جاؤ گے یا کچھ منہ سے بولو گے بھی؟

مولوی صاحب - میں تمہاری وسعت نظر پر حیران ہو رہا ہوں کہ مولوی صاحب
تو میں کہا جاؤں - مدرسوں کی خاک میں چھانوں - مذہبی علوم حاصل کرنے کی
محنت میں کروں - مگر معلومات تم کو اس قدر ہوں کہ دریا معلوم ہوتی ہو - مگر ایک
بات کہوں - یہ سب تو اردو کتابوں کا استعمال ہے - فارسی اور عربی کتابوں میں

تم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ علیہ السلام کا استعمال نہیں دکھا سکتی ہو۔
حسینی بیگم ۔بہت اچھا سنئے ۔جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کو تو خوب جانتے
ہو جو دہلی کے بہت بڑے عالم اور پیشوا اہلسنت تھے اور جنھوں نے شیعوں کے خلاف
مشہور کتاب تحفہ اثنا عشری لکھی تھی ۔ ان مولوی صاحب کے شاگرد رشید جناب مولوی شاہ
سلامت اللہ صاحب لکھتے ہیں "حضرت امام حسن و امام حسین علیہما السلام"۔
(تحریر الشہادتین صہ۱۶ و ۲۹) حسنین علیہما السلام (صہ۲۱ و ۲۵ و ۲۶) جناب امام حسین
علیہ السلام (صہ۳۴ و ۴۱ و ۴۵ و ۴۶ و ۴۸) غرض پوری کتاب میں سیکڑوں جگہ ہے
اور جناب علامہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:" در موضع قبور امام
حسن و زین العابدین و محمد باقر و جعفر صادق سلام اللہ علیہم اجمعین سنگے یافتند بروے
نوشتہ ہذا قبر فاطمہ بنت رسول اللہ سیدۃ نساء العالمین و قبر الحسن بن علی بن الحسین
بن علی و جعفر بن محمد علیہم التحیۃ والسلام یعنی امام حسن و زین العابدین و محمد باقر و
جعفر صادق علیہم السلام کی قبروں کی جگہ ایک پتھر پایا گیا جس پر لکھا تھا کہ یہ قبر ہے جناب
فاطمہ دختر رسول اللہ و سید نساء العالمین کی اور قبر ہے حضرت حسن بن علی و علی بن
حسین و جعفر بن محمد علیہم التحیۃ والسلام کی" (مدارج النبوۃ جلد ۲ صہ۵۴۵) اور جناب
مولوی صدرالدین صاحب بوہاری نے بھی لکھا ہے حسین بن علی علیہما السلام شنید
یعنی حضرت حسین بن علی علیہما السلام نے سُنا (روائح المصطفےٰ صہ۵۹) اور جناب مولوی
محمد مبین صاحب فرنگی محلی نے بھی اپنی کتابوں میں ہزاروں جگہ حضرت کو علیہ السلام
لکھا ہے (کتاب وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنؤ) اور جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی
نے بھی اپنی کتابوں میں کئی جگہ لکھا ہے جیسے "حضرت امام حسین علیہ السلام بنابر دعوی
خلافت راشدہ" (فتاوے عزیزی جلد ۱ صہ۲۱) مکتوب در حال ہمراہیان حضرت
امام حسین علیہ السلام یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں کے حالات میں یہ

مجالسِ خاتون

ہندوستان میں خدا کے فضل سے زنانی مجالس کا سلسلہ بھی برابر بڑھتا جاتا ہے مگر اردو زبان میں حدیث پڑھنے کی کوئی کتاب ایسی نہیں ملتی تھی جو خاص عورتوں کیلئے لکھی گئی ہو اور جس میں اُنکے عقائد کا حق ہونا اُنکے مذہب کا صحیح ہونا اور اونکے مذہب کا سب سے اچھا ہونا بھی بتایا گیا ہو۔ الحمد للہ کہ مجالس خاتون نے اس شدید ضرورت کو اس خوبی سے انجام دیا کہ اس کتاب کی دھوم ہو گئی۔ اسکی پہلی جلد میں ۳۱ مجلسیں ۲۱۴ صفحہ میں اصول دین سمجھانے کے لئے بہت کوشش اور بڑی محنت سے لکھی گئی ہیں۔ ان سے ۵ مجلسوں میں توحید۔ ۵ میں عدل ۵ میں نبوت ۱۰ میں امامت اور ۵ میں قیامت کی محققانہ دلیلیں قرآن مجید۔ احادیث و تواریخ اہلسنت اور عقل سے ایسی صاف اور دلچسپ عبارت میں جمع کی گئی ہیں جن سے چھوٹی بچیوں کو بھی اپنے مذہب کی حقیقت تفصیل سے معلوم ہو جاتی ہے۔ محرم سنہ ۵۰ھ میں ہندوستان کے سیکڑوں شہروں اور دیہاتوں میں اسکی مجلسیں پڑھی گئیں اور برابر اسکی تعریف میں خطوط چلے آتے ہیں۔ مثلاً جناب منشی غلام علی خان صاحب اوورسیر پنشنر نے انڈو ضلع لدھیانہ سے لکھا "مجالس خاتون دلچسپ مجلسیں۔ عورتوں کے لئے بےنظیر ہے۔ الحمد للہ کہ آپکی تحقیقات کا رتبہ اعلیٰ اور مستحکم ہے" جناب مرزا اصغر حسین صاحب نے محلہ کٹرا حاجی حسن آگرہ سے لکھا "مجالس خاتون ایک عجیب نایاب چیز ہے" جناب سید غلام پنجتن صاحب نے کراچی سے لکھا "مجالس خاتون بہت مفید ثابت ہوئیں۔ ہر شیعہ خاتون نے پڑھکر اور سنکر آپکا شکریہ ادا کیا"۔ جناب سید نذر حسین صاحب ساکن زیارت ضلع اٹک نے لکھا "میں عرض کردوں کہ اس سال محرم میں اصلاح سے کتنی فیضیابی مجالس خاتون سے ہوئی" جناب کریم بخش صاحب واصف نے چھینہ ضلع میانوالی سے لکھا "خدا کی قسم اصلاح کے پڑھنے سے مجھے وہ لطف آیا کہ بیان نہیں کر سکتا۔ مجھے بہت کچھ امداد ملگئی۔ خاصکر مجالس خاتون تو بےحد مفید کتاب ہے"۔ اور جناب فاضل جلیل مولوی سید حفاظت حسین صاحب مولوی فاضل نے لکھا "مجالس خاتون نے عام فہم تبلیغ و تشیید ملت بیضا کا عجیب ذخیرہ جمع کردیا۔ جزاکم اللہ احسن الجزا"۔ قیمت فی جلد تین روپیہ

منیجر اصلاح کھجوا ضلع سارن

علیہ السلام کا استعمال نہیں دکھا سکتے ہیں

انجمن باب العلم کجھوا (صوبہ بہار) کی بیش قیمت کتابیں

عوائد نظریہ: صلح حضرت امام حسنؑ کے اسباب و مصالح اور مسئلہ تقیہ کی خوبیوں کے متعلق نادر تحقیقات کا ذخیرہ مصنفہ جناب مولانا سید نظر حسین صاحب قبلہ قیمت فی جلد ۹ر

رسالہ جلباب (پردہ) کی عقلی ضرورتوں، فطری مجبوریوں اور شرعی دلیلوں کے متعلق بہترین مباحث اور اعلیٰ معلومات و تحقیقات کی قابل قدر کتاب ہے مصنفہ جناب خان بہادر سید محمد خلیل صاحب ایم۔ اے پنشنر قیمت ۸ر

رسالہ وراثت انبیاء اور قرآن معروف بہ خلافۃ رسولؐ: عقلی دلیلوں اور قرآن مجید کی آیات اور انبیاء سلف کی سیرتوں سے ثابت کیا ہے کہ حضرت رسول خداؐ کی میراث جاری ہوئی اور حضرات ائمہ طاہرینؑ آپکے حقیقی وارث اور منصوص من اللہ و الرسولؐ خلفاء تھے۔ اور مذہب شیعہ ہی حق ہے مصنفہ جناب حاجی سید اظہار حسین صاحب بی۔ اے مجسٹریٹ پنشنر قیمت ۴ر

دی قرآن اینڈ دی سکسیسرز آف محمدؐ: یعنی جناب حاجی صاحب ممدوح نے اپنے مذکورہ بالا رسالہ کا ترجمہ نہایت خوبی سے انگریزی میں کر کے چھپوایا ہے۔ قیمت ۴ر

حالات جناب امیرؑ: فضائل و تاریخی حالات جناب امیر المومنینؑ میں ایک دلچسپ رسالہ جسکے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ قیمت فی جلد ۸ر

حدیث قرطاس: مرزا حیرت دہلوی اور مولوی شبلی صاحب نعمانی کے اعتراضات و شکوک و تاویلات کا محققانہ جواب قیمت ۴ر

حدیقہ خضرا: حالات حضرت حجتؑ میں ایک دلچسپ مثنوی۔ قیمت ۸ر

رسالہ جعفریہ: مسئلہ خلافت پر ایک دلچسپ رسالہ مصنفہ خان بہادر مسٹر محمد جعفر صاحب بی۔ اے بیرسٹرایٹ لا قیمت ۴ر

شیعوں کا اردو قاعدہ: بچوں کے لئے بہت مفید۔ قیمت ۱ر

المشتہر:۔ ناظم انجمن باب العلم کجھوا (صوبہ بہار)

(سید محمد جعفر نے مطبع اصلاح کجھوا میں چھپا کر شائع کیا)

علمی و دینی ماہوار رسالہ
اصلاح
۱۳۵۱
ربیع الاول
اغراض و مقاصد
۵۰۰ صفحہ میں ایک جامع کتاب تصویر عزا کا شائع کرنا جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی عزاداری (ذکر مصائب ۔ ماتم ۔ نوحہ و بکا ۔ مجالس ۔ تعزیہ ۔ دُلدل ۔ علم ۔ تابوت ۔ دوسری شبیہیں ۔ فاقہ عاشورا) حضرتؑ کی شہادت اور یزید کی حمایت وغیرہ کے متعلق مخالفین کے بکثرت اعتراضات اور اُن سب کے بہت تشفی بخش ۔ مفصل اور محققانہ جوابات غیر مقلد شوہر اور حنفی بیوی سے دلچسپ مباحثہ کی صورت میں درج کئے گئے ہیں ۔ تاکہ کل مسلمانوں کو عزاداری کے متعلق ہر بات کا تفصیلی علم ہو جائے ۔ اور اس کی خوبی ذہن نشین ہو ۔
قواعد و ضوابط
(۱) یہ رسالہ اس سال ۱۳۵۱ھ میں محرم سے جمادی الاخریٰ تک ۳۲ صفحہ ۔ رجب سے ذی القعدہ تک ۴۸ صفحہ ماہوار اور ذی الحجہ میں ۴۸ صفحہ شائع کیا جائیگا (۲) اس کا سالانہ چندہ مع محصولڈاک صرف عہ دو روپیہ ہے (۳) جو صاحب اس کے دس خریدار عنایت کرینگے اونکو ایک جلد کتاب تصویر عزا بلا قیمت حاضر کیجائیگی (۴) جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ آنا ضروری ہے (۵) اجرت اشتہار خط و کتابت سے طے کیجئے (چونکہ اس رسالہ کی اشاعت انشاء اللہ بہت زیادہ ہوگی ۔ اس میں اشتہار دینے سے تاجروں کو بہت نفع ہوگا)
(مقام اشاعت)
دفتر اصلاح کھجوا (سیوان)
سالانہ چندہ
عہ
دو روپیہ

باسمہ سبحانہ

الشمس

نمبر ۲ و ۳ | ماہ صفر و ربیع الاول ۱۳۵۱ھ | جلد ۱۶

الحمد للہ کہ محض اسی کے فضل و کرم سے الشمس کا نمبر ۲ و ۳ بھی شایع ہو گیا۔ جس کے ہمراہ کتاب تصویر عزا ۹۶ صفحہ تک چھپ گئی خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے احسان عظیم سے یہ کتاب بہت پسند کیجاتی ہے اور اسے جلد از جلد مکمل شایع کر دینے کی خواہش بھی ظاہر ہو رہی ہے۔ ہمارا کام صرف مضمون لکھ دینا ہے مگر کتاب جسپر چھپیگی کاغذ پر جو یہاں ملتا نہیں لکھنؤ سے منگایا جاتا ہے اور سرمایہ نہ ہونیکی وجہ سے یہ حالت ہے کہ ایک نمبر چھپتا ہے تو دوسرے نمبر کے لئے کاغذ کی فرمایش جاتی ہے۔ اس سے یہ کتاب جلد جلد کیونکر شایع ہو سکتی ہے؟ ہاں ایک ہزار روپیہ کا کاغذ اگر ایک ہی دفعہ اور جلد آجائے تو امید ہے کہ اسی سال ذی الحجہ تک ۵۰۰ صفحہ کی یہ کتاب پوری شایع ہو جائے۔ اگر آپ حضرات کوشش کریں تو ایک ماہ کے اندر ایک ہزار روپیہ کے کاغذ کا سامان دشوار نہیں ہے۔

اگر آپ حضرات ایک مہینہ کے اندر اصلاح و الشمس دونوں کے صرف دو دو جدید خریدار مہیا فرمائیں اور دونوں خریداروں سے پانچ پانچ روپیہ دونوں رسالہ کے چندہ ۱۳۵۱ہجری کے نقد لیکر دس دس روپیہ بذریعہ منی آرڈر ہمارے پاس روانہ کر دیں تو آسانی سے اس مقدار کا کاغذ یہاں پہونچ جائے اور اطمینان سے جلد جلد یہ کتاب چھپکر آپ تک پہونچتی رہے۔

اگر دونوں رسالوں کے خریدار نہ ملیں تو صرف تصویر عزا کے پانچ پانچ جدید خریدار مہیا فرمائیں اور ان سب سے چندہ وصول فرما کر بذریعہ منی آرڈر دس دس روپیہ ہمارے پاس بھیجے جائیں مستعد ہو جانے سے ہر کام آسان ہو جاتا ہے۔ شدید ضرورت ہے کہ صاحب استطاعت حضرات اپنے پاس سے یہ کتاب اُن حضرات کے نام بھی جاری کرا دیں جو قیمت نہیں ادا کر سکتے تاکہ اسکے مضامین سے مستطیع اور غیر مستطیع سب نفع اٹھائیں۔

تحریر ہے۔ (فتاوائے عزیزی جلد اصفحہ ۹۶)۔ بیان جواز علیہ السلام گفتن بر علی مرتضیٰ وسیدۃ النساء وحسنین رضی اللہ عنہم۔ یعنی اس بات کے بیان میں کہ جناب علی مرتضیٰ وسیدۃ النساء و امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہم کو "علیہ السلام" کہنا جائز ہے (فتاوی عزیزی جلد اصفحہ ۲۳۴) جناب شاہ صاحب موصوف نے اپنی مشہور کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں بھی ان حضرات کو بہت سی جگہوں میں علیہ السلام اور علیہم السلام لکھا ہے۔ کہو اب بھی تم مانے۔ یا میں اور ثبوت پیش کروں۔

مولوی صاحب۔ واقعاً بڑی حیرت کی بات ہے۔ کیسے اتنے بڑے علماء ومحدثین نے ان لوگوں کے ساتھ "علیہ السلام" لکھدیا جو پیغمبروں کے سواء کسی کے لئے بولنا ہی نہیں چاہئے۔

حسینی بیگم۔ کہو تو میں ایک اور بات ایسی کہوں کہ تم اپنا سر پکڑ کر روتے رہو۔

مولوی صاحب۔ میرا دشمن روئے۔ میں کیوں رونے لگا۔

حسینی بیگم۔ ہاں ہاں میں بھی یہی کہتی ہوں کہ خدا نہ کرے تم روؤ بلکہ تمہارا دشمن ہی روئے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ میں وہ بات بتاؤں جس سے وہ لوگ روئیں اور اپنا منہ آپ نوچیں جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ "علیہ السلام" کہنا پسند نہیں کرتے یعنی غیر مقلد حضرات۔ اہلحدیث حضرات۔ جن سے ہونے کا تم کو بڑا دعویٰ ہے۔

مولوی صاحب۔ بے شک میں غیر مقلد ہوں۔ میں اہلحدیث ہوں۔ مگر تم کون بات بتاؤگی جس سے ہم لوگ روئیں گے۔

حسینی بیگم۔ تم جناب نواب مولوی صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی کو تو جانتے ہوگے۔

مولوی صاحب۔ ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔ وہ ہماری جماعۃ اہل حدیث کے بہت بڑے عالم اور نہایت زبردست پیشوا تھے۔ ان کے برابر تو اس زمانہ میں کوئی عالم ہوا ہی نہیں۔ اس کثرت سے کتابیں انھوں نے لکھیں کہ ہندوستان

کا کیا ذکر ہے۔عرب۔شام۔مصر تمام پھیل گئیں۔کون اہلحدیث عالم یا طالبعلم ہے جو اُن کو نہیں جانتا۔ ان کے احسانوں سے دنیا کے اہلحدیث اپنا سر نہیں اٹھا سکتے۔ انھوں نے مذہب اہلحدیث کو بہت پھیلایا۔خوب مضبوط کیا بلکہ اس مذہب میں جان ڈال دی۔

حسینی بیگم۔اگر ان مولوی صاحب نے بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کو "علیہ السلام" لکھا ہو تب کیا کہو گے۔

یہ سُننا تھا کہ مولوی صاحب بڑے غصہ میں اپنے پلنگ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور خوب زوروں میں ادھر سے اُدھر ٹہلنے لگے اور منہ سے کہنے لگے "کہ ہرگز نہیں۔کبھی نہیں۔یہ ممکن ہی نہیں ہے۔قرآن مجید کی قسم انھوں نے کبھی نہیں لکھا ہے۔خدا کی قسم یہ غلط ہے۔ان کی بہت سی کتابیں میں دیکھ چکا ہوں۔ ایک میں بھی انھوں نے نہیں لکھا۔تم محض جھوٹ کہتی ہو۔سراسر اتہام اور بہتان ہے۔وہ بہت بڑے درجہ کے محدث بلکہ امام تھے۔انکو تم نے سمجھا کیا ہے وہ کیا ایسے ویسے تھے"؟ مولوی صاحب یہ کہتے جاتے اور غصہ میں اُچھلتے جاتے تھے۔اور ہاتھ پھیک پھیک کر کہتے تھے کہ ہرگز نہیں۔

حسینی بیگم۔اے ہے۔تو تم اتنے بدحواس کیوں ہوئے جاتے ہو۔کیا تم کو کسی چونٹی کاٹ دی۔یا پلنگ پر کانٹے چبھنے لگے؟ ابھی تو مزے سے باتیں کرتے تھے۔دفعتہً نصیب دشمناں یہ تم کو ہو کیا گیا۔ذرہ اپنے ہوش کی خبر لو۔ مزاج درست کرو۔آدمی بنو۔نہیں لکھا ہے تو نہ سہی۔

مولوی صاحب۔نہیں میں کبھی نہیں مانوں گا۔تم نے اتنی بڑی بات کہہ دی۔ مجھ سے کیسے برداشت ہو۔معاذ اللہ نواب مولانا صدیق حسن خاں صاحب ایسی بدعتہ کر سکتے ہیں؟ ان کا کوئی ادنی شاگرد تو ایسی غلطی کر نہیں سکتا۔پھر وہ کیسے لکھ دیتے؟ ناممکن! ناممکن!! محال!!! محال!!! میں کسی طرح نہیں مان سکتا۔اتنے بڑے پیشوا یہ غلطی کر ہی نہیں سکتے۔

حسینی بیگم ۔ اچھا اب بیٹھو بھی ۔ یا ناچتے ہی رہو گے ۔ لو آج مجھے معلوم ہوا کہ تمکو ناچنا بھی خوب آتا ہے ۔ صدقے گئی ۔ ذرہ بتاؤ تو یہ کہاں سیکھا ہے ؟

مولوی صاحب اس جملہ سے شرما گئے ۔ دیکھا تو واقعاً انکی حالت ناچنے کی سی ہوگئی تھی ۔ نرم ہو کر پلنگ پر بیٹھ گئے ۔ حسینی بیگم اٹھیں اور پان کی خوب عمدہ ایک گلوری بنا کر ان کو کھلائی ۔ جب ان کا غصہ مٹا تو آہستہ سے انھیں الماری سے ایک کتاب نکال کر لائیں اور مولوی صاحب کو دیکر کہا ۔

حسینی بیگم ۔ ذرہ دیکھو تو یہ کون سی کتاب ہے ۔

مولوی صاحب ۔ یہ تو صاف لکھا ہے حجج الکرامہ فی آثار الکرامہ

حسینی بیگم ۔ ہاں ۔ اور یہ کس کی تصنیف سے ہے ؟

مولوی صاحب ۔ یہ بھی صاف لکھا ہے از تالیف سید سند محدث مستند مفسر معتمد ۔ ناشر آثار محمدیہ ۔ ناصر اخبار احمدیہ عالی خطاب ۔ عالی القاب ۔ نواب والاجاہ امیر الملک سید محمد صدیق حسن خاں صاحب بہادر ۔

حسینی بیگم ۔ اور یہ کہاں چھپی ہے ۔

مولوی صاحب ۔ یہ بھی بالکل واضح ہے ۔ در مطبع شاہجہانی واقع بلدہ بھوپال

حسینی بیگم ۔ اب مہربانی کر کے ذرہ اسکے صفحہ ۱۷۹ سطر ۸ سے پڑھکر مجھے سناؤ تو ۔

مولوی صاحب نے کتاب کھولی اور اس سطر پر نظر پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کسی پہاڑ کے نیچے دب گئے ۔ سب جوش اور غصہ ختم ہو گیا ۔ اسکے عوض بدن سے پسینہ نکلنے لگا ۔ اور زبان تو ایسی بند ہوئی کہ بالکل چپ ہو گئے ۔ کچھ دیر تک حسینی بیگم خاموش رہیں ۔ پھر بولیں ۔

حسینی بیگم ۔ پڑھو کیا لکھا ہے ۔

مولوی صاحب ۔ اب بھی چپ ہے ۔ کسی طرح بولا ہی نہیں جاتا ہے ۔

حسینی بیگم ۔ اے ہے ۔ کیا ہوا ۔ پڑھتے کیوں نہیں ۔ کچھ تو بولو ۔ کچھ تو سنو

کھیلو۔

مولوی صاحب۔ (ہنسکر) کیا پڑھوں۔ مجھ سے تو پڑھا نہیں جاتا ہے۔

حسینی بیگم ۔ ایں! اتنے بڑے بڑے مدرسوں کو چاٹ کر بیٹھے ہو اور دن رات کتابیں دیکھتے اور رسالے لکھتے رہتے ہو اور ایک فارسی کی کتاب تم سے نہیں پڑھی جاتی ۔ اچھا (قہقہہ لگاکر) میں ایک ترکیب بتاؤں ۔ "ہجے" کرو تو آجائیگا۔

مولوی صاحب ۔ (شرماکر) دیکھو تم مجھے بہت ستانے لگیں۔

حسینی بیگم۔ (ہاتھ جوڑکر) خدا نہ کرے کہ میں تمہیں ستاؤں ۔ یہ تم نے کیا کہا ۔ میں نے ستایا کس طرح۔

مولوی صاحب۔ نہیں نہیں ۔ یہ میرا مطلب نہیں ہے بلکہ یہ کہ تم ایسی چٹکیاں لے رہی ہو جس سے میں گڑا جاتا ہوں۔ ہائے اللہ میں نے کتنی جھوٹی قسمیں کھائیں کہ مولانا صدیق حسن خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت امام حسینؑ کو "علیہ السلام" کبھی نہیں لکھا ہوگا مگر تم نے تو انکی کتاب ہی دکھا دی۔ اسمیں تو تمام لکھا ہے حسین علیہ السلام برادر دے۔ (سطر ۸) حسین علیہ السلام از عائشہ پرسید (سطر ۱۷) حسین علیہ السلام با ہمراہیان خود سلاح پوشید (سطر ۱۹) ابوہریرہ بحسین علیہ السلام گفت (سطر ۲۰) حسین علیہ السلام نشنید (ص ۱۸ سطر ۲۲) اسی طرح سیکڑوں جگہ یہی لکھا ہے۔ مگر ابھی ایک آڑ میرے لئے باقی ہے ۔

حسینی بیگم۔ وہ کیا۔

مولوی صاحب ۔ یہ کہ تم نے جو کتابیں دکھائیں وہ اردو فارسی کی ہیں۔ اصلی اور سند تو عربی کتابیں ہیں۔ ان میں تم یہ نہیں دکھا سکتیں ۔ اور یہ بھی تم خوب جانتی ہو کہ میں اردو فارسی کی کتابیں بہت کم دیکھتا ہوں ۔ عربی کتابوں ہی سے کہاں فرصت ملتی ہے ۔ اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہمارے علماء کی عربی کتابوں میں کوئی شخص یہ بات نہیں دکھا سکتا۔

حسینی بیگم - ہاں - ہاں تمہاری معلومات اور خاص کر عربی کتابوں کی اطلاع پر کون شخص شبہ کر سکتا ہے - یہی تو مجھے فخر ہے کہ خدا نے مجھے اتنے بڑے عالم بلکہ علامہ دہر کی بیوی بنائی - آج تمہارے علم و فضل کی دور دور دھوم ہے - تمہارے وعظ میں جو لوگ شریک ہوتے ہیں وہ سب کہتے ہیں کہ تم بہت بڑی قابلیت اور خدا داد علم و فضل کے مالک ہو - اور اہلحدیث جماعت میں تمہارے برابر عالم متبحر شاید ہی چار پانچ صاحب نکل سکیں - مگر میرا خیال ہے کہ عربی کتابوں کے بارے میں بھی تمہارا دعویٰ صحیح نہیں

مولوی صاحب - تو کیا کسی عربی کتاب میں بھی حضرت حسین کو علیہ السلام لکھا ہے

حسینی بیگم - ایک دو کتابوں میں ؟

مولوی صاحب: رہنے دو - تم ایک میں بھی نہیں دکھا سکتیں -

حسینی بیگم گئیں اور الماری سے دس بارہ کتابیں نکال لائیں - جو سب بڑے بڑے علمائے اہلسنت ہی کی تھیں - پھر کہا -

حسینی بیگم - دیکھو (۱) جناب علامہ محمد بن عقیل نے اپنی کتاب میں کئی جگہ حضرت کو علیہ السلام لکھا ہے - مثلاً ھذا النص کتاب الحسین بن علی علیہما السلام یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کے خط کی یہ نقل ہے (نصائح کافیہ مطبوعہ بمبئی ص ۴۲) فکان اول من لقیہ الحسین بن علی علیہما السلام یعنی سب سے پہلے اُس سے امام حسین علیہ السلام ملے (نصائح ص ۴۶) بن زیاد کتب الی عمرو بن سعید بن العاص وھو وال علی المدینۃ الشریفۃ یبشرہ بقتل الحسین علیہ السلام یعنی ابن زیاد نے مدینہ کے حاکم عمرو بن سعید بن العاص کو امام حسین علیہ السلام کے قتل کی خوش خبری لکھ بھیجی (نصائح ص ۵۰) اسی طرح تمام کتاب میں ہے -

(۲) علامہ سبط ابن جوزی نے بھی سیکڑوں جگہ حسین علیہ السلام لکھا ہے مثلاً - الباب التاسع فی ذکر الحسین علیہ السلام یعنی نواں باب امام حسین علیہ السلام کے بیان میں (تذکرہ خواص الامہ مطبوعہ ص ۱۳۳) ذکر وصول الحسین علیہ السلام الی العراق

یعنی امام حسین علیہ السلام کے عراق پہونچنے کے بیان میں (تذکرہ ص ۱۴۰) اسی طرح بہت ہے (۳) بہت بڑے پیشوا جناب شیخ عبدالحق صاحب نے جو محدث دہلوی مشہور ہیں لکھا ہے ذکر مقتل سیدنا الامام الشہید السعید سبط رسول اللہ الامام ابی عبداللہ الحسین سلام اللہ علیہ وعلی آبائہ الکرام یعنی ہمارے سردار۔ امام۔ شہید سعید۔ رسولخدا کے نواسے۔ امام ابوعبداللہ حسین علیہ السلام کی شہادت کا بیان (کتاب ماثبت بالسنہ ص ۱) (۴) جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی اپنی عربی کتاب میں کئی جگہ لکھا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ہے فاستنابت الحسنین علیہما السلام مناب جدھما یعنی خدا نے حضرت امام حسن وحسین علیہما السلام کو حضرت رسولخدا صلعم کا قائم مقام بنا دیا۔ (سر الشہادتین در تحریر الشہادتین ص ۱۶) وکتبوا الی الحسین علیہ السلام یعنی کوفہ والوں نے امام حسین علیہ السلام کو لکھا (ص ۳۸) ثم وجہ یزید رأس الحسین ورأسہ مع علی ابن الحسین علیہما السلام الی المدینۃ یعنی یزید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر اور آپ کے اہل بیت کو امام زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا (ص ۴۱)۔ یہ کتاب سر الشہادتین ایسی عظیم الشان ہے کہ آپ کے امام اور علامہ جناب مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی نے اسکے بارے میں لکھا ہے "گویم اصح توالیف دریں باب رسالہ سر الشہادتین تالیف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ست یعنی شہادت امام حسین علیہ السلام کے بیان میں سب سے زیادہ صحیح کتاب سر الشہادتین ہے جو جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کی تصنیف سے ہے (تتمۃ الکرامہ ص ۱۷۹)۔ (۵) علامہ ابن الطقطقی نے بھی اپنی کتاب میں برابر حسین علیہ السلام لکھا ہے مثلاً فنبدأ بقتل الحسین علیہ السلام یعنی اب ہم شہادۃ امام حسین علیہ السلام کا بیان شروع کرتے ہیں (تاریخ فخری ص ۹۴ وغیرہ)۔ (۶) بڑے مشہور مورخ علامہ مقریزی لکھتے ہیں بالنیاحۃ والبکاء علی الحسین علیہ السلام یعنی امام حسین علیہ السلام پر

نوحہ و بکا کرتے ہوئے (کتاب الخطط مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۸۹) سکینہ بنت الحسین بن علی بن ابیطالب علیہم السلام یعنی سکینہ جو دختر تھیں امام حسین بن علی بن ابیطالب علیہم السلام کی (الخطط جلد ۳ صفحہ ۲۳۳)۔ (۷) سب سے زیادہ حیرت خیز بات یہ ہے کہ خاص دمشق ملک شام کے علماء بھی جو خلفاے بنی امیہ کا پایہ تخت تھا حضرت امام حسین کو "علیہ السلام" لکھتے ہیں۔ چنانچہ علامہ جمال الدین القاسمی الدمشقی جنہوں نے مسجدوں کی بدعتوں کو مٹانے کے لئے ایک کتاب لکھی ہے۔ لکھتے ہیں نعی الامام الشہید الحسین علیہ السلام علی المنبر فی جمعۃ عاشوراء یعنی جمعہ عاشوراء میں منبروں پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادۃ کا بیان کرنا (کتاب اصلاح المساجد من البدع و العوائد مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸۳)

مولوی صاحب۔ واقعاً بڑی حیرت کی بات ہے۔ تم نے تو میری آنکھیں کھولدیں۔ مگر یہ علماء شروع زمانہ اسلام کے نہیں ہیں۔ اُس زمانہ میں جو کتابیں لکھی گئیں اُنیں یہ استعمال نہیں مل سکتا ہے۔

حسینی بیگم۔ افسوس یہ کہ میں لکھنؤ۔ رام پور۔ حیدرآباد نہیں گئی کہ وہاں کے کتب خانوں کی پرانی اور قدیم کتابیں دیکھتی اور تم کو بتا بتاتی۔ مگر خیر جو معلوم ہے اسے دکھائے دیتی ہوں (۸) علامہ ابوالفرج جو خاص بنی امیہ کے خاندان سے تھے انھوں نے بھی اپنی کتابوں میں سیکڑوں جگہ امام حسین علیہ السلام لکھا ہی جیسے بعد قتل الحسین علیہ السلام یعنی امام حسین علیہ السلام کی شہادۃ کے بعد۔ زوجھا الحسین علیہ السلام یعنی انکے شوہر امام حسین علیہ السلام تھے۔ بنت الحسین علیہ السلام یعنی امام حسین علیہ السلام کی بیٹی (دیکھو کتاب الاغانی مطبوعہ مصر جلد ۱۴ صفحہ ۱۶۳ تا آخر) یہ علامہ سنہ ۲۸۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور سنہ ۳۵۶ ہجری میں بغداد میں مرے (کتاب مرآۃ الجنان مطبوعہ حیدرآباد جلد ۲ صفحہ ۳۵۹) کہو اس مورخ جلیل کو تم قدیم زمانہ کا مانوگے یا نہیں؟ - اور سنو (۹) علامہ مسعودی کو تو جانتے ہو جن کے بارے میں جناب شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی صاحب نے لکھا ہے

"ابوالحسین علی بن حسین مسعودی المتوفی ۳۴۶ھ ہجری فن تاریخ کا امام ہے اسلام میں آج تک اسکے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اسکی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی حاجت نہ ہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بدمذاقی سے اسکی اکثر تصنیفات ناپید ہوگئیں۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں۔ ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ۔ مروج الذہب مصر میں بھی چھپ گئی ہے"۔ (الفاروق ص۸) یہ علامہ بھی لکھتے ہیں ذکر مقتل الحسین بن علی بن ابیطالب علیہ السلام یعنی حضرت حسین علیہ السلام کی شہادۃ کا بیان (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد ۶ ص۱۳۵)

مولوی صاحب۔ دیکھو۔ اس عبارت کو تم پیش نہیں کرسکتیں۔ ہوسکتا ہے کہ علامہ مسعودی نے حضرت علی کو علیہ السلام لکھا ہو۔ نہ حضرت حسین کو۔

حسینی بیگم۔ افسوس تم لوگ کیسی ناانصافی کی باتیں کرتے ہو۔ اچھا یہی علامہ یہ بھی لکھتے ہیں فی حرب الحسین علیہ السلام یعنی امام حسین علیہ السلام کی لڑائی میں (مروج الذہب جلد ۶ ص۱۴۲)۔ بتاؤ یہاں کیا بات بنا سکتے ہو؟

مولوی صاحب۔ نہیں۔ تم ہی ٹھیک کہتی ہو۔ بے شک علامہ مسعودی نے بھی حضرت کو علیہ السلام لکھا ہے۔ اور میں مانتا ہوں کہ علامہ ابوالفرج اور علامہ مسعودی دونوں بہت قدیم زمانہ اسلام کے علامہ اور مورخ تھے۔

حسینی بیگم۔ اُن سے بھی پہلے کے علامہ کی کتاب دیکھو۔ تاریخ طبری کو تو جانتے ہو جو اسلامی تاریخ میں سب سے زیادہ معتبر اور مشہور ہے۔ علامہ شبلی صاحب لکھتے ہیں "تاریخ کبیر ابوجعفر طبری۔ یہ نہایت مستند اور ضخیم کتاب ہے۔ ابن اثیر

و ابن خلدون و ابو الفدا کا اصلی ماخذ یہی کتاب ہے۔ ۱۷ جلدوں میں بمقام ہالینڈ نہایت اہتمام سے چھاپی گئی ہے" (المامون ص۷) "ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے انکو مجتہدین کے زمرے میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انھوں نے ایک نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں بمقام لیدن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے" (الفاروق جلد ۱ ص۸)۔ اس تاریخ طبری میں سیکڑوں جگہ حسین علیہ السلام لکھا ہے۔ مثلاً وجه اهل الکوفة الرسل الی الحسین علیه السلام یعنی کوفہ والوں نے بہ کثرت قاصدوں کو امام حسین علیہ السلام کے پاس بھیجا (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۶ ص ۱۹۷)۔ فی هذه السنة کان خروج الحسین علیه السلام من مکة یعنی اسی سال میں امام حسین علیہ السلام مکہ سے نکلے (جلد ۶ ص ۲۱۵) فبعث عمر بن سعد الی الحسین علیه السلام یعنی عمر بن سعد نے امام حسین علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا (جلد ۶ ص ۲۳۳) اسماء من قتل من بنی هاشم مع الحسین علیه السلام یعنی بنی ہاشم سے جو لوگ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے انکی فہرست۔ (جلد ۶ ص ۲۶۹) اسی طرح سیکڑوں مرتبہ لکھا ہے۔ میں کہاں تک پڑھتی چلی جاؤں اب ان سے بھی مقدم مورخ کا بیان سنو جو نہایت عظیم الشان مصنف گزرے ہیں یعنی علامہ ابو حنیفہ دینوری جن کا انتقال ۲۸۱ھ ہجری میں ہوا۔ اور جن کے بارے میں علامہ شبلی صاحب نے لکھا ہے" احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ یہ بھی مشہور مصنف ہے۔ تاریخ میں انکی کتاب کا نام الاخبار الطوال ہے۔ اس میں خلیفہ معتصم باللہ تک کے حالات ہیں۔ خلفاء راشدین کی فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں بمقام لیدن ۱۸۸۸ء میں چھپی ہے" (الفاروق ص۷) اپنی اسی کتاب میں کئی جگہ حضرت کو حسین علیہ السلام لکھا ہے

مثلاً خرج الحسین بن علی علیہ السلام من مکۃ فی ذلک الیوم یعنی امام حسین علیہ السلام اسی روز مکہ سے روانہ ہوئے (اخبار طوال مطبوعہ مصر صفحہ ۲۴۳)

مولوی صاحب۔ اس میں بھی ہوسکتا ہے کہ مصنف نے حضرت علی کو علیہ السلام لکھا ہو!

حسینی بیگم۔ بہت اچھا۔ اسی صفحہ میں یہ بھی ہے لما ورد کتاب مسلم بن عقیل علی الحسین علیہ السلام یعنی جب مسلم بن عقیل کا خط امام حسین علیہ السلام کو ملا (صفحہ ۲۴۳) پھر ہے قال الحسین علیہ السلام یعنی امام حسین علیہ السلام نے کہا (صفحہ ۲۴۴) اسی طرح بہت سی جگہوں میں ہے۔ کہو اب بھی کچھ تاویل کرو گے؟

مولوی صاحب۔ نہیں۔ یہ سب ٹھیک ہے۔

حسینی بیگم۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین کو "علیہ السلام" بولنے اور لکھنے کا دستور شروع ہی سے اسلام میں جاری ہے۔

مولوی صاحب۔ بے شک یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔

حسینی بیگم۔ اور خدا نے بھی قرآن مجید میں ان حضرات پر سلام کیا ہے۔ اگرچہ نام نہیں لیا ہے۔

مولوی صاحب۔ وہ کہاں ہے؟ یہ بے شک سب سے زیادہ تعجب خیز ہے۔

حسینی بیگم۔ یہ بتاؤ کہ قرآن مجید میں خدا نے یٰسین کس کو کہا ہے؟

مولوی صاحب۔ حضرت رسول خدا صلعم کو۔

حسینی بیگم۔ تو پارہ ۲۳ سورہ والصافات رکوع ۴ میں خدا نے فرمایا ہے سلام علی آل یاسین یعنی آل یسین پر سلام ہو۔

مولوی صاحب۔ واہ۔ وہ تو سلام علی اِل یاسین ہے۔ سب قرآنوں میں یوں ہی موجود ہے۔ یعنی الیاس پر سلام ہو۔ دیکھو شمس العلماء مولوی حافظ ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ کیا ہوا قرآن مجید اُسکے پارہ ۲۳ رکوع ۶ میں صاف لکھا ہے سلام علی اِلْ یَاسِیْنَ اور اس کا ترجمہ یوں کیا ہے اِل یاسین

(یعنی الیاس) پر سلام۔ اور اس ترجمہ پر یہ فائدہ بھی لکھا ہے "الیاس اور
اِل یاسین دونوں نام تھے۔ یہاں رعایت سجع کے لحاظ سے اِل یاسین فرمایا"
(حمائل مترجم ڈپٹی نذیر احمد صاحب مطبوعہ لکھنؤ صہ ۲۱) اسی طرح اور کل قرآنوں میں
بھی اِل یاسین ہی لکھا ہے۔ تم نے آلِ یاسین خوب کہی۔
حسینی بیگم۔ تم ان لوگوں کی بات مانو گے۔ یا علامہ جلال الدین سیوطی و علامہ
فخر الدین رازی ایسے حضرات کی۔
مولوی صاحب۔ اُن لوگوں کا کیا کہنا ہے۔ وہی تو مذہب اسلام کے ارکان
اور علم و فضل کے آسمان ہیں۔
حسینی بیگم۔ اب دیکھو کہ وہ کیا لکھتے ہیں سلام علی آل یاسین (تفسیر درمنثور
مطبوعہ مصر جلد ۵ صہ ۲۸۵)۔ سلام علی آل یاسین (تفسیر کبیر جلد ۷ صہ ۱۶۱) اور
نواب مولانا صدیق حسن خاں صاحب نے بھی سلام علی آل یاسین ہی لکھا ہے
(تفسیر فتح البیان مطبوعہ مصر جلد ۸ صہ ۷۷) اور بھی بے حساب تفسیروں میں آل
یاسین ہی ہے۔ ان سب کا مطلب بھی آل محمد لکھا ہے۔ جیسے علامہ ابن کثیر لکھتے
ہیں قرأ آخرون سلام علی آل یاسین وھی قراءۃ ابن مسعود رضی اللہ
عنہ وقال آخرون سلام علی آل یاسین یعنی آل محمد صلے اللہ علیہ وسلم یعنی
دوسرے لوگوں نے سلام علی آل یاسین پڑھا ہے اور یہی قراءۃ ابن مسعود رضی اللہ
عنہ کی بھی ہے۔ اور دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ سلام علی آل یاسین ہے۔
یعنی آل محمدؐ پر خدا کا سلام ہو (تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مصر جلد ۸ صہ ۲۷۳) اور
علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ آل یاسین
سے مراد آل محمدؐ ہیں (تفسیر درمنثور جلد ۵ صہ ۲۸۶) اور علامہ فخر الدین رازی
نے لکھا ہے آل یاسین آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آل یاسین حضرت محمدؐ کی آل ہیں
(تفسیر کبیر جلد ۷ صہ ۱۶۳) اور جناب مولانا صدیق حسن خانصاحب نے لکھا ہے المراد
بآل یاسین آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی آل یاسین سے مراد آل محمد

صلے اللہ علیہ وآلہ ہیں (تفسیر فتح البیان جلد ۸ صـ۲۷) اور حدیث کی بہت سی کتابوں میں بھی یہی مضمون ہے۔ دیکھو علامہ ابو بکر کی کتاب رشفۃ الصادی مطبوعہ مصر صـ۲۴ علامہ ابن حجر کی صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صـ۸۸ وغیرہ۔ جو سیکڑوں ہیں۔ کہاں تک سنوگے۔

مولوی صاحب۔ واقعا تم نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ حضرت حسین کو علیہ السلام کہنا خدا اور رسول کا فعل ہے۔ اور ہمارے مذہب کے بڑے بڑے علماء نے برابر اس طرح لکھا ہے۔ اور میرے ہر شبہہ کا تم نے اطمینان بخش جواب دیدیا۔ میں بہت بڑی غلطی میں پڑا تھا جس سے تم نے نکال دیا۔ میں تم کو آج ہی یا (اگر ڈاکخانہ بند ہو گیا ہو گا تو) کل سو روپیہ سیونگ بنک سے نکلوا کر دیدوں گا تم جو کتابیں چاہو منگالو۔

حسینی بیگم۔ نہیں میں فہرست لکھدیتی ہوں۔ بمبئی فرمائش بھیجدو۔ جب وہاں سے پارسل کی رسید آجائیگی تو روپیہ برامد کر کے چھوڑ الینا۔ اسکے بعد دونوں سو گئے۔

دوسرا باب ۲

حضرت امام حسینؑ اور دوسرے آل محمدؐ کے نام پر صلوات اللہ علیہ کہنا

پھر اس قسم کی مذہبی باتیں کئی روز تک مولوی صاحب اور حسینی بیگم میں نہیں ہوئیں کیونکہ کوئی موقع نہیں پیدا ہوا۔ ایک روز دن بھر مولوی صاحب اپنے کاموں میں لگے رہ گئے۔ اور دوپہر کو حویلی میں آنے کا موقع نہیں ملا۔ شب کو نماز عشاء جلدی پڑھکر آئے اور کھانا کھا کر دونوں میاں بیوی سو گئے۔ دسمبر کا آخری مہینہ تھا سردی خوب شدید پڑتی تھی۔ دو بجے شب کو مولوی صاحب کی آنکھ کھل گئی۔ کچھ دیر تو لحاف میں پڑے ہوئے کوشش کرتے رہے کہ پھر نیند آجائے مگر پانچ چھ گھنٹہ سو چکے تھے نیند نہ آنی تھی نہ آئی۔ حسینی بیگم کو جگایا۔

حسینی بیگم۔ (گھبرا کر) کیوں خیریت تو ہے۔ کیا بات ہوئی؟

مولوی صاحب - الحمد للہ خیریت ہی ہے۔ کوئی تردد نہیں۔ دن بھر تم سے باتیں نہیں کیں۔ اس وقت بھی تھکا ہوا تھا لیٹتے ہی سو گیا۔ تھوڑی دیر ہوئی جاگ گیا۔ جب سے بہت کوشش کی کہ پھر نیند آجائے مگر نہیں آئی۔ دل گھبراتا تھا تو تمہیں جگا دیا۔ معاف کرنا۔

حسینی بیگم - مگر اتنی دیر کیوں کی۔ جب اُٹھے تھے اُسی وقت مجھے بھی کیوں نہیں جگا دیا۔

مولوی صاحب - تمہارے آرام میں خلل ہوتا جو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

حسینی بیگم - واہ یہ خوب کہی۔ میرے ایسے آرام میں آگ لگے جس سے تمہاری خدمت نہیں کرسکوں۔

مولوی صاحب - خدا نہیں کرے۔ یہ کیا بکنے لگیں۔ تمہارے آرام سے تو میری زندگی ہے۔ تم کو تکلیف ہوگی تو میں جیتا بھی رہوں گا۔

حسینی بیگم - تو اسمیں تکلیف کیا تھی۔ اور میں تمہارے ایک آرام پر اپنا ہزار آرام نثار کر دوں۔

مولوی صاحب - آج سردی بہت ہے۔ رحیمن کو اُٹھاؤ۔

حسینی بیگم - کیوں اُس سے کیا کام ہے۔

مولوی صاحب - ذرہ چاے بناتی۔

حسینی بیگم - واہ کیا انصاف ہے۔ اپنے مزے کے لئے اس بوڑھی کو اس سردی میں اٹھانا، اُسے ستانا بلکہ ہلاک کرنا ہے۔ دیکھو چاے ابھی بن جاتی ہے۔

مولوی صاحب - مگر تم اس سردی میں پانی نہ چھونا۔ وہ تو برف ہو رہا ہوگا۔ اور رحیمن تو نوکر ہی ہے اُس کا کام ہی یہ ہے۔ اُسکو کہاںتک بچاؤ گی۔

حسینی بیگم - ارے کیا کہتے ہو۔ خدا سے ڈرو۔ اُس نے جس طرح مجھکو اور تم کو پیدا کیا ہے اسی طرح اس بیچاری کو بھی۔ پھر وہ کیسی بوڑھی اور کمزور ہے۔ بیچاری دن بھر اور رات کے دس بجے تک ایسی سردی میں ہلکان ہوتی

رہتی ہے۔ اب کیا رات کو بھی آرام نہ کرے۔ حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ و آلہ کی صاحبزادی جناب سیدہ تو ایک روز اپنی خادمہ سے کام لیتی تھیں اور ایک روز خود کرتی تھیں۔ اچھا میں ابھی آئی۔

یہ کہکر حسینی بیگم اوٹھیں۔ باورچی خانہ میں جاکر سماور کو اچھی طرح دھویا۔ اُس میں پانی بھرا اور کوئلے ڈال کر اُس میں آگ لگادی۔ پھر چاے دان۔ پیالی تشتری سب کو خوب دھوکر صاف کیا اور کشتی میں کل سامان درست کرکے اور ہاتھ میں لیکر اپنے کمرے میں چلی آئیں۔ پھر سماور اٹھا لائیں۔ اور پاس رکھ لیا اسکی گرمی سے میاں بیوی کی سردی بھی کم ہوگئی۔ چاے بھی بننے لگی اور اطمینان سے باتیں بھی ہونے لگیں۔

مولوی صاحب۔ یہ کس کتاب سے تم نے بیان کیا کہ حضرت فاطمہؑ ایک روز خود کام کرتیں اور ایک روز اُنکی خادمہ کرتی۔

حسینی بیگم۔ بہت سی کتابوں میں ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم ہر بار مجھسے پوچھتے ہو کہ کس کتاب میں ہے معلوم ہوتا ہے تم صرف اُن کتابوں کو دیکھتے ہو جن میں حضرت رسولخداؐ کے اہل بیت کے فضائل نہیں لکھے ہیں اس وقت میں صرف سب سے بڑے محدث علامہ ابن حجر عسقلانی کی عبارت کا خلاصہ بیان کرتی ہوں وہ لکھتے ہیں کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخدم فاطمۃ ابنتہ جاریۃ اسمہا فضۃ النوبیۃ وکانت تشاطرہا الخدمۃ یعنی حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کو ایک لونڈی دی جن کا نام فضہ نوبیہ تھا۔ وہ ایک روز کام کرتیں ایک روز آرام کرتیں۔ (اصابہ مطبوعہ مصر جلد ۸ ص ۱۶۷)

مولوی صاحب۔ اس وقت تمہاری زبان سے بار بار حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ "وآلہ" بھی نکلا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم حضرت کی آل پر بھی درود بھیجتی ہو۔ خیر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ علیہ السلام

کہنا تو تم نے ثابت کردیا مگر درود میں آنحضرت صلعم کے ساتھ آل کو بھی شامل کرنا تو تم ثابت نہیں کرسکتیں۔ میرے خیال میں تو یہ بدعۃ بلکہ کفر ہے۔
حسینی بیگم۔ منہ سے تو غلط اور صحیح بات نکلتی رہتی ہے۔ مگر اس وقت بھی تمہارا اعتراض صحیح نہیں ہے۔
مولوی صاحب۔ نہیں یہ تو خاص حضرت رسولخدا صلعم کے نام کی عزت ہے۔ کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔
حسینی بیگم۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی بہت سی عزتوں میں خدا نے حضرت کی آل پاک کو بھی جنکو کبھی آل محمدؐ اور کبھی اہلبیت محمدؐ بولا جاتا ہو شریک کیا ہے۔
مولوی صاحب۔ اسکی کیا دلیل ہے۔
حسینی بیگم۔ سیکڑوں کتابوں میں ہے کہ خدا نے حضرت کے اہلبیت کو کئی باتوں میں حضرت کا شریک کیا ہے۔ جیسے علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے لکھا ہے ذکر الفخر الرازی ان اھل بیتہ یساوونہ فی خمسۃ اشیاء فی السلام قال السلام علیک ایھا النبی۔ وقال سلام علی آل یاسین وفی الصلوٰۃ علیہ وعلیھم فی التشھد وفی الطھارۃ قال تعالیٰ طٰہٰ ای یا طاھر وقال ویطھرکم تطھیرا وفی تحریم الصدقہ وفی المحبۃ قال تعالیٰ فاتبعونی یحببکم اللہ وقال قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ۔ یعنی امام فخرالدین رازی نے بیان کیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے اہلبیت پانچ باتوں میں حضرت کے برابر ہیں (۱) سلام میں کہ جس طرح خدا نے آنحضرت پر سلام کیا اور کہا السلام علیک ایھا النبی اسی طرح حضرت کے اہلبیت پر بھی سلام کیا اور فرمایا آل یاسین پر سلام ہو (۲) تشہد پڑھتے وقت درود پڑھنے میں کہ حکم دیا رسول کے ساتھ ان کے اہلبیت پر بھی درود پڑھا کرو۔ (۳) پاکیزگی میں کہ رسول سے خدا نے فرمایا اے طٰہٰ یعنی اے طاہر اور اہلبیت سے فرمایا تم کو خدا پورا پاک وپاکیزہ رکھیگا (۴) صدقہ کے حرام ہونے میں کہ جس طرح

رسولؐ پر حرام کیا آپ کے اہلبیتؑ پر بھی حرام ہے (۵) محبت واجب ہونے میں کہ خدا نے جس طرح مسلمانوں کو حکم دیا کہ رسولؐ کو دوست رکھیں۔ اسی طرح فرمایا کہ اے رسولؐ مسلمانوں سے کہ دو کہ میرے قرابتمند یعنی اہلبیتؑ کو دوست رکھو (صواعق محرقہ صہ ۸۹ ورشفۃ الصادی صہ ۳۴ واسعاف الراغبین مطبوعہ مصر صہ ۱۱۷ وغیرہ) اور برابر انصاف پسند علمائے اسلام درود میں حضرت کے ساتھ آپکی آل کو بھی ذکر کرتے ہیں۔ جیسے جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی (دیکھو رسالہ غم حسین صہ ۸۳) دوسری کتاب میں ممدوح نے لکھا ہے جناب سیدنا و مولانا امام حسین علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام (رسالہ شہادۃ حسینؑ صہ ۱) ایک جگہ لکھا ہے کہ "اہل بیت اطہار کی اہانۃ و بے حرمتی اُن کو ستانا اور سید شباب اہل الجنۃ۔ لخت دل مصطفےٰ۔ جگر گوشہ مرتضیٰؑ۔ راحت جان زہراؑ۔ محبوب خالق ارض وسما۔ شاہ کونین سیدنا و مولانا حضرت امام ہمام جناب امام حسین صلوات اللہ و سلامہ علی جدہ وابیہ وامہ واخیہ وعلی محبیہ ومتبعیہ اجمعین الی یوم الدین ۵ کو اس ظلم وجفا اور اس بے حرمتی سے قتل کرنا خود کفر ہے (رسالہ شہادت حسینؑ صہ ۵۵) پھر لکھا ہے "حضرت امام ہمام جناب امام حسین علی جدہ و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ہرگز بغاوۃ نہیں کی" (شہادت حسینؑ صہ ۶۹) اور جناب مولانا محمد مبین صاحب علامہ فرنگی محل لکھنؤ کو بھی جانتے ہو کہ کتنے بڑے عالم اور پیشوا تھے۔ انھوں نے بھی سیکڑوں جگہ لکھا ہے۔ جیسے حضرت امام حسین شہید کربلا علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام (وسیلۃ النجاۃ صہ ۲۵۹) اور جناب شیخ الاسلام مولانا الشیخ سلیمان القندوزی البلخی کو بھی جانتے ہو جو قسطنطنیہ کے جلیل القدر علامہ و امام اہلسنت تھے۔ انھوں نے بھی اپنی کتاب میں سیکڑوں جگہ لکھا ہے۔ جیسے

(۵) ان جملوں کا اردو ترجمہ یہ ہے۔ جوانان اہل بہشت کے سردار۔ حضرت رسولخدا صلعم کے دل کے ٹکڑے۔ حضرت علی مرتضیٰؑ کے جگر گوشہ۔ حضرت زہراؑ کی راحت جان۔ آسمان و زمین پیدا کرنیوالے خدا کے پیارے۔ جن وانس کے بادشاہ۔ یعنی ہمارے سردار اور آقا حضرت امام ہمام جناب امام حسین۔ اللہ کا درود و سلام آپ پر اور آپ کے نانا۔ بابا۔ ماں۔ بھائی۔ دوستوں پیروؤں سب پر قیامت تک نازل ہوتا رہے

الباب الستون فی الاحادیث الواردۃ فی شہادۃ الحسین صلوات اللہ ورحمتہ وبرکاتہ وسلامہ علیہ یعنی ساٹھواں باب اُن حدیثوں کے بیان میں جو امام حسین اللہ کا درود اور رحمۃ اور برکتیں اور سلام اُن پر نازل ہوتا ہے کی شہادۃ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں (ینابیع المودۃ صـ ۲۶۴) اور جناب علامہ آلوسی بغدادی کو بھی جانتے ہو۔ وہ بھی برابر اسی طرح لکھتے ہیں۔ جیسے ورضاہ بقتل الحسین علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام یعنی امام حسین آپ پر اور آپ کے نانا پر درود وسلام ہو کے قتل پر یزید کا راضی ہونا (تفسیر روح المعانی جلد ۸ صـ ۱۲۵)۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی کے بارے میں تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ ان کے برابر ان کے بعد کوئی محدث نہیں ہوا۔ انھوں نے صحیح بخاری شریف کی کتنی بڑی شرح فتح الباری لکھی۔ انھوں نے صحابہ کے حالات میں جو سب سے بڑی کتاب اصابہ لکھی ہے اور جو مصر میں چھپ گئی ہے۔ اسمیں جہاں جہاں حضرت رسولخدا کا نام لکھا وہاں صلی اللہ علیہ وآلہ لکھا ہے۔ ایک جگہ بھی بغیر آل کے تنہا حضرت پر درود نہیں بھیجا ہے۔ اگرچہ ہزاروں علماء ایسا کرتے ہیں۔ مگر خاص اُنکا نام میں نے اس وجہ سے لیا کہ حضرات اہلحدیث کے بہت بڑے پیشوا تھے۔ اور انکی عظمت وجلالت ایسی تھی جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوئی۔ اور تنہا انکا لکھدینا بھی ہزاروں علماء کے لکھنے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

علماء اہلحدیث

مولوی صاحب۔ ہاں مجھے بھی خیال آیا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں تمام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی لکھا ہے۔ اور واقعاً ان کا اکیلا کسی بات کو لکھدینا ہزاروں بڑے بڑے علماء سے بہتر اور زیادہ صحیح وقابل اعتبار ولائق عمل ہے۔

حسینی بیگم۔ جناب نواب مولانا صدیق حسن خاں صاحب مرحوم بھی جنکے ایسا ہندوستان کے علمائے اہلحدیث میں کوئی مصنف نہیں گزرا برابر صلی اللہ علیہ وآلہ ہی لکھتے ہیں (دیکھو انکی کتاب تفسیر فتح البیان مطبوعہ مصر)۔ اور میں تو کہتی ہوں

کہ کل علمائے اسلام ایسا کرتے اور کوئی اسکو ترک نہیں کرتا مگر خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کے ڈر سے لوگوں نے چھوڑ دیا تھا۔

مولوی صاحب ۔ یہ تو رافضیوں کی سی بات تم نے کہی ۔کیا ہمارے علمائے کرام بھی رافضیوں کی طرح تقیہ کرتے تھے؟

حسینی بیگم ۔ دیکھو میں حق اور انصاف کے خلاف کوئی بات نہیں مان سکتی ۔ہم لوگ رافضیوں کو الزام دیتے ہیں مگر کوئی شخص تقیہ سے بچا نہیں ہے ۔ اور علمائے کرام تو برابر تقیہ کرتے رہتے ہیں ۔ زبان سے اعتراض کرتے ہیں مگر جب اپنے اوپر پڑتی ہے تو وہی کرتے ہیں ۔

مولوی صاحب ۔ یہ تم کیا بہکی بہکی باتیں کرتی ہو۔

حسینی بیگم اٹھی ہوئی گئیں اور ایک کتاب نکال لائیں ۔

حسینی بیگم ۔ یہ دیکھو ہندوستان کے بہت بڑے مورخ اسلام علامہ شبلی صاحب نے لکھا ہے کہ "مامون کو اس پر بھی تسلی نہیں ہوئی اور سات بڑے بڑے عالموں کو جو مذہبا بہت بڑا اقتدار رکھتے تھے اپنے پاس طلب کیا اور رو در رو گفتگو کی یہ سب لوگ اس مسئلہ (خلق قرآن) میں مامون کے خلاف تھے ۔ مگر تلوار کے ڈر سے وہ کہ آئے جو ان کا دل نہیں کہتا تھا ۔... اسحاق نے یہ فرمان مجمع عام میں پڑھکر سنایا جسکی ہیبت نے بڑے بڑے ثابت قدموں کے عزم کو متزلزل کر دیا ۔ اور سب کے سب بیچائی ۔ اور آزادی کو خیر باد کہکر مامون کے ہم زبان ہو گئے ۔ علامہ قواریری وسجادۃ البتہ کسی قدر مستقل رہے مگر جب پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں اور ایک رات اسی سختی میں گزری تو ثابت ہو گیا کہ ان لوگوں کو اپنے عزم و استقلال کی نسبت جو حسن ظن تھا وہ صحیح نہ تھا ۔... مامون کو پھر معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس مسئلہ کو تسلیم کر لیا تھا تقیہ کیا تھا ۔ وہ نہایت برافروختہ ہوا" (المامون ص ۲۳۳ و ۲۳۴)

مولوی صاحب ۔ واقعاً جان کا مسئلہ بہت سخت ہے ۔

حسینی بیگم ۔ پھر شیعہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ جب جان کا خطرہ ہو تب تقیہ کرنا چاہیے

مولوی صاحب۔ خیر۔ مگر وہ بات تو رہ گئی کہ خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کے ڈر سے لوگوں نے آل کو درود میں لکھنا چھوڑ دیا۔

حسینی بیگم۔ ہاں یہ مضمون بھی میں اس وقت صرف دو کتابوں سے پیش کرتی ہوں۔ ایک بہت بڑے حنفی عالم کی ہے اور دوسری بہت بڑے اہلحدیث عالم بلکہ امام کی۔ حنفی عالم تو جناب مولانا صدر الدین احمد صاحب لوہاری ہیں جو تحریر فرماتے ہیں "باید دانست کہ چون بحکم پیغمبر تمسک با اہل بیت نمودن واجب است چرا مقتدایان اہلسنت در فقہ و علوم دینی از ایشان کم تمسک نمودہ اند وحال آنکہ ایشان اعلم الناس بودند۔ جواب آنست کہ بسبب تسلط بنی امیہ و بنی العباس از ایشان کما ینبغی تمسک نمودن نتوانستند چنانچہ حسن بصری را پرسیدند کہ در حدیث این قدر ارسال چرا می کنی ونام راوی را چرا نمی بری گفت این سخنیست کہ ہیچ کس تا این زمان از من نہ پرسید" بدانکہ احادیثے کہ ارسال می کنم آں ہمہ از حضرت مرتضیٰؑ روایت دارم جملہ مراسیل من مرویات اوست مگر از خوف بنی امیہ اظہار آں کردن نمی توانم کذا فی الخلاصہ و امام مالک در زمان بنی امیہ از امام جعفر صادقؑ روایت نمی نمود تا آں کہ زمانہ بنی العباس رسید در آں وقت از وے روایت کرد مگر دیگرے را ہم باد ضم می نمود۔ کذا فی میزان الذہبی۔ و اوزاعی و زہری فقط یک یک حدیث در مناقب اہل بیت روایت نمودہ اند چرا کہ از بنی امیہ می ترسیدند کذا فی اسد الغابہ ...گویا علماء از جانب سلطنت صراحتاً باشد یا کنایۃً از ملاقات و آمد و شد نزد ائمہ اہلبیت ممنوع بودند" یعنی جاننا چاہئے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے حکم کے مطابق حضرات اہلبیت سے تمسک کرنا واجب ہے۔ پھر علماء و پیشوایان اہلسنت نے ان حضرات سے کیوں اس قدر کم تمسک کیا۔ حالانکہ یہی حضرات سب سے زیادہ عالم تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خلفاء بنی امیہ و بنی عباس کے تسلط سے علماء ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ حسن بصری کثرت سے حدیثیں حضرت علیؑ سے روایت کرتے مگر نام نہیں لیتے تھے۔ جب اسکی وجہ پوچھی گئی تو کہا کہ بنی امیہ کے خوف سے میں نام نہیں ظاہر کر سکتا

ہوں۔ اور بنی امیہ کے زمانہ میں امام مالک بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نہیں کرتے تھے جب بنی عباس کا زمانہ آیا تب حضرت کا نام لینے لگے۔ اور زہری و اوزاعی نے صرف ایک ایک حدیث اہلبیت کے فضائل میں روایت کی ہے کیونکہ بنی امیہ سے ڈرتے تھے۔ گویا علمائے اہلسنت کو صریح یا کنایہ کے طور پر سلطنت کی طرف سے حکم تھا کہ ائمہ اہلبیت سے ملاقات نہ کریں اور نہ اُن کے پاس آئیں جائیں۔ (روائح المصطفی المطبوعہ کانپور صہ) دوسرے اہلحدیث عالم کی جسکے ماننے میں تم کو عذر نہ ہوگا جناب نواب مولانا صدیق حسن خاں صاحب مرحوم جو کتنے بڑے محدث اور اہلحدیث کے پیشوا تھے اور تم بھی انکو مانتے ہو۔ تحریر فرماتے ہیں" در کتب سنت مطہرہ اکثر اہلحدیث صیغہ صلوۃ ہمراہ نام نامی و اسم سامی ختمی پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بدون ذکر آل نگاشتہ اند۔ اگرچہ دریں قدر نوشتن و ترک ذکر لفظ آل کردن خاطی اند زیرا کہ آنحضرت صلعم در حدیث تعلیم در بیان کیفیۃ صلوۃ بذکر آل پرداختہ پس امتثال در اتیان بصلوۃ معلمہ نبوی جز بذکر آل تمام باشد وظاہرست کہ باتفاق ائمہ حدیث درودے کہ در آں ذکر آل آمدہ منسوخ نیست معہذا ترک آں در کتابت راساً از زمان اول تا ایں زمان آخر شاید بخوف دولت امویہ و عباسیہ بودہ ست کہ بنا بر عداوت اہل بیت مردم را در مخافۃ عظیم و تشرید شدید می داشتند" یعنی اہلسنت کی کتابوں میں اکثر اہلحدیث نے حضرت رسولخدا صلعم کے نام کے ساتھ درود اس طرح لکھا ہے جسمیں آل کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اگرچہ صرف اس طرح (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھنے اور لفظ آل کو ترک کر دینے میں وہ لوگ غلطی کرتے ہیں اس لئے کہ جس حدیث میں آنحضرت صلعم نے درود بھیجنے کا طریقہ بتایا ہے اسمیں آل کو بھی شامل رکھا ہے۔ لہذا حضرت صلعم نے جس طرح درود بھیجنے کا قاعدہ بتایا اور حکم دیا اسکی تعمیل بغیر اسکے پوری نہیں ہوسکتی کہ آل کو بھی برابر حضرت کے ساتھ ذکر کیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ تمام علمائے اہلحدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ درود جس میں آنحضرت صلعم نے آل کو بھی ساتھ ساتھ رکھنے کا حکم دیا ہے منسوخ نہیں ہوا۔ باوجود آنحضرت صلعم کے اس قدر اہتمام کرنیکے

شروع سے اب تک علماء نے جو اس کو ترک کر دیا (یعنی درود میں آنحضرت صلعم کے ساتھ آل کو ذکر نہیں کرتے ہیں) تو شائد خلیفہ بنی امیہ اور بنی عباس کے خوف سے ایسا کیا کیونکہ دونوں حکومتوں کے خلفا نے اہلبیت کی عداوۃ سے لوگوں کو بڑے خوف میں رکھا اور شدید پریشانی میں مبتلا کئے رہے۔ (دلیل الطالب مطبوعہ بھوپال ص ۶۶۰)۔

مولوی صاحب ۔ مولانا صدیق حسن خانصاحب نے سچ لکھا ہے کہ خلفا بنی امیہ و بنی عباس نے حضرات اہلبیتؑ پر بڑے بڑے ظلم کئے اور انکی عداوۃ سے لوگوں کو بہت ستایا۔ ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے لوگوں نے درود سے آل کو ترک کر دیا ہو۔

حسینی بیگم ۔ حالانکہ یہی حضرات اس کو بھی لکھتے ہیں کہ حضرات اہلبیتؑ پر درود بھیجنا اتنا ضروری ہے کہ بغیر اسکے حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے اوپر درود بھیجنے کو بھی منع کیا ہے۔

مولوی صاحب ۔ اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟

حسینی بیگم ۔ یہ کہ اگر آنحضرتؐ پر درود بھیجا جائے تو آپ کے ساتھ آپ کے اہلبیت پر بھی بھیجا جائے۔ اور اگر آپ کے اہلبیت پر نہ بھیجا جائے تو آنحضرت صلعم پر بھی نہ بھیجا جائے۔

مولوی صاحب ۔ کیوں؟

حسینی بیگم ۔ اس لئے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے لا تصلوا علیّ الصلوۃ البتراء۔ افقالوا وما الصلوۃ البتراء۔ قال تقولون اللھم صل علی محمد و تمسکون بل قولوا اللھم صل علی محمد و علی آل محمد حضرتؐ نے فرمایا تم لوگ مجھ پر تبرا (ناقص دم کٹا) درود نہ بھیجا کرو۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ یا حضرت صلوۃ تبرا کیا ہے؟ تو فرمایا یہی کہ اللھم صل علی محمد کہکر چپ ہو جاؤ بلکہ یوں کہا کرو کہ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد (کتاب رشفۃ الصادی مطبوعہ مصر ص ۲۳)

وصواعق محرقہ مطبوعہ مصر صث۸ وغیرہ) بلکہ بعض حدیثوں میں ہے کہ جو شخص حضرت رسولخداؐ پر درود بھیجے اور ان حضرات پر نہ بھیجے تو خدا اوس کے درود کو قبول ہی نہیں کریگا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم من صلی علی صلاۃ لم یصل فیہا علی اہل بیتی لم تقبل منہ اخرجہ الدارقطنی والبیہقی یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ جو مجھ پر ایسا درود بھیجے جس میں میرے اہلبیت کو شامل نہ کرے اُس کا درود قبول ہی نہیں کیا جائیگا۔ اسکو امام دارقطنی و امام بیہقی نے بیان فرمایا ہے (رشفۃ الصادی مطبوعہ مصر صث۳۰) اور علامہ ابن حجر مکی وغیرہ علماء نے یہ حدیث بھی لکھی ہے۔ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الدعاء محجوب حتی یصلے علی محمدؐ و اہل بیتہ اللھم صل علی محمد و آلہ یعنی خدا سے جو دعا کی جاتی ہے وہ درجہ اجابۃ پر پہونچنے سے رُکی رہتی ہے جب تک کہ حضرت رسولخداؐ اور آپکے اہل بیتؑ پر درود اس طرح نہ پڑھا جائے۔ اللھم صل علی محمدؐ و آلہ (صواعق محرقہ صث۸۸)۔ اسی وجہ سے امام شافعی علیہ الرحمہ نے بھی فرمادیا کہ جو شخص نماز میں حضرات اہلبیت پر درود نہ بھیجے اُسکی نماز ہی نہیں ہوتی ہے یعنی وہ کافر ہے کیونکہ جو بے نمازی قرار پایا وہ آنحضرت صلعم کی حدیث کے مطابق تارک الصلوۃ ہو کر کافر ہو گیا۔

مولوی صاحب۔ ہاں امام شافعی صاحب نے ایک رباعی کہی ہے۔ مجھے اس وقت یاد نہیں ہے۔ تمہارے خیال میں ہو تو پڑھو۔

حسینی بیگم۔ وہ تو بہت مشہور رباعی ہے ؎

یا اہل بیت رسول اللہ حبکم فرض من اللہ فی القران انزلہ
کفاکم من عظیم القدر انکم من لم یصل علیکم لا صلوۃ لہ

یعنی اے رسولخدا صلعم کے اہلبیت آپ کی محبت تو ایسی واجب اور ضروری ہے کہ خدا نے اس کا حکم قرآن مجید میں نازل کیا ہے۔ آپ لوگوں کی عظیم قدر کیلئے بس یہی کافی ہے کہ جو شخص آپ لوگوں پر درود نہ بھیجے اسکی نماز ہی نہیں ہوتی۔ (رشفۃ الصادی صث۳۱ والاتحاف بحب الاشراف مطبوعہ مصر صث۲۹ وینابیع المودۃ صہ-

وصواعق محرقہ صـ۹۷ واسعاف الراغبین صـ۱۱۹ ونور الابصار صـ۱۱۵ وغیرہ)

مولوی صاحب - مگر امام شافعی صاحب نے مبالغہ کیا ہے اور اہل بیت کی زیادہ محبت کی وجہ سے یہ رباعی کہی ہے۔

حسینی بیگم - اُن کے زمانہ میں بھی لوگوں نے یہی کہا تھا بلکہ اُس وقت تو آپ پر رافضی ہونیکا اتہام لگا دیا گیا تھا اسی وجہ سے انھوں نے یہ شعر کہا جسکو برابر پڑھا کرتے تھے ؎ ان کان رفضا حب آل محمدؐ ۔ فلیشھد الثقلان انی رافضی

یعنی اگر آل محمدؐ کی دوستی سے آدمی رافضی ہو جاتا ہے تو جن و انس سب گواہ رہیں کہ میں بھی رافضی ہوں (رشفۃ الصادی صـ۹۷ وینابیع المودۃ صـ۳۹۴ وصواعق محرقہ صـ۹۷ واسعاف الراغبین صـ۱۱۸ ونور الابصار صـ۱۱۵ وطبقات شافعیہ مطبوعہ مصر صـ۱۵۸ وتفسیر کبیر جلد ۷ صـ۴۰۶ ودلیل الطالب نواب صدیق حسن خانصاحب صـ۱۹ وغیرہ)

اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے یہ اشعار بھی کہے تھے ؎ اذا فی مجلس نذکر علیا۔ وسبطیہ وفاطمۃ الزکیہ + یقال تجاوزوا یا قوم ھذا۔ فھذا من حدیث الرافضیہ + برئت الی المھیمن من اناس ۔ یرون الرفض حب الفاطمیہ

یعنی جب کسی مجلس میں ہم لوگ حضرت علیؑ کا ذکر کرتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں اے بھائیو اس بات کو چھوڑو ۔ کیونکہ یہ رافضیہ کی باتیں ہیں ۔ میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں اُن لوگوں سے جو محبت فاطمہؑ کو رفض سمجھتے ہیں۔

امام ممدوح نے یہ اشعار بھی کہے ہیں ؎

قالوا ترفضت قلت کلا + ما الرفض دینی و لا اعتقادی

لکن تولیت غیر شکٍ + خیر امام وخیر ھادی

ان کان حب الولی رفضا + فانّی ارفض العباد

یعنی لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم تو رافضی ہو گئے ہو ۔ میں کہتا ہوں کہ ہرگز نہیں ۔ رافضی ہونا نہ میرا دین ہے نہ اعتقاد ہے مگر اسمیں شک نہیں کہ میں سب سے بہتر امام اور

اور حضرت سیدہ اور امام کے دونوں نواسوں حسن و حسین اور ان کی ماں [illegible]

سب سے بہتر ہادی (حضرت علیؑ) کو مولا سمجھتا ہوں۔ پس اگر حضرت علی ولی کی محبت ہی رفض ہے تو میں بے شک سب سے بڑا رافضی ہوں (رشفة الصادی ص۹۷ و ۹۸ و ص۱۱۵ صواعق محرقہ ص۹۷ وینابیع المودة ص۲۹۷ و وسیلة النجاة ص۳ و نور الابصار وغیرہ)

مولوی صاحب۔ ہاں یہ تو واقعاً زیادتی ہے کہ اہلبیت کی محبت کی وجہ سے کسی کو رافضی کہہ دیا جائے۔ مگر امام شافعی صاحب بھی تو اعتدال پر باقی نہیں رہے کہہ دیا جو شخص اہلبیتؑ پر درود نہیں بھیجے اُس کی نماز ہی نہیں ہوتی

حسینی بیگم۔ نہیں وہ تو حد سے نہیں گزرے۔ اس بات کی تو حدیث موجود ہے۔

مولوی صاحب۔ وہ کون سی اور کس کتاب میں ہے۔

حسینی بیگم۔ بہت سی حدیثیں بہت سی کتابوں میں ہیں۔ میں صرف ایک حدیث ایک ایسی کتاب سے پیش کرتی ہوں جسکے ماننے میں تم کوئی عذر کر ہی نہیں سکتے سنو جناب مولانا صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی تحریر فرماتے ہیں۔

من صلی صلوة لم یصل فیھا علیّ و علی اھل بیتی لم تقبل منه یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو شخص ایسی نماز پڑھے جس میں مجھ پر اور میرے اہلبیت پر درود نہیں بھیجے اسکی نماز ہی قبول نہیں کیجائیگی (دلیل الطالب ص۳۰)

مولوی صاحب۔ واقعاً یہ لاجواب دلیل ہے جسمیں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ اچھا اب سردی معلوم ہوتی ہے اور ابھی رات باقی ہے۔ پھر کچھ سونے کی کوشش کروں۔ تم بھی سو رہو۔

حسینی بیگم۔ نہیں اب کیا سوؤنگی۔ صبح ہو رہی ہے۔ خدا کی عبادت کرنی چاہیئے۔

مولوی صاحب۔ تم تو ہر چیز میں مجھ سے افضلیت ہی حاصل کرتی ہو۔

حسینی بیگم۔ نہیں۔ اسمیں افضلیت کیا ہے۔

مولوی صاحب۔ واہ یہ کم ہے کہ میں نے سونے کا نام لیا اور تم نے عبادة کا۔

حسینی بیگم۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔

تیسرا باب

مصیبت میں حضرت رسولِ خدا اور آپکی آلِ پاک سے توسل کا اثر

جنوری کے شروع میں الہ آباد کی آب و ہوا خراب ہو گئی۔ شہر میں طاعون پھیل گیا۔ سیکڑوں آدمی مر گئے۔ آیندہ کیا ہو گا کسی کو خبر نہیں۔ مولوی عبدالرزاق صاحب اور حسینی بیگم بڑے لطف کی زندگی بسر کرتے تھے اور دونوں کی خوشی دیکھکر ان کے والدین پھولے نہیں سماتے تھے۔ مگر اس طاعون میں مولوی عبدالرزاق صاحب بھی مبتلا ہو گئے۔ اور ایسے شدید علیل ہوئے کہ بچنے کی امید جاتی رہی۔ دونوں گھروں میں انتہا درجہ کا تلاطم تھا حکیموں اور ڈاکٹروں سب کا علاج کیا گیا مگر طبیعت کسی طرح رو بہ اصلاح نہیں ہوتی تھی۔ حسینی بیگم کی آنکھوں میں تو دنیا سیاہ ہو رہی تھی اور چونکہ ابھی شادی کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے اس وجہ سے بے تکلفی سے اپنے جذبات کو ظاہر بھی نہیں کر سکتی تھی۔ حکیم عبدالوہاب صاحب اور مولوی عبدالحمید صاحب کی پریشانی کا بھی کیا کہنا ہے۔ جب ہر قسم کے علاج سے تھک گئے تو مولوی عبدالحمید صاحب نے گنڈے۔ عمل۔ دعا کی بہت سی تدبیریں کیں مگر وہ سب بھی بے اثر رہیں۔ اور مولوی عبدالغفار صاحب ایک دو روز کے مہمان معلوم ہونے لگے۔ تب تو مولوی عبدالحمید صاحب نے بیٹی کو الگ بلا کر گلے سے لگالیا اور دونوں باپ بیٹی خوب دل کھولکر روئے۔ ادھر حکیم عبدالوہاب صاحب اور انکی بیوی بھی ماہی بے آب کی طرح روتی اور تڑپتی تھیں۔ غرض اس خوش اور آباد گھر کی ایسی حالت ہو رہی تھی کہ خدا کسی دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ جب اچھی طرح آنکھوں سے آنسو بہ گئے تو مولوی عبدالحمید صاحب نے حسینی بیگم سے کہا۔

مولوی عبدالحمید صاحب۔ بیٹی! کیا کہوں تیرا کیا سامان نظر آ رہا ہے میں نے

بہت سی دعائیں بھی پڑھیں۔ فلاں فلاں پیر صاحبان کے روضوں پر جا کر الحاح وزاری بھی کی۔ تعویذ وغیرہ بھی باندھے مگر سب بیکار ہوا۔ تم نے بھی دعا وغیرہ میں کمی نہیں کی ہوگی۔ لیکن کسی اور معتبر کتاب وغیرہ میں کوئی مجرب طریقہ نظر سے گزرا ہو تو خیال کر کے اس کو بھی کر دیکھو۔ مصیبت میں انسان کو چاہیئے کہ اپنے حواس کو قبضہ میں رکھے۔ اور تدبیر اور پھر خدا سے دعا کئے جائے۔

حسینی بیگم کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے وہ ایک لفظ بھی نہ بولی جمعرات کا دن تھا۔ شام ہوتے ہوتے مولوی عبدالرزاق صاحب کا بخار اور تیز ہو گیا گلٹیوں میں درد بڑھ گیا اور بہکی بہکی باتیں بھی کرنے لگے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا تھا کہ اب سرسام ہو رہا ہے۔ اُس وقت کی حالت کیا بیان کیجائے۔ گھر میں کہرام بپا تھا۔ حسینی بیگم سے وہ حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ دوسرے کمرے میں جا کر ایک تخت پر گر پڑی اور روتے روتے جان کھوتی تھی جب تھک گئی اور آنسو بھی کم ہوئے تو مردہ حال پڑی تھی کہ دفعتہً اُس کے خیال میں ایک بات آئی جس سے کچھ جان آگئی۔ وہ فوراً اٹھ بیٹھی اور پھر اپنے کو سنبھال کر اس کمرے میں گئی جہاں مولوی عبدالرزاق صاحب پڑے تھے اور دونوں کے اعزہ انکو گھیرے بیٹھے تھے۔ یہ کسی سے کچھ نہیں بولی۔ اور ایک الماری سے کوئی کتاب نکال کر پھر اُسی کمرے میں چلی گئی جس میں پڑی تھی۔ اور وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اُس کے بعد کسی عمل کو کرنے لگی۔ اُس کی ساس کئی مرتبہ آکر دیکھ گئیں کہ حسینی بیگم کیا کرتی ہیں۔ اور سب کو نہایت درجہ تعجب ہو رہا تھا کہ حسینی بیگم جو بے جان ہو رہی تھی اس وقت کس عمل کو کر رہی ہے۔ اسکے تیور سے معلوم ہوتا تھا کہ اس عمل سے اسکو یقین ہے کہ مردہ بھی زندہ ہو جائیگا۔ بہت دیر تک وہ اسی عمل کو کرتی رہی اور رشتہ کی بی بیاں جو مولوی عبدالرزاق کی زندگی کی آخری رات سمجھکر بھری تھیں بار بار آتیں اور اس کو اس اطمینان سے تسبیح پڑھتے دیکھکر نہایت حیران ہوتی تھیں۔ سب سکتے میں تھے کہ شوہر دم توڑ رہا ہے اور بیوی اس

اطمینان سے عبادت کر رہی ہے ۔ نہ معلوم حسینی بیگم کے اس عمل میں کیا اثر تھا کہ جمعہ کی صبح ہوتے ہی مولوی عبدالرزاق صاحب کا بخار کم ہونے لگا۔ سر کا درد بھی خفیف ہوگیا ۔ اور انھوں نے آنکھیں بھی کھولیں ۔ پھر کیا تھا گھر بھر میں عید تھی اور سب کی زبان سے بیساختہ نکل جاتا تھا کہ "یہ حسینی بیگم کے عمل کا نتیجہ ہے" چند دنوں کے بعد وہ بالکل اچھے ہوگئے اور اس کے ساتھ ہی محلہ بھر میں دھوم ہوگئی کہ حسینی بیگم نے اپنے عمل سے اپنے شوہر کو قبر سے نکال لیا" جب مولوی صاحب نے غسل صحت کیا تو رشتہ کی سب عورتیں جمع تھیں ۔ بالکل شادی کا گھر معلوم ہوتا تھا ۔ حسینی بیگم کو اس طرح آراستہ کیا کہ دلہن بن گئی اور سب کی زبان پر تھا کہ "بوی مبارک ہو ۔ تم نے اپنے ہی عمل سے اپنا سہاگ قائم رکھا ۔ تم خوب پھولو پھلو" ۔ بہت سے فقرا ، یتیموں اور بیوؤں کو حسینی بیگم نے کپڑے تقسیم کیئے ۔ رشتہ داروں کے ہاں بھی کھانے بھیجے گئے ۔ غرض جس قدر خوشی ہو سکی کی گئی ۔ شام ہوتے ہوتے جب سب مہمان رخصت ہوگئے اور دونوں میاں بیوی سونے کے لئے پلنگ پر پہونچے تو اس طرح باتیں ہونے لگیں ۔

مولوی صاحب ۔ تم کو مبارک ہو ۔

حسینی بیگم ۔ خدا کا لاکھوں شکر ہے کہ اس نے تم کو اور اسکے ساتھ مجھکو بھی زندہ کر دیا

مولوی صاحب ۔ مگر تم نے کون سا عمل کیا تھا ۔

حسینی بیگم نے کل واقعات بیان کیئے اور کہا کہ جب ہر طرح مایوسی ہوگئی اور تمہاری آخری حالت معلوم ہونے لگی تو میرے دل میں آیا کہ حضرت رسولخدا اور آپ کی آل پاک سے توسل کرنا چاہیئے ۔

مولوی صاحب ۔ پھر کیا کیا ؟

حسینی بیگم ۔ میں نے دو رکعت نماز پڑھکر ہزار مرتبہ حضرت صلعم پر اور حضرت کی آل پاک پر درود پڑھا اور تمہاری صحۃ کی دعا کی ۔

مولوی صاحب ۔ یہ اپنے دل سے کیا یا کسی کتاب میں دیکھا تھا ؟

حسینی بیگم ۔ اپنے دل سے کیا کرتی ۔ البتہ کتابوں میں نظر سے گزرا تھا اس وقت اپنی بستی میں یاد آگیا۔

مولوی صاحب ۔ وہ کسی کتاب کی عبارت مجھے بھی سناؤ۔

حسینی بیگم ایک کتاب نکال لائیں اور کہا۔

حسینی بیگم ۔ دیکھو علامہ ابوبکر لکھتے ہیں کہ "علامہ سمہودی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ شیخ صالح موسیٰ نے جو نابینا تھے بیان کیا کہ ایک دفعہ وہ سمندر کا سفر کرتے تھے کہ بہت شدید طوفان آیا اور کشتی ڈوبنے کے قریب ہوگئی ۔ اس وقت میری آنکھ لگ گئی تو حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ مجھ سے فرماتے ہیں اس کشتی والوں سے کہو کہ ہزار مرتبہ کہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنْجِیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَکَ اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَا اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیَاۃِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ (اے اللہ تو ہمارے سردار حضرت محمدؐ اور ہمارے سردار محمدؐ کی آل پاک پر درود بھیج ۔ ایسا درود جس کے صدقے میں تو ہم لوگوں کو سب ڈر کی باتوں اور آفتوں سے نجاۃ دے اور ہم لوگوں کی کل حاجتوں کو پوری کر اور اس کے واسطے سے ہمیں کل برائیوں سے پاک کردے اور اس کے ذریعہ سے ہمیں اپنے ہاں اعلیٰ درجات تک بلند فرما اور اس کے توسل سے ہمیں زندگی میں اور مرنے کے بعد کل خوبیوں کی انتہائی حدوں تک پہونچا تارہ) یہ خواب دیکھکر میں جگ گیا اور کشتی کے لوگوں کو اس خواب سے خبر دی۔ جس پر ہم سب لوگوں نے حضرت رسولخداؐ اور آپ کی آل پاک پر اسطرح درود پڑھنا شروع کیا ۔ یقین کرو کہ ابھی ہم لوگ تین سو مرتبہ درود پڑھنے پائے تھے کہ خداوند عالم نے حضرت محمد مصطفیٰؐ اور آپ کی آل پاک کی برکت سے اس مصیبت کو رفع کردیا کہ طوفان جاتا رہا ۔ اور کشتی ڈوبنے سے بچ گئی اور ہم سب لوگوں کو دوبارہ زندگی مل گئی ۔

مولوی صاحب ۔ یہ کس کتاب میں ہے ۔

حسینی بیگم - کتاب رشفۃ الصادی مطبوعہ مصر صفحہ ۳۳ میں۔ اسی کتاب کے صفحہ ۳۲ میں ایک عمل بھی لکھا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ جب تم کو کسی بات کا ڈر ہو تو یوں دعا کرو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ اَنْ تَکْفِیَنِیْ مَا اَخَافُ وَاَحْذَرُ فَاِنَّکَ تَکْفِیْ ذٰلِکَ الْاَمْرَ (اے اللہ تو حضرت محمدؐ اور آل محمدؐ پر درود بھیج - اے اللہ میں تجھ سے حضرت محمدؐ اور انکی آل کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں کہ جس بات سے میں ڈرتا ہوں اور بچنا چاہتا ہوں اُس سے تو میری حفاظت کر کیونکہ تو یقیناً اُس مشکل کے لئے کافی ہے)۔

مولوی صاحب - اور تم نے کس طریقہ پر عمل کیا تھا۔

حسینی بیگم - میں تو ٹیچی تھی - اس وجہ سے دہی ہزار دفعہ درود والا عمل کیا اور ایک اوسط درجہ کا عمل بھی اس کتاب کے صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے۔

مولوی صاحب - وہ کیا؟

حسینی بیگم - لکھا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا مَنْ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ مِائَۃَ مَرَّۃٍ قَضَی اللّٰہُ لَہٗ مِائَۃَ حَاجَۃٍ یعنی جو شخص محمدؐ اور اُن کے اہل بیت پر سو مرتبہ درود پڑھیگا خدا اسکی سو حاجتیں پوری کریگا۔

مولوی صاحب - تم کو بہت سے عمل بھی معلوم ہیں۔

حسینی بیگم - معلوم کیا ہیں ایسے ہزاروں واقعات ہوتے رہتے ہیں اسوجہ سے علماء نے سب کو لکھدیا۔

مولوی صاحب - میں ان باتوں کا قائل نہیں تھا - مگر تم نے تو میری زبان بند کردی۔

حسینی بیگم - نہیں اگر کتابوں میں نہ ہوتا تو میں بھی عمل نہیں کرتی۔

مولوی صاحب - ہاں خدا جس عمل کو قبول کرے۔

حسینی بیگم - ہاں مگر یہ بھی تو دیکھو کہ وہ کس کے ذریعہ سے قبول کرتا ہے۔

چوتھا باب

اس کی تحقیق میں کہ اہلبیت سے کون لوگ مراد ہیں

مولوی صاحب ۔ مگر اہلبیت سے تم کن لوگوں کو سمجھتی ہو۔

حسینی بیگم ۔ جناب سیدہؑ اور جناب امیرؑ اور امام حسنؑ و امام حسینؑ کو۔

مولوی صاحب ۔ یہ تو زبردستی ہے ۔ اہل بیت سے مراد تو حضرت رسولخداؐ کی بیویاں ہیں ۔

حسینی بیگم ۔ کس دلیل سے ۔

مولوی صاحب ۔ قرآن مجید سے بڑھکر کیا دلیل ہوسکتی ہے ۔

حسینی بیگم ۔ بے شک قرآن کے مقابلہ میں کوئی دلیل نہیں ہوسکتی ۔

مولوی صاحب ۔ تو میں اسی سے ثابت کردوں گا کہ اہل بیت سے مراد آنحضرتؐ کی ازواج ہیں ۔

حسینی بیگم ۔ ہاں تم تو عالم ہو ۔ میں جاہل ہوں اور اس پر ان پڑھی عورت ۔ تم ثابت ضرور کردوگے ۔ مگر ایسا ثبوت دو کہ میری تشفی ہوجائے ۔

مولوی صاحب ۔ ہاں ۔ ہاں میں تمہارا اطمینان ہی کروں گا ۔ مناظرہ نہیں چاہتا دیکھو خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے ۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا یعنی اے اہلبیت خدا یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کرے اور پاک و پاکیزہ کردے ۔ بہت زیادہ پاکیزہ کرنا ۔ (پارہ ۲۲ سورہ احزاب رکوع ۱) اور اس آیۃ کے پہلے بھی خدا نے ازواج کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد بھی تو معلوم ہوا کہ اہلبیت سے ازواجِ رسولؐ ہی مراد ہیں

حسینی بیگم ۔ یہ بتاؤ کہ اس سورہ میں خدا نے اس آیۃ سے پہلے کتنی دفعہ ازواج کا

ذکر کیا ہے۔ اور اس کے بعد کتنی مرتبہ۔

مولوی صاحب ۔ یہ تو قرآن مجید کھول کر گنا جائے تو معلوم ہو۔

حسینی بیگم ۔ مجھ سے سنو۔ اس سے اوپر خدا نے چھ مرتبہ اور اس کے بعد ایک مرتبہ ذکر کیا ہے۔ پہلے تو یہ کہا یا ایھا النبی قل لازواجک۔ دوسرے ان کنتن تردن اللہ الایہ تیسرے یا نساء النبی من یات الایہ چوتھے و من یقنت پانچویں یا نساء النبی لستن۔ چھٹے وقرن۔ اور آیہ تطہیر کے بعد صرف یہ واذکرن ما یتلی الایہ۔ اب دیکھو کہ آیہ تطہیر سے پہلے جو چھ مرتبہ خدا نے ازواج رسولؐ کا ذکر کیا اُن میں "ازواج" اور "نساء" کا لفظ لایا اور ضمیریں بھی سب مونث ہی کی لایا۔ (۱) کُنْتُنَّ (۲) تُرِدْنَ (۳) تَعَالَیْنَ (۴) اُمَتِّعْکُنَّ (۵) اُسَرِّحْکُنَّ (۶) کُنْتُنَّ (۷) تُرِدْنَ (۸) مُحْسِنَاتِ (۹) مِنْکُنَّ (۱۰) مِنْکُنَّ (۱۱) لَھَا (۱۲) مِنْکُنَّ (۱۳) تَعْمَلْ (۱۴) نُؤْتِھَا (۱۵) اَجْرَھَا (۱۶) لَھَا (۱۷) لَسْتُنَّ (۱۸) اِتَّقَیْتُنَّ (۱۹) تَخْضَعْنَ (۲۰) قُلْنَ (۲۱) قَرْنَ (۲۲) بُیُوْتِکُنَّ (۲۳) تَبَرَّجْنَ (۲۴) اَقِمْنَ (۲۵) آتِیْنَ (۲۶) اَطِعْنَ اور آیہ تطہیر کے بعد بھی ضمیر مونث ہی کی لایا (۲۷) اُذْکُرْنَ (۲۸) بُیُوْتِکُنَّ۔ کہو میں نے یہ صحیح حساب بتایا یا غلط۔

مولوی صاحب ۔ مگر یہ تم صیغے کیا بیٹھی گردانے لگیں۔

حسینی بیگم ۔ یہ بتاؤ کہ اتنی دفعہ میں خدا نے کسی جگہ بھی مذکر کی ضمیر استعمال کی؟

مولوی صاحب ۔ نہیں۔

حسینی بیگم ۔ اب آیہ تطہیر کو دیکھو کہ کل آیت میں مذکر ہی کی ضمیر ہے (۱) عَنْکُمْ (۲) یُطَھِّرَکُمْ۔ اب یہ بتاؤ کہ تم خدا کا دماغ صحیح سمجھتے ہو یا خراب۔

مولوی صاحب ۔ معاذ اللہ یہ کیا کفر کی باتیں کرنے لگیں۔ خدا کا دماغ ہمیشہ صحیح ہی رہتا ہے۔

حسینی بیگم ۔ نہیں خدا کے تو دماغ ہی نہیں ہے ۔ اپنی بولی میں کہتی ہوں کہ

اُسکی کوئی بات جہل۔ بے قاعدہ۔ اور غلط تو نہیں ہوسکتی؟

مولوی صاحب۔ بے شک نہیں ہوسکتی۔

حسینی بیگم۔ تو خدا نے جہاں جہاں ازواج نبی یا نساء نبی کہا وہاں مونث کی ضمیر کیوں لایا۔ اور خاص آیہ تطہیر میں مذکر کی ضمیر کیوں کردی؟

مولوی صاحب۔ چونکہ اہلبیتؑ میں حضرت رسولؐ کی آل جناب علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو بھی رکھا تھا۔ اس وجہ سے تغلیباً ضمیر مذکر کی لایا۔

حسینی بیگم۔ تغلیباً کیا؟

مولوی صاحب۔ یعنی مردوں کا غلبہ ظاہر کرنے کو۔

حسینی بیگم۔ بس اب فیصلہ آسان ہے۔ مردوں کا غلبہ کیوں کر ظاہر ہوتا ہے

مولوی صاحب۔ اس لیے کہ تین مرد ہیں حضرت علیؑ حسنؑ حسینؑ۔

حسینی بیگم۔ اور عورتیں کتنی ہیں؟

اب تو مولوی صاحب چپ ہوگئے۔

حسینی بیگم۔ بولو خاموش کیوں ہوگئے۔ اگر عورتوں سے زیادہ مردوں کی تعداد ہو تب مردوں کے لئے ضمیر مذکر لانا تغلیباً کہا جائیگا۔ یا کم ہونے کی صورت میں۔

مولوی صاحب۔ ہاں جب زیادہ ہو تب صحیح ہوگا۔

حسینی بیگم۔ اور تم کہتے ہو کہ آیہ تطہیر ازواج کیلئے آئی۔ تو ازواج کتنی تھیں؟

مولوی صاحب۔ آٹھ یا نو۔

حسینی بیگم۔ اور جناب سیدہ بیٹی کو بھی شریک کرو۔ تو اس طرح نو یا دس بیویاں ہوگئیں۔ ان کے مقابلہ میں صرف تین مرد ہوتے ہیں۔ بلکہ تین مرد بھی نہیں۔ ایک مرد اور دو بچے۔ کیونکہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ تو آٹھ برس کے بھی نہیں تھے بتاؤ جس کام میں خدا دس عورتوں کے ساتھ صرف ایک مرد اور دو بچوں کو شریک کرے اس کے لئے مونث کی ضمیر لانا مناسب ہے یا مذکر کی؟

مولوی صاحب۔ ہاں یہ اعتراض تو بہت زبردست ہے۔

حسینی بیگم۔ اچھا اسکو بتاؤ کہ ایک گھر میں کسی شخص کی بہت سی عورتیں ہوں اور تین چار لڑکے بھی ہوں اور وہ شخص اُن لوگوں سے اس طرح کہے کہ "بی بیو دیکھو تم صبح کو اٹھتی ہو تو نماز کے بعد قرآن پڑھا کرو۔ اور کھانا کھا کر ہاتھ دھوتی ہو تو پانی صحن میں گرایا کرو۔ اور رات کو سوتی ہو تو دروازے بند کر دیا کرو۔ اور گھر والو دیکھو اگر تم ملکر رہو گے تو مضبوط سمجھے جاؤ گے۔ اور ایمانداری سے بسر کرو گے تو عزت پاؤ گے۔ اور بی بیو جو خرچ کرتی ہو اسمیں فضول خرچی نہ کیا کرو" تو یہ پورا کلام صرف بی بیوں سے سمجھا جائیگا؟

مولوی صاحب۔ نہیں اسمیں تو صاف ہے کہ "اٹھتی ہو"۔ "دھوتی ہو"۔ "سوتی ہو"۔ "خرچ کرتی ہو"۔ بی بیوں سے خطاب ہے۔ اور "رہو گے"۔ "جاؤ گے"۔ "کرو گے" "پاؤ گے" لڑکوں سے خطاب ہے۔

حسینی بیگم۔ بس اسی طرح اس آیۃ میں بھی ہے۔ پھر لِيُذْهِبَ عَنكُمُ اور يُطَهِّرَكُم میں جو مذکر کی ضمیریں ہیں اُن سے ازواج رسولؐ کیوں سمجھتے ہو؟

مولوی صاحب۔ تم نے تو ایسی مثال دی کہ زبان ہی بند کر دی۔

حسینی بیگم۔ ایسی ہی ایک اور آیۃ پارہ ۱۲ سورہ ہود رکوع ۷ میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کے گھر داخل ہو کر کہا اَتَعْجَبِينَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ۔ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ یعنی اے حضرت ابراہیمؑ کی بیوی (سارہ) تم کو خدا کی قدرت سے یہ امر کچھ عجیب معلوم ہوتا ہے؟ اور اے ابراہیمؑ کے اہلبیت تم پر خدا کی رحمت اور اسکی برکتیں نازل ہوں۔ اس کے پہلے خاص حضرت ابراہیم کی بیوی سے خطاب کیا کہ تم کو خدا کی قدرت سے بھی تعجب ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کے اہلبیت سے خطاب کر کے رحمۃ اور برکتوں کی خوشخبری دی۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ پہلا لفظ تعجبین صیغہ واحد مونث کا ہے جو بیوی کے لئے ہے۔ اور علیکم اہل البیت میں کُمْ ضمیر جمع مذکر کی ہے جو اُس سے علحدہ ہے۔ دیکھو تم ہی نے پہلے قرآن شریف سے بحث کا مسئلہ چھیڑا ہے

تو ابھی حدیث سے نہ میں بحث کرتی ہوں نہ تم نام لو۔ پہلے قرآن شریف سے فیصلہ کر لو۔ اس کے بعد حدیث سے بھی بحث کر لی جائیگی۔

مولوی صاحب۔ واقعاً قرآن پاک سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ تبجبین کا خطاب دوسرے سے ہے اور علیکم اہل البیت دوسرے لوگ تھے۔

حسینی بیگم۔ قرآن شریف میں ایک اور جگہ اہل البیت آیا ہے اسکو بھی دیکھو جب حضرت موسیٰ کو فرعون کی عورت نے دریا سے نکلوایا۔ تو خدا نے سب اناؤں کا دودھ آپ پر حرام کر دیا۔ اس وقت حضرت موسیٰ کی بہن نے فرعون کے لوگوں سے کہا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ یعنی کہو تو میں تم کو ایک خاندان کا پتہ بتاؤں کہ وہ تمہارے لئے اس بچے کی پرورش کریں گے (پارہ ۲۰ سورہ قصص رکوع ۱/۲) کہو یہاں بھی اہل بیت کا معنی بیویاں کہو گے یہاں بھی اہل بیت کے لئے جو فعل یکفلون لایا ہے وہ صیغہ جمع مذکر کا ہے۔

مولوی صاحب۔ ہاں یہاں تو اہل بیت کا معنے بیویاں ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ مگر عربی زبان میں اہل کے معنے تو زوجہ ہی ہے۔

حسینی بیگم۔ تو اہل بیت کے معنے ہوا گھر کی زوجہ؟

مولوی صاحب۔ ہاں۔

حسینی بیگم۔ (ہنسکر) کیا خوب۔ زوجہ آدمی کی ہوتی ہے۔ یا گھر کی زوجہ؟ کوٹھی کی زوجہ؟ محل کی زوجہ؟ بنگلہ کی زوجہ؟ کسی نے بھی یہ سنا ہے۔ اگر خدا نے اہلبیت سے ازواج کو مراد لیا ہوتا تو جس طرح یا نساء النبی۔ یا ازواجک کہا تھا اسی طرح کہتا اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ النَّبِیِّ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۔ تو کیا خدا نے اسی طرح فرمایا ہے؟

مولوی صاحب۔ نہیں یہ تو نہیں ہے۔

حسینی بیگم۔ تو پھر خدا کو کیا ہو گیا تھا کہ ازواجک اور نساء النبی کہتے کہتے اہل البیت کہدیا۔ حالانکہ (تمہارے قول کے مطابق) اہل النبی کہنا چاہیے تھا۔

مولوی صاحب - تو کیا بیوی کو اہل نہیں کہتے ہیں ؟
حسینی بیگم - ابھی تم نے خود اس بحث کو قرآن شریف ہی تک محدود رکھا ہے - اس واجہ سے میں صرف اسی سے بحث کرتی ہوں -
مولوی صاحب - ہاں ہاں میں صرف قرآن پاک ہی سے اس کا فیصلہ چاہتا ہوں -
حسینی بیگم - تو قرآن شریف کی ان آیات کا کیا ترجمہ کرو گے - قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ کُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَکَ (پارہ ۱۲ سورہ ہود رکوع ۴)
مولوی صاحب - اس کا ترجمہ تو سب قرآنوں میں یہ ہے کہ خدا نے حضرت نوح سے فرمایا کہ اپنی کشتی میں ہر قسم کے جانوروں سے دو دو جوڑے رکھ لو اور اپنے گھر والوں کو رکھ لو -
حسینی بیگم - تو کیا یہاں اَہلک سے مراد حضرت نوح کی بیوی ہیں ؟
مولوی صاحب - نہیں وہ تو نہیں ہیں -
حسینی بیگم - اچھا اس آیۃ کا ترجمہ کرو - وَ نَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ (پارہ ۱۲ رکوع ۴)
مولوی صاحب - حضرت نوح نے اپنے پروردگار سے پکار کر کہا کہ میرا بیٹا میرے اہل سے ہے -
حسینی بیگم - یعنی وہ حضرت نوح کی بیوی تھے ؟
مولوی صاحب - لاحول ولا قوۃ - کیا مہمل بولنے لگتی ہو - بیٹا کیسے بیوی ہو جائیگا ؟
حسینی بیگم - تم ہی نے دعوی کیا ہے کہ اہل بیوی کو کہتے ہیں - تو یہاں اہل ہی ہے اس کا معنے بیوی کیوں نہیں کہتے - اچھا اس کا ترجمہ کرو قَالَ یَا نُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِکَ -
مولوی صاحب - خدا نے کہا اے نوح یہ تمہارا بیٹا تمہارے اہل سے نہیں ہے -
حسینی بیگم - یعنی تمہاری بیوی نہیں ہے ؟

مولوی صاحب - نہیں یہاں بھی اہل کا معنی بیوی نہیں ہو سکتا ہے۔
حسینی بیگم - اچھا اس کا ترجمہ کرو رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا (پارہ ۵ رکوع ۷)
مولوی صاحب - اے اللہ مجھے اس گاؤں سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں۔
حسینی بیگم - واہ لوگ کیوں ترجمہ کرتے ہو؟ بیویاں کیوں نہیں کہتے؟ کیا اُس گاؤں کی بھی شادی عورتوں سے ہوئی تھی جس سے خدا اُس گاؤں کی ازواج کے بارے میں کہتا ہے کہ ظالم ہیں؟
مولوی صاحب - نہیں گاؤں کی شادی کیسے ہو گی اور گاؤں کی ازواج کیسے ہو سکتی ہیں۔
حسینی بیگم - اچھا اس کا مطلب بتاؤ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا (پارہ ۵ رکوع ۳)
مولوی صاحب - اور اگر تم کو میاں بیوی میں اختلاف کا ڈر ہو تو مرد کے کنبے سے ایک پنچ اور عورت کے کنبے سے ایک پنچ مقرر کرو۔
حسینی بیگم - اب یہاں کنبہ کیوں ترجمہ کرتے ہو؟ لفظ تو اہل ہے اس کا ترجمہ کرو بیوی یعنی عورت کی بھی کوئی بیوی ہو۔ کیوں عورت کی بھی کسی لڑکی سے شادی ہوتی ہے جس سے وہ لڑکی اُس عورت کی اہل یعنی بیوی ہو جائے؟ کیا آجتک تم نے یہ سُنا ہے؟
مولوی صاحب - نہیں یہاں بھی اہل کا معنی خاندان اور کنبہ ہے۔ عورت کی بیوی کیسے ہو گی۔ کیا کسی عورت کی شادی کسی لڑکی سے ہوتی ہے؟
حسینی بیگم - اچھا اس کا ترجمہ کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (پارہ ۵ رکوع ۵)
مولوی صاحب - اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو لوٹا دو۔
حسینی بیگم - یہاں بھی کہدو کہ امانتوں کی شادی عورتوں سے ہوتی ہے۔ ان کی بیویوں کو خدا کہتا ہے۔ اچھا اس کا کیا مطلب ہے اِذَا اَخَذَتِ الْاَرْضُ

زُخرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَا اَنَّهُمْ قَادِرُوْنَ (پارہ ۱۱ رکوع ۸)

مولوی صاحب۔ جب زمین نے اپنا سنگھار کر لیا اور خوشنما ہوئی اور کھیت والوں نے سمجھا کہ اب وہ اُس پر قابو پا گئے۔

حسینی بیگم۔ یہاں بھی کھیت والے کیوں ترجمہ کرتے ہو؟ کہدو کہ کھیت کی بھی شادی ہوتی ہے۔ یعنی کھیت کی بیویوں نے سمجھا۔ اچھا اس کا ترجمہ بتاؤ۔ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا (پارہ ۱۲ رکوع ۱۳)

مولوی صاحب۔ حضرت یوسف نے کہا کہ زلیخا نے مجھے بہکانا چاہا اور زلیخا کے کنبے والوں سے ایک گواہ نے گواہی دی۔

حسینی بیگم۔ یہاں بھی تو اہلہا ہے۔ تو کہدو زلیخا کی بھی کوئی زوجہ تھیں انھوں نے گواہی دی۔ اچھا اس کا ترجمہ کرو۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا (پارہ ۱۶ رکوع ۵)

مولوی صاحب۔ اور قرآن میں مریم کا ذکر بھی سناؤ جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہوئیں۔

حسینی بیگم۔ یہاں بھی زوجہ ترجمہ کیوں نہیں کرتے کہ حضرت مریم اپنی زوجوں سے الگ ہوئیں! اچھا اس کا مطلب بتاؤ۔ فَاَنْجَيْنَاهُ وَاَهْلَهٗ اِلَّا امْرَاَتَهٗ (پارہ ۱۸ رکوع ۱۷ اور پارہ ۲۰ رکوع ۱۹)

مولوی صاحب۔ ہم نے لوط کو اور اُن کے گھر والوں کو بچایا مگر انکی بیوی کو نہیں بچایا۔

حسینی بیگم۔ اب تم کو معلوم ہوا کہ اہل کا معنی بیوی ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ خدا نے اہل کو الگ کہا اور امراۃ کو الگ۔ اہل معنی گھر والے۔ امراۃ معنی بیوی۔

مولوی صاحب۔ واقعی یہ آیۃ تم نے ایسی پیش کی کہ میری عقل جاتی رہی یہاں تو کوئی تاویل ہو ہی نہیں سکتی کہ خدا نے زوجہ کو الگ کرنے کیلئے

امرأۃ کہا اور گھر والوں کو اس سے الگ بتانے کو اہل کہا۔

حسینی بیگم۔ اچھا اس کا ترجمہ بتاؤ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ (پارہ ۲۰ ع ۱۶)

مولوی صاحب۔ ہم انکو اوران کے گھر والونکو بچالینگے مگرانکی بیوی کو نہیں بچائیں گے۔

حسینی بیگم۔ دیکھا یہاں بھی خدا نے اہل کو الگ کہا اور بیوی کو الگ۔ اسی طرح قرآن میں بہت سی جگہ اہل کا لفظ ذکر کیا ہے اور اُس سے کسی طرح بیوی مراد نہیں ہے بلکہ خدا نے جہاں جہاں بیوی کا ذکر کیا ہے وہاں امرأۃ۔ ازواج۔ نساء سے یاد کیا ہے۔ تمام قرآن شریف میں دیکھ جاؤ۔ اور دوسرے گھر والوں کو اہل کہا۔

مولوی صاحب۔ میرے پاس تمہاری ان دلیلوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔

حسینی بیگم۔ یہ تو لفظ سے بحث تھی۔ اب معنی سے بھی دیکھو تو اہل بیت سے ازواج ہی کسی طرح مراد نہیں ہوسکتیں۔

مولوی صاحب۔ وہ کس طرح۔

حسینی بیگم۔ اس لئے کہ خدا نے اہلبیت کے بارے میں فرمایا کہ میں تم کو ہر برائی سے دور رکھونگا اور تم کو پاک و پاکیزہ بنائے رہوں گا مگر حضرت رسولخداؐ کی بیویوں کو برائی یا بدنامی سے نہیں بچایا۔ اگر خدا نے بیویوں کو پاک کہنے کا ارادہ کیا ہوتا تو کبھی انکو بدنام نہیں ہونے دیتا نہ وہ بدنام ہوتیں۔ دنیا بھر مل جاتی جب بھی کوئی بیوی بدنام نہیں ہوسکتی تھی۔ کیونکہ اس سے خدا عاجز ثابت ہوتا کہ اس نے تو انکو ہر برائی سے بچانا چاہا مگر نہ بچاسکا۔ بدنامی بھی تو ایک برائی ہے۔ بتاؤ۔ اگر مجھے کوئی کہدے کہ فلاں مرد سے ناجائز تعلق ہے تو میری بدنامی نہیں ہوگی۔

مولوی صاحب۔ خدا نہ کرے۔ پھر تو میں زندہ گڑ جاؤں گا۔ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ مگر تم کیا کہنا چاہتی ہو۔

حسینی بیگم۔ یہ کہ اگر ازواج کو خدا نے پاک کیا ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایسی بدنام نہ ہوتیں کہ دوسرے مرد سے متہم ہوئیں اور تمام شہر مدینہ میں غل ہوگیا

اور حضرت رسولخدا صلعم نے بہت دنوں تک انکو چھوڑ دیا۔ جو سب قرآن مجید میں موجود ہے (پارہ ۱۸ سورہ نور رکوع ۸)

مولوی صاحب۔ ہاں حضرت عائشہ بدنام تو ضرور ہوئیں۔ اور حضرت رسولخدا صلعم نے انکو چھوڑ بھی دیا تھا۔

حسینی بیگم۔ اب انصاف سے بتاؤ جسکو خدا پاک رکھنا چاہے اسکی شان یہی ہو سکتی ہے؟ میں ابھی تاریخ اور حدیث سے بحث نہیں کرتی۔ ورنہ بتاتی کہ جنگ جمل میں بھی جا کر حضرت عائشہ نے کیا کیا۔ اور اسکے بعد توبہ کرتی رہیں۔ اگر خدا نے انکو پاک کیا ہوتا تو نہ خدا و رسولؐ کے حکم کے خلاف گھر سے نکلتیں۔ نہ جنگ جمل میں جاتیں جو حضرت علیؑ سے لڑنے کا شدید گناہ تھا۔ نہ جہاد کرتیں جو عورتوں پر حرام ہے۔ اور نہ اس کے بعد توبہ کرتیں کیونکہ جب گناہ نہیں کیا تھا تو [illegible] کیوں کی۔

[illegible] صاحب۔ ہاں یہ واقعات تو بالکل صحیح ہیں۔

[illegible]نی بیگم۔ اب یہ بتاؤ کہ جس کو خدا اس اہتمام سے فرمائے کہ میں تم سے ہر گناہ کو دور رکھوں گا اور تم کو بالکل پاک و پاکیزہ بنائے رہونگا۔ کیا اُسی خدا یہ بھی فرمائے گا مَنْ یَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ (اے رسولؐ کی بیویو تم میں سے جو کوئی کھلی بدکاری کریگی اسکو میں دوہرا عذاب کرونگا) کیا پاک و پاکیزہ بیویوں سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے؟ دیکھو چچا جان (یعنی تمہارے والد صاحب) مجھے کس قدر مانتے ہیں کہ برابر بیٹی بیٹی کئے رہتے ہیں۔ اور اپنے سب ملنے والوں سے کہتے رہتے ہیں کہ مجھے ایسی عالمہ فاضلہ۔ پارسا۔ نیک۔ سلیقہ والی عقلمند بہو ملی ہے کہ شاید ہی کسی کو ملی ہو۔ اب اگر وہی مجھ سے آکر کہیں کہ بیٹی اگر تو چھنال بنا کریگی تو میں تیری پوری سزا کروں گا۔ تو بتاؤ ان کے ملنے والے جن سے وہ میری وہ سب تعریف کرتے رہے ہیں کہیں گے یا نہیں کہ واہ واہ بہو

ایسی اچھی ہوتی جیسی یہ پہلے کہتے تھے تو اس سے اس طرح نہیں کہتے۔ یا تو وہ ایسی اچھی نہیں ہے۔ یا حکیم صاحب کا اسے یہ کہنا بالکل غلط ہے۔

مولوی صاحب۔ بے شک سب ہی کہیں گے یہ تو خلاف عقل ہے کہ تم سے ایسی بات کہی جائے۔

حسینی بیگم۔ پھر اگر خدا نے رسولؐ کی بیویوں کے پاک و پاکیزہ رکھنے کا ارادہ کیا تھا تو یہ کیوں کہا کہ جو تم سے بدکاری کریگی اسپر دوہرا عذاب کرونگا۔ اگر تم خدا کو بے عقل اور پاگل نہیں سمجھتے تو ماننا پڑیگا کہ خدا نے جن کو پاک و پاکیزہ رکھنا چاہا وہ اور لوگ ہیں۔ اور جن سے فرمایا کہ "جو بدکاری کریگی" وہ دوسری ہیں۔

مولوی صاحب۔ ہاں عقل تو یہی کہتی ہے۔

حسینی بیگم۔ اب یہ بتاؤ کہ خدا جن ازواج رسولؐ کو پاک و پاکیزہ رکھنا چاہے کیا وہ خدا و رسول کا راز فاش کرکے خدا و رسولؐ کو غضبناک کرسکتی ہیں؟

مولوی صاحب۔ نہیں یہ تو نہیں ہو سکتا۔

حسینی بیگم۔ تو ازواج رسولؐ کا حال سنو۔ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَاَظْھَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ یعنی جب رسولؐ نے اپنی ایک بیوی سے راز کی بات کہی اور اُس بیوی نے اُس راز کو فاش کردیا اور اسکی اس حرکت پر خدا نے رسولؐ کو مطلع کردیا کہ فلاں بیوی نے تمہارا راز فاش کردیا)۔ (پارہ ۲۸ سورہ تحریم)

مولوی صاحب۔ واقعاً اُن بیوی نے نہایت بُری حرکت کی۔

حسینی بیگم۔ تو کیا یہی وہ لوگ تھیں جن سے خدا نے ہر برائی کے دور رکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ کیا یہ برائی نہیں تھی؟

مولوی صاحب۔ ضرور تھی اور یقینی تھی۔

حسینی بیگم۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ جن کو خدا پاک و پاکیزہ رکھنا چاہے کیا اُن کا دل کج ہو سکتا ہے اور اُن سے گناہ عظیم سرزد ہو سکتا ہے؟

مولوی صاحب۔ نہیں یہ تو ممکن نہیں ہے۔
حسینی بیگم۔ اور اگر ایسا ہوا ہو تب؟
مولوی صاحب۔ تو ثابت ہوگا کہ خدا نے ہرگز ان کو پاک و پاکیزہ نہیں رکھنا چاہا نہ اُن سے کسی بُرائی کو دور کیا۔ کیونکہ جب دل ہی کج ہو گیا تو انسان بھی گمراہ ہو گیا۔ اس لئے کہ انسان تو اپنے دل کا تابع ہے۔
حسینی بیگم۔ اب دیکھو خدا فرماتا ہے اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا یعنی اے ازواج رسولؐ سے دونوں بی بیو! اگر تم دونوں توبہ کرو تو بہتر ہے کیونکہ تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں (پارہ ۲۸ سورہ تحریم رکوع ۱۹)
مولوی صاحب۔ واقعی عقل پریشان ہے۔
حسینی بیگم۔ اچھا بتاؤ جو بیویاں رسولؐ کے خلاف سازش کریں اُن سے خدا غضبناک ہوگا یا نہیں؟
مولوی صاحب۔ معاذ اللہ۔ ضرور ضرور غضبناک ہوگا۔
حسینی بیگم۔ اور خدا فرماتا ہے وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ اس کا ترجمہ مولانا حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی یوں کرتے ہیں۔ "اور اگر پیغمبروں کے خلاف میں سازشیں کروگی" (پارہ ۲۸ سورہ تحریم رکوع ۱۹)
مولوی صاحب۔ میں کیا کہوں کچھ بولا نہیں جاتا۔
حسینی بیگم۔ اب یہ بتاؤ کہ خدا نے جن لوگوں کو پاک و پاکیزہ رکھنا چاہا کیا اُن سے اچھے بھی تو لوگ ہو سکتے ہیں؟
مولوی صاحب۔ نہیں یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔
حسینی بیگم۔ اور خدا فرماتا ہے عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ یعنی اے بی بیو اگر تم کو رسولؐ طلاق دیدیں تو خدا اُن کو تم سے اچھی بیویاں دے گا (پارہ ۲۸ سورہ تحریم رکوع ۱۹) معلوم ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں جو عورتیں رسولؐ کی بیویاں نہیں تھیں وہ اُن عورتوں سے

بہتر اور اچھی تھیں جو آنحضرتؐ کی بیویاں تھیں اگر وہ اچھی نہ ہوتیں تو خدا
اُن عورتوں کو جو بیویاں نہیں تھیں اُن سے اچھی کیونکر کہتا؟
مولوی صاحب - بالکل ٹھیک کہتی ہو -
حسینی بیگم - تو ماننا پڑیگا کہ اہل بیت دوسرے لوگ تھے اور ازواج دوسری تھیں
اور ازواج کسی طرح اہل بیت میں داخل ہو ہی نہیں سکتی ہیں - اہلبیتؑ تو
سب سے اعلےٰ درجہ پر تھے - اُن کے بعد اُن عورتوں کا درجہ تھا جو رسولؐ کے زمانہ
میں تھیں مگر حضرت کی بیویاں نہیں تھیں - اُن کے بعد ازواج رسولؐ کا درجہ تھا -
مولوی صاحب - انصاف تو یہ ہے کہ تمہاری ان منطقی باتوں کا جواب
نہیں ہو سکتا -
حسینی بیگم - منطقی باتیں نہیں ہیں حق باتیں ہیں اور یقین رکھو کہ حق بات کا
جواب ممکن ہی نہیں ہے -
مولوی صاحب - تو پھر اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں -
حسینی بیگم - کوئی بھی ہو مگر وہ یقیناً ازواج رسولؐ سے علحدہ ہی کچھ لوگ تھے -
مولوی صاحب - قرآن پاک سے تم بتا سکتی ہو -
حسینی بیگم - قرآن شریف میں نام تو صاف صاف لکھا نہیں ہے مگر جس عقل سے
تم نے فیصلہ کیا کہ ازواج رسول اہلبیتؑ میں داخل نہیں ہیں اُسی عقل سے کام لوگے
تو معلوم ہو جائیگا -
مولوی صاحب - تم بتاؤ تو -
حسینی بیگم - وہ آل محمد صلعم ہیں - اور قرآن سے اسکی دلیل یہ کیا کم ہے کہ جس طرح
خدا پیغمبروں پر سلام بھیجتا ہے اُسی طرح حضرت کی آل پاک پر بھی بھیجتا ہے
فرمایا ہے سلامٌ علیٰ آلِ یاسینؔ (حضرت یٰسین یعنی محمد مصطفےٰ صلعم کی
آل پر خدا کا سلام ہو) (پارہ ۲۳ رکوع ۸) اگر یہ لوگ خوب پاک و پاکیزہ نہیں
ہوتے تو خدا ان پر سلام نہیں کرتا -

مولوی صاحب - ہاں تم نے تو پہلے ہی ثابت کر دیا ہے کہ خدا نے آل محمد صلعم پر سلام بھیجا ہے۔

حسینی بیگم - دوسری آیۃ مباہلہ بھی ہے جس میں خدا نے آنحضرت کو حکم دیا کہ نصاریٰ کے مقابلہ میں اپنے لڑکوں۔ عورتوں اور نفسوں کو لیجائیں۔ تو جن لوگوں کو حضرت لے گئے وہ یقیناً خدا کے ہاں خوب پاک و پاکیزہ ہوں گے ایسے خطرناک موقع پر وہ لوگ نہیں بھیجے جا سکتے تھے جن کی طہارۃ میں شک و شبہ ہوتا۔ بس جن کو آنحضرت صلعم مباہلہ کے لئے لے گئے وہ اہلبیت تھے۔

مولوی صاحب - مگر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج بھی اہلبیت میں داخل ہیں۔

حسینی بیگم - یہ بتاؤ کہ جھوٹی اور موضوع حدیثیں بھی ہیں یا نہیں۔

مولوی صاحب - بہت ہیں۔ کل کتابوں میں کتنی کتنی غلط حدیثیں لکھی ہوئی ہیں۔

حسینی بیگم - پھر ان سے صحیح اور غلط کی تمیز کیونکر ہوتی ہے۔

مولوی صاحب - عقل سے۔

حسینی بیگم - بس اسی عقل سے فیصلہ کر لو کہ اہلبیت کے متعلق بھی کون حدیثیں صحیح اور کون غلط ہیں۔

مولوی صاحب - یہی تو مشکل ہے۔

حسینی بیگم - نہیں کچھ مشکل نہیں - یہ بتاؤ کہ حضرت رسولخدا صلعم سے بہتر تو کوئی بتانے والا نہیں ہے۔

مولوی صاحب - بے شک نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

حسینی بیگم - تو آنحضرت نے صحیح حدیثوں میں جن لوگوں کو اپنے اہلبیت بتایا ہو انکو مانو۔ دوسروں کو چھوڑ دو۔

مولوی صاحب - آنحضرت صلعم نے کس طرح بتایا ہے۔

حسینی بیگم - آنحضرت صلعم کی مشہور حدیث ہے کہ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی یعنی میں تم لوگوں میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں - ایک قرآن شریف دوسری میری عترت کہ وہی میرے اہلبیت ہیں جب تک تم ان دونوں کی پیروی کروگے گمراہ نہیں ہو سکتے (دیکھو رشفۃ الصادی صا۷ و صواعق محرقہ صد۸۹ والاتحاف صد۶ و احیاء المیت مطبوعہ مصر صد۱۱۱ و ینابیع المودۃ صد۱۸ و تفسیر درمنثور ج ۲ صد۶ و مشکوۃ شریف ج ۸ صد۱۳۳ وغیرہ) مگر میں ان سب سے زیادہ معتبر کتاب کو پیش کرتی ہوں کنز العمال مطبوعہ حیدر آباد جلد اول صد۴۴ وغیرہ میں سیکڑوں جگہ یہ حدیث ہے جس میں عترتی اہل بیتی (میری عترت جو میرے اہلبیت ہیں) موجود ہے - پھر مسند امام احمد بن حنبل کس قدر صحیح اور معتبر ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیثیں اسی سے انتخاب کی گئی ہیں - اسکی سب جلدوں میں سیکڑوں جگہ یہ حدیث انھیں الفاظ میں موجود ہے - نیز وہ کتاب جو صحاح ستہ میں داخل اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کے برابر سمجھی جاتی ہے - یعنی ترمذی شریف اس کے صد۲۶۷ و صد۲۶۸ مطبوعہ لکھنؤ میں بھی یہ حدیث موجود ہے - کہ حضرت نے فرمایا عترتی اھل بیتی یعنی میری اولاد کہ وہی میرے اہلبیت ہیں -

مولوی صاحب - ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ حدیث ثقلین سیکڑوں بلکہ ہزاروں کتابوں میں ہے مگر اس سے یہ کیونکر معلوم ہو کہ حضرت کے اہلبیت کون تھے

حسینی بیگم - خود حضرت فرمارہے ہیں کہ میری عترت جو میرے اہلبیت ہیں جس سے معلوم ہوا کہ جو حضرت کی عترت ہیں وہی حضرت کے اہلبیت ہیں - اب عترت کس کو کہتے ہیں تو لغت میں دیکھو - عترۃ بالکسر خویشاں و نزدیکان مرد یعنی عترۃ مرد کے نزدیکی اور قرابتمندوں کو کہتے ہیں (صراح مطبوعہ لکھنؤ صد۱۹۶) - عترۃ بالکسر فرزندان و اخص اقارب مرد یا اہل بیت قریب یا خویشان او یعنی عترۃ مرد کے فرزندوں اور مخصوص قرابتمندوں یا قریب کے اہل بیت یا اعزہ کو کہتے ہیں

(منتہی الارب جلد ۳ صفحہ ۱۱۷) عترة الرجل نسله و رھطه الادنون یعنی مرد کی عترت اسکی نسل اور قریبی رشتہ داروں کو کہتے ہیں (مختار الصحاح مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۲)
العترة نسل الانسان قال الازہری و روی ثعلب عن ابن الاعرابی ان العترة ولد الرجل و ذریته و عقبه من صلبه و لا تعرف العرب من العترة غیر ذلک یعنی عترة انسان کی نسل ہوتی ہے۔ ازہری نے کہا اور ثعلب نے ابن الاعرابی سے روایت کی کہ عترت مرد کی اولاد اور اسکی ذریت اور اس کے ان فرزندوں کو کہتے ہیں جو اُس کے صلب سے پیدا ہوں۔ عرب عترت کا معنے اسکے سوا اور کچھ جانتے ہی نہیں (مصباح منیر مطبوعہ مصر صفحہ ۱۰ جلد ۲) والعترة بالکسر نسل الرجل و رھطه و عشیرته الادنون یعنی مرد کی نسل اور قریبی رشتہ داروں اور کنبے کو عترت کہتے ہیں (قاموس صفحہ ۲۷۵) دیکھو لغت کی ان کل عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ازواج عترت نہیں ہو سکتیں۔ جس طرح اردو میں "بیویوں" کو "اولاد" نہیں کہتے اسی طرح عربی میں "ازواج" کو "عترت" نہیں کہتے نہ کہہ سکتے ہیں۔

مولوی صاحب - یہ کیا تم مہمل بات سمجھانے لگیں۔ کون پاگل کہتا ہے کہ عربی میں ازواج کو عترت کہتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ جس طرح ازواج کو اولاد نہیں کہہ سکتے اسی طرح ازواج کو عترت بھی نہیں کہہ سکتے۔ عترت وہ ہے جو انسان کی اپنی نسل سے ہو اور ازواج وہ ہیں جو دوسروں کی بیٹیاں شادی کر کے لائی جائیں۔

حسینی بیگم - اور آنحضرت صلعم نے بار بار عترت کی تفسیر کی ہے اہلبیت کے ساتھ تو معلوم ہوا کہ حضرت صلعم کی عترة یعنی اولاد ہی حضرت کے اہلبیت ہیں۔ کوئی اور نہیں۔

مولوی صاحب - یہ کہئے۔ اسی لئے آپ اس قدر زور دیتی تھیں کہ ازواج کو عترت نہیں کہتے۔ خیر تم کہتی سب درست ہو مگر اس کا کیا علاج ہے کہ ہمارے بعض علماء ازواج کو بھی اہلبیت میں داخل سمجھتے ہیں۔

حسینی بیگم - اگر ہمارے علماء کسی بات کو صحیح کہیں اور آنحضرت صلعم کے بڑے صحابہ اسی بات کو غلط کہیں تو کس کی بات مانی جائیگی۔

مولوی صاحب ۔ یہ خوب پوچھا صحابہ کرام کے مقابلہ میں بیچارے علماء کس شمار میں ہو سکتے ہیں ۔

حسینی بیگم ۔ اور اگر وہ بڑے صحابہ اُسی بات کو قسم کھا کر بیان کریں تب ؟

مولوی صاحب ۔ تب تو وہ بات قرآن کے بعد ہی سمجھی جائیگی ۔ پھر اس کے مقابلہ میں کسی کی بات نہیں ہو سکتی ۔

حسینی بیگم ۔ دیکھو مسلم شریف میں جو بخاری شریف کے برابر سمجھی جاتی ہے یہ حدیث موجود ہے کہ جناب زید بن ارقم صحابی کے پاس کچھ لوگ پہونچے اور اُن سے پوچھا مَنْ اَهْلُ بَیْتِہٖ ۔ نِسَاءُہٗ ۔ قَالَ لَا اَیْمُ اللّٰہِ اِنَّ الْمَرْأَۃَ تکون مع الرجل العصر من الدهر ثم یطلقها فترجع الی ابیها وقومها ۔ اهل بیته اصله وعصبته الذین حرموا الصدقة بعده یعنی بتائیے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے اہل بیت کون تھے ۔ کیا حضرت کی بیویاں تھیں ؟ تو جناب زید بن ارقم اتنے بڑے صحابی نے قسم اور وہ بھی خدا کی قسم کھا کر جواب دیا کہ خدا کی قسم حضرتؐ کی بیویاں حضرتؐ کے اہل بیت نہیں ہو سکتیں کیونکہ بیوی تو مرد کے ساتھ کچھ دنوں رہتی ہے پھر وہ اسکو طلاق دے دیتا ہے تو اپنے باپ اور اپنی قوم قبیلہ میں واپس جاتی ہے ۔ حضرتؐ کے اہلبیت حضرتؐ کے خاندان والے اور آپ کے وہ قرابتمند ہیں جن پر حضرت کے علاوہ صدقہ حرام ہے (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۸۰) یہ حدیث اور بھی سیکڑوں کتابوں میں ہے مگر مسلم شریف کے برابر کون کتاب ہو سکتی ہے ۔

مولوی صاحب ۔ البتہ یہ بہت بڑی اور لاجواب دلیل اس بات کی ہے کہ ازواج یقیناً اہلبیت میں داخل نہیں ہیں ۔

حسینی بیگم ۔ ایک اور دلیل سنو ۔ قال رسول اللهؐ النجوم امان لاهل السماء فاذا ذهب النجوم ذهب اهل السماء واهل بیتی امان لاهل الارض فاذا ذهب اهل بیتی ذهب اهل الارض یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ستارے

آسمان والوں کے لئے امان ہیں کہ جب ستارے جاتے رہیں گے تو آسمان والے بھی جاتے رہیں گے اور میرے اہلبیت زمین والوں کے لئے امان ہیں کہ جب میرے اہلبیت جاتے رہیں گے تو زمین والے بھی جاتے رہیں گے (رتشفۃ الصادی ص۲۷ وصواعق محرقہ ص۹۱ وغیرہ) - اب دیکھو کہ ازواج رسول ص میں کوئی موجود ہے؟

مولوی صاحب - نہیں - مگر اس سے کیا مطلب -

حسینی بیگم - یہ کہ اگر اہلبیت سے ازواج مراد ہوتیں تو دنیا ختم ہو گئی ہوتی کیونکہ ازواج تو ختم ہو گئیں مگر چونکہ وہ مراد نہیں ہیں اس وجہ سے انکے ختم ہونے سے دنیا ختم نہیں ہوئی -

مولوی صاحب - تو حضرت ص کی آل بھی ختم ہو گئی -

حسینی بیگم - نہیں حضرت ص کی آل ختم ہو جاتی تو دنیا بھی یقیناً ختم ہو جاتی یہ ممکن نہیں تھا کہ حضرت کی آل ختم ہو جاتی اور دنیا باقی رہ جاتی - اسی وجہ سے حضرت ص کی آل میں اب تک امام مہدی موجود ہیں جن سے دنیا بھی موجود ہے اچھا یہ بتاؤ اھل بیتی ھولاء اور ھولاء اھل بیتی میں کیا فرق ہے -

مولوی صاحب - اھل بیتی ھولاء کا معنے یہ کہ میرے اہلبیت یہ ہیں - اور ھولاء اھل بیتی کا مطلب یہ ہے کہ یہی میرے اہلبیت ہیں - ان کے سوا کوئی نہیں ہے - یعنی ہولاء کو پہلے لانے سے حصر کر دیا کہ صرف یہی لوگ اہلبیت ہیں -

حسینی بیگم - اور حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی - حضرت فاطمہ و امام حسن و امام حسین علیہم السلام کو چادر اڑھا کر فرمایا کہ ہولاء اہل بیتی یعنی اے خدا میرے اہلبیت صرف یہ ہیں (دیکھو تفسیر درمنثور ج ۵ ص۱۹۸ و فتح البیان جلد ۷ ص۲۷۶ و تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص۷ وغیرہ سیکڑوں کتابیں) - یہ بھی دیکھو کہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ان ام سلمۃ رضی اللہ عنہا حدثت قالت بینما رسول اللہ ص فی بیتی یوما اذ قالت الخادم ان فاطمۃ وعلیا رضی اللہ

عنهما بالسدہ فقال صلے اللہ علیہ وسلم لی قومی فتنحی عن اهل بیتی قالت فقمت فتنحیت فی البیت قریبا فدخل علیؓ وفاطمہ ومعهما الحسن والحسین رضی اللہ عنهم یعنی جناب ام سلمہ بیان کرتی تھیں کہ ایک روز میرے گھر رسولخداؐ تشریف رکھتے تھے کہ خادم نے آکر کہا "جناب فاطمہؑ اور علیؑ تشریف لائے ہیں اور سائبان میں کھڑے ہیں"۔ تو حضرت نے مجھ سے فرمایا "اٹھو میرے اہلبیت کے پاس سے دور ہو جاؤ"۔ تو میں اٹھی اور وہاں سے ہٹ گئی تب حضرت علیؑ۔ فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ داخل ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مصر جلد ۸ صفحہ ۴۵) اس حدیث میں غور کرو کہ حضرتؐ نے جناب ام سلمہ سے یہی تو فرمایا کہ "میرے اہلبیت کے پاس سے دور ہو جاؤ"۔ اگر وہ بھی اہلبیت میں داخل ہوتیں تو حضرت یہ کیوں فرماتے؟ بلکہ پھر ام سلمہ بھی کہتیں کہ "میں بھی تو اہلبیت میں ہوں" مگر آنحضرتؐ کا اُن سے کہنا اور اُن کا الگ ہو جانا قطعی دلیل ہے کہ وہ اہلبیت سے خارج تھیں۔ حضرت عائشہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ یہی علامہ لکھتے ہیں ابن حوشبؓ عن عم لہ قال دخلت مع ابی علی عائشہ رضؓ فسالتها عن علی رضؓ فقالت رضؓ تسألنی عن رجل کان من احب الناس الی رسول اللہؐ وکانت تحتہ ابنتہ واحب الناس الیہ لقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا علیا وفاطمہ وحسنا وحسینا رضؓ فالقی علیهم ثوبا فقال اللهم هولاء اهل بیتی فاذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا قالت فدنوت منهم فقلت یارسول اللہؐ وانا من اهل بیتکؐ۔ فقالؐ تنحی فانکؓ علی خیر۔ یعنی ابن حوشب نے اپنے ایک چچا سے روایت کی ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت عائشہ کے پاس گیا اور حضرت علیؑ کے بارے میں اُن سے پوچھا۔ انھوں نے کہا تم مجھ سے اُس شخص کے بارے میں پوچھتے ہو جو رسولخداؐ صلعم کو سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھا۔ اور حضرت کی بیٹی اُنکی بیوی تھیں۔ وہ بھی آنحضرتؐ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ میں نے دیکھا کہ رسولخداؐ

نے حضرت علیؓ و فاطمہؓ و حسنؓ و حسینؓ کو بلایا اور اُنکو ایک چادر اڑھا کر دعا کی کہ اے
اللہ یہی میرے اہلبیت ہیں تو ان سے ہر برائی کو دور رکھ اور ان کو پوری طرح
پاک و پاکیزہ بنائے رہ۔ میں بھی اُن لوگوں کے قریب گئی اور آنحضرتؐ سے عرض
کی کہ یا رسول اللہ کیا میں بھی آپ کے اہل بیت میں داخل ہوں؟ تو آنحضرتؐ
نے فرمایا "ہٹ جاؤ۔ تم بس صرف ایک خوبی پر ہو" (تفسیر ابن کثیر جلد ۸ ص۷۶)
اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم نے اہلبیتؑ کے پاس سے حضرت ام سلمہ کو بھی
دور کر دیا اور حضرت عائشہ نے داخل ہونا چاہا تو ان کو بھی ہٹا دیا بلکہ فرمایا کہ الگ
ہو جاؤ۔ یعنی تم لوگ کسی طرح اہلبیت میں داخل نہیں ہو سکتیں۔ اسکی تائید اس
روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ام سلمہ بیان فرماتی ہیں کہ جب آنحضرتؐ نے
حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو کملی اڑھا کر فرمایا کہ "یہی اہل محمدؐ ہیں" اور ایک
روایت میں ہے کہ فرمایا "یہی آل محمدؐ ہیں تو اپنے صلوات اور برکات کو آل محمدؐ
پر اس طرح نازل فرما جس طرح آل ابراہیمؑ پر نازل کرتا تھا" اس وقت ام سلمہؓ
بیان فرماتی ہیں رفعت الکساء لادخل معھم فجذبہ من یدی وقال انک
علی خیر یعنی میں نے کمل اٹھایا کہ میں بھی اسمیں چلی جاؤں، تو حضرتؐ نے اس
کمل کو زور سے مجھ سے کھینچ لیا اور اس میں کسی طرح جانے نہیں دیا اور فرمایا کہ تم
صرف ایک خوبی پر ہو (تفسیر درمنثور جلد ۵ ص۱۹۸)۔ اس سے زیادہ واضح مضمون
دوسری روایت میں ہے عن ام سلمہ قالت نزلت ھذہ الآیۃ فی بیتی انما
یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا و فی البیت
سبعۃ جبرئیل و میکائیل علیھما السلام و علیؑ و فاطمہؑ والحسنؑ والحسینؑ
رضی اللہ عنھم وانا علی باب البیت۔ قلت یا رسول اللہ الست من اھل البیت
قال انک الی خیر انک من ازواج النبیؐ یعنی حضرت ام سلمہ بیان فرماتی ہیں کہ
آیہ تطہیر میرے گھر میں اتری اُس وقت اس گھر میں صرف سات بزرگ تھے (۱) حضرت
رسولخداؐ (۲) جناب جبرئیلؑ (۳) جناب میکائیلؑ (۴) حضرت علیؑ (۵) حضرت فاطمہؑ

(۶) حضرت امام حسنؑ (۷) حضرت امام حسینؑ اور میں گھر سے باہر دروازے پر تھی۔ میں نے پوچھا اے رسول اللہ کیا میں اہلبیت میں نہیں ہوں؟ تو حضرت نے یہ جواب نہیں دیا کہ ہاں تم اہلبیت میں ہو۔ بلکہ فرمایا کہ تم صرف ایک خوبی کیطرف ہو تم رسولؐ کی بیویوں سے ہو (تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۹۸) دیکھو بی بی ام سلمہ حضرت سے یہ نہیں پوچھتی ہیں کہ میں آپکی بیوی ہوں یا نہیں۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ بیوی تو ضرور ہوں مگر یہ نہیں جانتی تھیں کہ اہل بیت میں داخل ہیں یا نہیں۔ اور یہ کہ حضرتؐ نے ان کو اہل بیت میں شامل نہیں کیا تو پوچھا کہ یا حضرتؐ کیا میں آپ کے اہلبیت میں نہیں ہوں؟ تو حضرتؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہاں تم اہلبیت میں ہو۔ بلکہ فرمایا کہ تم صرف ایک خوبی پر ہو۔ تم میری بیوی ہو جس سے حضرتؐ نے کھول کر سمجھا دیا کہ اہلبیت دوسری جماعت ہے اور ازواج رسولؐ دوسری جماعت۔ جس طرح ازواج رسولؐ میں اہل بیت نہیں داخل ہوسکتے۔ اسی طرح اہل بیت میں ازواج رسولؐ نہیں داخل ہوسکتیں۔ جس طرح اردو میں ہے کہ بیویوں میں اولاد نہیں داخل ہوسکتی اور اولاد میں بیویاں نہیں داخل ہوسکتیں۔

مولوی صاحب۔ مگر آنحضرتؐ نے حضرت ام سلمہ و حضرت عائشہ سے یہ تو فرمایا تھا کہ انکِ علی خیر (تم خیر پر ہو) جس سے انکی فضیلت نکلی۔

حسینی بیگم۔ ہاں اس سے کون انکار کرتا ہے مگر صرف ایک ہی فضیلت اور وہ بھی بہت معمولی درجہ کی۔ کیونکہ حضرت نے خیر کو نکرہ ذکر کیا ہے اور نکرہ کا معنی ایک ہوتا ہے تو انکِ علی خیر کا مطلب ہوا کہ تم صرف ایک خیر پر ہو۔ یعنی تم میں صرف ایک خوبی ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ اور وہ یہی کہ تم میری بیوی ہو بس۔ غرض نہ تم اہلبیت میں ہو۔ نہ تم سے خدا نے برائیوں کو دور کیا ہے۔ نہ تم کو پاک و پاکیزہ کیا ہے بلکہ تمہاری عزت صرف اتنی ہے کہ میری بیوی ہو۔ جس طرح پہلے انبیاء کی بیویاں اچھی بُری سب ہی رہی ہیں۔ اسی طرح تم بھی میری بیوی ہو۔ اور کچھ نہیں۔ مختصر یہ کہ آنحضرتؐ نے اپنے قول انکِ علی خیر سے قطعی فیصلہ

کردیا کہ ان لوگوں میں ہوا ایک خیر (آنحضرت صلعم کی بیوی ہونے) کے کوئی دوسری خوبی۔ یا شرف یا خصوصیت ہو ہی نہیں سکتی ہے۔

مولوی صاحب۔ واقعاً تم نے انتہٰی علیٰ خیر کا وہ مطلب بیان کیا جو بالکل عربی زبان کے قواعد کے مطابق ہے اور اسکے بعد کوئی اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔

حسینی بیگم۔ اب تو مانے کہ اہل بیت سے ازواج اس طرح الگ ہیں جس طرح دن سے رات۔ اور آفتاب سے ماہتاب کہ وہ کبھی اُن میں داخل ہی نہیں ہوئیں بلکہ حسرت اور نہایت تمنا کرکے آنحضرتؐ سے درخواست بھی کرتی تھیں کہ مجھے ان میں داخل کر لیجئے تو حضرت انکی درخواست نامنظور کرکے انکو جھڑک دیتے اور کمل چھین لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہٹ جاؤ تم کو ان سے کیا نسبت۔ بس تمہارے لئے یہی ایک خوبی بہت ہے کہ میری بیوی ہو۔ اس سے زیادہ کی آرزو نہ کرو۔

مولوی صاحب۔ مگر آنحضرت صلعم کی بیوی ہونا کیا کم فضیلت تھی۔

حسینی بیگم۔ یہ نہ کہو۔ اگر آنحضرتؐ کی بیوی ہونا بڑی عزت ہوتی تو خدا یہ نہ فرماتا کہ اے بیویو اگر تم بدکاری کروگی تو تم پر دونا عذاب کروں گا۔ بس جیسی بیویاں آنحضرتؐ کے قبل نبیوں کی تھیں کہ اچھی بھی تھیں بری بھی۔ اسی طرح آنحضرت صلعم کی بیویاں بھی اچھی بری ملی ہوئی تھیں۔

مولوی صاحب۔ تو سابق انبیاء کی بیویاں بھی بڑے درجہ کی تھیں۔

حسینی بیگم۔ ہاں ایسی ہی تھیں کہ خدا نے کہا ہے۔ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ (پارہ ۲۸ سورہ تحریم رکوع ۲) تم شمس العلماء مولوی حافظ ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی کے ترجمہ کو بہت مانتے ہو۔ ذرہ ان کے قرآن شریف سے اس کا ترجمہ تو سناؤ۔

مولوی صاحب نے اپنی تلاوۃ کی حمائل نکالی اور کہا۔

مولوی صاحب مولانا نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں "کافروں کی عبرت پکڑنے کے

لئے خدا نوح کی بی بی اور لوط کی بیوی کی مثال دیتا ہے کہ یہ دونوں عورتیں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں پھر ان دونوں نے انکو دغا دی کہ اپنے شوہروں کے خلاف کافروں سے ملی رہیں۔ تو دونوں کے شوہر باوجودیکہ پیغمبر تھے اللہ کے مقابلہ میں ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ اور ان دونوں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ جہاں اور لوگ جہنم میں داخل ہوئے ہیں تم بھی ان ہی کے ساتھ جہنم میں چلے داخل ہو"۔ (حمائل نذیر احمد صاحب ص ۸۹۶)

حسینی بیگم۔ کیوں۔ دیکھا نہ پیغمبروں کی بیویوں کا یہی درجہ ہے۔ اس سے زیادہ زبان نہ کھلواؤ۔

مولوی صاحب۔ میری پوری تشفی تو ہوگئی۔ مگر صرف ایک بات کھٹکتی ہے۔

حسینی بیگم۔ وہ کیا؟

مولوی صاحب۔ یہی کہ لفظ "اہل بیت" سنکر فوراً ذہن میں آتا ہے کہ اس کا معنے گھر والے ہے۔ اور گھر والے بیوی کو کہتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ اگر اہل بیت کا معنے وہی ہے جو تمہاری سمجھ میں آتا ہے تو ان مقاموں میں کیا مطلب ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی جو بہت بڑے محدث اور فرقہ اہلحدیث کے کتنے بڑے پیشوا تھے صحابہ کے حالات میں جو بڑی کتاب اصابہ لکھی ہے اس میں ایک صحابیہ حضرت آمنہ کے بارے میں لکھتے ہیں قال ابن سعد اسلمت قدیما بمکۃ وھاجرت مع اھل بیتھا الی المدینۃ یعنی علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ آمنہ ابتداء میں مکہ میں مسلمان ہوئیں اور اپنے اہل بیت کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی (اصابہ جلد ۸ ص ۳) کیا آمنہ رضی اللہ عنہا کی شادی بھی کچھ عورتوں سے ہوئی تھی جو آمنہ کی ازواج تھیں اور انھیں ازواج کے ساتھ آمنہ نے ہجرت کی؟

مولوی صاحب۔ نہیں عورت کی شادی عورت سے کیسے ہوگی۔ یہاں اہلبیت سے گھر والے بھائی بند مراد ہیں۔

حسینی بیگم۔ ممدوح نے ایک اور جگہ لکھا ہے اھل بیت اربعۃ صحبوا النبیؐ

بشر وابناہ عبد اللہ وعطیہ واختہما الصماء یعنی ایک گھر والے چار شخص (۱) بشر اور انکے دو بیٹے (۲) عبد اللہ (۳) عطیہ اور (۴) انکی بہن صماء آنحضرت کے ساتھ ہوئے (اصابہ صفحہ ۳۱) کیا یہاں بھی بیویاں مراد لے سکتے ہو؟

مولوی صاحب - نہیں یہاں بھی گھر والے مراد ہیں۔

حسینی بیگم - ایک اور صحابیہ کے حال میں لکھتے ہیں تقدم نسبھا فی ترجمۃ والدھا وھم اھل بیت صحابۃ شھد ابوھا واعمامھا بدرا یعنی ان کا نسب ان کے باپ کے حال میں لکھا جا چکا۔ اور یہ لوگ صحابہ کا ایک خاندان تھے۔ ان (مترجم) کے باپ اور چچا غزوہ بدر میں شریک ہوئے (صفحہ ۱۸۹) تباؤ یہاں بھی کوئی زوجہ ہے جس کے لئے لفظ اہل بیت آیا؟

مولوی صاحب - نہیں یہاں بھی باپ اور کئی چچا مراد ہیں۔

حسینی بیگم - یہی علامہ ایک اور صحابیہ کے حال میں لکھتے ہیں ام لیلی کانت من المبایعات وحدیثھا عند اھل بیتھا یعنی ام لیلیٰ بیعت کرنے والی صحابیات سے تھیں اور انکی حدیث ان کے گھر والوں کے ہاں ہے۔ تباؤ ان ام لیلے کی بھی شادی کچھ عورتوں سے ہوئی تھی جو انکی اہلبیت تھیں؟

مولوی صاحب - نہیں یہاں بھی وہی باپ۔ بھائی بیٹے وغیرہ مراد ہیں۔ میں مان گیا کہ یقیناً اہل بیت سے مراد ازواج نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اور جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ تم نے ایک ایک پہلو کو ایسا واضح کر دیا کہ اب اسکے بارے میں کوئی شک و شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اب رات زیادہ گئی نیند آتی ہے۔ لمپ کی روشنی کم کر دو۔

حسینی بیگم - میں تو چاہتی تھی کہ دس بارہ کتابوں کی عبارتیں اور دکھاتی کہ پوری طرح اتمام حجۃ ہو جاتا۔

مولوی صاحب - نہیں اب کوئی کسر باقی نہیں ہے۔ اسکے بعد کسی شخص کو اس کا وہم بھی نہیں ہوگا کہ ازواج بھی اہلبیت میں داخل ہو سکتی ہیں۔ جس طرح کوئی شخص

کہے کہ اولاد میں ازواج بھی داخل ہیں تو پاگل سمجھا جائیگا اسی طرح اہلبیت میں ازواج کو داخل کرنا یا سمجھنا بھی خلاف عقل اور عربی زبان سے بالکل بے خبری ہے۔

اب سو رہو۔

پانچواں باب ۵

آل محمدؐ پر درود بھیجکر دعا کرنیکا نتیجہ

ایک روز رات کے وقت مولوی صاحب اپنے کمرے میں پہونچے تو چہرہ سے شدید تردد اور رنج و افسوس ظاہر ہوتا تھا۔ اور وہ نہایت درجہ پریشان تھے۔ حسینی بیگم کچھ دیر انتظار کرتی رہیں کہ وہ خود کچھ بولیں گے لیکن وہ چپ ہی رہے تو ان سے نہ رہا گیا اور بولیں۔

حسینی بیگم ۔ آج کیا ہے۔ کیسا مزاج ہے۔ کیوں اتنے فکرمند ہو۔

مولوی صاحب ۔ کیا کہوں ایک ایسا تردد پیدا ہو گیا کہ عقل کام ہی نہیں کرتی ہے۔

حسینی بیگم ۔ ذرہ میں بھی تو سنوں کہ کیا بات ہے۔ ہر مصیبت میں انسان کو خدا پر بھروسا رکھنا چاہیئے۔

مولوی صاحب ۔ میرے ایک بڑے گہرے دوست مولوی حفیظ الدین صاحب ہیں۔ انھوں نے اسلام کی حمایۃ میں ایک وعظ کہا مگر غلطی یہ کی کہ دوسرے بہت سے مذہبوں پر اعتراضات بھی کر دیئے جس سے ایک جماعۃ کے کچھ لوگوں نے فوجداری میں ان پر دعویٰ دائر کر دیا ہے۔ اور زیادہ مشکل یہ ہوئی کہ خفیہ پولیس کا ایک رپورٹر وہاں موجود تھا جس نے انکی تقریر نوٹ کی تھی۔ اس تقریر میں اُن کے جو الفاظ ملے اُن سے مقدمہ میں بہت زور پیدا ہو گیا اور مولوی صاحب سخت پریشانی میں پڑ گئے ہیں۔

حسینی بیگم۔ تو اب کیا ہو رہا ہے۔
مولوی صاحب۔ ابھی تو بیچارے ضمانت پر ہیں مگر ایک ہفتہ کے بعد مقدمہ کی پیشی ہوگی اُسی کا خوف ہے۔
حسینی بیگم۔ یہ بتاؤ کہ دوسرے مذہبوں پر انھوں نے جو اعتراضات کئے تھے وہ صحیح ہیں یا غلط۔ یعنی واقعاً وہ باتیں ان مذہبوں میں موجود ہیں۔ یا مولوی صاحب نے اپنے دل سے وضع کر کے بیان کر دیں۔
مولوی صاحب۔ نہیں وہ اعتراضات تو صحیح ہیں اور بیچارے نے ان لوگوں کو سمجھانے ہی کے لئے بیان بھی کیا تھا کہ ان خرابیوں کی وجہ سے اُس مذہب کو چھوڑیں اور دین اسلام قبول کریں۔
حسینی بیگم۔ کام تو انھوں نے حق کیا تھا۔ اسمیں انکی ضرور مدد کرنی چاہیئے۔ اچھا میں ایک عمل بتاتی ہوں کہ وہ دو رکعت نماز پڑھکر یہ دعا پڑھیں یَا سَابِقَ الْفَوْتِ یَا سَامِعَ الصَّوْتِ۔ یَا کَاسِیَ الْعِظَامِ لَحْمًا بَعْدَ الْمَوْتِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ اَمْرِیْ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا اَنَّکَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَتَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ مجھے قوی امید ہے کہ وہ اس مصیبت سے نکل جائیں گے۔
مولوی صاحب۔ خیر میں کہوں گا مگر شہادت زبردست ہے۔ اور اُس طرف مال بھی بہت ہے۔ بڑے بڑے بیرسٹر کئے گئے ہیں۔ اِدھر کوئی قوت نہیں کوئی مسلمان وکیل اپنی فیس تک نہیں کم کر رہا ہے۔ بیچارے کا بچنا دشوار ہے۔ یہ کہکر مولوی صاحب لحاف اوڑھکر سو رہے۔ صبح ہوئی تو مولوی حفیظ الدین صاحب سے پھر ملاقات ہوئی اور اس نماز کو انھوں نے بتا دیا۔ وہ ہنس دیئے کہ "ان دعاؤں سے کیا ہوتا ہے"۔ مگر مولوی عبدالرزاق صاحب نے سمجھایا کہ "اس طرح عمل کر لینے میں مضائقہ ہی کیا ہے"۔ چنانچہ وہ ہر روز نماز صبح اور نماز عشاء کے بعد اسی طرح دعا کرنے لگے۔ اور اپنے مذہب کے اچھے اچھے وکیلوں سے پیروی کرنے

کی درخواست بھی کرتے رہے مگر ہر وکیل اتنی فیس مانگتا تھا کہ بیچارے دے نہیں سکتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ "وکیل صاحب دیکھئے یہ مذہبی معاملہ ہے میں آپ ہی کے مذہب اسلام کے کام میں ماخوذ ہوا ہوں اسمیں فیس کم کیجئے"۔ اور وہ جواب دیتے کہ "جناب مولانا۔ مذہبی کام ہو یا دینوی۔ ہم لوگ روٹی اسی کی کھاتے ہیں۔ بغیر پوری فیس لئے کام نہیں کر سکتے"۔ آخر بیچارے ایک مشہور وکیل کے پاس پہونچے جو بڑے بڑے بیرسٹروں کا مقابلہ کرتے تھے مگر اس کے ساتھ سید تھے اور اُن کے پاس مولوی صاحب اسی خیال سے جاتے ہوئے رُکتے تھے کہ وہ وکیل صاحب ان کے خیال میں رافضی تھے۔ مولوی صاحب سمجھتے تھے کہ جب ہمارے ہم مذہب وکیل پوری فیس چاہتے ہیں تو وہ شیعہ وکیل ڈبل فیس پر بھی شاید ہی راضی ہوں۔ مگر جب کل وکیلوں سے مایوس ہو کر مولوی صاحب ان وکیل صاحب کے پاس پہونچے اور پورا واقعہ بیان کیا تو انھوں نے جواب دیا۔

وکیل صاحب۔ یہ تو خود میرا کام ہے۔ میں اس مقدمہ کی ضرور پیروی کروں گا۔

مولوی حفیظ الدین صاحب۔ اور فیس کیا ہوگی۔

وکیل صاحب۔ فیس کیسی؟

مولوی حفیظ الدین صاحب۔ آپ کی زحمت اور پیروی کی۔

وکیل صاحب۔ واہ یہ خوب کہی۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ یہ میرا کام ہے یہ بتائیے کہ آپ کا اس مقدمہ میں کیا خرچ ہوا ہوگا۔

مولوی حفیظ الدین صاحب۔ ابھی تو کچھ نہیں۔ کوئی اسی روپیہ خرچ ہوئے ہونگے مگر آئندہ تو بے حساب مصارف کا سامنا ہے۔

وکیل صاحب۔ نہیں آئندہ کی فکر نہ کیجئے۔ اور بکس کھول کر سو روپیہ کے نوٹ نکالے اور مولوی صاحب کو دیکر کہا لیجئے یہ وہ روپیہ ہے جو اب تک آپ خرچ کر چکے ہیں۔ یہ میرا مقدمہ ہے۔ اس کے کل مصارف بھی میرے ہی ذمہ ہیں۔

ان وکیل صاحب کا یہ برتاؤ دیکھکر مولوی صاحب حیرت سے انکا منہ دیکھنے لگے۔ پھر انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ انھوں نے کہا

مولوی صاحب - جناب عالی آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔ یہ کیا کم احسان ہے کہ اس مقدمہ میں آپ نے کوئی فیس نہیں چاہی۔ اسی سے میں قیامت تک سر نہیں اُٹھا سکتا۔ آپ اس روپیہ سے معاف کیجئے۔

وکیل صاحب - نہیں آپ کو میرے سر کی قسم اس میں کچھ نہ بولئے۔ میں اور آپ بھائی بھائی ہیں۔ آپکا مال میرا اور میرا مال آپ کا ہے۔

مولوی صاحب اب کیا کرتے وہ روپیہ لئے ہوئے واپس آئے اور دل میں کہتے جاتے تھے کہ ہم لوگ رافضیوں کو کس قدر برا کہتے ہیں۔ مگر یہ لوگ ایسے اخلاق کے معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے اپنے ہم مذہب وکیلوں سے صرف فیس کم کرانی چاہی تو ان لوگوں نے کیسا خشک جواب دیا۔ اور ان وکیل صاحب نے بغیر فیس کام کرنے کا وعدہ بھی کیا اور سو روپیہ بھی دیئے۔ سبحان اللہ۔ یہ سوچتے ہوئے مولوی عبدالرزاق صاحب کے پاس پہونچے۔

مولوی حفیظ الدین صاحب - السلام علیکم۔

مولوی عبدالرزاق صاحب - وعلیکم السلام۔ آپ کی خیریت کیا پوچھوں مقدمہ کی خیریت بیان کیجئے۔

مولوی حفیظ الدین صاحب نے پورا واقعہ کہ سنایا۔

مولوی عبدالرزاق صاحب - معاف کیجئے تو ایک بات کہوں کہ یہ میری بیوی کے بتائے ہوئے عمل کا پہلا اثر ہے۔ انشاء اللہ آپ مقدمہ جیت جائینگے اور ضرور کامیاب ہونگے۔

جب مقدمہ کی تاریخ آئی تو سید وکیل صاحب نے ایسی زبردست بحث کی کہ کسی طرح مولوی حفیظ الدین صاحب کی تقریر جرم نہیں ثابت ہوسکی۔ آخر وہ بالکل بری ہوگئے۔ جس کا تمام شہر میں غل ہوگیا اور مسلمانوں نے خوب ہی خوشیاں منائیں۔

شب کو مولوی عبدالرزاق صاحب اپنے کمرے میں پہونچے تو حسینی بیگم سے اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب۔ مبارکباد۔ تمہارے بتائے ہوئے عمل کو مولوی حفیظ الدین صاحب نے کیا تو شہر کے نامی شیعہ وکیل نے بغیر فیس لیئے اُن کے مقدمہ کی پیروی بھی کی۔ انھیں نے انکو سو روپیہ بھی دیئے اور ایسی زبردست بحث کی کہ مولوی صاحب بالکل بری ہو گئے۔ یہ عمل تم نے کس کتاب سے بتایا تھا۔

حسینی بیگم۔ کتاب تحفۃ الصادی ص۷۵ میں لکھا ہے کہ خلیفہ مہدی عباسی ایک رات سو رہا تھا کہ گھبرا کر اٹھا اور کوتوال کو بلا کر کہا کہ فلاں حسینی سید کو قید خانہ سے رہا کردو اور انکو ایک ہزار اشرفی دیکر کہدو کہ وہ چاہیں تو یہاں رہیں۔ اور چاہیں تو اپنے وطن چلے جائیں۔ کوتوال نے ایسا ہی کیا۔ حسینی سید نے اپنے وطن جانا چاہا تو کوتوال نے سواری کا بھی سامان کردیا اور اُن سے کہا "حضور والا۔ خدائے رحیم نے آپ کو قید سے آزاد کرایا اس کا واسطہ۔ بتائیے کہ آپکو بھی کچھ معلوم ہوا ہے کیوں خلیفہ نے آپ کو آزاد کردیا"

حسینی سید۔ ہاں خدا کی قسم مجھے معلوم ہے۔ میں سویا ہوا تھا تو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسولخدا صؐ تشریف لائے اور فرمایا "بیٹا! تم پر ان لوگوں نے ظلم کیا ہے؟" میں نے عرض کی "ہاں یا رسول اللہ" حضرتؐ نے فرمایا "اٹھو اور دو رکعت نماز پڑھکر یہ دعا پڑھو"۔ (وہی دعا جو میں نے مولوی حفیظ الدین صاحب کو بتائی تھی) میں نے وہ دعا پڑھی اور بار بار پڑھتا رہا یہاں تک کہ تم نے آکر مجھے رہا کردیا۔

یہ سننے کے بعد جب کوتوال خلیفہ مہدی کے پاس پہونچا تو پورا واقعہ اس سے بیان کردیا۔ خلیفہ نے جواب دیا "ہاں ان سید نے سچ کہا۔ خدا کی قسم میں سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھا ایک حبشی لوہے کا گرز لیکر آیا اور میرے سرہانے کھڑا ہو کر کہا کہ "ابھی ان حسینی سید کو رہا کردو ورنہ میں تم کو قتل کرتا ہوں"۔ یہ خواب دیکھکر میں بہت ڈرا ہوا جگ گیا اور جب تک ان حسینی سید کو رہا نہ کردیا مجھے نیند نہیں آئی۔

مولوی صاحب۔ واقعاً بڑا عبرت خیز واقعہ ہے۔
حسینی بیگم۔ کیوں نہ ہو حضرت رسولخداؐ اور آپ کے اہلبیت خدا کے برگزیدہ بندے ہیں۔ مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے کیا کیا مصائب اٹھائے ہیں۔ ہر گناہ سے بچے رہے ہیں۔ پھر اُن پر درود پڑھکر دعا مانگی جائیگی تو اثر ہونا ہی چاہیئے۔

چھٹا باب ۶

حضرات اہلبیتؑ کا ہر گناہ سے معصوم ہونا

مولوی صاحب۔ یہ تم نے کیا کہا۔ کیا اہلبیتؑ بھی ہر گناہ سے بچے رہے ہیں؟ کیا تم ان لوگوں کو بھی معصوم سمجھتی ہو۔
حسینی بیگم۔ کتابوں کے دیکھنے سے تو میں اسی نتیجہ پر پہونچی ہوں۔
مولوی صاحب۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ میرا تو اعتقاد ہے کہ انبیاء کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے۔
حسینی بیگم۔ یوں تو انبیاء کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ کتنے بڑے بڑے پیشوایان دین نے حضرت رسولخداؐ تک کے معصوم ہونے سے انکار کیا ہے پھر حضرات اہلبیتؑ کی عصمت کو وہ لوگ کب مانتے۔
مولوی صاحب۔ خیر انبیاء کی عصمت کا مسئلہ تو مشکل ہے مگر اہلبیتؑ کی عصمت کا قول تو تم سے آج ہی سننے میں آیا۔ جو بہت بڑی غلطی ہے۔
حسینی بیگم۔ ہو سکتا ہے میرے دماغ میں غلط ہی یہ نتیجہ پیدا ہوا ہو۔ مگر جب تک وہ دلیلیں جو میری نظر سے گزری ہیں رد نہیں کیجائینگی میری تشفی کیسے ہو سکتی ہے۔
مولوی صاحب۔ میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں کی عصمت پر کوئی دلیل نہیں اور تم کہتی ہو کہ بہت سی دلیلیں ہیں مگر کسی دلیل کو بیان نہیں کرتیں کہ اسمیں غور کیا جاتا

وہ صحیح بھی ہے یا وہی بات ہے۔
حسینی بیگم ۔ مجھے تو اہلبیتؑ کی عصمت قرآن مجید سے بھی واضح ہوتی ہے اور احادیث سے بھی۔
مولوی صاحب ۔ قرآن مجید کی کون آیت ہے۔
حسینی بیگم ۔ یہی آیہ تطہیر ۔ یہ تو ثابت ہو چکا کہ اس سے مراد حضرت علیؑ ۔ حضرت فاطمہؑ امام حسنؑ اور امام حسین علیہم السلام ہیں۔
مولوی صاحب ۔ ہاں یہ تو تم نے بیان کر دیا ہے اور مجھے بھی مجبوراً ماننا پڑا مگر اس سے عصمت کیونکر ثابت ہوئی۔
حسینی بیگم ۔ جب خدا ان لوگوں کو ہر برائی سے دور رکھنا چاہے تو کوئی برائی ان سے ہو سکتی ہے؟
مولوی صاحب ۔ نہیں جب خدا دور رکھیگا تو کوئی برائی نہیں ہو سکتی۔
حسینی بیگم ۔ اب برائی سے ہر برائی مراد ہے جس میں گناہ بھی ہے۔
مولوی صاحب ۔ اسکی کیا دلیل ہے۔
حسینی بیگم ۔ بتاؤ رجس کا کیا معنی ہے۔
مولوی صاحب ۔ نجاست ۔ گندگی ۔ برائی۔
حسینی بیگم ۔ کیا گناہ نہیں ہے۔ ذرہ لغت کی ان کتابوں کو دیکھو (۱) منتہی الارب میں ہے رجس بالکسر پلیدی و گناہ و کفر یعنی رجس کا معنی پلیدی ۔ گناہ اور کفر ہے (۲) قاموس میں ہے الرجس بالکسر القذر والماثم وکل ما استقذر من العمل والعمل المودی الی العذاب یعنی رجس کا معنی گندگی اور گناہ اور ہر وہ کام جو برا سمجھا جائے اور وہ کام جو عذاب کا سبب ہو (۳) انوار اللغۃ میں ہے رِجس یا رَجس یا رِجِس پلیدی ۔ نجاست ۔ گناہ ۔ وہ کام جس پر عذاب ہو ۔ اور تفسیروں میں بھی رجس کا معنی گناہ دیا ہے مگر وہ حدیث کی بحث شروع ہو جائیگی۔
مولوی صاحب ۔ خیر تفسیروں کو بھی نکالو ۔ اسی موقع پر دیکھ لی جائیں۔

حسینی بیگم ۔ دیکھو علامہ بیضاوی لکھتے ہیں الرجس الذنب المدنس
عرضکم یعنی رجس کا معنے گناہ جو تمہارے آبرو کو خراب کر دے ویطہرکم عن المعاصی
یعنی اللہ تم کو گناہوں سے پاک رکھیگا (تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۶۴) علامہ محمد
ن احمد المحلی و علامہ سیوطی لکھتے ہیں الرجس الاثم یعنی رجس معنے گناہ ہے (تفسیر
جلالین مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۶۶) اور علامہ خازن لکھتے ہیں الرجس ای الاثم یعنی
رجس معنے گناہ ہے (تفسیر خازن جلد ۳ صفحہ ۴۶۶) اور علامہ نسفی لکھتے ہیں یطہرکم
تطہیرا من نجاسۃ الاثام یعنی اے اہلبیتؑ خدا تم کو گناہوں کی نجاست سے
پاک رکھیگا (تفسیر مدارک التنزیل برحاشیہ تفسیر خازن جلد ۳ صفحہ ۴۶۶) اور
علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں فاستعار للذنوب الرجس یعنی خدا نے گناہوں
کو رجس سے ذکر کیا ہے (تفسیر غرائب القرآن جلد ۲۲ صفحہ ۱ برحاشیہ تفسیر طبری) اور
علامہ زمخشری لکھتے ہیں واستعار للذنوب الرجس یعنی خدا نے گناہوں کو
لفظ رجس سے ذکر کیا ہے (تفسیر کشاف جلد ۲ صفحہ ۴۳) اور علامہ ابو سعود لکھتے ہیں
الرجس ای الذنب المدنس یعنی رجس کا معنے وہ گناہ جو انسان کو گندہ کر دے۔
(تفسیر ابو سعود جلد ۶ صفحہ ۷۸۳) اور علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں لیذہب عنکم الرجس
ای یزیل عنکم الذنوب یعنی تم لوگوں سے کل گناہوں کو دور رکھیں (تفسیر کبیر جلد ۶
صفحہ ۷۸۳) اور جناب مولانا صدیق حسن خانصاحب لکھتے ہیں والمراد بالرجس الاثم
والذنب یعنی رجس سے مراد گناہ ہے استعارۃ الرجس للمعصیۃ یعنی رجس کا
استعارہ گناہوں کے لئے ہے۔ (تفسیر فتح البیان جلد ۷ صفحہ ۲۷۵) اسی طرح
بہت سی حدیثوں میں ہے۔

مولوی صاحب ۔ مگر اس سے تو یہی معلوم ہوا کہ خدا نے ان حضرات کو پاک
یعنی معصوم رکھنے کا ارادہ کیا۔ اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ خدا کا ارادہ پورا
بھی ہوا۔

حسینی بیگم ۔ تو کیا یہ بھی ممکن ہے کہ خدا کا ارادہ پورا نہ ہو اور وہ اپنے ارادے

میں ناکامیاب رہے؟

مولوی صاحب - نہیں مگر یہ کیونکر ثابت ہو کہ اس نے اپنا ارادہ پورا کیا

حسینی بیگم - خدا کے مقرر کردہ اصول سے۔

مولوی صاحب - وہ اصول کیا ہیں؟

حسینی بیگم - اس نے فرمادیا ہے اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ - یعنی اس کے اصول یہ ہیں کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس وہ اُس سے اتنا ہی فرمادیتا ہے کہ ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے۔ (پارہ رکوع ۴)

مولوی صاحب - ہاں یہ تو صحیح ہے کہ اسکے ارادہ کرنے اور اس کام کے ہوجانے میں کچھ تاخیر ہی نہیں ہوتی ہے۔

حسینی بیگم - اسی وجہ سے حضرت رسولخدا صلعم نے صاف صاف فرمادیا کہ حضرت اور حضرت کے اہلبیت کل گناہوں سے پاک کردیئے گئے ہیں۔

مولوی صاحب - یہ کس کتاب میں ہے اور کس نے لکھا ہے۔

حسینی بیگم - خود علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ حضرت رسولخدا ص نے فرمایا کہ انا اتقیٰ ولد آدم واکرمھم علی اللہ تعالیٰ ولا فخر ثم جعل القبائل بیوتا فجعلنی فی خیرہ بیتا فذلک قولہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیر فانا واھل بیتی مطھرون من الذنوب یعنی اولاد آدم میں سب سے زیادہ متقی اور شریف میں ہوں اور اس پر کوئی فخر نہیں ہے۔ پھر خدانے قبیلوں کو الگ الگ خاندانوں میں تقسیم کیا تو میرے خاندان کو سب سے بہتر کیا اسی کو خدا فرماتا ہے انما یرید اللہ الآیہ تو میں اور میرے اہلبیت کل گناہوں سے پاک و پاکیزہ ہیں (تفسیر درمنثور جلد صفحہ ۱۹۹) جناب مولانا صدیق حسن خانصاحب نے بھی اس کو لکھا ہے (تفسیر فتح البیان جلد ۷ صفحہ ۲۷۷)۔ ان حضرات کا گناہوں سے پاک اور معصوم ہونا اور ان پر درود پڑھا جانا اس قدر مشہور ہوگیا کہ خلفائے بنی عباس کے زمانہ میں بھی شعراء

نے اشعار میں اس مضمون کو ادا کیا ہے۔

مولوی صاحب۔ شاعر تو کوئی ایسا نہیں معلوم ہوتا جس نے ان لوگوں کو معصوم لکھا ہو اور ان پر درود پڑھنے کا ذکر کیا ہو۔

حسینی بیگم۔ ابونواس کو جانتے ہو؟

مولوی صاحب۔ ہاں۔ہاں وہ تو خلفائے بنی عباس کے زمانہ اور دربار کا مشہور اور بہت ہی مقبول شاعر گزرا ہے۔

حسینی بیگم۔ جب حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو مامون نے اپنے پاس ولیعہدی کے لئے بلایا ہے تو بہت سے شاعروں نے حضرتؑ کی مدح میں قصیدے لکھے مگر ابونواس نے کوئی قصیدہ نہیں لکھا تو لوگوں نے اس سے شکایت کی کہ تم نے حضرت امام علی کی مدح میں کوئی شعر نہیں کہا تو اس نے جواب دیا ؎ قیل لی انت احسن الناس طرا۔ فی فنون من الکلام البنیہ + لک من جید القریض مدیح ۔یثمر الدر بیدی مجتنیہ + فعلاما ترکت مدح ابن موسی ۔والخصال التی تجمعن فیہ + قلت لا استطیع مدح امام ۔کان جبریل خادما لابیہ۔
یعنی لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم اعلیٰ درجہ شاعری کے ہر فن میں سب لوگوں سے بڑھے ہوئے ہو۔عمدہ اشعار میں تمہارا مدحی قصیدہ ایسا خوب ہوتا ہے کہ سننے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ موتی جھڑ رہے ہیں + باوجود ایسا کمال ہونے کے تم نے حضرت امام علی رضاؑ اور ان کے فضائل و مناقب میں کوئی قصیدہ کیوں نہیں لکھا؟ تو میں نے اُن لوگوں کا جواب دیا کہ میں ایسے جلیل القدر امام کی جن کے پدر بزرگوار کے خادم حضرت جبریل ایسے فرشتہ ہوں مدح کر ہی نہیں سکتا ہوں۔اس کے بعد اسی شاعر نے حضرت کی مدح میں یہ اشعار بھی کہے ؎ مطہرون نقیات جیوبھم ۔تجری الصلوۃ علیھم اینما ذکروا + من لم یکن علویا حین تنسبہ ۔ فمالہ فی قدیم الدھر مفتخر + اللہ لما برا خلقا فاتقنہ ۔ صفاکم واصطفاکم ایھا البشر ۔فانتم الملاء الاعلی عندکم علم الکتاب وماجاءت بہ السور یعنی یہ حضرات

اہل بیت پاک اور کل گناہوں سے معصوم ہیں اور ان کے لباس بھی پاکیزہ اور ... ہیں۔ ان حضرات کا جہاں نام لیا جاتا ہے وہاں ان پر درود ضرور پڑھا جا... + جو شخص نسب کے بیان ہوتے وقت سید نہ معلوم ہو اس کو زمانہ میں کوئی عزت اور فخر نہیں ہو سکتا + اے اہلبیتؑ جب خدا نے مخلوق کو پیدا اور مضبوط کیا لوگوں کو اس نے چن لیا اور سب پر برگزیدہ کر دیا + تو آپ ہی بلا اعلا... اور آپ ہی کے پاس قرآن مجید اور اسکی تفسیر کا علم ہے (وفیات الاعیان مشہور تاریخ ابن خلکان مطبوعہ مصر جلد ۲ صـ ۳۲۲)

مولوی صاحب۔ سبحان اللہ۔ خدا نے تم میں سب خوبصورتی جمع کر دی عربی شعر بھی اس خوبی سے پڑھتی ہو کہ جی چاہتا ہے سنتا ہی جاؤں۔

حسینی بیگم۔ اب بات کو ادھر اُدھر ٹالو نہیں۔ تم کو معلوم ہوا کہ حضرات اہلبیت ہر گناہ سے پاک اور ویسے ہی معصوم ہیں جیسے حضرت رسول خدا صلعم تھے۔

مولوی صاحب۔ ہاں قرآن مجید اور اسکی تفسیروں سے تو تم نے ثابت کر... مگر ابھی حدیث باقی ہے۔

حسینی بیگم۔ حدیثوں میں ایک حدیث ثقلین ہی کیا کم ہے جس کو میں بیان کر... ہوں کہ حضرتؐ نے فرمایا اے مسلمانو! میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہو... کہ جب تک تم اُن دونوں کی پیروی کرو گے گمراہ نہیں ہو سکتے ایک قرآن مجید ... دوسری میرے اہلبیت جو میری عترت ہیں۔

مولوی صاحب۔ ہاں یہ حضرت رسول خداؐ کی حدیث ہے اور چند کتابوں میں موجود...

حسینی بیگم۔ تم بات کو مختصر نہیں ہونے دیتے۔ یہ حدیث ثقلین کیا چند ہی کتابوں...

مولوی صاحب۔ تو اور کیا۔

حسینی بیگم۔ سیکڑوں کتابوں میں ہے۔ میں صرف چند کتابوں کے نام بتا د... دیکھ لینا (الف) حدیثوں کی کتابیں (۱) صحیح مسلم (۲) مسند احمد بن حنبل (۳) صحیح ترمذی (۴) کنز العمال (۵) مستدرک امام حاکم (۶) معجم صغیر طبرانی (۷) مشکوۃ شریف

مجالس خاتون

ہندوستان میں خدا کے فضل سے زنانی مجلسوں کا سلسلہ بھی برابر بڑھتا جاتا ہے مگر اردو زبان میں حدیث پڑھنے کی کوئی کتاب ایسی نہیں ملتی تھی جو خاص عورتوں کیلئے لکھی گئی ہو اور جس میں ان کے عقائد کا حق ہونا اُنکے مذہب کا صحیح ہونا اور انکے مذہب کا سب سے اچھا ہونا بھی بتایا گیا ہو۔ الحمد للہ کہ مجالس خاتون نے اس شدید ضرورت کو اس خوبی سے انجام دیا کہ اس کتاب کی دھوم ہوگئی۔ اسکی پہلی جلد میں ۳۱ مجلسیں ۲۴۰ صفحہ میں اصول دین سمجھانیکے لئے بہت کوشش اور بڑی محنت سے لکھی گئی ہیں ان میں سے ۵ مجلسوں میں توحید۔ ۵ میں عدل۔ ۵ میں نبوت۔ ۱۰ میں امامت اور ۵ میں قیامت کی محققانہ دلیلیں قرآن مجید۔ احادیث و تواریخ اہلسنت اور عقل سے ایسی صاف اور دلچسپ عبارت میں جمع کیگئی ہیں جن سے چھوٹی بچیوں کو بھی اپنے مذہب کی حقیت تفصیل سے معلوم ہوجاتی ہے۔ محرم سنہ ۵۰ھ میں ہندوستان کے سیکڑوں شہروں اور دیہاتوں میں اسکی مجلسیں پڑھی گئیں اور برابر اسکی تعریف میں خطوط چلے آتے ہیں مثلاً منشی غلام علی خان صاحب اوورسیر پنشنر نے انڈولہ ضلع لدھیانہ سے لکھا "مجالس خاتون دلچسپ سلیس عورتوں کے لئے بے نظیر ہے۔ الحمد للہ کہ آپکی تحقیقات کا رتبہ اعلیٰ اور مستحکم ہے" جناب مرزا اصغر حسین صاحب نے محلہ کٹرا حاجی حسین آگرہ سے لکھا "مجالس خاتون ایک عجیب نایاب چیز ہے" جناب سید غلام پنجتن صاحب نے کراچی سے لکھا "مجالس خاتون بہت مفید ثابت ہوئیں ہر شیعہ خاتون نے پڑھکر اور سنکر آپکا شکریہ ادا کیا" جناب سید نذر حسین شاہ صاحب ساکن زیارت ضلع اٹک نے لکھا "میں عرض کروں کہ اس سال محرم میں اصلاح سے کتنی فیضیابی مجالس خاتون سے ہوئی" جناب کریم بخش صاحب آصف نے جھینہ ضلع میانوالی سے لکھا "خدا کی قسم اصلاح کے پڑھنے سے مجھے وہ لطف آیا کہ بیان نہیں کرسکتا۔ مجھے بہت کچھ امداد ملگئی۔ خاص کر مجالس خاتون تو بیحد مفید کتاب ہے" اور جناب فاضل جلیل مولوی سید حفاظت حسین صاحب مولوی فاضل نے لکھا "مجالس خاتون نے عام فہم تبلیغ و تشئید ملت بیضا کا عجیب ذخیرہ جمع کردیا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء" قیمت فی جلد تین روپیہ

مینجر اصلاح کجھوا ضلع سارن

انجمن باب العلم کجھوا (صوبہ بہار) کی قابل قدر کتابیں

۱ عوائد نظریہ صلح حضرت امام حسنؑ کے اسباب مصالح اور مسئلہ تقیہ کی خوبیوں کے متعلق نادر تحقیقات کا ذخیرہ مصنفہ جناب مولانا سید نظیر حسین صاحب قبلہ قیمت فی جلد ۹ر

۲ رسالہ جلباب (پردہ) کی عقلی ضرورتوں، فطری مجبوریوں اور شرعی دلیلوں کے متعلق بہترین مباحث اور اعلیٰ معلومات و تحقیقات کی قابل قدر کتاب ہے مصنفہ جناب خانبہادر سید محمد خلیل صاحب ایم اے پنشنر۔ قیمت ۸ر

۳ رسالہ وراثت انبیاء اور قرآن معروف بہ خلافت رسول: عقلی دلیلوں اور قرآن مجید کی آیات اور انبیاء سلف کی سیرتوں سے ثابت کیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کی میراث جاری ہوئی اور حضرات ائمہ طاہرینؑ آپ کے حقیقی وارث اور منصوص من اللہ والرسول خلفاء ہیں اور مذہب شیعہ ہی حق ہے مصنفہ جناب حاجی سید اظہار حسنین صاحب بی اے مجسٹریٹ پنشنر قیمت

۴ دی قرآن اینڈ دی سکسیسرز آف محمدؐ: یعنی جناب حاجی صاحب ممدوح نے اپنے مذکورہ بالا رسالہ کا ترجمہ نہایت خوبی سے انگریزی میں کرکے چھپوایا ہے۔ قیمت ۴ر

۵ حالات جناب امیرؑ: فضائل و تاریخی حالات جناب امیر المومنینؑ میں ایک دلچسپ رسالہ جس کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ قیمت فی جلد ۸ر

۶ حدیث قرطاس: مرزا حیرت دہلوی اور مولوی شبلی صاحب نعمانی کے اعتراضات و شکوک و تاویلات کا محققانہ جواب قیمت ۴ر

۷ حدیقہ خضراء: حالات حضرت حجتؑ میں ایک دلچسپ مثنوی۔ قیمت ۸ر

۸ رسالہ جعفریہ: مسئلہ خلافت پر ایک دلچسپ رسالہ مصنفہ خان بہادر مسٹر محمد جعفر صاحب بی۔ اے بیرسٹرایٹ لا قیمت ۴ر

۹ شیعوں کا اردو قاعدہ: بچوں کے لئے بہت مفید۔ قیمت ۱ر

المشتہر: ناظم انجمن باب العلم کجھوا (صوبہ بہار)

علمی و دینی ماہوار رسالہ

نمبر ۴ و ۵ — جلد ۱۶

الشمس

ماہ ربیع الثانی و جمادی الاول

۱۳۵۱ھ

اغراض و مقاصد

.. صفحہ میں ایک جامع کتاب تصویر عزا کا شایع کرنا جسمیں حضرت امام حسین علیہ السلام کی عزاداری ذکر مصائب۔ ماتم۔ نوحہ و بکا۔ مجلس۔ تعزیہ دلدل۔ علم۔ تابوت۔ دوسری شبیہیں فاقہ عاشورا و) حضرت کی شہادت اور یزید کی حمایۃ وغیرہ کے متعلق مخالفین کے بکثرت اعتراضات اور اُن سب کے بہت تشفی بخش۔ مفصل اور محققانہ جوابات۔ غیر متعلد شو برا و زن حنفی بیوی سے دلچسپ مباحثہ کی صورت میں درج کیے گئے ہیں۔ تاکہ کل مسلمانوں کو عزاداری کے متعلق ہر بات کا تفصیلی علم ہو جاے اور اسکی خوبی ذہن نشین ہو

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ اس سال سنہ ۱۳۵۱ھ میں محرم سے جمادی الاخر تک ۳۲ صفحہ۔ رجب سے ذی القعدہ تک ۴۸ صفحہ ماہوار اور ذی الحجہ میں ۶۸ صفحہ شایع کیا جائیگا (۲) اس کا سالانہ چندہ مع محصولڈاک صرف عہ ہے (۳) جو صاحب اسکے دس خریدار عنایت کرینگے انکو ایک کتاب تصویر عزا بلا قیمت حاضر کیجائیگی (۴) جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ [illegible] آنا ضروری ہے۔ (۵) اجرت اشتہار خط و کتابت سے [illegible] ہے چونکہ اس رسالہ کی اشاعت [illegible] زیادہ ہو گئی [illegible] اسمیں اشتہار دینے سے تاجروں کو بہت نفع ہوگا)

مقام اشاعت

دفتر اصلاح کھجوا صوبہ بہار

چندہ سالانہ دو روپیہ

باسمہٖ سبحانہٗ

الشمس

نمبر ۵و۶	ماہ ربیع الثانی و جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۱ھ	جلد ۱۶

الحمد للہ والشکر لہ کہ محض اسی منعم حقیقی کے بیحد و حساب فضل و کرم سے الشمس نمبر ۵ و ۶ بھی تصویر عزا کے ۱۶ صفحہ کے ساتھ اپنے قدر دانوں کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے۔ اب تصویر عزا کے صرف ۳۲۴ صفحہ اور باقی ہیں۔ اگر اسی قادر مطلق کا احسان ہو تو ۳۰ ذی الحجہ تک اتنے صفحوں کا شایع ہونا دشوار نہیں ہے۔ ہم نے لکھا تھا کہ اگر ایک ہزار روپیہ کا کاغذ جلد آجائے تو ذی الحجہ تک کتاب پوری شایع ہوجائے۔ مگر افسوس جدید خریدار دینے کیطرف بہت کم حضرات متوجہ ہوئے۔ اب بھی خاص التماس ہے کہ اگر آپ ذی الحجہ تک پوری کتاب چاہتے ہیں تو صرف ۵۰۰ جدید خریدار وں کی فکر کیجئے۔ اگر ہر ہمدرد صرف تین تین جدید خریدار عطا کریں تو آسانی سے ۵۰۰ خریدار ہوجائیں۔ انصاف کیجئے ایسی ضروری کتاب کیلئے یہ فرمائیش کچھ بھی مشکل ہے؟ حسب ذیل حضرات کے ہم نہایت شکر گزار ہیں کہ جدید خریدار عنایت فرما کر کچھ کاغذ کا سامان کردیا (۱) جناب مرزا اکرار حسین صاحب ہیڈ کنسٹبل میرٹھ ۳ (۲) جناب سید مبارک علی صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر نارنول ۱ خریدار مع صلاح ۱ (۳) جناب منشی افتخار حسین صاحب ہیڈ [illegible] خریدار مع صلاح ۱ (۴) جناب ریاست علیخانصاحب رئیس اسلام نگر ۱ (۵) جناب مولوی [illegible] حسین صاحب رام پور مع صلاح ۱ (۶) جناب سید محمد صادق صاحب تحصیل لکھنؤ ضلع سیتاپور ۱ (۷) جناب سید جعفر حسین صاحب صوبیدار چال بمبئی ۱ (۸) جناب رجب علی مہر علی ساجن صاحب رنگون مع صلاح ۱ (۹) جناب مولوی حکیم سید محمد صادق صاحب حیدرآباد ۱ (۱۰) جناب مولوی منشی محمد مجتبیٰ صاحب سرطوق حیدرآباد ۵ (۱۱) جناب سید حسن علی شاہ صاحب منٹگمری ۲ (۱۲) جناب سید سجاد حسین صاحب نوہار چال بمبئی ۲ (۱۳) جناب منشی عنایت حسین صاحب امین نہر گرونڈی ضلع مرزاپور ۱ (۱۴) جناب خان بہادر سید بشیر حسن صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس لکھنؤ ۱ (۱۵) جناب منشی مظفر علی صاحب ہیڈ کلرک منٹگمری ۲ مع صلاح ۱ (۱۶) جناب سید شاہ [illegible] صاحب درگاہی والا ۱ (۱۷) جناب پیر سید منظر حسین شاہ صاحب سجادہ نشین [illegible]

[illegible]

(۸) جامع صغیر سیوطی (۹) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ (۱۰) اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ (۱۱) مدارج و مناہج۔ (ب) سیرۃ کی کتابیں (۱) خصائص نسائی (۲) مفتاح النجا (۳) احیاء المیت (۴) تذکرہ خواص الامہ (۵) ازالۃ الخفاء (۶) اسد الغابہ (۷) مطالب السؤل (۸) خصائص کبریٰ (۹) مواہب لدنیہ (۱۰) صواعق محرقہ (۱۱) سیرۃ حلبیہ (۱۲) مدارج النبوۃ (۱۳) وسیلۃ النجاۃ (۱۴) سعادۃ الکونین (۱۵) مشارق الانوار (۱۶) ینابیع المودۃ (ج) تفسیر کی کتابیں (۱) درمنثور (۲) تفسیر کبیر آیہ واعتصموا بحبل اللہ (۳) تفسیر ابن کثیر (۴) تفسیر حسینی (۵) سراج منیر۔ (د) لغت کی کتابیں (۱) لسان العرب (۲) قاموس (۳) تاج العروس (۴) منتہی الارب (لغت کی کتابوں میں لفظ ثقل و عترت میں دیکھنا)۔ اب خود غور کرو کہ اگر اہلبیتؑ معصوم نہیں ہوتے تو حضرتؐ یہ نہیں فرماتے کہ "جب تک تم انکی پیروی کروگے اُس وقت تک گمراہ نہیں ہوسکتے" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی جس بات میں پیروی کیجائیگی انسان گمراہی سے بچا ہی رہیگا پس اگر ان سے گناہ ہوسکتا تو اسکی پیروی کرنے سے انسان ضرور گمراہ ہوجاتا۔

مولوی صاحب۔ تم اپنا مطلب ذرہ صاف بیان کرو۔

حسینی بیگم۔ حضرت رسولخدا صلعم نے قرآن اور اہلبیتؑ دونوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ مسلمانو جب تک تم ان دونوں کی پیروی کروگے گمراہ نہیں ہوگے۔ اب اگر قرآن میں کوئی بات گمراہی کی ہو تو کیا اس صورت میں بھی اسکی پیروی کرنے سے انسان گمراہ نہیں ہوگا؟

مولوی صاحب۔ نہیں اس صورت میں تو وہ بھی گمراہ ہوجائیگا۔ مگر نہ قرآن شریف میں کوئی گمراہی کی بات ہے نہ انسان اسکی کسی بات کی پیروی کرنے سے گمراہ ہوگا۔

حسینی بیگم۔ اسی طرح اہلبیت کے بارے میں بھی بتاؤ کہ اگر ان سے کوئی گناہ ہو تو کیا اہلبیتؑ کی پیروی میں اس گناہ کے کرنے سے بھی انسان گمراہ نہیں ہوگا۔

مولوی صاحب۔ نہیں اس صورت میں تو وہ ضرور گمراہ ہوجائیگا۔

حسینی بیگم۔ حالانکہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جب تک تم لوگ انکی پیروی کروگے گمراہ

ہو ہی نہیں سکتے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کو معلوم تھا کہ اہلبیتؑ معصوم ہیں
اُن سے کوئی گناہ ہو ہی نہیں سکتا ہے بلکہ وہ جو کام کرینگے حکم خدا و رسولؐ کے مطابق
ہی ہو گا۔ ان سے کوئی بات حکم خدا و رسولؐ کے خلاف ہونا ممکن ہی نہیں ہے
اس وجہ سے یہ پیشین گوئی کی جب تک مسلمان ان کے پیرو رہیں گے گمراہ نہیں ہونگے
مولوی صاحب۔ ہاں تمہارا دعویٰ صحیح ہے۔ یقیناً ان حضرات کی عصمت
ماننا پڑیگا ورنہ یا اس حدیث کو جھوٹی کہنا ہوگا یا معاذ اللہ حضرت رسولخدا صلعم کی بات
غلط ہو گی۔ مگر حدیث بھی صحیح ہے اور حضرتؐ کا ارشاد بھی درست۔
حسینی بیگم۔ اسکے علاوہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں فرمایا ہے فهو
سید الاوصیاء اللحوق به سعادة والموت فی طاعته شهادة واسمه فی التوراة
مقرون الی اسمی وزوجته الصدیقة الکبری ابنتی۔ و ابناه سیدا شباب
اهل الجنة ابنای وهو وهما والائمة من بعدهم حجج الله علی خلقه بعد النبیین
وهم ابواب العلم فی امتی۔ من تبعهم نجا من النار ومن اقتدی بهم هدی الی
صراط مستقیم۔ یعنی علی کل وصیوں کے سردار ہیں۔ اُن سے ملا رہنا سعادت
اور انکی پیروی میں مرنا شہادت ہے۔ توراۃ میں میرے نام سے ملا ہوا اُن کا
نام بھی لکھا ہے۔ انکی بیوی صدیقہ کبریٰ میری بیٹی ہیں اور ان کے دونوں بیٹے
جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں میرے فرزند ہیں۔ وہ اور ان کے دونوں بیٹے
اور جو باقی امام انکے بعد ہونگے وہ سب انبیاء کے بعد مخلوق پر خدا کی حجتیں ہیں
اور میری امت میں وہی علم کے دروازے ہیں۔ جو انکی پیروی کریگا وہ ضرور جہنم
سے بچیگا اور جو ان کے مذہب پر رہیگا وہی صراط مستقیم پر ہو گا۔ (ینابیع المودۃ
صفحہ ۵۲)۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ یہ حضرات معصوم ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی
پیروی میں انسان ضرور جہنم سے بچ جائیگا۔ اور انکے مذہب پر رہنے میں ضرور
صراط مستقیم پر ہو گا۔ ایک اور حدیث میں فرمایا ہے علی اخی ووارثی ووصیی
وولی کل مومن من بعدی ثم ابنی الحسن ثم الحسین ثم التسعة من

ولد الحسین - القرآن معهم وهم مع القرآن لایفارقونه ولایفارقهم حتی یردوا علی الحوض یعنی علی میرے بھائی میرے وارث میرے وصی اور میرے بعد ہر مومن کے پیشوا ہیں - انکے بعد میرے بیٹے حسن پھر حسین - پھر حسین کی اولاد سے نو امام ہونگے - قرآن ہمیشہ انکے موافق رہیگا - اور یہ ہمیشہ قرآن کے مطابق ہونگے - نہ یہ لوگ کسی وقت قرآن سے الگ ہونگے اور نہ قرآن کبھی ان سے جدا ہوگا - یہانتک کہ سب میرے پاس حوض کوثر پر پہونچ جائیں گے (ینابیع المودۃ صفحہ ۹۴) - اس سے بھی عصمت معلوم ہوئی کیونکہ اگر ان سے گناہ ہوسکتا تو حضرت یہ نہیں فرماتے کہ یہ کسی وقت قرآن سے الگ ہونگے اس لئے کہ گناہ کے وقت تو انسان ضرور قرآن سے الگ ہوجاتا ہے - مگر ان حضرات کے کسی وقت الگ نہ ہونیکی پیشینگوئی بتاتی ہے کہ ان سے کبھی گناہ ہوگا ہی نہیں اور یہی عصمت ہے - بلکہ حضرت نے صاف صاف فرمادیا ہے فانا واهل بیتی مطهرون من الذنوب یعنی میں اور میرے اہلبیت کل گناہوں سے پاک و پاکیزہ ہیں (ینابیع المودۃ صفحہ ۱۳) اور علامہ سید علی ہمدانی لکھتے ہیں قال رسول اللہ صلعم الائمة من ولدی فمن اطاعهم فقد اطاع الله ومن عصاهم فقد عصی الله هم العروة الوثقی وهم الوسیلة الی الله تعالی یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ میرے اولاد ہی سے مسلمانوں کے امام ہونگے - جو لوگ انکی اطاعت کرینگے وہی خدا کی بھی اطاعت کرینگے - اور جو ان کی نافرمانی کرینگے وہ یقیناً خدا کی نافرمانی بھی کرینگے - وہی لوگ عروہ وثقی (ہدایت کا مضبوط ذریعہ) اور خدا تک پہونچنے کی راہ ہیں - قال رسول اللہ صلعم تمسکوا بطاعة ائمتکم فان طاعتهم طاعتی وبغضهم معصیتی - یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ اپنے ان اماموں کی اطاعت مضبوطی سے کرنا اسلئے کہ انکی اطاعت بعینہ میری اطاعت اور انکا بغض میری نافرمانی ہے - پھر لکھتے ہیں قال رسول اللہ صلعم معرفة آل محمد صلعم براءة من النار وحب آل محمد صلعم جواز علی الصراط والولایة لآل محمد صلعم امان من العذاب یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ آل محمد صلعم کی معرفت جہنم سے بچنے کی سند - اور آل محمد صلعم کی

محبت پل صراط سے گزر جانے کا پروانہ - اور آل محمدؐ کی ولایت عذاب سے امان ہے (مودۃ القربیٰ ص۱۹) عن عبد اللہ ابن عباسؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یقول انا و علی والحسن والحسین و تسعۃ من ولد الحسین مطہرون معصومون یعنی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ایسے جلیل القدر صحابی روایت کرتے ہیں کہ میں نے سنا حضرت رسولخداؐ فرماتے تھے کہ میں اور علیؑ اور حسنؑ و حسینؑ اور حسینؑ کی اولاد سے نو امام پاک پاکیزہ اور معصوم ہیں (مودۃ القربیٰ مطبوعہ بمبئی ص۲۲) اور تمہارے مذہب کے بہت بڑے پیشوا اور امام جناب مولانا وحید الزمان خاں صاحب وقار نواز جنگ حیدر آبادی تحریر فرماتے ہیں "الامام منا لایکون الا معصوما" امام زین العابدینؑ نے فرمایا امام ہم اہلبیت میں سے معصوم ہوگا - مجمع البحرین میں ہے معصوم وہ ہے جو حرام کاموں سے بچا ہے اور اللہ کی رسی یعنی قرآن کو تھامے رہے - کیونکہ قرآن اور امام قیامت تک جدا نہ ہونگے - جیسے دوسری حدیث میں ہے لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض - صاحب دراساۃ اللبیب جو علمائے اہلحدیث سے ہیں ائمہ اہلبیت علیہم السلام کا معصوم ہونا ثابت کرتے ہیں - اور جمہور اہلسنت کا یہ قول ہے کہ پیغمبروں کے سوا کوئی معصوم نہیں - مترجم کہتا ہے صحیح یہ ہے کہ معصوم کے کئی معنی ہیں - ایک یہ کہ جس سے دین کے مسائل میں خطا نہ ہوتی ہو - اگر خطا ہوجائے تو فی الفور اللہ تعالیٰ اوسکو مطلع کردے - اس معنی کر عصمت انبیاء کا خاصہ ہے کیونکہ غیر نبی پر وحی نہیں اُترتی - دوسرے یہ کہ حرام اور فحش کاموں سے بچا رہے - اس معنی کر ائمہ اثنا عشر علیہم السلام بے شک معصوم تھے - اب رہے عام صحابہ تو وہ معصوم نہ تھے - اُن میں بعضوں سے کبیرہ گناہ جیسے زنا، خون ناحق، شرب خمر وغیرہ صادر ہوئے ہیں - اور اہلسنت جو لکھتے ہیں الصحابہ کلہم عدول اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سب صحابہ معصوم تھے بلکہ اوس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی روایت میں وہ سچے تھے - اگر صحابہ سب معصوم ہوں تو پھر اہلبیت علیہم السلام کو تو ضرور معصوم ہونا چاہئے - حالانکہ اہلسنت اسکے قائل نہیں ہیں - تاریخ ابن جریر کو ملاحظہ کر

معلوم ہوگا کہ مغیرہ اور معویہ اور عمرو بن عاص نے کیا کیا گل کھلائے ہیں جن کی وجہ سے ان کو ہرگز معصوم نہیں کہہ سکتے" (انوار اللغۃ پارہ ۱۸ ص ۱۲۹) ۔ اور ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں اللھم ھولاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا ۔ یا اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں یعنی حضرت علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنینؑ علیہم السلام تو ان سے پلیدی دور کر دے ۔ ان کو پاک کر دے ۔ اس حدیث سے امامیہ نے ائمہ اہلبیت کی عصمت عن الخطا پر دلیل لی ہے ... علمائے اہلسنت میں سے صاحب دراسات اللبیب نے ائمہ اثنا عشر کی معصومیت کو تسلیم کیا ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۲۰ ص ۸۷)

ساتواں باب

امام حسنؑ و امام حسینؑ کا سردار جوانان اہل بہشت ہونا

دسویں ماہ رمضان المبارک کو مولوی عبدالغفار صاحب عصر کی نماز ایک مسجد میں پڑھا کر باہر نکلے تو ایک شخص نے انھیں ایک چھپا ہوا اشتہار دیا جس میں بھی لکھا تھا کہ "۱۴ ر ماہ رمضان المبارک بعد نماز مغرب محلہ دریاآباد میں سردار جوانان اہل بہشت حضرت امام حسن علیہ السلام کے فضائل و مناقب کی مجلس منعقد ہوگی ۔ کل مسلمانوں سے التماس ہے کہ شریک بزم ہوں اور بعد کو ماحضر تناول فرما کر شکرگزار کریں" اشتہار دیکر اس شخص نے کہا "امید ہے کہ آپ بھی ضرور تشریف لائیں گے اور اپنی شرکت سے شکرگزار کریں گے" مولوی صاحب نے کہا "اچھا دیکھا جائیگا" اور اسکے بعد اپنے مکان پر واپس آئے ۔ جب شب کو افطار اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر آرام کے لئے اپنے کمرے میں گئے اور حسینی بیگم بھی پہونچیں تو حسب ذیل باتیں ہونے لگیں ۔

مولوی صاحب ۔ رافضی سب بھی عجیب عجیب حرکتیں کرتے رہتے ہیں ۔ ان لوگوں کا نہ ایمان ہی کچھ معلوم ہوتا ہے نہ عقل ہی کا پتہ چلتا ہے ۔ لاحول ولا قوۃ کیسے مہمل لوگ ہیں ۔ اور کیسی کیسی باتیں ایجاد کرتے رہتے ہیں ۔

حسینی بیگم - کیا ہوا - ہندوستان میں تو بہت سے مذہب کے لوگ ہیں مسلمانوں میں حنفی - وہابی - قادیانی - چکڑالوی - مالکی شافعی سب ہی ہیں اسی طرح سنی اور شیعہ بھی ہیں - جنکو ہم لوگ رافضی کے نام سے پکارتے ہیں - مگر آج انکی کون بات تمکو بُری معلوم ہوئی؟

مولوی صاحب - آج میں نماز عصر پڑھکر مسجد سے باہر نکلا تو دریاآباد کے ایک رافضی نے یہ اشتہار دیا - تم خود پڑھ لو کیسے کفر کی باتیں لکھی ہیں - اور صرف کفر ہی نہیں بلکہ خلاف عقل بھی -

حسینی بیگم نے اشتہار لیا اور شروع سے آخر تک پڑھ گئیں - مگر انکی سمجھ میں نہیں آیا کہ مولوی صاحب اسکی کس بات پر تیز ہو رہے ہیں - پھر اسکو پڑھ گئیں - اب بھی کوئی بات نہیں ملی تو کہا "میں دن بھر روزہ رہی اور شام کو تمہارے افطار وغیرہ کے سامان میں پریشان ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ میرا دماغ کام نہیں کر رہا ہے - میں نے اشتہار تو پڑھا مگر اسکی بات جو تم کو بری معلوم ہوئی اُس کا پتہ مجھے نہیں لگتا - تم خود ہی بتاؤ کہ کیا ہے -

مولوی صاحب - کیا خوب؟ کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ اس کمبخت رافضی نے یہ کیسے کفر کا کلمہ لکھا ہے "سردار جوانان اہل بہشت امام حسنؑ کے فضائل و مناقب" حضرت حسن رضی اللہ عنہ جوانان اہل بہشت کے سردار کیسے ہو جائیں گے؟

حسینی بیگم - کیا صرف اسی بات پر تم کو اتنا غصہ آیا -

مولوی صاحب - کیا یہ بات کم ہے کہ کل جوانان اہل بہشت کا سردار انکو کہ دیا گیا؟ اسکو تم معمولی کفر سمجھتی ہو؟

حسینی بیگم - معمولی کفر؟ میں تو اس کو کفر ہی نہیں سمجھتی - معاذاللہ جو بات حضرت رسولخدا صلعم ارشاد فرمائیں اسکو کوئی شخص غلط کہ دے تو وہی کافر ہو جائیگا چہ جائیکہ حضرتؐ کے بتائے ہوئے کلام کو کفر کہ دیا جائے - تم لوگ ہر بات کو جو ذرہ بھی تم لوگوں کی خواہش کے خلاف ہو کفر کہ دیتے ہو - تم تو خدا کے فضل سے علم سے آراستہ

ہو۔ جلدی کسی بات کو کفر نہ کہہ دیا کرو۔

مولوی صاحب۔ تو کیا حضرت رسولخدا نے اسکو کبھی فرمایا ہے؟ کیا ہمارے ہاں کی کسی کتاب میں بھی یہ ہے؟ یا صرف رافضیوں کے چانڈو خانوں کی گپیں ہیں۔

حسینی بیگم۔ نہیں نہیں رافضیوں کی گپیں کیوں ہونے لگیں۔ یہ حدیث ہمارے ہاں بہت مشہور ہے اور بڑے بڑے مورخین و محدثین نے اس کو لکھا ہے۔ دیکھو علامہ سیوطی لکھتے ہیں قال رسول اللہ الحسن والحسین سید اشباب اهل الجنة یعنی حضرت رسولخدا نے فرمایا ہے کہ حسن اور حسین کل اہل بہشت کے جوانوں کے سردار ہیں (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۲۸)

مولوی صاحب۔ ہاں مگر کسی بڑے محدث نے نہیں لکھا ہوگا۔

حسینی بیگم۔ کیا خوب! تمہاری باتیں بھی نرالی ہوتی ہیں۔ علامہ سیوطی کتنے بڑے محدث تھے۔ جن کی کتاب جمع الجوامع احادیث کا عظیم الشان ذخیرہ ہے پھر تفسیر درمنثور انکی بے مثل و نظیر تفسیر قرآن ہے۔ خیر ان سے بڑے محدث کا بیان سنو یعنی علامہ ابن حجر عسقلانی جنہوں نے صحیح بخاری شریف کی شرح فتح الباری لکھی ہے۔ اور جن کے بارے میں شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے "حافظ ابن حجر کو جنکے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۷۶) وہ لکھتے ہیں" ومن حدیث حذیفہ رفعه الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنه وله طرق ایضا یعنی حذیفہ کی روایت ہے کہ حضرت رسولخدا نے فرمایا کہ حسن اور حسین کل جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں (اصابہ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۲) اور مشکوۃ شریف ہمارے مذہب کی کیسی مشہور اور معتبر کتاب ہے کہ گھر گھر پھیلی رہتی ہے اسمیں بھی لکھا ہے عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنه یعنی حضرت رسولخدا نے فرمایا ہے کہ حسن و حسین دونوں سردار ہیں بہشت کے جوانوں کے (مشکوۃ شریف مطبوعہ

لاہور جلد ۸ ص ۱۳۵) اور ترمذی شریف جو صحاح ستہ کی کتاب ہے یعنی بخاری شریف و مسلم شریف کے برابر جس کا درجہ سمجھا جاتا ہے۔ اسمیں بھی لکھا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے جناب حذیفہ صحابی سے فرمایا ھذا ملک لم ینزل الارض قط قبل ھذہ اللیلۃ استاذن ربہ ان یسلم علی ویبشرنی بان فاطمۃ سیدۃ نساء اھل الجنۃ وان الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنہ یعنی اے حذیفہ یہ فرشتہ وہ ہے جو آج رات سے پہلے زمین پر کبھی نہیں آیا تھا۔ اس نے خدا سے اجازت حاصل کی کہ یہاں آکر مجھ پر سلام کرے اور مجھے اس بات کی خوشخبری سنائے کہ بہشت کی کل عورتوں کی سردار فاطمہ۔ اور بہشت کے کل جوانوں کے سردار حسن و حسین ہیں (جامع ترمذی مطبوعہ لکھنؤ ص ۶۶۷) ۔ اسی طرح یہ حدیث کنزالعمال جلد ۷ ص ۱۰۱ و ۱۰۹ و صواعق محرقہ ص ۱۱۴ و اسدالغابہ و استیعاب جلد ا ص ۱۴۵ وغیرہ سیکڑوں کتب احادیث و سیر و تاریخ میں موجود ہے۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ اسکے بعد حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ وابوھما خیر منھما یعنی ان دونوں کے باپ (حضرت علی) ان دونوں سے بھی بہتر و افضل ہیں (صواعق محرقہ ص ۱۱۴ وغیرہ)

مولوی صاحب۔ واقعاً مجھ سے غلطی ہوئی کہ اُس اشتہار میں اس حدیث کو دیکھکر میں اس قدر حد سے گزر گیا۔

آٹھواں باب

حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ کا فرزندان رسولؐ ہونا

حسینی بیگم۔ اور میں تو کہتی ہوں کہ اگر حضرت صلعم یہ حدیث اپنی زبان مبارک سے نہ بھی ارشاد فرمائے ہوتے جب بھی حضرت رسولخدا صلعم کے فرزندوں سے زیادہ کس کو اس بات کا حق ہو سکتا ہے کہ بہشت کے جوانوں کا سردار بنے۔

مولوی صاحب۔ مگر حضرت حسنؑ و حسینؑ تو آنحضرتؐ کے نواسے تھے حضرت کے فرزند نہیں ہو سکتے۔ نواسے اور فرزند میں فرق ہوتا ہے۔

حسینی بیگم ۔ یہ تو بہت بڑی بحث تم نے چھیڑ دی ۔ امام حسن و حسین علیہما السلام آنحضرت ص کے نواسے تھے اس سے کون انکار کرسکتا ہے ۔ مگر یہی دونوں آنحضرت صلعم کے فرزند بھی تھے جو قرآن شریف سے بھی ثابت ہے اور حدیث سے بھی ۔

مولوی صاحب ۔ اچھا ذرہ قرآن مجید کی وہ آیت پڑھو جس سے تم اس خلاف عقل بات کو ثابت کرسکتی ہو ۔

حسینی بیگم ۔ میں خود کیوں کوئی آیت پڑھوں ۔ ایک مشہور تاریخی اور بہت ہی دلچسپ واقعہ بیان کردوں اسی سے تم کو سب معلوم ہوجائیگا ۔ مگر یہ واقعہ تو تم نے خود بھی تفسیر کی کتابوں میں ضرور پڑھا ہوگا ۔

مولوی صاحب ۔ خیر تم سناؤ اگر میں نے دیکھا ہوگا تو تمہاری زبان سے سنکر قند مکرر کا مزہ ملے گا ۔

حسینی بیگم ۔ تم جانتے ہو کہ حجاج خلفاے بنی امیہ کا کیسا زبردست اور ظالم گورنر تھا جس نے سنہ ۷۲ھ سے سنہ ۹۵ھ تک دنیاے اسلام میں ظلم اور خونریزی کا طوفان قائم کر رکھا تھا اس کا واقعہ علامہ فخرالدین رازی لکھتے ہیں عن الشعبی کنت عند الحجاج فاتی بیحیی بن یعمر فقیہ خراسان من بلخ مکبلا بالحدید فقال له الحجاج انت زعمت ان الحسن والحسین من ذریة رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال بلی فقال الحجاج لتاتینی بها واضحة بینة من کتاب الله او لاقطعنك عضوا عضوا فقال آتیك بها واضحة بینة من کتاب الله یا حجاج قال فتعجبت من جرأته بقوله یا حجاج ۔ فقال له ولا تاتنی بهذه الایة ندع ابناءنا و ابناءکم ۔ فقال آتیك بها واضحة من کتاب الله وهو قوله ونوحا هدینا من قبل ومن ذریته داؤد وسلیمان الی قوله وزکریا ویحیی وعیسی فمن کان ابو عیسی وقد الحق بذریة نوح قال فاطرق ملیا ثم رفع راسه فقال کانی لم اقرء هذه الایة من کتاب الله خلوا وثاقه واعطوه من المال کذا

یعنی شعبی کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ حجاج کے دربار میں موجود تھا تو میرے سامنے

ہی لوگ خراسان کے مشہور فقیہ یحیٰی بن یعمر کو بلخ سے بیڑیاں پہنائے ہوئے لائے تو
اس سے اور یحیٰی سے اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

حجاج۔ کیوں یحیٰی۔ تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ حسنؑ اور حسینؑ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ
وسلم کی اولاد سے ہیں؟

یحیٰی بن یعمر۔ ہاں میرا یہ دعویٰ ہے۔

حجاج۔ اچھا تم اپنے اس دعویٰ کی کوئی واضح دلیل قرآن مجید سے پیش کرو ورنہ
میں ابھی تمہاری بوٹی بوٹی کاٹ ڈالتا ہوں۔

یحیٰی۔ اے حجاج! میں ابھی تمہارے سامنے ہی قرآن مجید ہی سے اس دعویٰ
کی واضح دلیل پیش کرتا ہوں۔

(شعبی کا بیان ہے کہ میں نے جو یحیٰی کو اس طرح یا حجاج (اے حجاج) کہتے ہوئے سُنا
(کہ نہ حضور کہا۔ نہ سرکار۔ نہ اے امیر۔ نہ اے مالک۔ بلکہ صرف نام لیکر خطاب کیا)
تو مجھے انکی اس دلیری سے بڑا تعجب ہوا)۔

حجاج۔ ہاں ہاں!! جلد وہ آیۃ پڑھو ذرہ میں بھی تو سنوں۔ مگر دیکھو خبردار آیۃ مباہلہ
ندع ابناء نا و ابناء کم کو نہ پڑھنا۔

یحیٰی۔ نہیں نہیں!! میں اُس آیۃ کو نہیں پڑھونگا بلکہ اس کے علاوہ دوسری صاف
اور بالکل بے جھول آیۃ پڑھتا ہوں۔ سنو۔ خدا ارشاد فرماتا ہے ونوحا ھدینا من
قبل ومن ذریتہ داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون وکذلک
نجزی المحسنین وزکریا ویحیٰی وعیسیٰ یعنی ان سے پہلے نوح کو بھی ہم نے راہ راست دکھائی
اور اُن ہی کی نسل میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون
سب کو ہم نے راہ راست دکھائی اور خلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو ہم ایسے
ہی صلے عطا فرمایا کرتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس زکریا اور یحیٰی اور عیسیٰ کو (پارہ ۷،
سورہ انعام رکوع ۱۰) اے حجاج ذرہ بتاؤ تو کہ حضرت عیسیٰ کے باپ کہاں تھے
جسکی وجہ سے خدا نے حضرت عیسیٰ کو بھی حضرت نوحؑ کی اولاد میں داخل کیا (یعنی

اگر نواسا اپنے نانا کی اولاد نہیں کہا جاسکتا تو حضرت عیسیٰ کو خدا نے حضرت نوح کی اولاد میں کیسے کہہ دیا۔ اگر کہو کہ حضرت عیسیٰ کے دادا دا کا سلسلہ حضرت نوح تک پہونچتا ہے تو حضرت عیسیٰ کے باپ کہاں تھے جن کے والد حضرت کے دادا کہے جائیں وہ تو خدا کے کلمہ سے پیدا ہوئے۔ غرض اونکا جو رشتہ تھا وہ صرف آپکی ماں حضرت مریم کا یعنی نانہالی۔ اور اسی نانہالی رشتہ سے حضرت نوحؑ حضرت عیسیٰ کے نانا ہوئے جن کی اولاد میں آپ کو بھی خدا نے اسی طرح ذکر کیا جس طرح حضرت نوح کے پوتوں کو ذکر کیا ہے)۔ شعبی نے بیان کیا کہ یحییٰ کے اس استدلال کو سنکر حجاج نے سر جھکا لیا۔ اور دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اپنا سر اوٹھا کر کہا "معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اس آیۃ کو آج تک پڑھا ہی نہیں تھا" (پھر اپنے درباریوں سے خطاب کرکے کہا) "اب یحییٰ کی بیڑیاں آتار دو اور ان کو اس قدر مال دے دو" (تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۴۰۹) تفسیر درمنثور میں بھی یہ روایۃ اس طرح موجود ہے کہ حجاج نے کہا "میں نے قرآن مجید کو شروع سے آخر تک پڑھ لیا ہے مگر کہیں مجھے یہ مضمون نہیں ملا جس سے معلوم ہوتا کہ امام حسینؑ حضرت رسولخداؐ کی اولاد میں ہوسکتے ہیں"۔ تب یحییٰ نے پوچھا کیا تم نے سورہ انعام میں یہ آیۃ نہیں پڑھی ہے؟ حجاج نے کہا "ہاں پڑھی تو ہے"۔ یحییٰ نے کہا "کیا اسمیں حضرت عیسیٰ کو خدا نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں نہیں ذکر کیا ہے؟ حالانکہ حضرت عیسیٰ کے باپ نہیں تھے۔ صرف ماں ہی تھیں۔ انھیں کے رشتہ سے وہ اپنے نانا حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں داخل ہوئے"۔ حجاج نے کہا "ہاں تم نے سچ کہا"۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جب یحییٰ نے حضرت امام حسینؑ کا ذکر کیا تو حجاج نے کہا "نہیں وہ حضرت رسولخدا صلعم کی اولاد میں نہیں ہوسکتے ہیں"۔ اس پر یحییٰ نے حجاج سے کہا "تم جھوٹ کہتے ہو"۔ حجاج نے کہا "اچھا تو تم دلیل پیش کرو"۔ اس پر انھوں نے وہی آیت پڑھی اور کہا "اے حجاج دیکھو کہ خدا اس میں حضرت عیسیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں ذکر کرتا ہے۔ تو حضرت ابراہیم جناب عیسیٰ کے نانا ہی تو تھے" حجاج کو ماننا پڑا کہ "ہاں تم سچ کہتے ہو"۔ (درمنثور جلد ۳ ص ۲۸) اس روایت کو تمہارے مولانا نواب صدیق حسن

خاں صاحب نے بھی لکھا ہے جسکے بعد تحریر فرمایا ہے وقد رویت ھذہ القضیۃ
بالفاظ وطرق وفیہ دلیل علی ان النسب یثبت من قبل الام ایضا لانہ
جعلہ من ذریۃ نوح وھو لا یتصل بہ الا بالام۔ یعنی حجاج اور یحیٰی بن یعمر کا یہ
واقعہ مختلف عبارتوں سے اور بہت طریقوں سے بیان کیا گیا ہے اور اسمیں اس
بات کی دلیل ہے کہ نسب ماں کیطرف سے بھی ثابت ہوتا ہے اسلیئے کہ خدا نے
حضرت عیسیٰ کو حضرت نوح کی ذریت میں ذکر کیا ہے اور اُن کا کوئی باپ تھا ہی
نہیں پھر ان کی ماں ہی کی وجہ سے تو خدا نے ان کو حضرت نوح کی ذریت میں ذکر
کیا (تفسیر فتح البیان مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۸۷) اور علامہ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں
وفی ذکر عیسیٰؑ فی ذریۃ ابراھیم او نوح علی القول الاخر دلالۃ علی دخول ولد البنات
فی ذریۃ الرجل لان عیسیٰؑ انما ینسب الی ابراھیمؑ لامہ مریم علیھا السلام فانہ
لا اب لہ یعنی خدا نے حضرت ابراہیم یا حضرت نوح کی اولاد میں حضرت عیسیٰ کو ذکر
کیا ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ بیٹی کی اولاد (نواسے نواسیاں) بھی انسان (نانا)
کی اولاد میں داخل ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ حضرت عیسےٰ کو حضرت ابراہیم کی اولاد
میں اُنکی ماں جناب مریم ہی کی وجہ سے تو بیان کیا ہے۔ کیونکہ حضرت عیسےٰؑ کے باپ
تو تھے ہی نہیں۔ پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں ویدخل بنو البنات فیھم لما
ثبت فی صحیح البخاری ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال للحسن بن علی
ان ابنی ھذا سید یعنی نواسے بھی اپنے نانا کی اولاد میں اس دلیل سے داخل ہیں
کہ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے نواسے امام حسنؑ کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ میرا بیٹا
سردار ہے (تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مصر صفحہ ۹۳)۔ مورخ جلیل علامہ ابن خلکان
نے اس واقعہ کو زیادہ تفصیل سے لکھا ہے کہ یحیٰی بن یعمر خراسان میں رہتے تھے
اور وہاں لوگوں سے بیان کیا کرتے کہ امام حسنؑ و حسینؑ حضرت رسولخدا صلعم کی اولاد ہیں۔
اس واقعہ کی اتنی شہرت ہوئی کہ عراق میں حجاج کو معلوم ہوا تو اُس نے خراسان کے
گورنر قتیبہ بن مسلم کو لکھا کہ میرے پاس یحیٰی بن یعمر کو گرفتار کر کے بھیج دو جب وہ آئے ہیں

تو حجاج نے اُن سے کہا "اگر تم اپنے دعوی کی مضبوط دلیل نہیں دوگے تو میں تمہارا سر اُڑا دوں گا"۔ اسپر یحیٰی نے وہی آیت پڑھی۔ پھر کہا "اے حجاج دیکھو حضرت عیسیٰ حضرت ابراہیم کی کتنی پشتوں کے بعد پیدا ہوئے انکو تو خدا انکی اولاد کہتا ہے پھر امام حسنؑ و امام حسینؑ تو حضرت رسولخداؐ کے سامنے پیدا ہوئے (اور حضرت کی گود میں پلے) وہ کیوں نہ حضرت کی اولاد ہونگے"؟ اس پر حجاج نے کہا "بے شک تم نے ایسی دلیل پیش کی جس سے تمہاری جان بخش دیگئی۔ خدا کی قسم میں نے اس آیت کو پڑھا مگر کبھی اس کا یہ مطلب نہیں سمجھا"۔ اسکے بعد علامہ ابن خلکان اپنا قول لکھتے ہیں هذا من الاستنباطات البديعة الغريبة العجيبة فلله دره ما احسن ما استخرج وادق ما استنبط یعنی یحیٰی کا یہ استدلال عجیب و غریب اور نہایت خوبصورت اور قابل قدر استدلال اور پھڑکا دینے والا احتجاج ہے۔ اللہ انکو جزائے خیر دے کیسی اچھی بات پیدا کی اور کیسا دقیق نکتہ نکالا ہے (تاریخ ابن خلکان مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۲۲۷ و مرأۃ الجنان جلد ۱ ص ۲۷ مطبوعہ حیدرآباد)

مولوی صاحب ۔ البتہ یحیٰی اور حجاج کا یہ مناظرہ بڑا ہی زبردست اور نہایت دلچسپ ہے

حسینی بیگم ۔ حجاج کا مناظرہ ہی کیا ہوا۔ اسکے ہاتھ میں تو تلوار تھی اسی سے اس نے مناظرہ کیا کہ کہا اگر دلیل نہیں لاؤ گے تو سر اڑا دوں گا۔ البتہ یحیٰی کے دماغ کی تعریف بے ساختہ زبان سے نکل جاتی ہے کہ کس بلا کا ذہن پایا تھا اور خدا نے حاضر جوابی کا مادہ کس قدر پیدا کر دیا تھا اور لطف یہ کہ تلوار سامنے رکھی ہوئی تھی۔ ایسی حالت میں موٹی اور واضح بات بھی انسان بھول جاتا اور سامنے کی چیزیں بھی اس کو نظر نہیں آتی ہیں چہ جائیکہ ایسا دقیق نکتہ پیدا کرنا۔ یقیناً خدا کی خاص تائید انکے ساتھ تھی۔ اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حجاج کو حضرات اہلبیتؑ سے کیسی سخت عداوت تھی کہ یحیٰی کا صرف یہ جرم سنکر کہ وہ امام حسنؑ و حسینؑ کو فرزندان رسول کہتے ہیں۔ اس نے اس قدر اہتمام کیا کہ خراسان کے گورنر کو لکھا۔ اور وہیں یحیٰی کو گرفتار کرا لیا۔ انکے پاؤں میں بیڑیاں ڈلوائیں اور کئی آدمیوں کی حراست میں انکو خراسان

سے کوفہ تک نہ معلوم کس قدر مال خرچ کر کے صرف اس غرض سے بلایا کہ ان کو قتل کر دے مگر انھوں نے ایسی دلیل پیش کر دی کہ حجاج کا وہ سب اہتمام غائب ہو گیا اور مجبوراً انکو رہا کر دینا پڑا۔

مولوی صاحب ۔ کیا خوب وہ یحیٰی بن یعمر کا نکتہ تھا۔ یہ تمہارا نکتہ ہوا۔ دافعی اس بات سے حجاج نے اپنے تعصب اور عداوۃ کو حد سے زیادہ مشہور کر دیا۔

حسینی بیگم ۔ اور بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خود شعبی سے بھی حجاج نے اس مضمون پر ایک دفعہ مناظرہ کیا تھا۔ چنانچہ علامہ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں جس کا صرف ترجمہ میں بیان کرتی ہوں کہ شعبی (جو ایک بڑے عالم اور مذہبی پیشوا تھے) دل سے حضرات اہل بیت کی طرف مائل تھے اور جب انکا ذکر کرتے تو کہتے کہ وہ اولاد رسول ہیں۔ اس بات کی خبر لوگوں نے حجاج تک پہونچا دی تو وہ نہایت غضبناک ہوا اور ایک روز انکو دربار میں بلا بھیجا۔ جس وقت شعبی دربار میں پہونچے ہیں تو کوفہ اور بصرہ کے علماء۔ حافظان قرآن اور اعیان سلطنت بھرے ہوئے تھے۔ شعبی نے وہاں حاضر ہو کر حجاج کو سلام کیا مگر حجاج اس درجہ انکے خلاف ہو رہا تھا کہ انکی طرف توجہ کی نہ باقاعدہ سلام کا جواب دیا۔ جب شعبی بیٹھ چکے تو حجاج نے اس طرح کلام کیا۔

حجاج ۔ شعبی! یہ کیسی خبریں مجھ تک پہونچتی رہتی ہیں کہ تم جہالت کی باتیں کیا کرتے ہو۔

شعبی ۔ اے امیر! آپ کس بات کو فرماتے ہیں؟ میں نے کون سا امر جہالت کا کیا؟

حجاج ۔ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ آدمی کی اولاد صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو اسکے نسب میں داخل ہوں۔ اور نسب صرف باپ ہی سے قائم ہوتا ہے۔ پھر تم کو کیا ہو گیا ہے کہ علیؑ کے لڑکوں (حسنؑ و حسینؑ) کو رسولخداؐ کے فرزند اور حضرتؐ کی اولاد کہتے ہو؟ کیا تم کو خبر نہیں ہے کہ ان لوگوں کا رشتہ حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ صرف انکی ماں فاطمہؑ کے ذریعہ سے ہے۔ اور معلوم ہے کہ نسب کا تعلق بیٹیوں سے نہیں بلکہ صرف بیٹوں سے ہوتا ہے۔ حجاج اسی طرح غصہ میں خوب چیخ چیخ کر بولتا چلا جاتا تھا اور شعبی سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔ جب وہ اچھی طرح اپنا غیظ و غضب ظاہر کر چکا اور جو کچھ دل میں آیا بولتا رہا گر

شعبی نے کچھ جواب نہیں دیا۔ تو انکے سکوت سے اس نے اور نفع اٹھایا اور ان بیچارے کو ڈانٹنا اور جھڑکنا شروع کیا۔ تب شعبی بولے۔

شعبی۔ اے امیر! میں دیکھتا ہوں کہ آپ اس شخص کیطرح گفتگو کر رہے ہیں جو قرآن مجید اور احادیث حضرت رسالتمآب صلعم سے بالکل جاہل ہو۔ اور ان دونوں کو پس پشت ڈال کر باتیں کرے۔

یہ سُننا تھا کہ حجاج غصہ سے سرخ ہوگیا اور آگ ہو کر بولا۔

حجاج۔ ارے کمبخت! کیا میرے ایسے حاکم سے تو اس طرح باتیں کرتا ہے؟

شعبی۔ ہاں! یہ کوفہ اور بصرہ کے حافظان قرآن اور مفسرین و علماء یہاں موجود ہیں اور سب جانتے ہیں کہ میں جو کہتا ہوں یہی حق اور صحیح ہے۔ آپ ہی بتائیے کہ خدا نے جب دنیا بھر کے آدمیوں سے کوئی بات قرآن مجید میں کہی ہے تو کیا ان سب کو بنی آدم (اے آدم کی اولاد) نہیں کہا ہے؟ اسی طرح حضرت اسرائیل و ابراہیم ع کی اولاد کو یا بنی اسرائیل (اے اسرائیل کی اولاد) یا ذریۂ ابراہیم نہیں کہا ہے جن میں حضرت عیسیٰ بھی تھے۔ غرض جب خدا نے بنی آدم۔ بنی اسرائیل۔ ذریۂ ابراہیم ذکر کرکے ان میں حضرت عیسیٰ کو بھی کہا تو ثابت ہوا کہ کسی شخص کی بیٹی کی اولاد بھی اسکی اولاد ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حضرت عیسےٰ کے تو کوئی باپ تھا ہی نہیں صرف وہ اپنی ماں حضرت مریم کی وجہ سے اولاد آدم۔ اولاد اسرائیل اور ذریت حضرت ابراہیم میں داخل ہوئے۔ رہی حدیث تو یہ روایت صحیح طریقوں سے ثابت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم بار بار حضرت امام حسنؑ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔ ان ابنی ھذا سید یعنی یقیناً میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ جب حجاج نے شعبی کی تقریر سُنی تو شرمندہ ہو کر دیر تک سر جھکائے رہا۔ پھر اپنی غلطی مان کر شعبی کے ساتھ مہربانی کی باتیں کرنے لگا اور حاضرین سے اسکو سخت شرمندگی ہوئی (مطالب السئول جلد ۲ صفحہ ۳)

مولوی صاحب۔ حجاج کی پیش بندی بھی خوب تھی کہ خراسان سے یحییٰ بن یعمر کو بلایا تو شروع ہی میں ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ دیکھو حسنؑ و حسینؑ کے فرزندان رسولؐ

ہونے پر آیہ مباہلہ سے دلیل نہ لانا۔

حسینی بیگم - یہ بھی اس کی انتہا درجہ کی چالاکی تھی اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ اس آیہ سے تو امام حسنؑ و حسینؑ فرزندان رسولؐ ہیں۔ اگر یحییٰ اس سے استدلال کرینگے تو میں شرمندہ ہو جاؤں گا۔

مولوی صاحب - نہیں اسکو اس قدر ڈرنا نہیں تھا۔ کیونکہ وہ کہ سکتا تھا کہ اس آیہ میں صرف ابناء نا و ابناء کم ہے جس سے حسنؑ و حسینؑ کا مقصود ہونا ضروری نہیں ہے۔

حسینی بیگم - پھر تفسیروں کو کیا کرتا۔ کیا اُن سے اسکی جہالت عام طور پر نہیں واضح ہو جاتی

مولوی صاحب - اُن سے انکار کر دینا آسان تھا۔

حسینی بیگم - سبحان اللہ انکار کو آسان کہ دینا تمہارا ہی کام ہے۔ حجاج تو ان تفسیری روایتوں کو ایسے پہاڑ جانتا تھا کہ یحییٰ سے گفتگو کرنے کے پہلے ہی اُن سے کہ دیا کہ اس آیہ کا ذکر نہ کرنا۔ اور تم انکار کو آسان بتاتے ہو! اگر ان روایتوں سے انکار کر دیا جائے تو اسلام کی ہر بات سے انکار کر دینا آسان ہو جائیگا۔ کیونکہ جن کتابوں میں اسلام کی اور ضروری باتیں لکھی ہیں انھیں میں اس آیہ کی تفسیر بھی موجود ہے۔ پھر جب ان تفسیری روایتوں سے انکار آسان ہو جائیگا تو دوسری روایتیں کیونکر با

مولوی صاحب - تم بہت مبالغہ کرتی ہو۔ یہ مناسب نہیں ہے۔

حسینی بیگم - مگر میرا تو خیال ہے کہ امر حق میں مبالغہ ہی بہتر ہے۔ خدا کی توحید رسولخدا صلعم کی رسالت نماز روزہ کے وجوب میں مبالغہ کرنا بہتر ہے یا نہیں۔

مولوی صاحب - تو کیا وہ تفسیری روایتیں بھی اس کثرت سے ہیں جنکا انکار مشکل

حسینی بیگم - بے شک۔ ایک دو کتابوں میں ہو تو خیر۔ یہ روایتیں تو ہزاروں کتب تفسیر و حدیث و تاریخ میں بھری ہوئی ہیں۔ میں چند حوالے ذکر کرتی ہوں۔ علامہ جلال اس آیہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں خراج و معہ الحسنؑ والحسینؑ و فاطمہؑ و علیؑ و قال لھم اذا دعوت فامنوا یعنی حضرت رسولخدا صلعم مباہلہ کو گئے تو اپنے ساتھ حسنؑ

وحسینؑ وفاطمہؑ وعلیؑ کو بھی لے لیا تھا اور ان سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ
آمین کہنا (تفسیر جلالین مطبوعہ مصر صفحہ ۴۳) اور علامہ بیضاوی لکھتے ہیں فاتوا رسول اللہ
صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وقد غدا محتضنا الحسینؑ آخذا بید الحسنؑ و
فاطمۃؑ تمشی خلفہ وعلیؑ رضی اللہ عنہ خلفھا وھو یقول اذا انا دعوت فامنوا
یعنی نصاریٰ حضرت رسولخداؐ کے پاس آئے اور حضرت صبح کو مباہلے کے لئے اس شان
سے نکلے کہ حسینؑ کو گود میں لئے تھے حسنؑ کا ہاتھ پکڑے تھے ۔ فاطمہؑ حضرتؐ کے پیچھے
اور حضرت علیؑ سب کے بعد تھے ۔ اور حضرت صلعم ان لوگوں سے فرماتے تھے کہ جب میں دعا
کروں تم لوگ آمین کہتے جانا (تفسیر بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۱۱۹) علامہ علی بن احمد نے بھی
اس روایت کو لکھا ہے (تفسیر تبصیر الرحمان مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۱۱۲) علامہ زمخشری
نے بھی اسکو لکھا ہے (تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۳۰۷) اور علامہ خازن نے بھی اس کو لکھا
ہے ۔ ساتھ ہی یہ بھی تحریر کیا ہے اراد بالابناء الحسنؑ والحسینؑ وبالنساء فاطمہؑ
وبالنفس نفسہؐ وعلیا رضؓ یعنی خدا کا مقصود آنحضرتؐ کے ابناء سے حسنؑ وحسینؑ اور
نساء سے فاطمہؑ اور نفس سے خود آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ ہیں (تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۲۴۲)
یہی روایت علامہ نسفی نے بھی لکھی ہے (تفسیر مدارک حاشیہ تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۲۴۲)
اور جناب نواب مولانا صدیق حسن خانصاحب بھوپالی نے تحریر فرمایا ہے قال جابر
انفسنا وانفسکم رسول اللہؐ وعلیؑ وابنائنا الحسنؑ والحسینؑ ونساءنا فاطمۃ
یعنی جابر سے روایت ہے کہ اس آیۃ میں انفسنا سے مراد حضرت رسولخداؐ وحضرت علیؑ ہیں
اور ابناءنا سے مراد امام حسنؑ وحسینؑ ہیں اور نساءنا سے مراد حضرت فاطمہؑ ہیں ۔ پھر لکھتے
ہیں لما نزلت ھذہ الآیۃ قل تعالوا دعا رسول اللہؐ علیا وفاطمۃ وحسنا وحسینا
فقال اللھم ھولاء اھلی یعنی جب یہ آیۃ قل تعالوا نازل ہوئی تو حضرت رسولخداؐ نے
حضرت علیؑ وفاطمہؑ وحسنؑ وحسینؑ کو پاس بلا کر خدا سے کہا کہ اے اللہ میرے اہل بیت یہی
ہیں (تفسیر فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۵۵) علامہ ابن کثیر دمشقی نے بھی یہی لکھا ہے (تفسیر ابن
کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۳۶) علامہ سیوطی نے بھی ان روایتوں کو تفصیل سے لکھا ہے (درمنثور جلد ۲

۳۷) اور علامہ فخر الدین رازی نے اس آیۃ کی تفسیر میں لکھا ہے دکان رسول اللہ خرج وعلیہ مرط من شعر اسود وکان قد احتضن الحسین واخذ بید الحسن وفاطمۃ تمشی خلفہ وعلی رضی اللہ عنہ خلفہا وھو یقول اذا دعوت فامنوا۔

فقال اسقف نجران یا معشر النصاریٰ انی لاریٰ وجوھا لو سالوا اللہ ان یزیل جبلا من مکانہ لازالہ بہا فلا تباھلوا فتھلکوا ولا یبقی علی وجہ الارض نصرانی الی یوم القیامۃ یعنی حضرت رسولخدا اس شان سے میدان مباہلہ میں تشریف لائے کہ آپ ایک کالا کمل اوڑھے حسین کو گود میں لئے اور حسن کا ہاتھ پکڑے تھے حضرت کے پیچھے فاطمہ اور ان کے بعد حضرت علی تھے اور حضرت ان لوگوں سے فرماتے تھے کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا۔ ان لوگوں کو دیکھکر نصاریٰ نجران کے سردار نے کہا کہ اے عیسائیو! یقیناً میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جو اگر خدا سے دعا کریں کہ وہ پہاڑ کو زمین سے ہٹا دے تو خدا ضرور اس کو ہٹا دیگا۔ لہذا تم لوگ ان حضرات سے ہرگز مباہلہ کرو ورنہ ہلاک ہوجاؤگے اور پھر قیامت تک روئے زمین پر کوئی عیسائی نہیں بچیگا۔ پھر لکھتے ہیں انہ علیہ السلام لما خرج فی المرط الاسود فجاء الحسن فادخلہ ثم جاء الحسین فادخلہ ثم فاطمۃ ثم علی رض ثم قال انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا واعلم ان ھذہ الروایۃ کالمتفق علی صحتھا بین اھل التفسیر والحدیث یعنی حضرت رسولخدا جب کالا کمل اوڑھے نکلے تو حسن آئے حضرت نے انکو کمل میں لے لیا۔ پھر حسین آئے انکو بھی لے لیا پھر فاطمہ پھر علی آئے انکو بھی لے لیا اسکے بعد آیۃ تطہیر کی تلاوت فرمائی کہ اے اہلبیت خدا تم لوگوں سے ہر برائی کو دور رکھنا اور تم کو پاکیزہ قرار دیئے رہنا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کو جاننا چاہیئے کہ علمائے تفسیر وحدیث کا گویا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ روایۃ صحیح ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے ھذہ الایۃ دالۃ علی ان الحسن والحسین علیہما السلام کانا ابنی رسول اللہ وعد ان یدعو ابنائہ فدعا الحسن والحسین فوجب ان یکونا ابنیہ وممایؤکد ھذا قولہ تعالیٰ فی سورۃ الانعام ومن ذریتہ

داؤد و سلیمان الی قوله و زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و معلوم ان عیسیٰؑ انما انتسب الی ابراهیمؑ بالام لا بالاب فثبت ان ابن البنت قد یسمی ابنا و الله اعلم یعنی یہ آیہ اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ حضرت حسنؑ و حسینؑ علیہما السلام حضرت رسولخدا صلعم کے فرزند تھے۔ حضرتؐ نے وعدہ کیا تھا کہ اپنے بیٹوں کو مباہلہ کے لئے لائیں گے جسکے بعد انھیں حسنؑ و حسینؑ کو بلایا تو واجب ہوا کہ یہ دونوں حضرات آنحضرت صلعم کے فرزند ہوں۔ اس بات کی تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سورہ انعام میں خدا نے فرمایا ہے کہ حضرت نوحؑ کی نسل میں سے حضرت داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون سب کو ہم نے راہ راست دکھائی اور خلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو ہم ایسے ہی صلے عطا فرمایا کرتے ہیں اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ کو (پارہ ۷، رکوع ۱۶) اور معلوم ہے کہ حضرت عیسےٰؑ صرف اپنی ماں کیوجہ سے حضرت ابراہیم کی نسل میں ہیں نہ باپ کی وجہ سے۔ تو ثابت ہوا کہ نواسے کو بھی بیٹا کہتے ہیں واللہ اعلم (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ)

مولوی صاحب ۔ اس آیہ کا تو ابھی اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

حسینی بیگم ۔ ہاں اس تفسیر کی پوری عبارت پڑھنی تھی اس وجہ سے میں نے دہرا کر اسکو بھی پڑھ دیا۔ اس کے بعد ایک اور دلچسپ واقعہ انھیں علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے۔

مولوی صاحب ۔ وہ کیا؟

حسینی بیگم ۔ لکھتے ہیں کہ ملک رے میں ایک شخص محمود بن حسن حمصی رہتا تھا جو اثنا عشری فرقہ کا معلم تھا اور یہ کہتا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام حضرت رسولخدا صلعم کے سوا باقی کل پیغمبروں سے افضل ہیں۔ وہ اپنے اس دعویٰ کی دلیل یہ بیان کرتا تھا کہ خدا نے آیہ مباہلہ میں و انفسنا و انفسکم کہا ہے۔ تو و انفسنا سے حضرت رسولخدا کا نفس مراد ہو ہی نہیں سکتا اسلئے کہ خدا نے حضرتؐ کے ذریعہ سے فرمایا ہے کہ تم اپنے نفس کو بلاؤ اور ہم اپنے نفس کو بلائیں تو کوئی شخص خود اپنے نفس کو نہیں بلا سکتا ہے لہذا یقیناً کوئی دوسرا شخص مراد ہوگا۔ اور مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ دوسرا شخص جو حضرت رسولخدا کا نفس تھا حضرت علیؑ ہی تھے۔ لہذا اس آیہ نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ حضرت علیؑ کا نفس

حضرت علیؑ کل انبیا اور مرسلین سے افضل ہوا

ہی حضرت رسولخداؐ کا نفس تھا۔ اور یہ ممکن نہیں کہ خدا کی مراد اس آیۃ سے یہ ہو کہ دراصل حضرت
علیؑ کا نفس بعینہٖ حضرت رسولخدا صلعم کا نفس ہے۔ تو اب خدا کی مراد یہی ہو سکتی ہے کہ
حضرت علیؑ کا نفس بالکل حضرت رسولخداؐ کے نفس ایسا ہے۔ یعنی خدا نے حضرت علیؑ
کو حضرت رسولخداؐ کا نفس کہا اس کا مطلب ہے کہ حضرت علیؑ کا نفس حضرت رسولخداؐ کے
نفس کے مثل ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علیؑ کا نفس نبوت اور افضلیت کے سوا اور باتوں
میں حضرت رسولخداؐ کے نفس کے برابر ہو۔ کیونکہ اس بات کی دلیلیں موجود ہیں کہ حضرت
رسولخداؐ نبی تھے اور حضرت علیؑ نبی نہیں تھے۔ اور اس بات پر بھی مسلمانوں کا اجماع ہے
کہ حضرت رسولخداؐ حضرت علیؑ سے افضل تھے تو ان دونوں باتوں (نبی اور سب سے افضل
ہونے) کو چھوڑ کر باقی کل باتوں میں حضرت علیؑ کا نفس حضرت رسولخدا صلعم کے نفس
کے برابر ہوا۔ پھر مسلمانوں کے اجماع سے یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت رسولخداؐ باقی کل انبیاء
و مرسلین سے افضل تھے تو ضروری ہے کہ حضرت علیؑ بھی باقی کل انبیاء و مرسلین سے افضل
ہوں۔ یہ تو آیۂ مباہلہ سے حضرت علیؑ کی افضلیت باقی کل انبیاء و مرسلین پر ثابت ہوئی
اور اس آیت اور دعوی کی تائید حضرت رسولخدا صلعم کی اس حدیث سے بھی ہوتی
ہے جو موافق اور مخالف سب کے ہاں مشہور اور مقبول ہے کہ حضرت صلعم نے فرمایا من
اراد ان یری آدم فی علمه ونوحا فی طاعته وابراهیم فی خلته وموسی فی هیبته
وعیسی فی صفوته فلینظر الی علی ابن ابیطالب رضی الله عنه (جو شخص چاہے کہ
حضرت آدمؑ کو انکے علم میں۔ حضرت نوحؑ کو انکی اطاعۃ میں۔ حضرت ابراہیمؑ کو انکی خلت
میں حضرت موسٰیؑ کو انکی ہیبت میں اور حضرت عیسیٰؑ کو انکی صفوۃ میں دیکھے اس کو
چاہیئے کہ حضرت علی بن ابیطالبؑ کی طرف نظر کرے) یہ حدیث اس بات کو بتاتی ہے
کہ جو فضیلتیں دوسرے پیغمبروں میں الگ الگ تھیں وہ سب حضرت علیؑ میں جمع ہو گئی
ہیں۔ پس یہی اس بات کی واضح دلیل اور کافی ثبوت ہے کہ حضرت علیؑ سوا حضرت
رسولخداؐ کے کل انبیاء و مرسلین سے افضل ہیں۔ یہ تو خاص ان عالم محمود بن حسن
حمصی کا دعوی تھا۔ رہے باقی شیعہ تو وہ شروع سے اس وقت تک اس آیۃ سے

اس بات کو ثابت کرتے آئے ہیں کہ حضرت علیؓ کل صحابہ سے افضل تھے اس لئے کہ یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ حضرت علیؑ کا نفس حضرت رسولخداؐ کے نفس الیسا ہے اور معلوم ہے کہ حضرت رسولخداؐ کا نفس کل صحابہ سے افضل تھا تو ضروری ہے کہ حضرت علیؑ کا نفس بھی تمام صحابہ سے افضل ہو۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صہ ۷۰۱)

مولوی صاحب ۔ کیا علامہ رازی نے صرف شیعوں کی اس دلیل کو ذکر کیا اور اس کا کچھ جواب نہیں دیا؟

حسینی بیگم ۔ جواب تو دیا ہے مگر الیسا جس کو ایک بچہ بھی غلط کہدیگا۔ اور امام رازی صاحب کے بارے میں تو علماء میں مشہور ہے کہ ان کا اعتراض نقد ہوتا ہے اور جواب ادھار

مولوی صاحب ۔ خیر۔ مگر رافضیوں کے اس استدلال کا کیا جواب دیا ہے۔

حسینی بیگم ۔ لکھا ہے کہ اس تقریر کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مسلمانوں کا اجماع اس بات پر ہے کہ حضرت محمد صلعم حضرت علیؑ سے افضل ہیں۔ اسی طرح ان کا اجماع اس بات پر ہے کہ نبی افضل ہوتا ہے غیر نبی سے۔ اور اس پر بھی لوگوں کا اجماع ہے کہ حضرت علیؑ نبی نہیں تھے۔ تو لازم آیا کہ حضرت علیؑ دوسرے انبیاء سے افضل نہیں تھے۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صہ ۷۰۱)

مولوی صاحب ۔ بس؟ کیا اسی قدر جواب دیا ہے؟

حسینی بیگم ۔ کتاب موجود ہے دیکھ لو کہ اس سے زیادہ بھی کچھ ہے۔

مولوی صاحب ۔ مگر اس جواب کو تم غلط کیوں کہتی ہو۔

حسینی بیگم ۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا مذہب اہلحدیث اور میرا مذہب حنفی ہے۔ کوئی مذہبی مسئلہ ہو اور تمہارے مقابلہ میں اپنی دلیل میں یہ پیش کروں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہے تو تم اس جواب کو صحیح مانو گے؟

مولوی صاحب ۔ نہیں میں تو غیر مقلد ہوں۔ امام ابوحنیفہ صاحب کی بات کیوں ماننے لگا

حسینی بیگم ۔ اسی طرح شیعوں کے مقابلہ میں سنیوں کی دلیل (کہ اس بات پر اجماع ہے کہ نبی افضل ہوتا ہے غیر نبی سے) کیونکر صحیح ہو سکتی ہے۔ یہ تو سنیوں کا اجماع ہوا کہ ہر نبی

ہر غیر نبی سے افضل ہوتا ہے مگر شیعہ تو اسکو نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں کہ ان کے بارہ امام حضرت رسولخدا کے سوا دنیا بھر کے لوگوں سے افضل ہیں۔ پھر انکے اعتراض کا جواب کیا ہوا اور وہ اس جواب کو کیوں مانیں گے؟ اگر تم اُن سے کہو کہ حضرت ابوبکر خلیفہ رسول تھے اس لئے کہ سنیوں کا اس پر اجماع ہو گیا تو کیا وہ مان لینگے؟

مولوی صاحب۔ نہیں۔ یہی تو سنیوں اور شیعوں میں اختلاف ہے۔

حسینی بیگم۔ بس اسی طرح اس مسئلہ میں بھی سنیوں کے اجماع سے شیعوں کا جواب کیا ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اجماع سے تو وہاں کوئی بات ثابت کیجاتی ہے جہاں قرآن و حدیث سے اسکے خلاف کوئی بات نہ ثابت ہو۔ خاصکر اہلحدیث جماعۃ تو قرآن و حدیث کے مقابلہ میں اجماع کو کوئی چیز ہی نہیں جانتی ہے۔ ان کا مشہور اصول ہے۔

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن ؛؛ پس حدیث مصطفیٰ برجان مسلم داشتن

یعنی دین کی اصل یہ ہے کہ قرآن مجید کو معظم جانیں اسکے بعد حضرت رسولخدا صلعم کی حدیث کو جان پر مسلم رکھیں (اخبار اہلحدیث امرتسر وغیرہ) تمہارے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں "اہلحدیث تو بموجب اصول مسلمہ حدیث کو دوئم درجہ قرآن سے سمجھکر قرآن شریف کے تلاش مسائل کے وقت پہلی نظر حدیث پر ڈالتے ہیں پس اگر باقاعدہ حدیث سے وہ مسئلہ مل گیا تو پھر انھیں اس بات کی پرواہ نہیں رہتی کہ اس مسئلہ میں کسی کا کیا مذہب ہے اور کسی کا کیا خیال؟ زید کیا کہتا ہے اور عمر کیا فرماتا ہے بلکہ وہ بے کھٹکا اسپر عمل کر لیتے ہیں (اہلحدیث کا مذہب صفحہ) پھر لکھتے ہیں "اہلحدیث کے مذہب کا خلاصہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے یعنی جو تعلیم سید الانبیا حضرت محمد مصطفے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کے مخلوق کو فرمائی ہے اسکی اتباع کرنا ہمارا مذہب ہے اور بس ع کسی کا ہو رہے کوئی نبی کے ہو رہے ہیں ہم" (اہلحدیث کا مذہب) اور ممدوح اجماع کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "اس امت میں مجتہدین کا ایک زمانہ میں کسی امر شرعی پر اتفاق کرنا اجماع ہے۔ یہ تو ہے تعریف اجماع کی۔ اس تعریف ہی سے اجماع کی مشکلات محسوس ہو رہی ہیں کہ امت محمدیہ کے ایک زمانہ کے تمام مجتہدین

ایک وقت میں کسی شرعی امر پر اتفاق کریں ۔ یہ امر کیسا ایک فرضی اور ذہنی ہے تمام مجتہدین کا علم کس کو؟ پھر وہ ایک جگہ بیٹھکر یا ایک کی بات دوسرے سنکر اتفاق کیسے کریں؟ امام احمد رضی اللہ عنہ نے انھی مشکلات پر نظر کر کے کہا ہے کہ من ادعی الاجماع فھو کاذب (مسلم الثبوت ۔ اعلام الموقعین) جو شخص اجماع کا مدعی ہو وہ جھوٹا ہے ..... انھیں مشکلات کی وجہ سے بعض النظامیہ والشیعہ انہ محال ولو سلم فالعلم بہ محال ولو سلم فنقلہ الینا محال یعنی بعض نظامی اور شیعہ کہتے ہیں کہ اجماع کا تحقق محال ہے ۔ اور اگر ہو بھی تو ہم کو اس کا علم حاصل ہونا محال ہے اور اگر علم محال نہ تو ہم تک اس کا نقل ہونا تو ضرور ہی محال ہے ... ہمارے نزدیک بلکہ کل اہل علم کے نزدیک کسی قول کے صحیح ہونے کی دلیل یہ نہیں کہ وہ اجماع یا جمہور کے موافق ہو اور غلط ہونے کی یہ وجہ نہیں کہ اجماع یا جمہور کے مخالف ہو" (اتباع سلف ص۴۶) اب تو غالباً تم مان لو گی کہ امام فخر الدین رازی صاحب کے جواب کی دھجیاں ایک بچہ بھی اُڑا سکتا ہے ۔

مولوی صاحب ۔ ہاں مگر جب اُن کا جواب قرآن و حدیث کے خلاف ہو۔

حسینی بیگم ۔ قرآن و حدیث کے خلاف ہونے میں کیا شبہ رہا ۔ قرآن سے تو اسدرجہ کہ اس میں کسی نبی کو حضرت رسولخدا کا نفس نہیں کہا گیا بلکہ صرف حضرت علیؑ کو آنحضرت کا نفس فرمایا ہے تو خدا نے جس بزرگ کو حضرت رسولخدا صلعم کے نفس ہونے کا فخر فرمایا وہ کیا اُن لوگوں سے افضل نہیں ہوگا جو اس شرف سے محروم رہے؟

نواں باب ۹

حضرت علیؑ کے کل انبیاء و مرسلین سے افضل ہونیکی حدیثیں

رہی حدیث تو سیکڑوں حدیثوں سے حضرت علیؑ کا باقی کل انبیاء و مرسلین سے افضل ہونا ثابت ہو سکتا ہے ۔ مثلاً ارشاد نبوی ہے انت منی و انا منک اے علی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں (کنز العمال جلد ۶ ص۱۵۲) بتاؤ کسی نبی کو یہ درجہ ملا ہے کہ

آنحضرتؐ نے انکے بارے میں فرمایا ہو کہ میں فلاں نبی سے ہوں۔ فرمایا ذکر علیٌ عبادۃ۔
علیؑ کا ذکر عبادۃ ہے (") بتاؤ کسی اور کو یہ عزت ملی کہ اس کا ذکر بھی خدا کی عبادۃ ہو جائے
فرمایا النظر الی وجہ علی عبادۃ۔ علیؑ کی صورت دیکھ لینا بھی عبادۃ ہے (") یہ شرف بھی
کسی نبی کو ملا تھا؟ علیؑ منی بمنزلۃ راسی من بدنی۔ علیؑ کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو میرے
سر کو میرے بدن سے ہے (") کسی پیغمبر کو بھی یہ فضیلت ملی کہ حضرت رسولخدا صلعم کے بدن
مبارک کا سر قرار دیئے گئے ہوں؟ اس حدیث کو دیکھو جس سے یقین ہو جائیگا کہ دنیا بھر
کے لوگوں میں حضرت رسولخدا صلعم کے بعد حضرت علیؑ ہی کا درجہ ہے نہ کسی نبی کا نہ کسی
رسول کا۔ حضرت فاطمہؑ سے ارشاد ہوتا ہے اما ترضین انی زوجتک اول المسلمین
اسلاما و اعلمھم علما۔ فانک سیدۃ نساء امتی کما سادت مریم قومھا اما ترضین
یا فاطمۃ ان اللہ اطلع علی اھل الارض فاختار منھم رجلین فجعل احدھما
اباک و الآخر بعلک۔ یعنی اے فاطمہؑ کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتی ہو کہ میں نے تمہاری شادی
اس بزرگ سے کی جو مسلمانوں میں سب سے پہلے اسلام لایا اور ان سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔
اے فاطمہؑ کیا تم اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ خدا کل زمین والوں کیطرف متوجہ ہوا
تو اُن میں سے دو شخص کو چُن لیا ایک کو (یعنی مجھے) تمہارا باپ کیا اور دوسرے (علی) کو
تمہارا شوہر بنایا (کنز العمال جلد ۶ صہ ۱۵۳)۔ دیکھو اس سے صاف معلوم ہوا کہ خدا نے دنیا بھر
کے لوگوں میں دو شخصوں کو سب سے افضل سمجھکر چُن لیا ایک حضرت رسولخداؐ اور حضرت
کے بعد حضرت علیؑ۔ ایک بیوی سے حضرتؐ نے فرمایا ام سلیم ان علیا لحمہ من لحمی و
دمہ من دمی یعنی اے ام سلیم علیؑ کا گوشت میرے گوشت سے اور انکا خون میرے
خون سے ہے (" صہ ۱۵۴) کہو کسی نبی کو بھی یہ خصوصیت حاصل ہوئی ہے؟ اس حدیث
کو بھی دیکھو انا و علی من شجرۃ واحدۃ والناس من اشجار شتی یعنی میں اور علیؑ ایک
درخت سے ہیں۔ باقی سب لوگ دوسرے درختوں سے ہیں (") بتاؤ! جب حضرت
رسولخداؐ اور حضرت علیؑ ایک درخت سے اور باقی سب لوگ دوسرے درختوں سے ہیں تو ان
باقی لوگوں میں انبیاء و مرسلین بھی ہیں یا نہیں؟

مولوی صاحب۔ ہاں اس حدیث سے تو یہی ماننا پڑتا ہے۔

حسینی بیگم۔ پھر جس درخت سے حضرت رسولخداؐ ہونگے وہ افضل ہوگا یا وہ درخت جس سے دوسرے انبیاء و مرسلین ہونگے؟

مولوی صاحب۔ نہیں وہی افضل ہوگا جس سے حضرت رسولخداصلعم ہونگے۔

حسینی بیگم۔ اور اس درخت سے حضرت علیؑ بھی تھے تو پھر حضرت علیؑ باقی کل انبیاء و مرسلین سے افضل ہوئے یا نہیں؟

مولوی صاحب۔ ہاں اب تو ماننا پڑتا ہے۔

حسینی بیگم۔ اس حدیث کو بھی دیکھو ان الملائکۃ صلت علیّ و علی علیّ سبع سنین قبل ان یسلم بشر یعنی کسی شخص کے مسلمان ہونے سے سات برس پہلے سے ملائکہ مجھ پر اور علیؑ پر درود بھیجتے رہے (رر صفحہ ۱۵۶) بتاؤ یہ عزت کسی اور نبی کو ملی ہے! یہ بھی دیکھو مکتوب فی باب الجنۃ قبل ان یخلق السموات والارض بالفی سنۃ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اید تہ بعلی یعنی اللہ نے جب آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس سے دو ہزار برس پہلے سے بہشت کے دروازے میں لکھدیا تھا کہ لا الہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمدؐ اسکے پیغمبر ہیں اور میں نے انکی مدد علیؑ سے کی ہے) رائت لیلۃ اسری بی مثبتاً علی ساق العرش انی انا اللہ لا الہ غیری خلقت جنۃ عدن بیدی محمد صفوتی من خلقی اید تہ بعلی نصرتہ بعلی یعنی حضرت رسولخداصلعم فرماتے ہیں کہ جس رات کو مجھے معراج ہوئی عرش کے ساق پر لکھا دیکھا کہ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں نے عدن کے بہشت کو پیدا کیا۔ میرے خلق میں محمدؐ مصطفےٰ برگزیدہ ہیں انکی حمایت میں علیؑ سے کروں گا اور انکی مدد میں علیؑ ہی سے کروں گا۔ (رر صفحہ ۱۵۸) اور سنو علی خیر البشر فمن ابی فقد کفر حضرت علیؑ سب آدمیوں سے افضل ہیں جو انکار کرے وہ کافر ہے۔ من لم یقل علی خیر البشر فقد کفر جو علیؑ کے سب آدمیوں سے افضل ہونیکا اعتقاد نہ رکھے وہ کافر ہے (رر صفحہ ۱۵۹)۔ ذرہ اس حدیث کو بھی دیکھو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم یقول علی منی بمنزلتی من ربی یعنی علیؑ کو مجھ سے وہ درجہ ہے جو مجھے خدا سے ملا ہے (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۳) بتاؤ کسی پیغمبر کو بھی یہ عزت ملی ہے؟ قال رسول اللہ صلعم ما من نبی الا و لہ نظیر فی امتہ وعلی نظیری یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ ہر امت میں اُس کے نبی کی کوئی نظیر ضرور ہوئی ہے اور میری نظیر علیؑ ہیں (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۴) بتاؤ جو بزرگ حضرت رسولخدا صلعم کی نظیر ہوں وہ سب انبیا و مرسلین سے افضل ہونگے یا نہیں؟ رسول اللہؐ یقول کنت انا و علی نورا بین یدی اللہ تعالی قبل ان یخلق آدم باربعۃ عشر الف عام یعنی حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے کہ حضرت آدمؑ کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے میں اور علیؑ ایک نور خدا کے سامنے تھے۔ (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۴) بتاؤ جس بزرگ کا نور حضرت آدم کی خلقت سے چودہ ہزار برس پہلے حضرت رسولخداؐ کے ساتھ ساتھ تھا اسکے تمام لوگوں سے افضل ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ ان کل حدیثوں کے دیکھنے کے بعد تم ہی انصاف سے بتاؤ کہ حضرت علیؑ کو باقی کل انبیاء و مرسلین سے افضل ماننا پڑیگا یا نہیں؟

مولوی صاحب ۔ کیا کہوں کچھ عقل کام نہیں کرتی ہے۔

حسینی بیگم ۔ ہاں میں بھی ان حدیثوں کو دیکھکر بہت حیران و پریشان ہوتی ہوں۔ ان حدیثوں سے زیادہ تو یہ حدیث ہے عن ابن عباسؓ قال رسول اللہؐ لو ان الاشجار اقلام والبحر مداد والجن حساب والانس کتاب ما احصوا فضائل علی ابن ابیطالبؑ یعنی سب درختوں کے قلم اور سمندر کی روشنائی اور کل جنات حساب کرنے والے اور کل انسان لکھنے والے بنا دیئے جائیں جب بھی یہ لوگ حضرت علیؑ کے فضائل کو شمار نہیں کر سکتے (ینابیع المودۃ صفحہ ۹۹) اس سے بڑھی ہوئی حدیث یہ ہے لولا ان تقول فیک طوائف من امتی ما قالت النصاری فی عیسی ابن مریم لقلت فیک مقالا لا تمر علی ملاء من المسلمین الا اخذوا من تراب رجلیک و فضل طہورک یستشفون بہ یعنی اے علیؑ اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ میری امت کے لوگ تمہارے بارہ میں بھی وہی اعتقاد کرلینگے جو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں کیا تو میں تمہارے متعلق وہ باتیں کہدیتا جسکے بعد جہاں سے تم گزرتے مسلمان تمہارے دونوں پاؤں کے نیچے کی خاک اور تمہاری طہارۃ کا پانی اپنے مریضوں کے علاج کے لئے لیجاتے (مسند احمد بن حنبل جلد ا ص ۔ وینابیع المودۃ صفحہ ۱۰۷)

دسواں باب ۱۰

مجلسوں کے فضائل

۱۴ ماہ رمضان المبارک کو مولوی صاحب عشاء کی نماز پڑھکر گھر آئے اور کھانا کھاکر وہ اور حسینی بیگم دونوں سو رہے۔ سحر کے وقت آنکھ کھلی تو سحری کھاکر مولوی صاحب نے گھڑی دیکھی ابھی صرف تین بجے تھے۔ اسپر انھوں نے چاے کی خواہش کی۔ حسینی بیگم سماور دھو اسمیں آگ اور پانی ڈال۔ اپنے کمرے میں لئے چلی آئیں اور تخت پر رکھکر پانی طیار ہونے کا انتظار کرنے لگیں کہ دفعتہً انکو ایک خیال آیا جس پر اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

حسینی بیگم۔ اُس روز دریا آباد کی مجلس کا تم نے اشتہار دیکھا جس پر علی باتیں چھپ گئیں پھر کچھ نہیں معلوم کہ تم نے کیا ارادہ کیا۔ مجلس میں جاؤگے یا نہیں۔

مولوی صاحب۔ واہ مجھ سے مجلس میں جانے کی بھی خوب پوچھی۔ میں نہیں جا سکتا

حسینی بیگم۔ خیر جانے نہ جانے کا تم کو اختیار ہے۔ مگر میرے پوچھنے میں کیا برائی تھی جو تم نے اعتراض کر دیا۔

مولوی صاحب۔ اس لئے کہ مجلس رافضیوں کا کام ہے جو بالکل بدعۃ ہے اس میں شریک ہونا جائز نہیں ہے۔

حسینی بیگم۔ اگر رافضیوں کا کام ہونے کی وجہ سے اسمیں شرکت جائز نہیں تو انکی شادی بیاہ میں تم لوگ کیوں شریک ہوتے ہو۔ انکی انجمن میں کیوں جاتے ہو اور اگر بدعۃ ہونے کی وجہ سے شریک نہیں ہوتے تو ذرہ بتاؤ یہ بدعۃ کیوں ہے

مولوی صاحب۔ اس لئے کہ یہ رافضیوں نے ایجاد کیا ہے۔

حسینی بیگم۔ یہ بتاؤ کہ بدعۃ کس کو کہتے ہیں۔

مولوی صاحب۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ بدعۃ کیا ہے۔ بحث کرنے میں تو مجھے

مبہوت کردیتی ہو۔ پھر کیا تمہیں بدعۃ کی تعریف نہیں معلوم ہوگی؟

حسینی بیگم۔ مجھے جو معلوم ہے اس سے تو مجلس کسی طرح بدعۃ نہیں ثابت ہوتی

مولوی صاحب۔ اچھا تم ہی بتاؤ کیسے مجلس بدعۃ نہیں ہے۔

حسینی بیگم۔ سنو! تمہارے بہت بڑے عالم جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب وقار الملک حیدرآبادی مرحوم نے تحریر فرمایا ہے "بدع نئی چیز جسکی کوئی مثال پہلے سے نہ ہو۔ بدعۃ اُس کا مونث.... نعمت البدعۃ یہ حضرت عمرؓ نے تراویح کی ایک جماعۃ کردینے کی نسبت کہا یعنی یہ بدعۃ اچھی ہے۔ بدعۃ دو قسم کی ہے۔ ایک بدعۃ ضلالۃ جسکو بدعۃ سیئہ بھی کہتے ہیں۔ دوسری بدعۃ ہدایت جسکو بدعۃ حسنہ بھی کہتے ہیں۔ جو بدعۃ اللہ اور رسولؐ کے احکام کے خلاف میں ہو وہی بدعۃ ضلالت اور سیئہ ہے اور جو بدعۃ اللہ اور رسولؐ کے احکام کے موافق ہو گو اوسکی کوئی مثال پہلے سے نہ ہو مثلاً سخاوت کی نئی شکلیں یا عمدہ اور بہتر کاموں کی نئی صورتیں (جیسے کوئی یتیم خانہ یا بیوہ گھر۔ یا بیت المساکین۔ یا بیت المعذورین۔ یا کتب خانہ۔ یا قرض حسنہ کا بنک یا مدرسہ صنعت وحرفت وتجارت وزراعت وعلوم دینیہ یا مدرسہ تعلیم طب و علاج و ادویہ قائم کرے) وہ بدعۃ حسنہ ہے اور اُس پر ثواب کی امید ہے بدلیل دوسری حدیث کے مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً کَانَ لَہُ اَجْرُہَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِہَا وَمَنْ سَنَّ سُنَّۃً سَیِّئَۃً کَانَ عَلَیْہِ وِزْرُہَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِہَا[1]۔ اور حضرت عمرؓ نے جو تراویح کو بدعۃ فرمایا وہ اسی معنی کر ہے یعنی بدعۃ حسنہ ہے۔ کیونکہ افعال خیر میں داخل ہے اور اللہ اور رسولؐ کے احکام کے موافق ہے اور بدعۃ اسکو اس لئے کہا کہ آنحضرتؐ نے تراویح اس انتظام کے ساتھ نہیں پڑھی تھی جو انتظام حضرت عمرؓ نے کیا تھا بلکہ کئی راتیں پڑھکر اوس کو چھوڑ دیا تھا۔ ابو بکر صدیق کے زمانہ میں بھی ایسا ہی رہا حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ

---

[1] یعنی جو شخص کوئی اچھی راہ نکالے اُسکو اُس کا بھی اچھا اجر ملیگا اور جو لوگ اسپر عمل کرینگے اُن کا بھی اجر ملیگا۔ اور جو شخص برائی نکالے اس پر اس کا بھی وبال ہوگا اور ان لوگوں کا وبال بھی جو اس پر عمل کرینگے۔ ۱۲ حسینی بیگم

میں سب لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کیا اور روزانہ تراویح پڑھنے کے لئے رغبت دلائی۔ اسی لئے اسکو بدعۃ کہا فی الحقیقۃ وہ سنتہ ہے۔ (انوار اللمعات جلد ۳ صفحہ ۱۹)

مولوی صاحب۔ اس تعریف سے بھی مجلس بدعۃ سیۂ ہی ثابت ہوتی ہے۔

حسینی بیگم۔ وہ کس طرح۔

مولوی صاحب۔ اس لئے کہ یہ بدعۃ ضلالۃ ہے۔

حسینی بیگم۔ تو کیونکر یہ بدعۃ ضلالۃ ہے۔ اسکو کیوں نہیں بتاتے۔

مولوی صاحب۔ تو کیا تمہارے خیال میں بدعۃ حسنہ ہے۔

حسینی بیگم۔ میرے خیال میں تو بدعۃ ہی نہیں بلکہ عبادۃ خدا ہے۔ ایسی عبادۃ جس کا حکم خدا نے قرآن مجید میں دیا اور حضرت رسولخدا صلعم کی حدیثوں میں بھی اسکی مدح بھری ہوئی ہے۔

مولوی صاحب۔ تم تو ایسی عجیب و غریب باتیں کرتی ہو جن سے عقل حیران ہو جاتی ہے۔

حسینی بیگم۔ اگر انصاف کو راہ دیا کرو تو کوئی چیز حیرانی کی نہ ہو۔ دیکھو خدا نے قرآن شریف میں فرمایا ہے فاذکرونی اذکرکم یعنی تم میرا ذکر کرو میں تم لوگوں کا ذکر کروں گا (پارہ ۲ سورہ بقرہ آیت ۱۵۲) اس سے یہ تو معلوم ہوا کہ خدا ہم لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ اس کو یاد کیا کریں۔ اور ظاہر ہے کہ اس کو یاد کرنا نماز۔ دعا کے علاوہ کسی اور طرح ہو جانا چاہیے۔

مولوی صاحب۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔

حسینی بیگم۔ نہیں میری بات نہ مانو بلکہ آنحضرت صلعم کے قول سے سمجھو یعنی اس آیۃ کے متعلق آنحضرت صلعم کی حدیثیں سُن لو۔ اُن کے ذریعہ سے بحث آسانی سے ختم ہو سکیگی۔ ہمارے اور تمہارے بہت معتبر اور مسلم الثبوت علامہ سیوطی لکھتے ہیں ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال یقول اللہ یوم القیامہ سیعلم اھل الجمع الیوم من اھل الکرم ۔ فقیل ومن اھل الکرم یا رسول اللہ قال اھل مجالس الذکر یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ خدا قیامۃ میں فرمایگا

مجمع والے پہچان لیں گے کہ کون لوگ عزت اور شرف والے ہیں۔ تو صحابہ نے پوچھا
یا حضرت عزت و شرف والے کون لوگ ہونگے؟ حضرتؐ نے فرمایا وہ لوگ جو ذکر کی
مجلسوں کو کرتے اور انہیں شریک ہوتے ہیں۔ پھر علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں عن
انس عن رسول اللہؐ قال ما من قوم اجتمعوا یذکرون اللہ لا یریدون بذلک
الا وجهه الا ناداهم مناد من السماء ان قوموا مغفورا لکم قد بدلت سیئاتکم
حسنات۔ یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو لوگ خدا کی خوشی حاصل کرنے کی غرض سے ایک
جگہ جمع ہو کر خدا کا ذکر کریں انکو آسمان سے ایک منادی ندا دیگا کہ جب تم لوگ یہاں سے
اٹھکر جاؤگے تو تمہارے سب گناہ بخش دیئے جائینگے اور تمہاری کل برائیاں خوبیوں
بدل دی جائینگی۔ پھر لکھتے ہیں عن ابی هریرۃ قال ان اهل السماء لیرون بیوت
اهل الذکر تضیئ لهم کما یضیئ الکوکب لاهل الارض یعنی حضرت رسول
صلعم نے فرمایا کہ آسمان والے ان گھروں کو دیکھیں گے جن میں خدا کا ذکر ہوگا۔ وہ فرشتوں
کو ایسے چمکتے اور روشن معلوم ہونگے جیسے ستارے زمین والوں کو چمکتے دکھائی
دیتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں عن ابن عمر قال قلت یا رسول اللہؐ ما غنیمة مجالس
الذکر قال غنیمة مجالس الذکر الجنة یعنی حضرت ابن عمرؓ نے حضرت رسول خدا
سے پوچھا کہ جن مجلسوں میں ذکر ہوگا ان میں شریک ہونے کا ثواب کیا ہوگا؟ فرمایا
بہشت ہی مل جائیگی۔ پھر لکھتے ہیں قال رسول اللہؐ لیبعثن اللہ اقواما یوم
القیامه فی وجوههم النور علی منابر اللؤلؤ یغبطهم الناس لیسوا
بانبیاء ولا شهداء۔ فقال اعرابی یا رسول اللہ حلهم لنا نعرفهم۔ قال
هم المتحابون فی اللہ من قبائل شتی و بلاد شتی یجتمعون علی ذکر اللہ
یذکرونه یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خدا قیامت میں ایسے لوگوں کو مبعوث کریگا
جن کے چہروں میں نور ہوگا۔ وہ موتی کے منبروں پر ہوں گے جنکی شان دیکھکر دوسرے
لوگ رشک اور غبطہ کرینگے حالانکہ وہ نبی نہ ہونگے نہ شہید۔ اس پر ایک
اعرابی نے عرض کی کہ یا حضرت ہم سے ان لوگوں کا حلیہ بیان فرمادیں تاکہ ہم ان کو

پہچان سکیں۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہونگے جو خدا کے لئے ایک دوسرے سے دوستی رکھیں گے وہ مختلف خاندانوں اور مختلف شہروں کے ہونگے۔ خدا کا ذکر کرنے کے لئے مجلسوں میں جمع ہوا کرینگے (تفسیر درمنثور جلد ۱ صلہ ۱۵) اب بتاؤ کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں یا غلط؟ یقیناً کہوگے اور ہر مسلمان یہی کہیگا کہ صحیح ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ پھر یہ مجالس دنیا کے کس مذہب میں ہوتی ہیں؟ ان کا ہونا ضروری ہے ورنہ حدیث غلط ہوجائیگی جو محال ہے۔ تو اب تلاش کرو کہ سوا انھیں مجالس کے جنمیں خدا کا ذکر۔ قرآن مجید کی تفسیر احکام خدا کا بیان۔ نواہی اللہ کا تذکرہ حضرت رسولخدا صلعم کے مناقب۔ دین اسلام کے محاسن بیان ہوتی ہیں۔ اور کیا چیزیں ایسی ہیں جو ان احادیث کی مصداق قرار پائیں۔ دیکھو اہل حدیث بھائیوں کے ہاں تو کوئی مجلس ہوتی ہی نہیں۔ رہے ہم لوگ (حنفی جماعۃ) تو ہمارے ہاں یا مولود ہوتا ہے یا عرس یا مجلس امام حسینؑ۔ مولود کے وہ جلسے جنمیں احکام خدا و تفسیر قرآن شریف وغیرہ بیان ہوتی ہے وہ تو ضرور ان احادیث کے مصداق ہیں مگر زیادہ تر مولود ایسے ہوتے ہیں جنمیں نہ تو ذکر خدا ہی ہوتا ہے نہ احکام رسولؐ بیان ہوتے ہیں بلکہ کسی میں غزل پڑھی جاتی ہے کسی میں مثنوی۔ کسی میں کچھ۔ لہذا اس قسم کے مولود بھی ذکر خدا کی مجلسیں نہیں کہے جاسکتے۔ اور اسی وجہ سے تم لوگ ان مولودوں کو بدعۃ اور باعث ناراضی خدا اور رسولؐ کہتے ہو۔ رہے عرس تو ان میں بھی گانا بجانا۔ ناچنا۔ کودنا وغیرہ حرکات ایسے ہوتے ہیں جنکو کوئی شخص ذکر خدا نہیں کہ سکتا۔ پس جب یہ سب چیزیں ذکر خدا ہی نہیں ہیں تو مذکور بالا حدیثوں کا مصداق بھی نہیں ہوسکتیں۔ اب تم ہی بتاؤ وہ کون سی مجالس ہیں جو دنیا میں ہوتی ہیں اور ان میں شریک ہونے والوں کا اس قدر ثواب حدیثوں میں مذکور ہے؟ وہابیوں اور حنفیوں وغیرہ میں سے کوئی بھی اپنے کسی کام کو نہیں کہتا کہ وہ ان حدیثوں کا مصداق ہے اور اس کام میں شرکت کرنے والوں کے لئے یہ سب ثواب ہے۔ اور یہ یقینی ہے کہ دنیا میں ایسی کوئی مجلس ضروری ہے جس میں شریک ہونے والوں کو قیامت میں اس قدر ثواب ملیگا۔

پس سوا حضرت امام حسنؑ یا امام حسینؑ یا حضرت علیؑ وغیرہ کی مجالس کے اور تو کوئی
چیز میری سمجھ میں ان حدیثوں کا مصداق نہیں معلوم ہوتی۔ یہی مجلسیں وہ مجالس
ذکر خدا ہیں جن میں ذاکر منبر پر جاتے ہی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم (میں بچ
اور راندہ شیطان سے خدا کی پناہ حاصل کرتا ہوں) پڑھتا ہے کہ یہ ذکر خدا ہے
پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو مہربان اور رحم والا ہے)
پڑھتا ہے کہ یہ بھی ذکر خدا ہے۔ پھر خطبہ پڑھتا ہے جس میں حمد وثنائے خدا و نعت
حضرت رسالت مآب صلعم ہوتا ہے کہ یہ بھی ذکر خدا ہے۔ پھر کسی آیۃ کی تلاوت
کرتا ہے کہ یہ بھی ذکر خدا ہے۔ پھر اسکی تفسیر بیان کرتا ہے۔ یہ بھی ذکر خدا ہے
پھر توحید و نبوت کے دلائل بیان کرتا۔ اسلام کے محاسن ذکر کرتا۔ معجزات کا
امکان سمجھاتا ہے۔ قدرت خدا کی تصویر کھینچتا۔ مخالفین اسلام کے اعتراض
کے جواب دیتا۔ احکام خدا اور رسولؐ کی عقلی خوبیاں دکھاتا ہے۔ یہ سب ذکر
خدا ہے۔ پھر آنحضرت صلعم کے ذاتی حالات و واقعات۔ استقلال حمایۃ دین ذکر
ذکر کرتا ہے اور یہ سب ذکر خدا ہے۔ لہذا مجالس حضرت علیؑ و امام حسنؑ و امام حسینؑ
وغیرہ شروع سے آخر تک ذکر خدا ہی سے بھری رہتی ہیں۔ پس میرے خیال میں تو
وہی مذکورہ بالا حدیثوں کی مصداق ہوسکتی ہیں اور انہیں میں شرکت کرنے والوں
اس قدر ثواب بیان ہوا ہے۔

مولوی صاحب۔ مگر صرف قرآن وحدیث ہی کی باتیں وہاں بیان ہوتی
ہیں؟ یا تبرا بھی ہوتا ہے؟ حضرت علیؑ کے فضائل بیان ہوتے ہیں؟ ان سب
باتوں کو کیوں چھوڑتی جاتی ہو؟

حسینی بیگم۔ شیعوں کی بہت سی مجلسوں میں بھی میں شریک ہوئی ہوں
سامنے تو انہیں تبرا نہیں ہوتا ہے نہ میرے کانوں نے اسکو سنا ہے۔ اور حضرت
علیؑ کے فضائل کا بیان تو حقیقۃ میں حدیث ہی کا بیان ہے اور اسکی اتنی فضیلت
ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے بیان فرمایا ہے عن عائشہ ذکر علی عبادۃ یعنی

عائشہ بیان کرتی تھیں کہ جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا ہے کہ علیؑ کا ذکر عبادت ہے۔ دوسرے صحابی کا قول بھی سنو۔ عن ابن مسعود النظر الی وجہ علی عبادۃ یعنی ابن مسعود صحابی بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ علیؑ کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۲) اس وجہ سے انصاف پسند علمائے اہلسنت کے ہاں بھی برابر مجلس امام حسینؑ ہوتی اور اسمیں ان حضرات کا ذکر ہوتا ہے۔

مولوی صاحب۔ عوام کے ہاں تو میں انکار نہیں کرسکتا مگر علمائے اہلسنت کے ہاں تو مجلس نہیں ہوتی ہے۔

حسینی بیگم۔ نہیں یہ کیا کہتے ہو۔ ہمارے مذہب کے کتنے بڑے عالم جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی دام ظلہ ہیں۔ انکے گھر کا حال سنو۔ مولانا ممدوح کے صاجزادے جناب مولانا حسن میاں صاحب مرحوم نے لکھا ہے "الغرض یہ حزن والم عشرہ محرم میں صوفیوں کے ہاں ہمیشہ سے معمولات سے ہے اور محبت اہلبیتؑ کا اثر اس قوم پر سب سے زیادہ رہا ہے اور رہیگا۔ اور ہمارے خاندان میں تو اہلبیتؑ کی محبت گھٹی میں پڑی ہے۔ مجھے اپنے خاندان کے معمولات بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ادنیٰ اثر اس کا یہ ہے کہ میں یہ کتاب اسی داستان غم افزا وحادثہ روح گزا کی قوم کے سامنے پیش کررہا ہوں۔ اور اس غم میں رونے اور رُلانے کو ثواب عظیم جانتا ہوں۔ اور عشرہ محرم میں فکر اہلبیتؑ کے سوا دوسرا ذکر نہیں کرتا ہوں۔ جیسا کہ میرے حضرت قبلہ والد ماجد صاحب مدظلہ العالی کا معمول ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے قبول کرے اور موالیان اہلبیتؑ میں محشور کرے۔ آمین

واللھم صل علی بنینا محمد سید الثقلین ما دمعت العیون[1] علی الحسین الھی بحق بنی وفاطمہؑ۔ کہ برقول ایمان کنم خاتمہ" (کتاب غم حسین مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۷)

---

[1] یعنی اے اللہ جب تک آنکھیں امام حسینؑ پر آنسو بہاتی رہیں تو حضرت رسولخدا پر درود نازل کرتا رہ۔ ۱۲

اور سنو اخبار سرفراز لکھنؤ میں جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کا ایک خط اسی مجلس امام حسینؑ کے متعلق چھپا ہے جو شمس العلماء مولانا شبلی صاحب نعمانی مرحوم کے دار المصنفین اعظم گڈھ کے ماہوار علمی و دینی رسالہ المعارف سے نقل کیا گیا ہے وہ مضمون بھی پڑھنے کے قابل ہے۔

مولوی صاحب سناؤ کیا لکھا ہے۔

حسینی بیگم ۔ وہ مضمون حسب ذیل ہے۔

مصنف تحفہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا ایک گران قدر مکتوب

عزاداری و مجالس کے متعلق

موجودہ زمانہ میں مختلف حلقوں سے عزاداری حسینؑ کے مٹانے کی پیہم کوششیں کیجا رہی ہیں۔ کچھ اس ناپسندیدہ مقصد کے حاصل کرنے کے لئے تحریر و تقریر دونوں سے کام لیا جا رہا ہے۔ کبھی ان طریقوں کو بدعت بتایا جاتا ہے۔ کبھی انھیں سبکی اسلام کا موجب قرار دیا جاتا ہے۔ اصل میں کچھ بھی نہیں ہے" اموی جنبہ داریوں" کا جذبہ آل رسولؐ کے تذکروں کا فروغ ایک لحظہ کے لئے گوارا نہیں کر سکتا۔ حسینؑ کے زبردست سرفروشانہ اقدام نے اموی سیاست کو اسکے اصلی رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ ایسی صورت میں جن افراد کو اموی خاندان سے مادی یا روحانی وابستگی ہے وہ اسے کیونکر پسند کر سکتے ہیں کہ ہر سال اس اموی سیاست کا تار و پود اتنے موثر عنوان سے بکھر جائے کہ درحقیقت جو صحیح العقیدہ سنی ہیں اور اس اموی پروپیگنڈے کا شکار نہیں بن گئے ہیں انھیں ان "ناپسندیدہ مساعی" سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ وہ مجلسیں کرتے ہیں۔ عزاداری کرتے ہیں حسینؑ اور اہلبیتؑ سے محبت کرنا وہ صرف شیعوں ہی کا حق نہیں سمجھتے ہیں۔

ہمیں مولانا سید شاہ محمد فخر عالم صاحب سجادہ نشین خانقاہ بھاگلپور کا ممنون ہونا چاہیے کہ انھوں نے اپنے قدیمی کتابوں اور خطوں کے ذخیرہ میں سے شاہ عبدالعزیز صاحب

محدث دہلوی کا ایک پرانا مکتوب عزاداری و مجالس کے متعلق حاصل کر کے معارف اکتوبر ۳۲ء آثار علمیہ و ادبیہ کے تحت میں شایع کر دیا ہے۔

شاہ عبد العزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف ہیں اور اس لئے سنیوں کے واجب الاحترام پیشوا۔ انھیں شیعوں سے جس قدر شدید مخالفت تھی وہ انکی کتاب تحفہ سے ظاہر ہے۔ ایسی حالت میں عزاداری و مجالس کے متعلق شاہ صاحب کا اتنا فرمانا بہر حال بیحد اہمیت کا استحقاق رکھتا ہے۔ ضرورت ہے کہ انکے اس مکتوب کی اشاعت کثیر تعداد میں کیجائے تاکہ حنفی بھائیوں کے عقائد میں مجالس و عزاداری کے متعلق وہابی پروپیگنڈے سے فتور نہ پیدا ہو۔

ناظرین سرفراز کی اطلاع کے لئے اُس خط کو مع مولانا سید شاہ محمد فخر عالم صاحب کی تمہید کے ذیل میں درج کرنا چاہتا ہوں۔ خط فارسی میں ہے۔ اس لئے عام فائدہ کی غرض سے اس کا ترجمہ بھی آخر میں پیش کیا جاتا ہے۔ فقط (اختر تلہری)

اوراق پارینہ کی جستجو اور تلاش کا یوں تو پہلے ہی سے شوق تھا۔ لیکن اب ان کرم خوردہ اوراق کی قدر و منزلت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ خاندانی اور پرانے گھروں میں اب تک سیکڑوں ایسی چیزیں موجود ہیں جن کو اگر منصۂ شہود پر لایا جائے تو یقیناً صاحب تحقیق و تدقیق کے لئے اضافہ معلومات۔ نیز نئے ابواب پر بحث و تحیص کے دروازے کھل جائیں اور ایسی بہت سی یادگاریں جو ہمارے بزرگوں کے لئے سرمایۂ فخر و دانش تھیں اور جن کے نہ ہونے سے اسلاف کے تاریخی حالات تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں۔ انکا انکشاف و اظہار دونوں کے لئے باعث تعریف و تشکر ہے۔ لیکن اس خیال کے لوگ ہیں بھی تو معدودے چند اور اگر کہیں نظر بھی آ گئے تو وہ ان نادر مجموعوں کی اشاعت تو علحدہ چیز ہے۔ کسی کو دکھانا تک پسند نہیں فرماتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نادر کتابیں اور خطوط الماریوں اور صندوقوں میں پڑے پڑے کرم خوردہ ہو کر دریا یا آگ کی نذر ہو جاتے ہیں۔

یوں تو ہمارے ہاں کے نادرات بھی تلف ہو گئے لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں

ہوش سنبھالتے ہی ان قابل قدر یادگاروں کو سینے سے لگانے لگا۔ قلمی کتابیں اور پرانے خطوط جہاں بھی پاتا بہ حفاظت تمام رکھ چھوڑتا۔

رفتہ رفتہ وہ منتشر اوراق ایک جگہ جمع ہونے لگے۔ اور آخر کار ان قدیم کتابوں اور خطوں کا کافی ذخیرہ مہیا ہوگیا۔ چنانچہ انھیں ذخائر میں ایک تاریخی خط بھی مل گیا جو حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کا لکھا ہوا ہے۔

یوں تو مراسلہ نگار کی ذات ہی اس قابل ہے کہ جو ٹکڑا بھی آپکی تصنیف تالیف کا مل جائے ہم لوگوں کے لئے باعث صد نازش ہے۔ چہ جائیکہ ایسے موضوع پر کہ جسکے عمل کی وجہ سے صوفیائے کرام کا گروہ ہدف ملامت ہوتا آرہا ہے۔ آپ جیسے متقدمین متبحر فاضل و محدث کا لکھا ہوا خط جس میں وہ اپنے عمل اور معمولات کو ظاہر کرتے ہیں کیوں نہ قابل قدر و لائق عمل ہو۔

اس لئے ارباب اثر و تفحص کی دلچسپی کے لئے اس نمیقہ انیقہ کو درج ذیل کرتا ہوں۔

نقل خط بہت حضرت شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہٗ بنام محمد یار خاں صاحب ساکن گلشن گنج کھاگا

از فقیر عبد العزیز۔ بعد سلام مسنون مکشوف ضمیر ذکا تخمیر باد۔ کہ عنایت نامہ سامی با ردیگر در مقدمہ مرثیہ خوانی وغیرہ وصول نمودہ۔ آنچہ دریں باب معمول فقیر است می نویسد از ہمیں جا قیاس باید کرد۔ در تمام سال دو مجلس در خانہ فقیر منعقد میشود۔ یک مجلس ذکر وفات شریف دوم مجلس ذکر شہادت حسین علیہ السلام و مردم روز عاشورا یا یک روز دو روز بیش ازیں قریب چہار صد یا پانصد کس بلکہ گاہے قریب ہزار کس فراہم می آیند و درود میخوانند بعد ازاں کہ فقیر می بر آید و می نشیند ذکر فضائل حسنین علیہ السلام کہ در حدیث شریف وارد شدہ در بیان می آید۔ و آنچہ در احادیث اخبار شہادت ایں بزرگان و بد مآلی قاتلان ایشاں وارد شدہ نیز مذکور می شود و بایں تقریب بعضے شدائد کہ بر جناب ایشاں گزشتہ از روئے احادیث معتبر بیان کردہ میشود و ہم درین ضمن مرثیہ ہائیکہ از مردم غیر یعنی جن و پری حضرت ام سلمہ و دیگر صحابہ شنیدند

نیز مذکور میشود بعد ازاں ختم قرآن و پنج آیت خوندہ ۔ بر ماحضر فاتحہ نمودہ می آید ودریں وقت اگر شخصے خوش الحان سلام میخواند یا مرثیہ مشروع شروع میکند ۔ اتفاق شنیدن می شود و ظاہر است کہ دریں اکثر حضار مجلس را و ایں فقیر را ہم رقت و بکا لاحق می شود پس اگر ایں چیز ہا نزد فقیر بہمیں وضع جائز نمی بود اقدام براں اصلا نمی کرد و آنچہ امور دیگر نامشروع است تا حاجت بیان ندارد و امام شافعیؒ میفرماید لو کان رفضا حب آل محمدؐ فلیشھد الثقلان انی رافضی زیادہ بجز توفیق حسنات چہ بر نگارد ۔ مہر | ۱۱۸۹ ھو العزیز القوی الرحیم |

ترجمۂ مکتوب

فقیر عبد العزیز کیطرف سے بعد سلام مسنون کے واضح رائے عالی ہو کہ جناب کا گرامی نامہ دوسری مرتبہ مرثیہ خوانی وغیرہ کے متعلق موصول ہوا۔

اس بارہ میں فقیر کا جو کچھ معمول ہے ۔ اُسے لکھا جاتا ہے اُس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔

پورے سال میں فقیر خانہ پر دو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں ۔ ایک ذکر وفات شریف کی مجلس ۔ دوسرے شہادت حسینؑ کے ذکر کی مجلس ۔ جو عاشورہ کے دن یا اُس سے ایک دو دن پہلے چار سو پانچ سو اور کبھی کبھی ہزار کے قریب لوگ جمع ہوتے ہیں اور درود پڑھتے ہیں ۔ اور جب فقیر باہر آتا ہے اور بیٹھتا ہے تو حسنینؑ کے وہ فضائل جو احادیث میں مذکور ہیں بیان کئے جاتے ہیں ۔ ان بزرگواروں کی شہادت کے متعلق اور ان کے قاتلوں کی بدانجامی کے متعلق جو کچھ اخبار و احادیث میں ہے وہ بھی بیان کیا جاتا ہے ۔ اس سلسلہ میں ان شداد و مصائب کا بھی تذکرہ ہو جاتا ہے جو احادیث معتبرہ کی رو سے آپ حضرات پر گزرے ہیں ۔ اور وہ مرثیے بھی ذکر کئے جاتے ہیں جنہیں حضرت ام سلمہ اور دوسرے صحابیوں نے جنوں اور پریوں سے سُنا ہے ۔ اسکے بعد ختم قرآن اور پنج سورہ پڑھا جاتا ہے اور ماحضر پر فاتحہ

کیا جاتا ہے۔ اس وقت میں اگر کوئی خوش الحان شخص سلام یا مرثیہ شروع کرتا ہے۔ تو اسکے سننے کا اتفاق ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں اکثر حاضرین مجلس اور خود فقیر پر گریہ وبکا طاری ہوجاتا ہے

اگر یہ چیزیں فقیر کے نزدیک اسی طریقہ سے جائز نہ ہوتیں تو کبھی ان پر اقدام نہ کرتا اور دوسرے جو غیر شرعی امور ہیں انکے بیان کی حاجت نہیں ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔

اگر آل محمدؐ کی دوستی کا نام رفض ہے تو دونوں جہاں گواہ رہیں میں رافضی ہوں"۔ فقط

(گزشتہ سال کے سرفراز محرم نمبر میں شاہ صاحب کے اس خط کا ترجمہ ایک مضمون بعنوان "عزاداری شہید کربلا و ایڈیٹر مدینہ کا گمراہ کن فتوی" شایع ہوچکا ہے۔ اس مضمون کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کا یہ خط اونکی فقہ کی کتاب موسومہ فتاوی عزیزیہ مطبوعہ مجتبائی دہلی کے صفحہ ۱۰۱ پر موجود ہے۔ محرم نمبر کے مضمون میں خط مذکور کا بہ زبان اردو ترجمہ تھا لیکن معارف اور شاہ صاحب کی فقہ کی کتاب میں فارسی کی مندرجہ بالا اصل عبارت بھی نقل کیگئی جکی اصل تحریر جناب شاہ فخر عالم صاحب نے ڈھونڈھ نکالی ہے (ایڈیٹر)

(اخبار سرفراز مورخہ ۱۹ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۵۱ھ صفحہ ۲)

مولوی صاحب۔ سرفراز تو شیعوں کا اخبار ہے۔

حسینی بیگم۔ یہ مضمون تو رسالہ اصلاح کھجوا میں بھی خاص شاہ صاحب کی کتاب فتاوی عزیزی سے اس سے کئی برس پہلے سے متعدد مرتبہ نقل کیا جاچکا ہے مگر میں نے سرفراز سے اس وجہ سے بیان کیا کہ اسمیں رسالہ معارف اعظم گڈھ سے نقل کیا گیا ہے جو ہمارے بہت بڑے علمی مرکز دار المصنفین کا ارگن ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس قدر معتبر واقعہ ہے کہ ایسے محققانہ رسالہ نے بھی اسکے شایع کرنے میں تامل نہیں کیا۔

مولوی صاحب۔ میری کتابوں میں بھی تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب فتاوی عزیزی موجود ہے۔ ذرہ اسمیں اسکو تلاش تو کرو۔

حسینی بیگم اٹھکر گئیں اور الماری سے کتاب "فتاوی عزیزی" نکال لائیں۔ جو سنہ ۱۳۲۲ ہجری میں مطبع مجتبائی دہلی میں چھپی تھی۔ اور کچھ دیر ورق اُلٹ کر بولیں

حسینی بیگم۔ یہ کیا جلد اول کے صفحہ ۱۰۲ میں یہ عبارت موجود ہے۔

مولوی صاحب۔ اب تو کچھ بولا ہی نہیں جاتا ہے۔ جب حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہ ایسے امام اہلسنت بھی مجلس کرتے اور اسمیں شریک ہوتے ہوں تو ہم لوگ کیسے عذر کر سکتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ تو میری رائے ہے کہ آج شب کو تم بھی دریا آباد کی مجلس میں ضرور جاؤ۔

مولوی صاحب۔ نہیں مجھ سے نہیں جایا جائیگا۔

حسینی بیگم۔ خیر تمہاری خوشی۔ مگر میں اس خیال سے کہتی تھی کہ تم بڑے عالم ہو تمہارے علم و فضل اور وعظ و تقریر کا ڈنکا بج رہا ہے۔ تم وہاں جاتے تو ان لوگوں کی مجلسوں کی اصل حقیقت ظاہر ہو جاتی کہ واقعاً کیا بیان کرتے اور کس طرح اس کو انجام دیتے ہیں۔ اسمیں کون کون باتیں قابل اعتراض ہوتی ہیں۔ کون کون باتیں ہمارے مذہب کے خلاف نظر آتی ہیں۔ اور کن اسباب سے وہ ترک کرنے کے قابل ہے۔

مولوی صاحب۔ اچھا تمہارا اصرار ہے تو میں ضرور جاؤں گا۔ اگرچہ وہاں میرا دل نہیں لگیگا اور جو سنوں گا بھی ادھر توجہ نہیں ہوگی۔

حسینی بیگم۔ کیوں۔

مولوی صاحب اس لئے کہ تم جانتی ہو کہ آج کئی ہفتہ سے آریوں نے ہم لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ کانپور۔ رامپور۔ سہارنپور۔ دیوبند۔ میرٹھ۔ دہلی۔ امرتسر۔ لاہور وغیرہ کے بڑے بڑے زبردست علمائے کرام تشریف لائے ہوئے ہیں مگر آریوں نے معجزات حضرت رسولخدا صلعم کے متعلق ایسے ایسے اعتراضات کر رکھے ہیں کہ ہم لوگ

جواب دیتے دیتے تھک گئے مگر انصاف یہ ہے کہ انکے اعتراضات کا واقعی جواب اب تک ہوا ہی نہیں۔ مشکل یہ ہے کہ یہ زمانہ سائنس اور فلسفہ کا ہے۔ آریئے جو کہتے ہیں اسکو پڑھے لکھے مسلمان بھی دل سے صحیح سمجھ لیتے ہیں اور ہم لوگوں کا جواب آریہ تو آریہ خود مسلمانوں کی تشفی نہیں کرتا۔ بلکہ اُن لوگوں کا شبہہ اور بڑھ جاتا ہے۔

حسینی بیگم۔ افسوس یہ ہے کہ میں ٹھہری پردہ نشین۔ ورنہ کم ازکم آریوں کی تقریر تو سن لیتی اور انکے اعتراضات پر خود بھی غور کرتی۔

مولوی صاحب۔ تم بیچاری کیا ہو۔ جب ہندوستان کے کل بڑے زبردست اور مسلم الثبوت علمائے حنفی و اہلحدیث اس اہتمام سے انجمن میں بلائے گئے ہیں اور اس قدر صرف کثیر کرکے انکو ٹھہرایا گیا اور فیصلہ کن مناظرہ کا ارادہ کرلیا گیا ہے۔ پھر بھی ہم لوگوں کے بنائے کچھ نہیں بنتی۔ اور لطف یہ ہے کہ ہم سب دن بھر آریوں سے مناظرہ کرنے کے بعد شب کو جامع مسجد میں اکٹھے ہوتے اور نماز عشاء کے بعد دیر تک آپس میں رائے مشورہ بھی کرتے ہیں کہ فلاں اعتراض کا کیا جواب دیا جائے۔ اور آریہ یہ کہیں تو ہم کیا کہیں۔ ہر قسم کی کتابیں بھی اُلٹی جاتی ہیں۔ غرض ۲۳ مشہور مناظر اور عالم آج کئی ہفتہ سے اسلام کی اس مصیبت کو دفع کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور خرچ کررہے ہیں مگر مناظرہ کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتا ہے۔ اور چونکہ اس شہر کے اہلحدیث میں مجھی کو لوگ ممتاز سمجھتے ہیں اس وجہ سے مجھے زیادہ پریشانی رہتی ہے کہ مقامی رکن میں ہی ہوں۔ جب دل و دماغ اس قدر تھکا ہوا ہو اور پھر دن بھر روزہ کی صعوبت بھی اُٹھانی پڑے تو اب رات کو مجلس میں کیا دل لگیگا۔ لیکن یہ بات تم نے اچھی کہی کہ شیعہ اپنی مجلسوں کی تعریف میں بہت مبالغہ کرتے ہیں وہاں جانے ہی سے اسکی حقیقت واضح ہوجائیگی۔ انشاءاللہ جاؤں گا۔

حسینی بیگم۔ تو مغرب کی نماز جلد پڑھکر یہاں چلے آنا کہ کھانے سے فوراً فراغت کرلو۔ معلوم نہیں وہاں کب تک رہنا ہو۔

مولوی صاحب۔ نہیں میرا کھانا نہ پکانا۔ وہیں کھانے کی دعوت بھی تو ہے

اور اشتہار دیکران صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ کھانا وہیں کھائیگا۔

حسینی بیگم - ہاں پھر یہی مناسب ہے کہ وہیں کھاؤ اسلامی اخلاق کا حکم بھی یہی ہے

مولوی صاحب - خیر دیکھو وہاں جانے پر کیا ہوتا ہے۔ مجھے تو ہر نئے کام سے وحشت ہوتی ہے۔ اپنی عمر میں کبھی مجلس میں شریک ہوا ہی نہیں جس سے طبیعت رُکتی ہے۔

غرض ۱۴ ماہ رمضان المبارک کا دن کسی طرح ختم ہوا۔ مولوی صاحب نے روزہ افطار کر کے نماز مغرب پڑھی اور کچھ دیر کے بعد نماز عشاء سے فراغت کر کے گاڑی منگائی اور دریاآباد روانہ ہو گئے۔

گیارہواں باب ۱۱

دریاآباد کی مجلس شب ۱۵ ماہ صیام

مولوی صاحب دریاآباد مجلس میں پہونچے تو نہایت شاندار اہتمام دیکھا گیس کی روشنی سے امام باڑہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا اور وہ اسطرح آراستہ کیا گیا تھا کہ اگر اسکی تفصیل کی جائے تو کئی ورق اسی میں صرف ہو جائیں۔ مولوی صاحب کی گاڑی پہونچی تو کئی معزز میزبان دوڑے ہوئے آئے اور سلام و مزاج پُرسی کے بعد نہایت پرتپاک الفاظ میں زحمت تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا۔ اسکے بعد اس کمرے کی طرف لیجانا چاہا جہاں افطار کا سامان چنا ہوا تھا اور ہر آنے والے سے اصرار کیا جاتا تھا کہ مجلس کے پہلے کچھ افطار کریں۔ پھر مجلس کے بعد کھانا کھائیں گے مگر مولوی صاحب نے عذر کیا کہ میں افطار کر چکا ہوں ابھی کچھ نہیں کھا سکتا تب آپ کے گلے میں پھولوں کا ہار پہنایا۔ عطر لگایا اور پان دیا گیا۔ پھر آپ کو لا کر منبر کے قریب ایک قیمتی قالین پر بٹھایا گیا۔ وہاں بانی مجلس کچھ دیر تک رسمی باتیں (شکریہ وغیرہ کی) کرتے رہے۔ پھر حقہ اور چاء حاضر کی گئی۔ مولوی صاحب

نے پینا شروع کیا۔ جب ایک پیالی ختم ہو گئی تو اصرار کیا گیا کہ ایک اور حاضر کیجائے مگر انھوں نے انکار کیا۔ ساڑھے آٹھ بجے مجلس شروع ہوئی۔ لکھنؤ سے ایک عالم جلیل بیان کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ وہ منبر پر تشریف لے گئے تو درود کی آواز سے پورا امام باڑہ گونج گیا۔ مولانا صاحب نے اولاً عربی زبان میں نہایت فصاحت سے ایک طویل خطبہ پڑھا جس سے مولوی صاحب بہت محظوظ ہوئے اور وجد میں جھومتے رہے۔ اس کے بعد ممدوح نے سورہ قمر (پارہ ۲۷) کی آیت وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (یعنی جب کفار کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو بڑا زبردست جادو ہے) کی تلاوت کی۔ پھر اس کا ترجمہ کر کے اسکی تفسیر بیان کرنے لگے۔ جو معجزات کے امکان اور اسکے وقوع کی مفصل شرح تھی۔ مولانا نے اس بحث میں معجزات کے متعلق ایسے فلسفی اور حکمی مسائل بیان کئے کہ تمام مجمع جس میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کا کافی حصہ تھا پھڑک اٹھا اور وفور مسرت میں درود سے اظہار جذبات کرتا رہا۔ مگر مولوی صاحب کی حالت تو بیان ہی نہیں ہو سکتی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ علم و حکمت کی ایک نئی دنیا میں پہونچ گئے ہیں۔ وہ اس محویت سے ایک ایک لفظ کو سنتے تھے کہ اگر رات بھر وہ تقریر جاری رہتی تو انھیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ کس قدر وقت گزر گیا۔ مولانا نے اسی بحث میں معجزہ شق القمر پھر معراج کے بارے میں ایسے ایسے نکتے اور اس قدر زبردست اور واجب القبول دلیلیں بیان کیں کہ مولوی صاحب مبہوت ہو گئے اور کل اہل مجلس کمال اشتیاق سے متوجہ رہے۔ کامل ایک گھنٹہ تک مولانا نے معجزات ہی کی عقلی دلیلیں بیان کیں اور اسکی ذیل میں موجودہ سائنس و فلسفہ کی طرف سے جو جو اعتراضات ہوتے یا ہو سکتے تھے ان سب کو تفصیل سے نقل کرتے اور پھر ہر ایک کی دھجیاں اڑاتے گئے۔ بہت سے بی اے اور ایم اے وکیلوں بیرسٹروں اور پروفیسروں کی حالت یہ تھی کہ ایک دوسرے کا منہ تکتے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ مولانا صاحب وہ علمی جادو کر رہے ہیں جس سے سب کے سب بے ہوش

ہو رہے ہیں۔ اور انکے استدلال کی قوۃ اس قدر زبردست تھی کہ ان لوگوں کی زبان سے واہ واہ۔ واہ۔ سبحان اللہ۔ جزاک اللہ۔ بارک اللہ۔ کی آواز بلند ہوجاتی تھی۔ اور کتنے تعلیم یافتہ تو درمیان میں یہ بھی بولتے گئے کہ بے شک ایسے زمانہ میں ایسے ہی واعظوں کی ضرورت ہے۔ اور آپ ہی حضرات کے ذریعہ سے اسلام کی حفاظت ہوسکتی ہے۔ کئی معزز تعلیم یافتہ ہندو حضرات تھے وہ سب بھی ان مدلل بیانات سنے بے خود ہو رہے تھے۔ غرض معلوم ہوتا تھا کہ واقعاً مولانا سحر کر رہے ہیں۔ جس موقع پر چاہا ہنسا دیا۔ جس وقت چاہا لوگوں کو متحیر کر دیا۔ جس وقت چاہا سب سے بے اختیار درود پڑھوا دیا۔ بانی مجلس اس محفل کا رنگ دیکھکر مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے تھے۔ معجزات کے بعد مولانا نے خلافۃ کا مسئلہ شروع کیا اور ایسی خوبصورتی سے اسپر تقریر شروع کی کہ اپنے مذہب کی حقیت کی ہر بات کہتے گئے اور کسی کو بری نہیں معلوم ہوئی۔ اسکے بعد حضرت امام حسنؑ کے حالات زندگی اور فضائل و مناقب اس خوبی سے بیان کئے کہ پورا مجمع وجد میں جھومتا رہا۔ تقریباً دو گھنٹہ بیان کرکے مولانا ممدوح منبر سے نیچے تشریف لائے تو ہر طرف سے "سبحان اللہ سبحان اللہ کیا قدرۃ کلام ہے۔ کیا اعجاز بیان ہے۔ کیا کیا مطالب عالیہ آپنے ارشاد فرمائے کیسی آپنے حمایۃ اسلام فرمائی۔ کس قدر ایمان کی جلا ہوگئی" وغیرہ آواز دیر تک بلند رہی۔ مومنین ایک دوسرے سے بغلگیر بھی ہو رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد بانی مجلس نے لوگوں کو کھانے پر تشریف لے چلنے کی خواہش کی (سوا ہندو یا چند مسلمانوں کے جنہوں نے بعض معقول عذر کرکے معافی مانگی) سب لوگ اس بڑے کمرے میں گئے جہاں دسترخوان بچھا ہوا اور نہایت پر تکلف کھانے چنے ہوئے تھے۔ مولوی صاحب بھی تشریف لائے اور لکھنوی مولانا صاحب کی بغل میں بیٹھے۔ انھوں نے بھی مولانا صاحب کی بہت مدح وثنا کی اور تعریف کے پل باندھ دیئے اور واقعاً مولوی صاحب ان مولانا صاحب کی قابلیت اور کمال کا کلمہ پڑھنے لگے تھے۔ اور دل میں سوچتے تھے کہ کسی طرح مولانا صاحب کو دو

روز کے لئے روک کر مناظرہ میں لے چلیں تاکہ آریوں کے اعتراضات کی مصیبت دفع ہو۔ مگر انکی زبان سے یہ بات کسی طرح نکلتی نہیں تھی جب کھانے سے فراغت ہوگئی تو کئی اہلسنت تعلیم یافتہ حضرات نے مولوی صاحب کو علحدہ لیجاکر یہ مشورہ کیا کہ "کسی طرح مولانا صاحب کو آریوں کے مناظرہ میں لے چلنا چاہیئے یقین ہے کہ یہ ایسا جواب دیں گے جس سے آریوں کی شکست ہوجائیگی"۔

مولوی صاحب ۔ میرے دل میں بھی یہی خیال دیر سے ہو رہا ہے مگر جب تک اپنے علمائے اعلام سے میں دریافت نہ کرلوں اُس وقت تک مولانا صاحب سے کیونکر کہہ سکتا ہوں۔

تعلیم یافتہ حضرات ۔ اُن لوگوں سے دریافت کرنے کی تو کچھ ایسی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ۔ آپ کی تحریک کافی ہوگی ۔ آپ ہی یہاں کے رکن اعظم اور اس مناظرہ کی روح رواں ہیں۔

مولوی صاحب ۔ نہیں جب کئی ہفتہ سے ان لوگوں کے ذمہ یہ کام کردیا گیا ہے تو بغیر انکی رائے کے کوئی جدید انتظام کرنا مناسب نہیں ہے۔

تعلیم یافتہ حضرات ۔ اگر مولانا صاحب کل صبح لکھنؤ واپس گئے تب کیا ہوگا۔

مولوی صاحب ۔ ہاں یہی تردد مجھے بھی ہے۔

تعلیم یافتہ حضرات ۔ پھر کیوں نہ اس وقت یہ وعدہ لے لیا جائے کہ مولانا صاحب کل شب کو اپنا کچھ وقت ہم لوگوں کو دیں ۔ اگر رائے ہوگئی تو آریوں سے مناظرہ فرمائیں ۔ ورنہ اسی مناظرہ کے میدان میں صرف معجزات پر ایک زبردست تقریر فرمائیں جو آج سے زیادہ مبسوط اور جامع ہو۔

مولوی صاحب ۔ یہ تدبیر بہتر ہے۔

یہ مشورہ کرکے سب حضرات مولانا صاحب کے پاس پہونچے اور اسی بات کو ذکر کیا ۔ مولانا صاحب نے اپنی عدیم الفرصتی کا عذر کیا مگر ادھر سے زیادہ اصرار ہوا اور بانی مجلس نے بھی بہت زور دیا کہ "یہ اسلام کی بڑی خدمت کا وقت ہے اور اس وقت

آریوں کے اعتراضات سے مسلمان بہت شرمندہ ہو رہے ہیں۔ اگر آپ ان لوگوں کی تشفی کر دینگے تو بہت بڑا احسان بھی ہوگا اور حمایۂ ایمان بھی ہوگی" تو مولانا صاحب ایک روز اور رہنے پر راضی ہو گئے جس سے بانی مجلس بھی نہایت شکر گزار ہوئے

بارہواں باب ۱۲

آریوں سے لکھنوی مولانا صاحب کا مناظرہ

جس وقت مولانا صاحب نے آریوں سے مناظرہ کرنے کا وعدہ کر لیا اس وقت ان تعلیم یافتہ حضرات اور خصوصاً مولوی عبدالغفار صاحب کو جو خوشی ہوئی بیان نہیں ہو سکتی۔ سب نے دیر تک ممدوح کا شکریہ ادا کیا۔ اور اپنے اپنے گھر واپس آئے۔ چونکہ مولوی صاحب شب کو بہت دیر کرکے مکان پہونچے اس وجہ سے آج حسینی بیگم سے اس مجلس کے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی۔ صبح جلد اٹھکر مولوی صاحب اُن علمائے کرام کے پاس پہونچے جو ہندوستان کے مختلف مقامات سے آریوں کے ساتھ مناظرہ کرنے کو آئے تھے۔ اور شب کا پورا واقعہ بیان کیا۔ پھر اُن سے کہا کہ "آپ حضرات اگر اجازت دیں تو لکھنوی مولانا صاحب کو بھی مناظرہ میں شریک کر لیا جائے۔ میرے خیال میں معجزات کے متعلق وہ بہت زبردست سلاح ہیں اور آریوں کا دندان شکن جواب دینگے" مگر جب کوئی بات کسی مجمع میں بغرض رائے و مشورہ پیش کیجاتی ہے تو آسانی سے طے نہیں ہوتی اور مختلف باتیں نکلنے لگتی ہیں۔ اس تجویز کے متعلق بھی ایک پورا مباحثہ شروع ہو گیا۔ کوئی صاحب کچھ کہتے تھے کوئی صاحب کچھ ارشاد فرماتے تھے۔ بیچارے مولوی عبدالغفار صاحب ٹھہرے اکیلے اور ادھر بہت سے جلیل القدر علماء اور وہ بھی ایسے جن سب کا احترام ضروری۔ مولوی صاحب ہر شخص کا مناسب جواب دیتے مگر تنہا کیا کر سکتے تھے۔ غرض بہت دیر تک گفتگو کرنے کے بعد بھی بات طے نہیں ہوئی اور یہ مسئلہ

یوں ہی رہ گیا۔ دو تین گھنٹہ تک محنت شاقہ کرنے کے بعد مولوی صاحب اپنے
مکان پر واپس آئے اور کھانا کھا کر نماز ظہر کے لئے مسجد میں گئے۔ اس سے فراغت
کر کے پھر میدان مناظرہ میں پہونچے۔ آج مناظرہ دو بجے دن سے مقرر تھا۔ ٹھیک
وقت پر شروع ہوا۔ کل جو اعتراضات آریوں نے کئے تھے اور جن کے کافی جواب
اُس روز علما نہ دے سکے تھے ان کا جواب شروع کیا گیا مگر ہر جواب پر پھر آریوں نے
ایسے ایسے اعتراضات کئے کہ علمائے اسلام اُن کا مفصل جواب نہ دے سکے۔ غرض
۵ بجے شام تک دونوں فریق پوری قوۃ سے مقابلہ کرتے رہے مگر کسی طرح بحث
طے نہیں ہوئی تب مناظرہ دوسرے دن کے لئے ملتوی کیا گیا۔ اس وقت وہ تعلیم
یافتہ حضرات بھی جو شب کو دریاآباد کی مجلس میں گئے تھے اور مولوی عبدالغفار صاحب
سے اصرار کرتے تھے کہ لکھنوی مولانا صاحب کو بھی مناظرہ میں شریک کرلیا جائے
اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو کر مکان پر پہونچ گئے اُن سب کو معلوم ہوا کہ
آج بھی مسلمانوں نے آریوں کا تشفی بخش جواب نہیں دیا اور مناظرہ ختم نہیں ہو سکا
تو وہ حضرات خود ان علمائے اسلام کے پاس گئے اور بہت آرزو منت کی کہ آج
شب کو پھر مناظرہ کیا جائے اور اسمیں لکھنوی مولانا صاحب ضرور شریک کئے
جائیں۔ بہت دیر تک سمجھانے کے بعد ان حضرات کو راضی کیا۔ اسکے بعد کل حضرات
آریہ مناظرین کے پاس پہونچے اور ان سے کہا کہ اتفاق سے ایک مولانا صاحب لکھنؤ
سے آ گئے ہیں۔ ہم لوگوں کی خواہش ہے کہ ان کو بھی مناظرہ میں شریک کرلیا جائے
اور آج شب کو بھی اسی میدان میں مناظرہ ہو تاکہ ہم لوگ بھی شریک ہو سکیں۔
آریہ حضرات نے پہلے تو کچھ عذر کیا مگر زیادہ اصرار کرنے سے راضی ہو گئے۔ اسی وقت
بڑی کوشش کر کے مسلمانوں کو مطلع کر دیا گیا کہ آج شب کو ۸ بجے پھر آریوں سے
مناظرہ شروع ہوگا۔ گو وقت کم ہونے کی وجہ سے دور دور کے محلوں میں خبر
نہیں پہونچ سکی مگر ذی اثر مسلمانوں کے متوجہ ہو جانے کی وجہ سے بہت بڑا مجمع
ہو گیا اور خاصکر اہل علم مسلمان اور ہندو تو کافی تعداد میں جمع ہو گئے۔ ٹھیک

مناظرہ شروع ہوا۔ لکھنوی مولانا صاحب نے کہا کہ "پہلے آریہ حضرات معجزات کے متعلق اپنے کل اعتراضات کا خلاصہ ایک تقریر میں بیان کر دیں تا کہ میں سمجھ سکوں ہمارے اور انکے درمیان کن امور پر بحث ہو گی"۔ اس کو سب نے پسند کیا اور آریہ جماعت کے ایک تجربہ کار مناظر نے ۳۰ منٹ تک تقریر کر کے اپنے اعتراضات ذکر کئے جب وہ صاحب اپنی تقریر ختم کر کے بیٹھے تو لکھنوی مولانا صاحب اُٹھے اور کہا کہ "حاضرین جلسہ! تسلیم۔ میں آج اس صحبت میں پہلی دفعہ حاضر ہوا ہوں اور آخری دفعہ بھی ہے کیونکہ مجھے کل صبح ہی لکھنؤ واپس جانا ضروری ہے لہذا اپنے معزز آریہ بھائیوں کے اعتراضات کے متعلق میں ایک معقول تقریر کرنی چاہتا ہوں جو شاید ایک گھنٹہ میں ختم ہو سکے۔ امید ہے کہ آپ حضرات بحث کو جلد ختم کرنے کے لئے مجھے اسکی اجازت دینگے۔ جب میں اپنی تقریر تمام کروں تب ہر شخص کو اختیار ہو گا کہ اس پر جو اعتراض چاہے پیش کرے۔ اگر مجھ سے ممکن ہو گا تو پھر جواب الجواب عرض کروں گا ورنہ ان اعتراضات کو مان کر سپر انداختہ ہو جاؤں گا"۔ اس پر مجمع سے آواز آئی کہ "ہاں آپ پہلی تقریر بے تکلف ایک گھنٹہ تک کر سکتے ہیں"۔ جسکے بعد مولانا موصوف نے اپنا بیان شروع کیا اور مجمع کی یہ حالت تھی کہ ہر منٹ پر بڑھتا ہی جاتا تھا کیونکہ مسلمانوں نے کوشش کی تھی کہ دس بجے شب تک دور دور کے محلوں کے مسلمانوں کو خبر ہوتی رہے خواہ کوئی آئے یا نہ آئے۔ مگر چونکہ کئی ہفتہ سے اس مناظرہ نے شہر کے مسلمانوں میں ایک عام بے چینی پیدا کر رکھی تھی اس وجہ سے جسکو جس وقت بھی خبر ہوتی جاتی تھی گاڑی۔ موٹر۔ لوری کر کے وہاں پہونچتا جاتا تھا۔ غرض لکھنوی مولانا صاحب کی تقریر کے شروع ہوتے وقت کئی ہزار مسلمانوں کا مجمع ہو چکا تھا۔ آپکا بیان ایسا سلجھا ہوا اور عام فہم تھا کہ ہر طرف سے واہ واہ۔ سبحان اللہ کے نعرے بلند ہوتے اور تھوڑی تھوڑی دیر پر اللہ اکبر کی آواز مسلمانوں کے دلی جذبات کی ترجمانی کرتی تھی۔ آریہ حضرات بُت بنے ہوئے سُن رہے تھے۔ مولانا کا عنوان خطاب اسقدر مہذب۔ شیریں اور دوستانہ تھا کہ کل غیر مسلم حضرات نہایت دلچسپی سے ایک

ایک لفظ سُنتے اور خوش بیانی کا پورا مزہ اُٹھا رہے تھے۔ محویت کی یہ حالت تھی کہ جو شخص جس طرح کھڑا یا بیٹھا تھا اسی طرح رہا زانو بدلنے تک کا خیال نہ ہوا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا ممدوح کا بیان مقناطیسی خزانہ ہے جو سب مخاطبین کو اپنی طرف جذب کرتا جاتا ہے۔ ایک گھنٹہ تقریر ہو گئی مگر لوگوں کے اشتیاق کی یہ حالت تھی کہ سب اسکے جاری رہنے کے لئے بے چین تھے۔ اب مولانا رکے اور فرمایا "حضرات! آپنے مجھے ایک گھنٹہ کی اجازت دی تھی۔ اگرچہ میں اپنا پورا مطلب واضح نہ کر سکا مگر وعدہ کی پابندی میں اپنا بیان ختم کرتا ہوں۔ اب جن حضرات کو اعتراض کرنا ہو تقریر فرمائیں" یہ کہکر آپ بیٹھ گئے اس پر ہر طرف سے تعلیم یافتہ ہندو اور آریوں نے شور کیا کہ "نہیں نہیں آپ بیان فرمائیں۔ ہم لوگوں کی پیاس باقی ہے۔ کسی کو کچھ کہنا نہیں ہے۔ سبحان اللہ آپ تو علمی و عقلی باتوں کے دریا بہا رہے ہیں۔ آپ تو بحث و استدلال کی عجیب و غریب دنیا کی سیر کرا رہے ہیں۔ خدا نے کیا قابلیت آپ کو عنایت کی ہے۔ اور آپ کے دماغ کو کیسی لیاقت عطا کی ہے۔ آپ ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئے۔ خدا کے واسطے ابھی اور بیان فرمائیں۔ ابھی ہم لوگوں کی سیری نہیں ہوئی" غرض دیر تک اسی قسم کی آوازیں بلند رہیں تو مولانا صاحب پھر اُٹھے اور کہا "اچھا حضرات آپکی مجھ غریب الوطن پر اس قدر مہربانی ہے تو میں پھر سمع خراشی کرتا ہوں مگر اب کسی وقت کی تعیین نہیں کر سکتا۔ میں اپنی کج مج زبان سے جو ہو سکتا ہے پھر ادا کرتا ہوں۔ جو صاحب جس وقت چاہیں میرے بیان پر اعتراض کر دینگے۔ میں اسی وقت جواب دینے کی کوشش کروں گا۔ اور جو صاحب میری تقریر سے گھبرا جائیں وہ فوراً بے تکلف مجھ سے فرما دینگے میں خاموش ہو جاؤں گا۔" اسکے بعد پھر تقریر شروع کی اور سائنس و فلسفہ کی رد میں وہ وہ باتیں بیان کرنے لگے کہ بہت سے حضرات جو بی۔ ایس۔ سی ایم۔ ایس۔ سی کی ڈگریاں حاصل کر چکے تھے اور بہت سے وہ طلبہ جو سائنس و فلسفہ کے اعلےٰ درجوں میں پڑھتے تھے اس تقریر پر مبہوت ہو رہے تھے۔ ایسی ایسی مثالیں ذکر فرمائیں جن کا جواب ممکن ہی نہیں ہے اور ایسے ایسے مناظر عالم کی

تشریح کی جسکی حقیقت سمجھنے سے انسانی عقلیں عاجز نظر آتی ہیں۔ غرض اس دفعہ پورے ۲½ گھنٹہ تک آپنے وہ زبردست تقریر کی کہ الہ آباد کی زمین میں مدت دراز تک یاد رہیگی۔ ہر طرف سے واہ واہ۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ کی آواز بلند تھی اور کئی آریہ حضرات نے کہا کہ "حضرت! واقعاً ہم نے مان لیا کہ جب آپ ایسا مقرر دنیا میں ہوسکتا ہے جو خود ایک معجزہ معلوم ہوتے ہیں تو اب معجزات کے متعلق شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ خدا نظر بد سے بچائے آپ پوجنے کے لائق ہیں اور ہماری جماعۃ میں اگر آپ ایسا فلسفی ہوتو ہم لوگ اسکے پاؤں کے نیچے اپنی آنکھیں بچھائیں"۔

تیرہواں باب ۱۳

حدیث حُسینٌ منّی وانا من الحُسینؑ کا مطلب

(حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں)

لکھنوی مولانا صاحب کی دونوں تقریروں کا مولوی عبدالغفار صاحب پر ایسا زبردست اثر ہوا کہ کئی روز تک انکو انھیں باتوں کا تصور رہا اور وہ اسکی کوشش کرتے رہے کہ جو کچھ مولانا صاحب نے بیان کیا ان سب مطالب کو قلم بند کرلیں چنانچہ بہت کچھ انھوں نے نوٹ بھی کرلیا۔ مگر سُنی ہوئی باتیں کل کیونکر لکھ لی جاسکتی ہیں جب اس واقعہ کو کئی دن گزر گئے تو ایک روز سحری کھانے کے بعد ان سے اور حسینی بیگم سے اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

حسینی بیگم۔ جب سے تم دریاآباد کی مجلس گئے ایسے متردّد اور متفکر رہے کہ مجھے اس مجلس کا حال پوچھنے کا موقع بھی نہ ملا۔ کہو وہاں کیا دیکھا اور کیا پایا۔

مولوی صاحب۔ جو کچھ تم نے کہا تھا سب کو درست دیکھا اور صحیح پایا۔

حسینی بیگم۔ کیا مذاق کررہے ہو۔

مولوی صاحب۔ نہیں بقسم کہتا ہوں کہ تمہاری کل باتیں سچی ثابت ہوگئیں۔

ہم لوگ محض ناواقف ہونے سے مجلس کو اتنی بُری سمجھتے تھے۔ ورنہ حقیقت میں وہ علوم دینیہ کی تعلیم کی ایک اعلیٰ جگہ ہے اور جو لوگ بڑی کتابوں کو دیکھ نہیں سکتے یا دقیق مضامین کو خود سمجھ نہیں سکتے انکے لئے یہ مجلسیں بہترین استاد ہیں جو ایک دو گھنٹہ میں اتنی باتیں بتا دیتی ہیں کہ مہینوں میں لوگوں کو معلوم نہیں ہوسکتیں۔ میں آریوں کے مناظرے سے کس قدر پریشان تھا اور کتنے بڑے بڑے علمائے کرام مختلف مقامات سے آئے تھے وہ سب بھی عاجز ہو رہے تھے مگر اس مجلس میں معجزات ہی کے متعلق مولانا صاحب نے ایسی تقریر کی کہ میری آنکھیں کھل گئیں اور خدا نے جو فرمایا ہے ان من البیان لسحرا یعنی یقیناً بیان میں جادو کا اثر ہے اسکی تصدیق ہو گئی۔ اس وجہ سے دوسرے روز انھیں مولانا صاحب کو لا کر آریوں کے مقابلہ میں پیش کیا گیا۔ انھوں نے تین گھنٹہ سے زیادہ ایسی مدلل۔ مفصل۔ جامع محققانہ اور شیریں تقریر کی کہ ہزاروں ہندو و مسلمان مولانا صاحب کا کلمہ پڑھکر اٹھے اور کسی ایک آریہ کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں بلا سبب کے سب بُت بنے ہوئے سُن رہے تھے۔ ان کا بیان اس قدر زبردست تھا کہ کسی کو پائخانہ پیشاب تک کا حس نہیں ہوا۔ عجیب دماغ پایا ہے اور نہ معلوم کس قدر قوۃ خدا نے انکے ذہن اور زبان میں پیدا کردی ہے۔

حسینی بیگم۔ یہ بات نہیں ہے۔ وہ لوگ چونکہ برابر اس فن میں مشغول رہتے ہیں اور انکو اچھے اچھے مضامین بیان کرنے کی مشق ہوتی رہتی ہے اس وجہ سے مضامین عالیہ ہی اُن سے نکلتے ہیں اور پھر انکی نیت بھی تو خالص صرف مذہب کی حمایۃ ہوتی ہے اس وجہ سے خدا انکی مدد بھی کرتا ہے۔

مولوی صاحب۔ البتہ مولانا صاحب نے ایک حدیث یہ بھی بیان فرمائی تھی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے حسینؑ منی وانا من الحسینؑ۔ یہ حدیث میں نے بھی تو کہیں دیکھی ہے مگر اس کا مطلب نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت رسولخدا صلعم امام حسینؑ سے کیونکر ہوئے

حسینی بیگم۔ یہ حدیث تو بہت مشہور اور کئی صحابیوں اور کئی طریقوں سے موجود ہے۔

علامہ شبلنجی کی کتاب نور الابصار صفحہ ۱۲۶ علامہ ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۴ مولانا صدر الدین صاحب کی کتاب روائح المصطفیٰ صفحہ ۳۴ اور خود مشکوۃ شریف جلد ۸ صفحہ ۱۳۶ جامع ترمذی شریف صفحہ ۴۶۶ و کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۲۰ وغیرہ میں موجود ہے۔ اسی طرح ہزاروں کتابوں میں ہے بلکہ شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو جسمیں حضرت امام حسینؑ کے فضائل لکھے ہوں اور یہ حدیث نہ لکھی ہو۔ مگر اس حدیث کے متعلق کمو تردد کیا ہے۔

مولوی صاحب - یہ کہ حضرت امام حسینؑ کا حضرت رسولخدا سے ہونا تو ظاہر ہے کہ آپ حضرتؐ کے نواسے تھے تو آپ کا وجود حضرتؐ ہی کی وجہ سے ہوا کہ اگر آنحضرت صلعم نہ ہوتے تو نہ جناب فاطمہ پیدا ہوتیں نہ حضرت حسینؑ موجود ہوتے۔ مگر حضرتؐ نے آپ کو کس معنی سے فرمایا کہ میں حسینؑ سے ہوں۔ باپ سے بیٹا اور نانا سے نواسا ہوتا ہے۔ مگر نواسے سے نانا کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ بات تو کسی طرح عقل میں نہیں آتی ہے۔ حالانکہ حضرت رسولخدا صلعم کا قول ہے۔ جو کسی طرح غلط نہیں ہو سکتا اور نہ کسی وجہ سے بے معنے ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی راز ضرور ہے جو ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔

حسینی بیگم - البتہ حضرت صلعم کی یہ حدیث عقلوں کی حیران کردینے والی ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے تو اسکے حاشیہ پہ اسکی شرح اس طرح لکھی گئی ہے حسینؑ منی وانا من حسینؑ کانہ صلی اللہ علیہ وسلم علم بنور الوحی ما سیحدث بینہ وبین القوم فخصہ بالذکر وبین انہما کالشیٔ الواحد فی وجوب المحبۃ وحرمۃ التعرض والمحاربۃ وآکد ذلک بقولہ احب اللہ من احب حسینا فان محبتہ محبۃ الرسول ومحبۃ الرسول محبۃ اللہ (جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۴۶۶ مطبوعہ لکھنؤ) بعینہ یہی مضمون علامہ ملا علی قاری کی شرح مشکوۃ مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۶۰۰ میں بھی ہے اس کا ترجمہ یہ ہوا کہ حضرتؐ نے جو فرمایا کہ حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں تو گویا آنحضرت صلعم کو نور وحی و نبوت سے معلوم ہو گیا تھا

کہ امام حسینؑ اور حضرتؐ کی امت کے درمیان کیا واقع ہونے والا ہے اس وجہ سے حضرتؐ نے امام حسینؑ کو خاص طور پر ذکر کیا اور واضح فرمایا کہ حضرت رسولخداؐ اور امام حسینؑ محبت کے واجب ہونے اور انکی مخالفت کے حرام ہونے اور ان سے جنگ کے ممنوع ہونے میں ایک چیز ایسے ہیں، اور خدا نے اس بات کی تاکید بعد والے جملہ سے کی کہ اللہ دوست رکھیگا اس کو جو دوست رکھے گا حسینؑ کو۔ اس لئے کہ امام حسینؑ کی محبت بعینہ رسولؐ کی محبت اور رسولؐ کی محبت بعینہ اللہ کی محبت ہے۔

مولوی صاحب۔ مگر اس حدیث کا یہ مطلب تو دل کو لگتا نہیں ہے۔

حسینی بیگم۔ کیوں۔

مولوی صاحب۔ اس لئے کہ اگر صرف خصوصیۃ محبت ہی ظاہر کرنا تھی تو حضرتؐ کی دوسری حدیثیں اس مضمون کے واضح کرنے کے لئے کافی تھیں۔ جیسے فرمایا اللھم انی احبھما فاحبھما واحب من یحبھما یعنی اے اللہ میں ان دونوں کو دوست رکھتا ہوں۔ تو بھی ان کو دوست رکھ اور جو لوگ ان دونوں کو دوست رکھیں انکو بھی دوست رکھ (جامع ترمذی ص ۴۶۶)۔ بس اسی سے معلوم ہو جاتا کہ وجوب محبت میں حضرت رسولخداؐ اور امام حسینؑ ایک چیز ہیں۔ علاوہ بریں اگر حضرتؐ کا یہی مطلب ہوتا تو جناب سیدہ اور حضرت حسنؑ کے بارے میں بھی حضرت یہی مضمون ذکر فرمائے ہوتے۔

حسینی بیگم۔ ہاں میرا بھی خیال ہے کہ حضرت کا مطلب یہ نہیں تھا بلکہ کچھ اور تھا اور وہ بہت گہرا مضمون ہے۔

مولوی صاحب۔ وہ کیا۔ کوئی نیا نکتہ تم نے ایجاد کیا؟

حسینی بیگم۔ میرا ذہن دو باتوں کیطرف جاتا ہے۔ ایک یہ کہ حضرت صلعم کے اعلیٰ کمالات میں ایک شہادۃ کا درجہ باقی رہ گیا تھا جس سے خدا نے حضرتؐ کو محروم رکھا اور اس وجہ سے حضرت کی افضلیت ناقص رہی جاتی تھی تو خدا نے حضرت کو امام حسینؑ کے ذریعہ سے یہ کمال عطا فرمایا جس سے حضرت کو درجہ شہادۃ بھی حاصل ہو گیا

اور وہ نقص جاتا رہا۔ اس مضمون کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ واضح لکھا ہے تحریر فرماتے ہیں اعلم رحمک اللہ تعالیٰ ان الکمالات التی افترقت فی الانبیاء ؑ قد اجتمعت فی نبینا ؐ فقد اعطی الخلافۃ کما اعطی آدم وداؤد ؑ واعطی الملک کما اعطی سلیمان ؑ واعطی الحسن کما اعطی یوسف ؑ واعطی الخلۃ کما اعطی ابراہیم ؑ واعطی الکلام کما اعطی موسیٰ ؑ واعطی العبادۃ کما اعطی یونس ؑ واعطی الشکر کما اعطی نوح ؑ وقد زیدت لہ کمالات اخر من انواع الولایات والمحبوبیۃ المطلقہ والاصطفاء المطلق والرؤیۃ والقرب الاتم والشفاعۃ العظمیٰ والجہاد مع اعداء اللہ الیٰ غیر ذلک من الکمالات کالعلم الوسیع والعرفان الاتم والقضاء والفتیا والاجتہاد والاحتساب والقراءۃ وغیرھا۔ لکن بقی لہ کمال لم یحصل لہ بنفسہ وھی الشہادۃ۔ والسر فی عدم حصولھا لہ بنفسہ ؐ انہ لو استشہد فی الحرب ادی ذلک الی کسر شوکۃ الاسلام واختلال الدین ولو استشہد غیلۃ وسرا کما وقع لبعض خلفائہ لم یشتہر امر شہادتہ بل ولا تمت الشہادۃ لان تمام الشہادۃ ان یقتل الرجل فی الغربۃ والکربۃ وان یعقر جوادہ ویلقی جثتہ مطروحۃ ویقتل حولہ جمع کثیر من اعزۃ اصحابہ واقاربہ وان ینھب مالہ وان توسر نسائہ وایتامہ کل ذلک فی ذات اللہ فاقتضت حکمۃ اللہ تعالیٰ ان یلحق ھذ الکمال العظیم بسائر کمالاتہ بعد وفاتہ وانقضاء ایام خلافتہ التی تنافی المغلوبیۃ والمظلومیۃ برجال من اھل بیتہ بل باقرب اقاربہ واعز اولادہ ومن یکون فی حکم ابنائہ حتی تلحق حالھم بحالہ وینداج کمالھم فی کمالہ۔ فتوجھت عنایۃ اللہ تعالیٰ بعد انقضاء ایام الخلافۃ الی ھذا الالحاق فاستنابت الحسنین علیہما السلام مناب جدھما علیہ افضل الصلوات والتحیات وجعلتھما من تین الملحشتۃ وخذ ین بجمالہ یعنی اے مسلمانو! اللہ تم پر رحم کرے اس بات کو جان لو کہ جو کمالات انبیاء میں الگ الگ تھے وہ سب ہمارے پیغمبر (حضرت رسول خدا صلعم) میں مجتمع ہو گئے تھے۔ جیسے حضرت آدم ؑ و داؤد ؑ کو

خلافہ دی گئی تھی حضرتؑ کو بھی دی گئی۔ اور جیسے حضرت سلیمانؑ کو بادشاہت دی گئی تھی حضرتؑ کو بھی دی گئی۔ اور جیسے حضرت یوسفؑ کو خوبصورتی دی گئی تھی حضرتؑ کو بھی دی گئی۔ اور جیسے حضرت ابراہیمؑ کو خلت (دوستی) دی گئی تھی حضرتؑ کو بھی دی گئی۔ اور جیسے حضرت موسیٰؑ کو کلام دیا گیا حضرتؑ کو بھی مرحمت ہوا۔ اور جیسے حضرت یونسؑ کو عبادۃ دی گئی حضرتؑ کو بھی عطا کی گئی۔ اور جیسے حضرت نوحؑ کو شکر دیا گیا حضرتؑ کو بھی عنایت کیا گیا۔ اور ان سب کے علاوہ بھی بہت سے کمالات حضرتؑ کو زیادہ دیئے گئے جیسے ولایتوں کی مختلف قسمیں۔ محبوبیۃ مطلقہ۔ اصطفاء مطلق رویۃ۔ پورا قرب۔ شفاعۃ عظیمہ۔ دشمنان خدا کے ساتھ جہاد۔ علم وسیع۔ عرفان کامل فیصلہ قضایا۔ فتاویٰ۔ اجتہاد۔ احتساب۔ قرأۃ وغیرہ۔ لیکن ان سب کمالات کے بعد بھی حضرتؑ میں ایک کمال باقی رہ گیا تھا جو حضرتؑ کو بنفسہ نہیں حاصل ہوا۔ اور وہ شہادۃ ہے۔ اور اس کا راز کہ خود حضرتؑ ہی کو یہ فضیلت کیوں نہ حاصل ہوئی یہ ہے کہ اگر حضرتؑ خود کسی جہاد میں شہید ہو جاتے تو آپ کی شہادۃ سے شوکت اسلام جاتی رہتی اور دین الٰہی میں بڑی خرابی پیدا ہو جاتی۔ اور اگر حضرتؑ اپنی جگہ اس طرح شہید ہو جاتے کہ کوئی دشمن آپ کو دھوکے سے اور چھپ کر قتل کر دیتا جیسا کہ بعض خلفاء رسولؐ کے بارے میں واقع ہوا تو حضرتؑ کی شہادۃ کا واقعہ مشہور نہیں ہوتا۔ اور شہادۃ کا درجہ بھی پورا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ کمال شہادۃ تو یہ ہے کہ کوئی شخص عالم مسافرۃ اور حالت کرب و مصیبت میں قتل کیا جائے اور اس کی سواری کا گھوڑا بے کر دیا جائے اور اس کا بدن زمین پر چھوڑ دیا جائے۔ اور اسکے گرد اسکے عزیز صحابہ اور اقربہ سے بڑی جماعۃ قتل ہو کر پڑی رہے اور اس کا مال و اسباب لوٹ لیا جائے اور اس کی عورتیں اور یتیم بچے قیدی بنا دیئے جائیں اور اسکو یہ سب مصیبتیں خدا کی راہ میں پہونچیں تو خدا کی حکمت اس بات کو مقتضی ہوئی کہ یہ کمال عظیم حضرتؑ کے باقی کمالات میں حضرتؑ کی وفاۃ کے بعد اضافہ ہو اور حضرتؑ کی خلافہ کی مدت تمام ہونے کے بعد یہ فضیلت حضرتؑ حاصل کریں تاکہ حضرتؑ کی مغلوبیۃ و مظلومیۃ کے منافی ہو۔ اور اسکو بھی حکمۃ الٰہی

مقتضی ہوئی کہ حضرتؐ کو یہ شرف حضرتؐ کے اہلبیتؑ کے کچھ لوگوں بلکہ حضرتؐ کے
نہایت قریبی رشتہ داروں بلکہ عزیز ترین اولاد کے ذریعہ سے حاصل ہو وہ
اولاد جو حضرتؐ کے فرزندوں کے حکم میں تھی تاکہ ان لوگوں کا حال واقعاً حضرتؐ
کے حال سے ملحق ہوجائے اور ان لوگوں کا کمال حضرتؐ کے کمال میں درج ہو جائے
اسی وجہ سے حضرتؐ کی خلافۃ کا زمانہ گزرنے کے بعد خدا کی عنایۃ اس طرف متوجہ
ہوئی کہ یہ کمال بھی حضرتؐ کے کمالات میں بڑھا دیا جائے۔ اسی غرض کے لئے خدا
کی عنایت نے حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ علیہما السلام کو حضرتؐ کے جد بزرگوار کا
قائم مقام بنا دیا۔ اور ان دونوں حضراتؑ کو حضرتؐ کے کمالات و فضائل کے
ملاحظہ کا دو آئینہ اور حضرتؐ کے جمال کا دو رخسارہ قرار دیا تاکہ حضرتؐ کے کمال
شہادۃ کی تصویر ان دونوں کی شہادۃ میں نظر آئے۔ اسکے بعد تحریر فرمایا ہے لما کانت
الشہادۃ علی قسمین شہادۃ سر و شہادۃ علانیۃ قسمت علیہما فاختص السبط
الاکبر بالقسم الاول۔ ولما کان امرھا مستورا لم یظہر لہا ذکر فی الوحی
وابہم امرھا عند الوقوع ایضا حتی وقعت علی یدی زوجتہ۔ والزوجیۃ
من علائق المحبۃ دون العداوۃ وکل ذلک لانہ مبنی علی الستر والاخفا
ولذلک لم یخبر بہ النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ولا امیر المومنین
علیہ التحیۃ والثنا ولا غیرھما۔ واختص السبط الاصغر بالقسم الثانی ولما
کان مبنی امرہ علی الشہرۃ والاعلان انزل اولا فی الوحی علی لسان جبرئیل
وغیرہ من الملائکۃ ثم تعیین المکان وتسمیتہ وتعیین الزمان وھو
راس الستین۔ ثم اشتہر امرہ واعلن ذکرہ علی لسان امیر المومنین
کرم اللہ وجہہ فی سفرہ الی صفین۔ ثم لما وقعت واقعۃ الشہادۃ اشتہر
امرھا بانقلاب التربۃ دما وامطار الدم من السماء وھتف الھواتف بالمراثی
ونوح الجن وبکائہم وطواف السباع حافظات لجثتہ ودخول الحیات فی مناخر
قاتلیہ الی غیر ذلک من اسباب الشہرۃ لیطلع الحاضرون والغائبون علی قدرھا

بل بالبقاء البکاء والحزن المستمر وتذکر تلک الوقائع الهائلة فی امته الی یوم القیامة فقد بلغت نهایة الشهرة فی الملاء اعلیٰ والاسفل والغیب والشهادة والجن والانس والناطق والصامت۔ یعنی چونکہ شہادۃ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک چھپی ہوئی شہادۃ۔ دوسری کھلی ہوئی شہادۃ۔ اس وجہ سے خدا نے آنحضرت صلعم کی شہادۃ کو ان دونوں صورتوں پر تقسیم کردیا اس طرح کہ پہلی قسم (چھپی ہوئی) شہادۃ کے لئے حضرت کے بڑے نواسے امام حسنؑ اختیار کئے گئے۔ مگر چونکہ اُس شہادۃ کا حال پوشیدہ رہا اس وجہ سے وحی میں بھی اُس کا کوئی ذکر نہیں ہوا اور اُسکے واقع ہوتے وقت اس کا حال بھی لوگوں پر مشتبہ رہا یہاں تک کہ امام حسنؑ کی یہ شہادۃ حضرت کی زوجہ ہی کے ہاتھوں واقع ہوئی اور معلوم ہے کہ زوجیت محبت کے تعلقات سے ہے نہ کہ عداوۃ کے علاقوں سے۔ اور یہ سب اسی سبب سے ہوا کہ اس شہادۃ کی بنا رہی راز داری اور پوشیدگی پر تھی کہ کوئی جاننے نہ پائے اور یہ بات چھپی رہے۔ اسی وجہ سے حضرت رسولخدا صلعم یا حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے بھی اس (امام حسن علیہ السلام کی) شہادت کی خبر نہیں دی نہ کسی اور ذریعے سے اسکی پیشین گوئی کی گئی۔ اور دوسری (کھلی ہوئی) شہادۃ کے لئے حضرتؐ کے چھوٹے نواسے امام حسینؑ کا انتخاب ہوا۔ اور چونکہ اس شہادۃ کی بناء اسکو اچھی طرح مشہور اور اعلان کردینے اور ہر جگہ پھیلا دینے پر تھی اس وجہ سے پہلے اسکی پیشین گوئی حضرت جبریل وغیرہ فرشتوں کی زبان پر وحی کی صورت میں نازل کی گئی۔ پھر اس جگہ کی تعیین کی گئی جہاں یہ واقع ہونے والی تھی۔ پھر اس جگہ کا نام بتایا گیا پھر وہ زمانہ بھی بتا دیا گیا جب یہ واقع ہونے والی تھی جو سنہ ۶۱ ہجری کا شروع تھا پھر اس شہادۃ کا حال خوب اچھی طرح مشتہر کیا گیا اور اسکے ذکر کا اعلان کیا گیا اس طرح کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام جنگ صفین کو جاتے وقت کربلا میں اُترے اور اس پیشین گوئی سے لوگوں کو باخبر کردیا۔ پھر جب یہ واقعہ شہادۃ واقع ہوگیا تب اسکے حال کا اشتہار (خدا کی طرف سے) اس طرح دیا گیا کہ مٹی خون بنگئی

اور آسمان سے خون کی بارش ہوئی - اور غیبی ہاتفوں نے حضرت کے مرثیے کہے اور جنات نے حضرت پر نوحہ پڑھا اور گریہ و بکا کیا - اور حضرت کے جسم مبارک کی حفاظت کرنے کے لیئے شیر اور دوسرے درندے اسکے گرد گھومتے رہے اور حضرت کے قاتلوں کے نتھنوں میں زندہ سانپ گھستے اور نکلتے رہے - اسی طرح اور بہت صورتوں سے اس واقعہ کو مشہور کیا گیا تاکہ سب لوگ اس شہادۃ سے مطلع ہو جائیں - اور جو لوگ اس موقع پہ موجود تھے وہ بھی اور جو غائب تھے وہ سب بھی جان جائیں کہ یہ شہادۃ عظیمہ واقع ہو گئی - بلکہ خدا نے اس امت میں اس تدبیر کو جو جاری کیا کہ لوگ ہمیشہ اس پر رویا اور نوحہ و ماتم کیا کریں اور قیامت تک اس پر حزن و غم کریں اور ان ہولناک مصیبتوں کو ذکر کیا کریں اسکی غرض بھی یہی ہے کہ اس واقعہ کا اچھی طرح اشتہار ہوتا رہے - تو یہی نتیجہ بھی حاصل ہوا کہ اس واقعہ کی نہایت درجہ شہرت ہو گئی اور آسمان و زمین اور حاضر و غائب اور جن و انس اور انسان و حیوانات سب ہی اس سے باخبر ہو گئے (رسالہ سر الشہادتین در تحریر الشہادتین مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۹ تا ۲۰) - اب اس حدیث کا مطلب اس بیان سے ملاؤ تو صاف سمجھ میں آجائیگا کہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ میں حسینؑ سے ہوں - یعنی میری نبوت و رسالت کا ایک بڑا کمال شہادۃ جس سے میں خود محروم رہا میرے فرزند حسینؑ کے ذریعہ سے مجھے حاصل ہو گا یعنی میری رسالت حسینؑ کی وجہ سے کامل ہو گی - کیونکہ اگر حسینؑ نہ ہوتے تو حضرت رسولخدا صلعم کی نبوۃ ناقص رہ جاتی حضرت امام حسینؑ نے اسکو پوری کر دیا جس سے حضرت میں وہ تمام کمالات جمع ہو گئے جو دوسرے انبیاء میں تھے اور اب کوئی نبی یا کوئی رسول حضرت سے بڑھنے نہیں پایا نہ حضرت پر وہ فخر کر سکیگا - مختصر یہ کہ اس حدیث کا منشا یہ ہوا کہ میں حسینؑ کے ذریعہ سے ہی کامل ہوا - میں حسینؑ کے سبب سے جمیع کمالات نبوت کا جامع ہوا - میں حسینؑ کے ذریعہ سے اس قابل ہوا کہ اب کوئی نبی یا رسول کسی صفت میں مجھ سے بڑھنے نہیں پائیگا -

مولوی صاحب - ہاں اس حدیث کا یہ مطلب اس مطلب سے کہیں بہتر اور

پیچیدہ ہے جو ترمذی شریف کے حاشیہ کا تم نے پہلے بیان کیا - اسمیں تو شک نہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم کو کمال شہادۃ نہیں حاصل ہوا - اور جب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایسے امام جلیل اسکی وجہ یہ بیان کریں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے اس کا حاصل ہونا ثابت کریں تو کس کو عذر ہو سکتا ہے۔ اور دنیا بھی اسکو تسلیم کرتی ہے کہ شاگرد کا فضل حقیقت میں استاد کا فضل کہا جاتا ہے اور بیٹے کا کارنامہ واقعاً باپ کیطرف منسوب ہوتا ہے۔

چودھواں باب ۱۴

حدیث اَنَا مِنَ الحُسَینؑ کا دوسرا مطلب

حقا کہ بناے لا الٰہ است حسینؑ - کی شرح

مولوی صاحب - تم نے کہا تھا کہ اس حدیث کے مطلب میں تمہارا ذہن دو باتوں کیطرف جاتا ہے - ایک تو تم نے بیان کیا - اب دوسرے کو بھی بتاؤ -

حسینی بیگم - حضرت رسالتمآب صلعم کی خلقت اور بعثت محض اس لئے ہوئی کہ آپ آدمیوں کے بُرے حالات کی اصلاح فرمائیں - انکی خرابیاں دفع کریں - انکی جہالت مٹائیں آنکو ہدایت کریں - علم و حکمۃ سکھائیں اور انکے اخلاق و طرز زندگی کو درست کریں چنانچہ خود خداے تعالیٰ نے حضرت کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب و الحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین یعنی وہ خدا وہی ہے جس نے جاہل لوگوں میں ایک پیغمبر انھیں میں سے بھیجا جو انکو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھکر سناتا اور انکو پاکیزہ کرتا ان کے اخلاق سنوارتا اور انھیں کتاب و حکمۃ کی تعلیم دیتا ہے (پارہ ۲۸ سورہ جمعہ) - اور خود حضرتؐ نے بھی اپنی خلقت اور بعثت کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق یعنی میرے پیغمبر بناکر بھیجے جانے کی غرض صرف یہ ہے کہ میں لوگوں کی

ہدایت اور انکی خرابیوں کی اصلاح کروں اور مکارم اخلاق کو اعلیٰ درجہ تک پہونچادوں (جامع صغیر ص۵۷ ج۱) اور اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے حضرتؐ نے دنیا کی تمام لذتیں چھوڑدیں۔ کل نعمتوں سے باز آئے۔ سب خوشیوں سے محروم رہے بلکہ اس کے عوض آپ کو ساحر کاذب۔ مجنون کہا گیا۔ آپ کے دوست احباب نے آپ کو چھوڑ دیا۔ آپ کا چچا ابولہب تک آپ کا دشمن ہوگیا۔ آپ پر کوڑا پھینکا جاتا۔ ڈھیلا پتھر مارا جاتا۔ آپ سے تمام تعلقات قطع کردیئے گئے۔ جس سے آپ شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہوگئے۔ اس قید نے حضرت اور حضرت کے ساتھیوں کو ایسی اذیت میں مبتلا کردیا کہ یہ حضرات بھوک کے مارے درختوں کے پتے کھانے لگے۔ غرض دنیا کے ہر آرام سے محروم اور ہر مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہونا حضرتؐ نے پسند کیا صرف اس لالچ میں کہ لوگ سیدھے راستہ کو اختیار کرکے اپنی حالت درست کریں۔ اپنی برائیوں کو چھوڑیں اور اپنے اخلاق کو ترقی دیں۔ اس کوشش میں حضرتؐ کو اپنے پیارے وطن مکہ معظمہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوٹنا پڑا مگر حضرتؐ نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ آپ کی قوم اور ملک والے جس اخلاقی پستی میں چلے آرہے ہیں اس میں پڑے رہیں اور جن مفاسد کے مٹانے کے لئے آپ بھیجے گئے تھے وہ ان میں باقی رہ جائیں۔ اس وجہ سے عمر بھر اس خدمت کو انجام دیتے رہے اور اسمیں بہت بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ مگر حضرتؐ کو علم نبوت سے یہ بھی معلوم تھا کہ تھوڑے ہی زمانہ کے بعد اسلام کی صورت پھر بگاڑ دیجائیگی اور جن خرابیوں کو حضرت مٹا رہے ہیں وہ دوبارہ پیدا ہوجائینگی۔ اور جن اخلاق کو حضرت درست کر رہے ہیں وہ جلد ہی پھر برے ہوجائیں گے۔ اور اُس وقت پھر میری غرض بعثت (یعنی مکارم اخلاق کو ترقی دینے اور لوگوں کو سیدھی راہ بتانے کا کام) حسینؑ انجام دیں گے اور وہ اپنی شہادۃ قبول کرکے حق و باطل کو الگ الگ کردینگے اور شیطانی راستوں سے الٰہی راہوں کو چھانٹ دینگے۔ اس وجہ سے حضرتؐ نے فرمایا کہ انا من الحسینؑ یعنی میری خلقت و بعثت کی غرض چونکہ حسینؑ سے دوبارہ پوری ہوگی اور انھیں سے لوگ ایمان کو پھر پائیں گے اس وجہ سے میں ان سے ہوں یعنی میری کامیابی انکے واسطے سے ہے کہ انھیں کی شہادۃ بھی

(منتخب کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۳۲)

نبوت کو دوبارہ قیامت تک کے لئے کامیاب بنائیگی ۔ مختصر یہ کہ آنحضرت صلعم کے دنیا میں تشریف لانے کی غرض اور اس دنیا میں قیام فرمانے کی ضرورت صرف دو تھی ایک یہ کہ حضرت آدمیوں کو بُری باتوں سے الگ کریں ۔ دوسری یہ کہ انکو اچھی باتوں میں لگائیں اور حضرتؐ اپنی زندگی کے آخری وقت تک انھیں دونوں امروں کی کوشش فرماتے رہے مگر خدا نے حضرتؐ کو علم نبوت کے ذریعہ سے آگاہ کر دیا تھا کہ تمہارے انتقال کے کچھ دنوں کے بعد یہ دونوں باتیں بدل دی جائینگی اور تمہاری محنت ضائع کر دیجائیگی اُس وقت تمہارا فرزند حسینؑ ان لوگوں کی اطاعت نہیں کریگا اور نہ انکی باتیں انکو گوارا ہونگی آخر وہ اپنا شہید ہونا اختیار کر کے تمہارے آنیکی اصلی غرض کو پھر زندہ کریگا جس سے لوگوں کو حق و باطل کی تمیز ہو جائیگی اور اچھے بُرے کی شناخت کرنے لگیں گے ۔ اس وجہ سے حضرتؐ نے فرمایا کہ میں حسینؑ سے ہوں ۔ یعنی میرے دنیا میں آنیکی غرض حسینؑ سے پوری ہوگی اور میرے مبعوث ہونے کا دائمی نفع حسینؑ سے حاصل ہوگا ۔

مولوی صاحب ۔ حضرتؐ کے آنیکی دونوں غرض کیوں کر بدل دی گئی

حسینی بیگم ۔ معویہ کا عہد حکومت یاد کرو جس میں اس قدر اسلام شکن باتیں پھیلیں کہ تمام دنیائے اسلام پر رفتہ رفتہ چھا گئیں ۔ اس وجہ سے حضرت رسولخدا صلعم کو اسلام کی یہ خراب صورت خواب میں دکھائی گئی ۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں رای رسول اللہ بنی فلان ینزون علی منبرہ نزو القردۃ فساءہ ذلک فما استجمع ضاحکا حتی مات وانزل اللہ وما جعلنا الرؤیا التی ارینٰک الا فتنۃ للناس ۔ یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے خواب میں بنی فلاں کو دیکھا کہ حضرتؐ کے منبر پر بندروں کی طرح اُچک رہے ہیں تو حضرت صلعم کو بڑی اذیت ہوئی ۔ اسکے بعد حضرتؐ اپنی وفات تک ہنستے ہوئے نہیں دیکھے گئے اور خدا نے یہ آیۃ نازل کی کہ جو خواب ہم نے تم کو دکھایا ہے وہ لوگوں کے لئے فتنہ ہے ۔ اب بنی فلاں کون تھے اسکی تصریح اسی کے بعد کی روایتوں میں اسطرح ہے قال رسول اللہ صلعم رایت بنی امیہ علی منابر الارض و سیملکونکم فتجدونہم ارباب سوء واھتم رسول اللہ لذلک فانزل اللہ وما جعلنا الایہ یعنی حضرت

رسولخدا ص نے فرمایا کہ مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ بنی امیہ منبروں پر ہیں اور وہ بہت جلد تم لوگوں کے بادشاہ بن جائیں گے۔ تم انکو شرارتوں کے سردار اور مالک پاؤگے اس خواب سے حضرت رسولخدا محزون و مغموم رہتے تھے تب خدا نے یہ آیۃ نازل کی کہ اے رسول ص جو خواب ہم نے تم کو دکھایا ہے الخ۔ اسکے بعد ہی یہ روایت بھی ہے ان رسول اللہ اصبح وھو مھموم فقیل مالک یا رسول اللہ فقال انی اریت فی المنام کان بنی امیۃ یتعاودون منبری ھذا فقیل یا رسول اللہ لا تھتم فانھا دنیا تنالھم فانزل اللہ وما جعلنا الآیہ یعنی حضرت رسولخدا ص ایک صبح کو محزون و مغموم اٹھے لوگوں نے عرض کی یا حضرت آج کس بات کا غم ہے؟ حضرت ص نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ بنی امیہ بار بار میرے منبر پر چڑھتے اُترتے ہیں۔ لوگوں نے کہا یا حضرت جانے دیجئے اس کا افسوس نہ کیجئے کیونکہ یہ دنیا ہی تو ہے جو انکو ملیگی اس پر خدا نے وہ آیت نازل کی (تفسیر درمنثور جلد ۴ صفحہ ۱۹۱) اسی وجہ سے خدا نے اس خاندان کو والشجرۃ الملعونہ (لعنت کیا ہوا درخت) فرمایا ہے (پارہ ۱۵ رکوع ۶) چنانچہ خود حضرت عائشہ نے بنی امیہ کے رکن مروان بن حکم سے فرمایا تھا کہ سمعت رسول اللہ یقول لابیک وجدک انکم الشجرۃ الملعونۃ یعنی میں نے حضرت رسولخدا صلعم سے سنا کہ تیرے باپ دادا کے بارے میں فرماتے تھے کہ تم لوگ لعنت کئے ہوئے درخت ہو۔ (تفسیر درمنثور جلد ۴ صفحہ ۱۹۱) اور علامہ طبری نے بھی لکھا ہے فما لعنھم اللہ بہ علی لسان نبیہ وانزل بہ کتابا قولہ والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن و نخوفھم فما یزیدھم الا طغیانا کبیرا ولا اختلاف بین احد انہ اراد بھا بنی امیہ یعنی ان باتوں سے جن سے خدا نے اپنے رسول ص کے ذریعہ ان لوگوں پر لعنت کی اور اس لعنت کو اپنی کتاب میں بھی نازل فرمایا خدا کا یہ قول والشجرۃ الملعونہ ہے یعنی وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔ غرض باوجودیکہ ان لوگوں کو ہم ڈراتے رہے لیکن ہمارا ڈرانا انکی سرکشی کو اور کئی درجہ زیادہ کرتا رہا۔ اور کسی کو اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ خدا کی مراد اس شجرہ ملعونہ سے بنی امیہ ہیں۔

(تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۳۵۶ - تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۱۰۶ میں بھی یہ مضمون ہے بلکہ بہت سی تفسیروں میں موجود ہے) اب معویہ کی دو ایک حکایۃ سنئو کہ اسلام کی روح کس درجہ پائمال کردی گئی تھی - علامہ مسعودی لکھتے ہیں - ان رجلا من اهل الكوفة قد دخل على بعيرله الى دمشق فى حال منصرفهم عن صفين فتعلق به رجل من دمشق فقال هذه ناقتى اخذت منى بصفين فارتفع امرهما الى معوية واقام الدمشقى خمسين رجلا بينة يشهدون انها ناقته فقضى معوية على الكوفى وامره بتسليم البعير اليه فقال الكوفى اصلحك الله انه جمل وليس بناقة - فقال معويه هذا حكم قد مضى ودس الى الكوفى بعد تفرقهم فاحضره وسأله عن ثمن بعيره فدفع اليه ضعفه وبره واحسن اليه وقال له ابلغ عليا انى اقابله بمائة الف ما فيهم من يفرق بين الناقة والجمل یعنی جب کوفہ کے لوگ جو حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ صفین میں گئے تھے وہاں سے واپس آنے لگے تو انہیں کا ایک شخص اپنے اونٹ پر سوار شہر دمشق میں داخل ہوا - اسکے پہونچتے ہی شامی ایک شخص اس سے لپٹ گیا اور کہا "یہ تو میری ہی اُنٹنی ہے جسکو تو نے جنگ صفین میں مجھ سے چھین لی تھی"۔ اس کوفہ والے نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ "نہیں یہ میرا اونٹ ہے"۔ بات بڑھ گئی تو فیصلہ کے لئے یہ مقدمہ معویہ کے پاس پیش کیا گیا - وہ بیچارا کوفی اکیلا تھا وہاں گواہ کہاں سے لاتا مگر شامی نے پچاس آدمیوں کو گواہی کے لئے کھڑا کر دیا جن سب نے گواہی دی کہ "یہ انٹنی اسی شامی کی ہے"۔ اس پر معویہ نے فیصلہ دیدیا کہ "بے شک یہ انٹنی اسی شامی کی ہے اسکے حوالہ کردیجائے"۔ اس پر وہ کوفی چلایا کہ "اے امیر خدا آپ کی اصلاح کرے یہ بھی تو دیکھئے کہ یہ لوگ اس کے انٹنی ہونے کی گواہی دیتے ہیں مگر یہ تو اونٹ ہے - انٹنی ہی نہیں ہے - اسکو آپ کیسے دلواتے ہیں"؟ معویہ نے کہا "اب فیصلہ ہوچکا - اسکی کوئی اپیل نہیں سُنی جاسکتی" غرض وہ شامی وہ اونٹ لیکر چلا گیا اور کوفی بیچارہ منہ تکتا رہا - جب شامیوں کا مجمع وہاں سے ہٹ گیا اور معویہ اکیلا ہوا تب کسی شخص کو آہستہ سے اس کوفی کے پاس

بھیجکر اُسے بلایا اور پوچھا کہ "بتاؤ تمہارے اونٹ کی کیا قیمت تھی؟" اس نے بتادی - اس پر معویہ نے اسکی دگنی رقم اس کو دیدی اور اسکے ساتھ اور بھی احسان کیا اور کان میں کہا کہ "بھائی اب جاکر علیؑ سے کہ دینا کہ میں اُن سے ایسے ایک لاکھ آدمیوں سے لڑوں گا جو ایسے اندھے ہیں کہ اونٹ اور اونٹنی تک میں تمیز نہیں کرتے ہیں" (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ بر حاشیہ تاریخ کامل) - اس اندھیر کو تم نے دیکھا کہ پچاس آدمی اونٹ کو اونٹنی بنا رہے ہیں اور اسکی گواہی دے رہے ہیں مگر معویہ صاحب اس کو مان لیتے اور اس کوفی کے خلاف فیصلہ کردیتے ہیں۔

مولوی صاحب - مگر بعد کو تنہائی میں بلاکر اسکی دگنی قیمت تو دے دی - اب کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

حسینی بیگم - تم بھی کیا باتیں کرتے ہو - کسی کا مال غصب کرلینے کے بعد اسکی قیمت اسکو دے دینا کسی شریعۃ میں جائز ہے؟ کیا اسلام نے یہی تعلیم دی تھی؟ اس ایک واقعہ میں معویہ نے اسلام کے خلاف کتنی باتیں کیں (۱) کوفی کا مال زبردستی دوسرے کو دلوایا جو اس کوفی پر ظلم ہوا (۲) شامی کو غصبی مال پر تصرف کرنیکا موقع مہیا کردیا (۳) پچاس مسلمانوں کو جھوٹی گواہی دیتے دیکھا مگر اس سے منع نہیں کیا (۴) اس کوفی کو جو حق پر تھا اتنے مسلمانوں کے سامنے ذلیل اور شرمندہ کیا (۵) اس جھوٹے شامی کی جو باطل پر تھا پیٹھ ٹھوک دی اور اسکو اس پر جری کردیا کہ آئندہ بھی وہ اسی طرح دوسروں کے مال پر ڈاکا ڈالا کرے اور مسلمانوں سے جھوٹی گواہیاں دلوایا کرے - حالانکہ خدا نے قرآن شریف میں ایسی باتوں سے صاف صاف منع فرمادیا ہے - ارشاد ہوتا ہے تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان یعنی نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار بنو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار نہ بنو (پارہ ۶ رکوع ۵) معویہ نے بالکل اسکے الٹا کیا کہ نیکی اور پرہیزگاری کا جو کام تھا (اس کوفی شخص کے دعوی کی تصدیق) اس میں تو مددگار نہیں بنا - اور

گناہ اور زیادتی جو کام تھا (اس شامی کے غلط دعوی کی تائید) انکی اتنی مدد گار
اسی کے حق میں فیصلہ کر دیا - یہی علامہ مسعودی یہ واقعہ بھی لکھتے ہیں ولقد بلغ
من امرھم فی طاعتھم لہ انہ صلی بھم عند مسیرھم الی صفین الجمعۃ
فی یوم الاربعاء یعنی شام والوں کی حالت معویہ کی اطاعت و فرماں برداری میں اس
حد تک پہونچ گئی تھی کہ جنگ صفین کو جاتے وقت معویہ نے چہارشنبہ ہی کے روز
ان فوجیوں کو نماز جمعہ پڑھادی اور سب نے آنکھ بند کر کے نماز پڑھ لی (ر ر ...)
بتاؤ یہ واقعہ بھی بالکل ویسا ہی بلکہ اس سے بڑھا ہوا ہے یا نہیں - کیونکہ پہلے واقعہ
میں تو صرف پچاس شامیوں نے اونٹنی کو اونٹ کہہ دیا اور اسکی زوردار گواہی دیدی
مگر یہاں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان معویہ کے ساتھ جنگ صفین میں جارہے ہیں
اور ان سب کو بدھ کے روز نماز جمعہ پڑھائی جارہی ہے اور سب آنکھ بند کر کے
پڑھ لیتے ہیں - انمیں کوئی بھی ایسا نہیں نکلا جو کچھ بھی چون وچرا کرتا - اور مسعودی ذکر
بعض الاخباریین انہ قال لرجل من اھل الشام من زعمائھم واھل الرای
والعقل منھم من ابوتراب ھذا الذی یلعنہ الامام علی المنبر قال اراہ لصا من
لصوص الفتن یعنی بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ شام کے ایک شخص نے اپنے
بعض سرداروں سے جو صاحب علم و عقل تھے پوچھا کہ یہ ابوتراب جس پر ہم لوگوں کا امیر
(معویہ) برابر منبروں پر لعنت کرتا ہے کون تھا؟ تو ان بزرگ نے جواب دیا کہ
میں سمجھتا ہوں وہ کوئی ڈاکو تھا (مروج الذہب جلد ۶ ص ۱۰۷)

مولوی صاحب یہ تو اس شخص کی جہالت تھی - اس سے امیر معویہ پر کیا الزام ہوا؟

حسینی بیگم - واہ یہ کتنا بڑا الزام ہے کہ شام والوں کو انھوں نے اس درجہ جاہل
کر رکھا تھا کہ لوگوں کو یہ تک نہ جاننے دیتے تھے کہ حضرت علی کون ہیں - خدا
کے ہاں انکا کیسا درجہ تھا حضرت رسولخدا سے کیا قرابت تھی - اسلام پر انکے
کتنے احسانات ہیں - بلکہ حضرت رسولخدا صلعم تک سے لوگوں کو بیخبر اور ناواقف
بنا رکھا تھا - یہی علامہ مسعودی لکھتے ہیں وحکی الجاحظ قال سمعت رجلا من

العامة وهو حاج وقد ذكر له البيت يقول اذا اتيته من يكلمني منه وانه اخبره صديق له انه قال له رجل منهم وقد سمعه يصلي على محمدؐ ما تقول في محمدؐ هذا اربنا هو یعنی جاحظ نے بیان کیا ہے کہ میں نے شامی عامہ سے ایک شخص کو سنا جو حج کے ارادے سے جا رہا تھا۔ اسکے سامنے خانہ کعبہ کا ذکر کیا گیا تو وہ پوچھنے لگا کہ بتاؤ جب میں وہاں پہونچوں گا تو کون شخص اسکی طرف سے مجھ سے باتیں کریگا (یعنی اس حاجی نے خیال کیا کہ خانہ کعبہ بھی کوئی بادشاہ ہے جسکے دربان اور مترجم مقرر ہیں جو اسکی طرف سے لوگوں سے باتیں کرتے ہیں)۔ اور اس کے ایک دوست نے اسسے بیان کیا کہ شام والوں سے ایک شخص کے سامنے اس نے حضرت رسولخدا صلعم پر درود پڑھا تو وہ شامی اس سے پوچھنے لگا کہ یہ محمدؐ کون تھے؟ کیا یہی ہمارے خدا ہیں (مروج الذہب جلد ۶ صـ ۱۰۷) یہی علامہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ لوگ بیٹھے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؑ و معویہ کے بارے میں بحث کرتے تھے کہ وہیں ایک بوڑھا شامی بھی پہونچا جسکی ڈاڑھی بڑی تھی اور ان لوگوں سے کہا کہ "کب تک تم لوگ علیؑ و معویہ کے بارے مین بحث کرتے رہوگے"۔ ایک شخص نے اس سے کہا "اچھا تم ہی بتاؤ تم ان لوگوں کے بارے میں کیا کہتے ہو"۔ اس بوڑھے نے پوچھا "کس کے متعلق سوال کرتے ہو"۔ اس شخص نے کہا "علیؑ ہی کے بارے میں بتاؤ کہ تم کیا کہتے ہو"۔ اس بوڑھے شامی نے کہا "وہی علی جو فاطمہ کے باپ تھے؟" اس شخص نے پوچھا "فاطمہؑ کون تھیں"۔ اس شامی نے کہا "تھیں کون حضرت رسولخدا صلعم کی بیوی اور عائشہ کی بیٹی تھیں اور عائشہ معویہ کی بہن تھیں"۔ تب اس شخص نے پوچھا کہ "پھر علیؑ کا کیا ہوا"۔ اس شامی نے کہا "وہ تو حضرت رسولخداؐ کے سامنے غزوہ حنین میں شہید ہوگئے" (مروج الذہب جلد ۲ صـ ۱۰۱)

یہ سنکر مولوی صاحب اس قدر ہنسے اس قدر ہنسے کہ کئی منٹ تک ہنستے رہے

پھر کہا" واللہ عجیب آدمی تھا۔ کیسی نے پر کی اڑاتا رہا۔ واقعاً بیچارے تخت جہالت
میں ڈال دیئے گئے تھے"۔

حسینی بیگم۔ اس سے زیادہ جرأت دیکھو۔ ایک دفعہ عمرو عاص جو معویہ کی طرف سے
مصر کا حاکم تھا مصر سے کچھ لوگوں کو لیکر معویہ سے ملنے کے لئے آیا۔ مگر معویہ کے
دربار میں پہونچنے سے پہلے مصر والوں سے کہا کہ "دیکھو معویہ کو خلیفہ کہکر سلام نہ
کرنا بلکہ جہاں تک تم سے ہو سکے اسکو چھوٹا اور حقیر ظاہر کرکے سلام بھی کرو اور
بات بھی کرو۔ ایسا کرنے سے وہ سمجھیگا کہ تم لوگ بڑی عزت والے اور اتنے بڑے
ہو کہ اُس تک کو کوئی چیز نہیں سمجھتے۔ اس سے اسکے دل میں تم لوگوں کی بڑی ہیبت
پیدا ہو جائیگی"۔ مگر معویہ تو عمرو عاص کا بھی استاد تھا۔ اس کے پاس جب لوگ
پہونچے تو اس نے صورت ہی سے پہچان لیا کہ عمرو عاص نے ان لوگوں کو ایسی بات
سکھائی ہے تو اس نے اپنے دربار والوں سے کہا "مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ عمرو
عاص نے ان لوگوں کی نظر میں مجھے حقیر کرنا چاہا ہے۔ اسکے عوض تم لوگ یہ کرو
کہ جب سب میرے قریب آئیں تو میری نہایت درجہ تعظیم کرکے ان کو ایسا گھبراؤ کہ سب
بدحواس ہو کر مجھکو سلام کریں۔ دربار والوں نے ایسا ہی کیا جس کا یہ اثر ہوا کہ
مصر والوں کی نظروں میں معویہ کی اتنی عظمت بڑھ گئی کہ اُن کا پہلا شخص جو معویہ
کے پاس پہونچا۔ اسنے بجائے خلیفہ کہکر سلام کرنے کے اس طرح سلام کیا السلام
علیک یا رسول اللہ۔ اے خدا کے پیغمبر آپ پر میرا سلام ہو۔ اس شخص کی
زبان سے اس سلام کا نکلنا تھا کہ سب مصریوں نے اسی طرح معویہ کو سلام کیا۔
جب سب باہر نکلے تو عمرو عاص ان لوگوں پر بگڑا کہ "واہ میں نے تم لوگوں سے کہا تھا
کہ معویہ کو خلیفہ کہکر سلام نہ کرنا۔ اسکے الٹا تم سبنے اس کو رسول اللہ کہکر سلام
کر دیا"۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صہ) ۔ علامہ ابن اثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ سنہ ۵۰ھ
میں معویہ نے حکم دیا کہ حضرت رسولخدا صلعم کا منبر مدینہ سے شام میں منگا لیا جائے۔ چنانچہ
لوگ اسکو ہٹانے کے لئے گئے۔ جب منبر کو شہر مدینہ سے جنبش دی گئی تو ایسا سورج

گہن لگا کر دن کو تارے نظر آنے لگے۔ اس حادثہ کو دیکھکر لوگ ڈرے اور منبر کے لیجانے سے باز رہے (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۸۳) بتاؤ کیسی کیسی بے ادبی کا سامان اسنے کیا۔ حد ہو گئی کہ حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال کر دیا۔ ابوسفیان نے زمانہ جاہلیۃ میں کسی فاحشہ عورت سے زنا کیا تھا اس سے زیاد پیدا ہوا جو اس فاحشہ عورت کے شوہر کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ معویہ نے اس کو اپنا بھائی بنا کر شریعۃ اسلام کو مٹا دیا۔ (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۷۷) جناب مولانا وحید الزماں خاں صاحب وقار الملک حیدر آبادی نے اسکے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔ جب زیاد بن ابیہ کے نسب کا دعوی کیا گیا تو میں ابوبکرہ صحابی سے ملا اور میں نے کہا یہ تم لوگوں نے کیا کیا۔ اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ ... معویہ کو زیاد کی طرف سے بڑی فکر ہوئی اس لئے کہ ایران کے قلعے مضبوط اور مستحکم اور خزانے بھرپور تھے جو زیاد کے قبضہ میں تھے وہ معویہ سے بخوبی لڑ سکتا تھا۔ معویہ تھے پولٹیکل آدمی انھوں نے کیا تدبیر نکالی کہ مغیرہ کو زیاد کے پاس بھیجا اور بڑی مہربانی اور محبت آمیز باتیں کہلائیں۔ آخر مغیرہ زیاد کو لے کر معویہ کے پاس آ گئے۔ اس وقت معویہ نے زیاد سے کہا تو تو میرا بھائی ہے۔ زیاد نے نہ مانا تب معویہ نے اپنی بہن جویریہ بنت ابی سفیان کو زیاد کے پاس بھیجدیا۔ وہ اوس کے سامنے بے پردہ ہو گئی اور اپنے بال کھول ڈالے اور کہنے لگی تو تو میرا بھائی ہے۔ میرے باپ نے خود مجھ سے بیان کیا تھا۔ آخر زیاد ابوسفیان کا بیٹا بننے پر راضی ہو گیا۔ تب معویہ زیاد کو لیکر جامع مسجد میں آئے اور زیاد چار گواہ بنا کر لایا انھوں نے یہ گواہی دی کہ ابوسفیان نے اوسکی ماں سمیہ سے زنا کی تھی اور زیاد سفیان ہی کا نطفہ ہے اوس وقت معویہ نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ زیاد ابوسفیان کا بیٹا ہے اور میرا بھائی ہے اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا .. معویہ نے اوسکو برا بھلا کہا گالیاں دیں .... اہل سنت کی کتابوں میں اسکی تصریح ہے کہ معویہ دنیاوی بادشاہوں میں سے تھے نہ خلفائے راشدین میں سے۔ کس لئے کہ خلافت راشدہ امام حسنؑ پر ختم ہو گئی۔ اور حدیث شریف کا بھی یہی مضمون ہے اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی نے جو لکھا ہے

اما خلافة معویة فصحیحة ثابتة بعد خلع الحسن بن علی تو یہ حدیث نبوی کے خلاف ہے الخلافة بعدی ثلثون سنة۔ اس وجہ سے ہم حضرت شیخ کا قول قبول نہیں کر سکتے۔ اور جب معویہ باوجود قریشی ہونے کے خلیفہ نہ ہوئے تو اور کوئی مغل یا ایرانی یا افغانی ڈاڑھی منڈا شرع کے خلاف چلنے والا کیونکر خلیفة المسلمین ہو سکتا ہے (انوار اللغة پارہ ۸ صفحہ ۴۵) ممدوح نے اسکے خلاف اور بہت لکھا ہے۔

معویہ نے اپنے کارناموں میں یہ بھی اضافہ کیا کہ یزید کو اپنا ولی عہد بنا دیا جس نے اور زیادہ اسلام کی صورت بدل ڈالی۔ اسی وجہ سے حضرت امام حسینؑ نے یزید کی بیعة نہیں کی۔ اور اپنی شہادة قبول کر کے لوگوں پر واضح کر دیا کہ یزید اور اسکو خلیفہ مقرر کرنے والا (اس کا باپ معویہ) دونوں اسلام کے خلاف چل رہے ہیں۔ پس چونکہ حضرت نے اپنی شہادة سے ان لوگوں کا باطل پر ہونا ظاہر کر دیا اور حقیقی اسلام کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا۔ اسی وجہ سے حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا تھا کہ انا من الحسین یعنی میں حسینؑ سے ہوں یعنی میرے دنیا میں آنے کی غرض اور پیغمبر ہونے کا مقصود حسینؑ سے پورا ہو گا کہ وہ دین اسلام کو جو مردہ ہو گیا ہو گا دوبارہ زندہ کر دینگے اور اسلام کے درخت کو جو سوکھ کر مرجھا گیا ہو گا۔ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے خون سے سینچکر ہرا کر دینگے۔ اس مضمون کا جوہر حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ اجمیری نے اپنی اس رباعی میں کھینچ دیا ہے ؎

شاہ است حسینؑ و بادشاہ است حسینؑ دین است حسینؑ و دین پناہ است حسینؑ
سر داد و نہ داد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

واقعاً اگر امام حسینؑ نہ ہوتے تو بنائے لا الہ آج کہیں بھی نظر نہیں آتی۔

مولوی صاحب۔ ہاں تم سچ کہتی ہو۔ اسی وجہ سے یزید نے بھی سب سے پہلا کام اپنی بادشاہت شروع ہوتے ہی یہ کیا کہ حاکم مدینہ کو فوراً حضرت کی بیعة لینے کا حکم بھیجا۔ اس خیال سے کہ جب حضرت میرے تابع ہو جائیں گے تو پھر میرے کسی کام پر اعتراض نہیں کر سکیگا۔ ورنہ ایسی جلدی کیا پڑی تھی کیا بعد کو اطمینان سے اس بات کی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔

پندرھواں باب ۱۵

امام حسینؑ کی شہادۃ کی پیشین گوئیاں

مولوی صاحب - مگر امام حسینؑ تو سنہ ۶۱ھ میں شہید ہوئے اور حضرت رسولخداؐ نے سنہ ۱۱ھ میں وفات پائی - اس قدر قبل حضرت آپ کی شہادۃ کو کیونکر جانتے جسکی وجہ سے انا من الحسین فرمایا؟ ہملوگ تو اسکے قائل ہی نہیں ہیں کہ حضرت کو علم غیب حاصل تھا۔

حسینی بیگم - خود خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو اسکی خبر کردی تھی۔ ایک دو دفعہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ فرشتے آتے اور حضرتؐ کو اطلاع دیتے رہے۔ مثال کے لئے چند حدیثیں نہایت معتبر کتابوں سے بیان کرتی ہوں (۱) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے تحریر فرمایا ہے اما اخبار النبیؐ بھذہ الواقعۃ الھائلۃ من جھۃ الوحی بواسطۃ جبرئیل وغیرہ من الملائکۃ فمشہور متواتر یعنی حضرت رسولخداؐ کا جناب جبرئیل اور دوسرے فرشتوں کے واسطہ سے اس ہولناک حادثہ کی خبر دینا مشہور اور متواتر ہے (سر الشہادتین صـ۸) (۲) اخرج ابوداؤد والحاکم عن ام الفضل بنت الحارث ان النبیؐ قال اتانی جبرئیل فاخبرنی ان امتی ستقتل ابنی ھذا یعنی الحسین واتانی تربۃ حمراء - یعنی امام ابوداؤد وامام حاکم نے روایت کی ہے کہ بی بی ام الفضل جو حارث کی صاحبزادی تھیں بیان کرتی تھیں کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل نے آکر خبر دی کہ میری امت میرے اس بیٹے حسینؑ کو جلد قتل کردیگی اور وہ میرے پاس ان کے قتل گاہ کی سرخ مٹی بھی لائے تھے (صواعق محرقہ صـ۱۶۹) و کنز العمال جلد ۶ صـ۲۲۲ و سر الشہادتین صـ۸۲) اور امام احمد بن حنبل کی کتاب مسند کو جانتے ہو کہ کس قدر معتبر ہے - علامہ سیوطی نے اسکے متعلق لکھا ہے ما کان فی مسند احمد فھو مقبول یعنی جس قدر حدیثیں مسند احمد بن حنبل میں ہیں وہ سب مقبول ہیں (جمع الجوامع خطبہ جلد ۱ صـ۳) اور

علامہ شوکانی نے لکھا ہے قد ذکر جماعة من ائمة الحدیث ان هذا الکتاب
من احسن الکتب یعنی فن حدیث کے اماموں کی ایک جماعت نے کہا کہ کتاب
مسند احمد حدیث کی بہترین کتابوں سے ہے (نیل الاوطار) اور جناب مولانا
شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمة اللہ علیہ نے صحاح ستہ کے ذکر کے بعد لکھا ہے
وکاد مسند احمد یکون فی جملة هذه الطبقة فان الامام احمد جعله اصلا
یعرف به الصحیح والسقیم قال ما لیس فیه فلا تقبلوه یعنی مسند احمد بن حنبل
صحاح ستہ کے برابر ہے اس لئے کہ امام احمد نے اسکو ایک اصل قرار دیا ہے جسکے ذریعہ سے
صحیح اور غلط حدیثوں کی پہچان ہو جاتی ہے۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ جو حدیث اس مسند
میں نہ ہو اسے قبول نہ کرو (حجة اللہ البالغہ مطبوعہ مصر جلد ۱ ص۱۰۷) اب اسی عظیم الشان
اور معتبر کتاب حدیث سے چند پیشین گوئیاں سنو (۳) عن عبد الله بن نجی عن ابیه
انه سار مع علیؓ وکان صاحب مطهرته فلما حاذی نینوی وهو منطلق الی
صفین فنادی علیؓ اصبر یا ابا عبد الله بشط الفرات - قلت وماذا - قال
دخلت علی النبیؐ ذات یوم وعیناه تفیضان - قلت یا نبی الله اغضبك
احد - ماشان عینیك تفیضان - قال بل قام من عندی جبرئیل قبل
فحدثنی ان الحسین یقتل بشط الفرات - قال فقال هل لك الی ان اشمك
من تربته - قال قلت نعم - فمد یده فقبض قبضة من تراب فاعطانیها
فلم املك عینی ان فاضتا یعنی عبد اللہ نجی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ وہ حضرت
علیؑ کے ساتھ صفین کی طرف سفر میں جا رہے تھے اور حضرت علیؑ کا سامان طہارت
وغیرہ انھیں کے پاس رہتا تھا جب حضرت علیؑ مقام نینوی کے سامنے پہونچے
تو بلند آواز سے امام حسین علیہ السلام کو پکار کر فرمایا کہ اے ابو عبد اللہ (امام حسینؑ)
دیکھو تم فرات کے کنارے صبر کرنا۔ نجی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی یہ عجیب بات سنکر
میں نے عرض کی کہ اے حضرت آپ نے کیا فرمایا؟ حضرت نے جواب دیا کہ میں ایک دفعہ حضرت
رسولخدا کے پاس گیا تو دیکھا کہ حضرت کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں نے عرض کی

یا رسول اللہ کیا کسی نے آپ کو غضبناک کیا ہے؟ حضورؐ کی چشم مبارک سے آنسو کیوں بہتے ہیں؟ تو حضرتؐ نے فرمایا کسی نے غضبناک نہیں کیا۔ بلکہ ابھی جبرئیل میرے پاس سے اٹھے ہیں انھوں نے اس وقت بیان کیا کہ حسینؑ فرات کے کنارے قتل کیئے جائیں گے۔ پھر مجھ سے جبرئیل نے کہا کہ کیا میں وہاں کی مٹی لا کر اسے آپ کو سونگھا دوں؟ میں نے جواب دیا ہاں۔ اس پر انھوں نے ہاتھ دراز کیا اور ایک مٹھی مٹی مجھے دی۔ جس پر مجھے ضبط نہ ہو سکا اور میں اپنے رونے کو نہ روک سکا (مسند احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۸۵) اسی کتاب میں یہ بھی ہے (۴) عن انس بن مالکؓ ان ملکؑ المطر استاذن ربہ ان یاتی النبیؐ فاذن لہ فقال لام سلمۃ املکی علینا الباب لا یدخل علینا احد۔ قال وجاء الحسین لیدخل فمنعتہ فوثب فدخل فجعل یقعد علی ظہر النبیؐ وعلی منکبہ وعلی عاتقہ قال فقال الملک للنبیؐ اتحبہ قال نعم قال اما ان امتکؐ ستقتلہ وان شئت اریتکؐ المکان الذی یقتل فیہ فضرب بیدہ فجاء بطینۃ حمراء فاخذتھا ام سلمۃ فصرتھا فی خمارھا قال ثابت بلغنا انھا کربلاء یعنی حضرت انس بن مالک نے روایت کی ہے کہ بارش والے فرشتے نے خدا سے اجازت چاہی کہ حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہو۔ تو خدا نے اجازت دیدی۔ وہ آیا تو آنحضرتؐ نے حضرت ام سلمہ سے فرمایا کہ تم دروازہ پر ٹھہرو اور کسی کو میرے پاس نہ آنے دو۔ جناب ام سلمہ دروازہ پر چلی گئیں۔ اتنے میں امام حسینؑ آئے اور اندر حضرتؐ کے پاس جانا چاہا۔ ام سلمہ نے ان کو روکا مگر وہ کود کر اندر چلے گئے۔ اور آنحضرتؐ کے پاس پہونچکر کبھی حضرتؐ کی پشت مبارک پر کبھی دوش پر کبھی گردن پر بیٹھ جاتے تھے۔ اس پر اس فرشتے نے حضرتؐ سے پوچھا کہ کیا آپ اس صاحبزادے کو بہت پیار کرتے اور دوست رکھتے ہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا ہاں۔ فرشتے نے کہا یا حضرتؐ بہت جلد آپ ہی کی امت اس کو شہید کریگی۔ اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھادوں جہاں یہ قتل ہونگے۔ اس کے بعد اس فرشتے نے ہاتھ مارا اور تھوڑی سی سرخ مٹی لایا جناب

ام سلمہ نے وہ سرخ مٹی لے لی اور اپنے دوپٹے میں باندھ لیا۔ ثابت کہتے تھے کہ ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ جگہ (امام حسینؑ کی قتل گاہ) کربلا ہے۔ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۴۲)۔ اسی کتاب میں یہ بھی ہے (۵) عن عائشہ او ام سلمۃ ان النبیؐ قال لاحدھما لقد دخل علی البیت ملک لم یدخل علیّ قبلھا فقال لی ان ابنک ھذا حسینؑ مقتول وان شئت اریتک من تربۃ الارض التی یقتل بھا قال فاخرج تربۃ حمراء یعنی حضرت عائشہ یا حضرت ام سلمہ سے حضرت رسولخداؐ نے فرمایا کہ میرے پاس اس گھر میں اس وقت ایک ایسا فرشتہ آیا جو آج سے پہلے کبھی میرے پاس نہیں آیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ آپکا یہ فرزند حسینؑ قتل کیا جائیگا۔ اگر آپ چاہیں تو میں اس جگہ کی مٹی بھی آپ کو دکھا دوں جہاں یہ قتل ہونگے۔ پھر اس نے وہیں کی سرخ مٹی نکال کر دکھا دی۔ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۹۴) اور (۶) امام حاکم نے بھی ان روایتوں کو اپنی کتاب مستدرک میں درج کیا ہے جس میں یہ روایت بھی ہے عن ابن عباس قال اوحی اللہ الی محمدؐ انی قتلت بیحیی بن زکریا سبعین الفا وانی قاتل بابن بنتک سبعین الفا وسبعین الفا یعنی حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا ہے کہ خدا نے حضرت رسولخداؐ پر وحی نازل کی کہ میں نے حضرت یحییٰ ابن زکریا پیغمبر کے قتل ہونے پر انکے خون کے بدلے میں ستر ہزار آدمیوں کو قتل کیا تھا اب تمہارے نواسے حسینؑ کے خون کے عوض اس کا دوگنا یعنی ایک لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کو قتل کروں گا (مستدرک امام حاکم بحوالہ منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۱۱۱) (۷) اور امام عبد بن حمید کشی نے روایت کی ہے۔ قالت ام سلمہؓ کان النبیؐ فی بیتی فجاء حسینؑ یدرج قالت فقعدت علی الباب فامسکتہ مخافۃ ان یدخل فیوقظہ قالت ثم غفلت فی بیتی فدب فدخل فقعد علی بطنہ قالت فسمعت نحیب رسول اللہؐ ۔ قالت فجئت فقلت یا رسول اللہؐ واللہ ما علمت بہ۔ فقال انما جاءنی جبرئیل وھو علی بطنی قاعد فقال اتحبہ فقلت نعم۔ قال امتک ستقتلہ۔ الا اریک التربۃ التی یقتل بھا

قال فقلت بلی - فضرب بجناحه فاتانی بهذه التربة - قالت واذا فی
یدہ تربة حمراء وهو یبکی ویقول مالیت شعری من یقتلك بعدی
یعنی ام المومنین حضرت ام سلمہ فرماتی تھیں کہ حضرت رسولخدا صلعم میرے گھر میں آرام
فرما رہے تھے - اتنے میں آہستہ آہستہ امام حسینؑ وہاں چلے آئے - وہ بیان
کرتی ہیں کہ انکو آتے دیکھکر میں دروازے پر بیٹھ گئی اور انکو اندر جانے سے
روکا اس خیال سے کہ یہ وہاں پہونچکر حضرت کو جگا دیں گے - وہ کہتی ہیں کہ
پھر میں اپنے گھر میں غافل ہو گئی تو وہ آہستہ آہستہ اندر چلے آئے اور
حضرت صلعم کے شکم مبارک پر بیٹھ گئے جسکے بعد میں نے حضرت رسولخدا کے
رونے کی آواز سنی جس پر میں فوراً وہاں گئی اور حضرتؐ سے عرض کی یا رسول اللہ
مجھے انکے آنے کی خبر نہیں ہوئی - اسپر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب حسینؑ میرے پیٹ
پر بیٹھے تھے تو جبرئیل آئے اور کہنے لگے کہ یا حضرت کیا آپ انکو بہت دوست
رکھتے اور ان سے محبت فرماتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں - اس پر انھوں نے
کہا کہ بہت جلد آپ کی اُمت اِن کو قتل کردیگی - کیا میں اُس جگہ کی مٹی
جہاں یہ قتل ہونگے آپ کو نہ دکھادوں؟ میں نے کہا اچھا دکھاؤ - بس انھوں
نے اپنا بازو مارا اور اس جگہ کی یہ مٹی مجھے اٹھا کر دے دی - ام سلمہ فرماتی
ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرتؐ کے ہاتھ میں سرخ مٹی تھی اور آپ روتے جاتے
تھے اور امام حسینؑ سے فرماتے تھے (اے بیٹا) کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میرے
بعد کون شقی تم کو قتل کریگا (مسند کشی جس کا نسخہ خان بہادر مولوی خدا بخش
صاحب وکیل مرحوم کے مشہور کتب خانہ میں بمقام پٹنہ موجود ہے) - یہ کتاب امام
ابو محمد عبد الحمید بن حمید بن نصر کشی رحمة اللہ علیہ معروف بہ عبد حمید کی
ہے جو تیسری صدی ہجری کے بہت جلیل القدر محدث بلکہ امام فن حدیث اور بہت
بڑے رکن مذہب اہلسنت تھے - سنہ ۲۴۳ھ یا سنہ ۲۴۹ ہجری میں انتقال کیا
انکی جلالة قدر اس سے واضح ہوتی ہے کہ وہ اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ میں سے تھے

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی کتاب بستان المحدثین میں انکا حال لکھا ہواہے۔ جناب مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ انکے بارے میں تحریر فرماتے ہیں "مسلم و ترمذی و دیگر محدثین اجلہ ازوے روایت دارند و بخاری در دلائل النبوۃ از صحیح خود تعلیقاً ازوے روایت کردہ ونامش عبدالحمید بردہ یعنی امام مسلم و ترمذی اور دوسرے بڑے محدثین نے ان سے روایت کی ہے اور امام بخاری نے بھی اپنی صحیح بخاری کے دلائل النبوۃ میں تعلیقاً ان سے روایت کی اور ان کا نام عبدالحمید بتایا ہے (کتاب اتحاف النبلاء صفحہ ۳۱) - یہ بزرگ صاحب مسند ہیں انکی کتاب مسند کشی کے نام سے مشہور ہے (۸) اور امام ابونعیم تحریر فرماتے ہیں عن انس بن مالک قال استاذن ملک المطران یاتی النبیؐ فاذن لہ فقال لام سلمۃ احفظی علینا الباب لاید خلن احد قال فجاء الحسین بن علی فوثب حتی دخل فجعل یصعد علی منکب النبیؐ فقال لہ الملک اتحبہ فقال النبیؐ صلعم نعم۔ قال فان من امتک من یقتلہ وان شئت اریتک المکان الذی یقتل فیہ - فضرب بیدہ فاراہ ترابا احمر فاخذتہ ام سلمۃ رضی اللہ عنہا وفی روایۃ سلیمان بن احمد فشمہا رسول اللہؐ وقال ریح کرب وبلاء فقال کنا نسمع انہ یقتل بکربلاء - یعنی حضرت انس بن مالک بیان کرتے تھے کہ بارش والے فرشتے نے خدا سے اجازت چاہی کہ حضرت رسولخدا کی خدمت میں آئے - اجازت مل گئی تو حضرت نے جناب ام سلمہ سے فرمایا کہ دروازے پر رہو تاکہ کوئی اندر نہ آنے پائے - اتنے میں امام حسینؑ آگئے اور اُچھل کر حضرت صلعم کے پاس پہونچ گئے اور وہاں حضرتؐ کے کاندھے پر چڑھنے لگے - تو حضرتؐ سے اس فرشتے نے پوچھا کہ کیا آپ ان سے محبت فرماتے ہیں؟ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہاں - تب اس فرشتہ نے کہا آپکی امت میں ایسے لوگ بھی ہونگے جو ان کو قتل کریں گے اور اگر آپ پسند کریں تو آپ کو

میں وہ جگہ بتادوں جہاں یہ ذبح کئے جائیں گے۔ اسکے بعد اس نے ہاتھ مارا اور حضرت کو سرخ مٹی دکھادی جسکو پھر ام سلمہ نے لے لیا۔ اور سلیمان بن احمد کی روایۃ میں ہے کہ پھر اس مٹی کو حضرت رسولخدا صلعم نے سونگھا اور فرمایا کہ اس مٹی سے تو کرب و بلا کی بو آتی ہے۔ حضرت انس نے بیان کیا کہ ہم لوگ سنا بھی یہی کرتے تھے کہ حضرت کربلا میں شہید ہونگے (کتاب دلائل النبوۃ جزو ثالث ص ۲۰۲ مطبوعہ حیدر آباد دکن) یہ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ جو تھی صدی کے اکابر محدثین اور اجلہ علمائے اہلسنت سے ہیں۔ بستان المحدثین وغیرہ میں انکی بہت مدح و ثنا مرقوم ہے۔ اور جناب مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی رحمۃ اللہ نے ان کے بارے میں تحریر فرمایا ہے از اعلام محدثین واکابر حفاظ دین و ثقات صوفیہ متقین ست در سنۃ سہ صد و شش متولد شد الخ یعنی امام ابو نعیم بڑے معتبر اور معزز محدثین اور اعلےٰ درجہ کے حافظان حدیث اور متقین صوفیہ متقین سے ہیں ۳۰۶ھ ہجری میں پیدا ہوئے (اتحاف النبلاء ص ۱۹۸)۔ ان کی بہت سی تصنیفات ہیں جنمیں یہ کتاب دلائل النبوۃ بھی ہے جو اپنے فن کی ایک لاجواب اور بے مثل و نظیر کتاب ہے (۹) اور ملا علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے مقتل الحسین رض اخبرنی جبرئیل ان حسینا تقیل بشاطئ الفرات یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ حسینؑ دریائے فرات کے کنارے قتل کئے جائیں گے۔ (۱۰) اتانی جبرئیل فاخبرنی ان امتی ستقتل ابنی ھذا یعنی الحسین واتانی بتربۃ من تربۃ حمراء یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور خبر دی کہ میری امت جلد میرے اس بیٹے حسینؑ کو قتل کریگی (۱۱) اخبرنی جبرئیل ان ابنی الحسین یقتل بعدی بارض الطف وجاءنی بھذہ التربۃ واخبرنی ان فیھا مضجعہ یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ

جبرئیل نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ میرے بعد زمین طف میں قتل کیا جائیگا اور میرے پاس یہ مٹی لائے ہیں اور کہا ہے کہ حسینؑ کا مزار اسی زمین میں ہوگا (۱۲) اخبرنی جبرئیل ان ابنی الحسین یقتل بارض العراق فقلت لجبرئیل ارنی تربۃ الارض التی یقتل فیھا فجاء فھذہ تربتھا۔ یعنی جبرئیل نے مجھ سے بیان کیا کہ میرا بیٹا حسینؑ زمین عراق پر قتل کیا جائیگا۔ اس پر میں نے جبرئیل سے کہا کہ مجھے اس زمین کی مٹی دکھادو جہاں یہ قتل ہونگے۔ تو وہ آئے اور یہ وہاں کی مٹی ہے (۱۳) ان جبرئیل اخبرنی ان ابنی الحسین یقتل وھذہ تربۃ تلک الارض یعنی جبرئیل نے مجھے خبر دی کہ میرا بیٹا حسین قتل کیا جائیگا اور یہ اس زمین کی مٹی ہے (۱۴) ان جبرئیل کان معنا فی البیت فقال اتحبہ یعنی الحسین فقلت اما فی الدنیا فنعم فقال ان امتک ستقتل ھذا بارض یقال لھا کربلا فتناول جبرئیل من تربتہ فارانیہ یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جبرئیل میرے ساتھ اس گھر میں تھے تو انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ ان حسینؑ سے محبت کرتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ اس پر وہ بولے کہ آپ کی امت عنقریب ان کو قتل کریگی اس زمین پر جسکو کربلاء کہتے ہیں۔ پھر جبرئیل نے وہاں کی مٹی لی اور مجھے دکھادی (۱۵)۔ ان جبرئیل اخبرنی ان ابنی ھذا یقتل وانہ اشتد غضب اللہ علی من یقتلہ۔ یعنی ارشاد نبیؐ ہے کہ جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا یہ بیٹا حسینؑ قتل کیا جائیگا اور جو اوسکو قتل کریگا اس پر اللہ کا غضب بہت ہی سخت ہوگا (۱۶) ان جبرئیل اتانی واخبرنی ان ابنی ھذا تقتلہ امتی فقلت فارنی تربتہ فاتانی بتربۃ حمراء یعنی فرمایا آنحضرتؐ نے کہ جبرئیل میرے پاس آئے تھے اور مجھے خبر دی کہ میرے اس بیٹے حسینؑ کو میری امت قتل کریگی۔ تو میں نے کہا مجھے وہاں کی مٹی دکھادو اس پر انھوں نے یہ سرخ مٹی دی۔

(۱۷) ان جبرئیل ارانی التربة التی یقتل علیہا الحسین فاشتد غضب اللہ
علی من یسفک دمہ فیا عائشہ والذی نفسی بیدہ انہ یحزننی
فمن ھذا من امتی یقتل حسینا بعدی یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ
جبرئیل نے مجھے وہ مٹی دکھائی جس پر حسینؑ قتل کیا جائیگا اس کی وجہ سے اللہ کا
غضب اس شخص پر بہت شدید ہوگا جو ان کا خون بہائیگا۔ اے عائشہ
خدا کی قسم اس خبر نے مجھے بڑا رنج و صدمہ ہے۔ یہ کون شخص میری امت
کا ہے جو میرے بعد حسینؑ کو قتل کریگا (۱۸) اوحی اللہ الی انی قتلت بیحیی
بن زکریا سبعین الفا وانی قاتل بابن بنتک سبعین الفا و
سبعین الفا یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ پر وحی نازل کی کہ میں نے
یحیی بن زکریا کے خون کی وجہ سے ستر ہزار شخصوں کو قتل کیا۔ اور اب تمہارے
نواسے حسینؑ کے خون کی وجہ سے ایک لاکھ چالیس ہزار دشمنوں کو قتل
کروں گا (۱۹) قام عندی جبرئیل من قبل فحدثنی ان الحسین یقتل
بشط الفرات وقال ھل لک ان اشمک من تربتہ۔ قلت نعم۔
فمد یدہ فقبض قبضة من تراب فاعطانیھا فلم تملک عینی ان فاضتا
یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے پاس سے ابھی جبرئیل اٹھکر گئے۔ وہ بیان
کرتے تھے کہ حسینؑ دریائے فرات کے کنارے قتل کیے جائیں گے۔ اور انھوں
نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ کیا آپ اس کو پسند کرینگے کہ میں آپ کو ان کے
قتل گاہ کی مٹی سونگھا دوں۔ میں نے کہا ہاں۔ اس پر انھوں نے اپنا
ہاتھ بڑھایا اور ایک مٹھی مٹی لے کر مجھے دی۔ اس پر میری آنکھیں نہ رک
سکیں اور ان سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے (۲۰) کانی انظر الی کلب
ابقع یلغ فی دماء اھل بیتی یعنی حضرت امام حسینؑ خود فرماتے تھے کہ رسولخداؐ
نے فرمایا کہ گویا میں ایک چتلا کتا دیکھ رہا ہوں جو میرے اہل بیت کے خون میں
منہ ڈالتا اور ان کا لہو چاٹتا ہے (کنز العمال جلد ۶ ص ۲۲۲ و ۲۲۳)

یہی ملا علی متقی رحمۃ اللہ علیہ دوسری جلد میں بھی تحریر فرماتے ہیں (۲۱) قتل الحسین رضی اللہ عنہ عن علی لما احیط بالحسین بن علی قال ما اسم الارض قیل کربلاء فقال صدق رسول اللہ ارض کرب وبلاء یعنی حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ کو دشمنوں نے گھیر لیا تو حضرتؑ نے پوچھا اس زمین کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کی کربلا۔ تو آپ بول اٹھے کہ سچ فرمایا تھا حضرت رسولخداؐ نے یہ کرب وبلا کی زمین ہے (۲۲) عن محمد بن عمر بن حسین قال کنا مع الحسین بنہر کربلا فنظر الی شمر ذی الجوشن فقال صدق اللہ ورسولہ قال رسول اللہ کانی انظر الی کلب ابقع یلغ فی دماء اھل بیتی وکان شمر ابرص یعنی محمد بن عمر بن حسین بیان کرتے تھے کہ ہم لوگ کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے ساتھ تھے۔ جب آپ نے وہاں شمر ذی الجوشن کو دیکھا تو کہا کہ سچ فرمایا اللہ اور اسکے رسولؐ نے کیونکہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ گویا میں ایک سفید داغ والے کتے کو دیکھتا ہوں کہ وہ میرے اہلبیتؑ کے خون میں منہ ڈالتا اور ان کا لہو چاٹتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ شمر واقعاً ابرص (سفید داغ والا) تھا (۲۳) عن علی قال لیقتلن الحسین قتلا وانی لاعرف تربۃ الارض التی بہا یقتل قریبا من النہرین یعنی حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ حسینؑ بہت سختی سے قتل کئے جائیں گے اور میں اس زمین کی مٹی تک کو پہچانتا ہوں جہاں یہ قتل ہونگے۔ وہ جگہ مقام نہرین کے قریب ہے۔ (کنز العمال جلد ۷ صہ ۱۱۱)۔ اور مشکوۃ شریف میں بھی یہ پیشین گوئی بہت دردناک عنوان سے موجود ہے (۲۴) عن ام الفضل بنت الحارث انہا دخلت علی رسول اللہ فقالت یا رسول اللہ انی رایت حلما منکرا اللیلۃ قال وما ھو۔ قالت انہ شدید۔ قال وما ھو۔ قالت رایت کان قطعۃ من جسدکؐ قطعت ووضعت فی حجری۔ فقال رسول اللہؐ رایت خیرا تلد فاطمۃ ان شاء اللہ غلاما یکون فی حجرکؐ فولدت فاطمۃ الحسین فکان

فی حجری کما قال رسول اللہ۔ فدخلت یوما علی رسول اللہ فوضعتہ
فی حجرہ ثم کانت منی التفاتۃ فاذا عینا رسول اللہ تہریقان الدموع
قالت فقلت یا نبی اللہ بابی انت وامی مالک قال اتانی جبرئیل ؑ
فاخبرنی ان امتی ستقتل ابنی ھذا۔ فقلت ھذا؟ قال نعم۔ و
اتانی بتربۃ من تربتہ حمراء یعنی حارث کی بیٹی ام الفضل [1] بیان کرتی تھیں
کہ ایک دفعہ میں حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی
کہ اے رسولخدا میں نے ایک بُرا خواب پچھلی رات کو دیکھا ہے۔ حضرت نے پوچھا
کیا دیکھا تھا؟ میں نے کہا یا حضرت وہ بہت سخت ہے۔ حضرت نے فرمایا کچھ بتاؤ
بھی تو کہ کیا دیکھا۔ میں نے کہا یہ دیکھا کہ گویا آپ کے جسم مبارک کا ایک
ٹکڑا کاٹا گیا اور میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ یہ سُن کر حضرت رسولخدا صلعم
نے فرمایا یہ خواب تو تم نے بہت ہی اچھا دیکھا ہے۔ انشاء اللہ فاطمہ ؑ کے ہاں ایک
بیٹا پیدا ہوگا جو تمہاری گود میں رہیگا تم اسکو دودھ پلاؤ گی۔ واقعاً ایسا ہی ہوا
کہ جناب فاطمہ ؑ کے ہاں حضرت امام حسین ؑ پیدا ہوئے جو حضرت رسولخدا ؐ کی پیشین
گوئی کے مطابق میری گود میں پرورش پانے لگے۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا
کہ میں (امام حسین ؑ کو لیکر) حضرت رسولخدا ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور
حسین ؑ کو حضرت کی گود میں دے دیا پھر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اس کے بعد
جو اُدھر پھری تو کیا دیکھتی ہوں کہ حضرت رسولخدا صلعم کی دونوں آنکھوں سے
آنسو کے دو دریا جاری ہیں۔ وہ کہتی تھیں کہ یہ دیکھکر میں گھبرائی اور حضرت
سے پوچھا کہ یا رسول اللہ میرے باپ ماں حضور پر نثار ہو جائیں کیا ہوا آپ
کیوں رونے لگے؟ حضرت نے فرمایا کہ ابھی میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تھے

---

[1] یہ ام الفضل حضرت رسولخدا صلعم کی چچی بھی تھیں اور سالی بھی۔ چچی اس طرح کہ
حضرت کے چچا جناب عباس بن عبدالمطلب کی بیوی تھیں۔ اور سالی اس طرح کہ
آنحضرت صلعم کی بیوی جناب میمونہ کی اپنی بہن تھیں (اصابہ جلد ۸ صفحہ ۲۶۶ مطبوعہ مصر)

اور مجھے خبر دی کہ میری ہی امت میرے اس بیٹے کو بہت جلد قتل کریگی۔ میں نے (گھبرا کر) پوچھا کیا اس صاحب زادے کو؟ حضرتؐ نے فرمایا ہاں۔ اور مجھ کو انکے قتل گاہ کی سرخ مٹی بھی دی ہے (مشکوۃ شریف باب مناقب اہلبیتؑ مطبوعہ لاہور جلد ۸ صفحہ ۱۴۰)

مولوی صاحب۔ اب بس بھی کروگی یا پڑھے ہی چلی جاؤگی؟ ایک ہی مضمون کو سیکڑوں کتابوں سے پڑھنے میں تمہارا دل نہیں گھبراتا؟

حسینی بیگم۔ چونکہ تم نے کہا تھا کہ آنحضرت صلعم ۱۱ہجری میں انتقال فرما گئے تھے پھر حضرت امام حسینؑ کی شہادۃ کی خبر کیسے دی جو ۶۱ھ میں واقع ہوئی۔ اس وجہ سے میں نے حدیث ہی کی اتنی بڑی اور معتبر کتابوں سے اس روایۃ کو بیان کردیا کہ تم کو یا کسی کو اسکے بارے میں کچھ بھی کہنے یا شک و شبہہ کرنے کی گنجایش نہ رہے۔ بات ایک ہی تھی مگر مختلف علماء و محدثین کی متعدد کتابوں میں اور اسی طرح مختلف صحابہ کرام و تابعین کی روایتوں سے ہے اس وجہ سے سب کو ذکر کردیا اگرچہ میں دیکھتی تھی کہ تم اس طول بیان سے گھبرا رہے ہو۔ جب خدا نے آنحضرتؐ پر اسکی وحی نازل فرمائی تھی تو کیا یہ خبر کبھی غلط ہوسکتی تھی؟

مولوی صاحب۔ ایک ہی بات اگرچہ سیکڑوں کتابوں میں ہو مگر کئی دفعہ سننے سے دل نہیں لگتا اور وہ بات بھی خلاف فصاحۃ معلوم ہوتی ہے۔

حسینی بیگم۔ مگر جو ضروری بات ہو اس کا بار بار کہے جانا عین فصاحۃ ہے۔ دیکھو خدا نے قرآن مجید سورہ رحمان (پارہ ۲۷) میں ایک ایک دو دو آیۃ کے بعد فبای الاء ربکما تکذبان (اے جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے انکار کروگے) فرمایا ہے۔ اس چھوٹی سورہ میں جس میں صرف ۷۸ آیتیں ہیں ۳۰ مرتبہ سے زیادہ خدا نے اسی آیۃ کو ذکر کیا ہے۔ تو کیا وہ بھی معاذ اللہ خلاف فصاحۃ ہی ہے؟۔

مولوی صاحب۔ تم تو ہر بات میں مجھے ہرا دیتی اور میری زبان بند کردیتی ہو

انجمن باب العلم کجھوا (صوبہ بہار) کی قابل قدر کتابیں

۱؎ عوائد نظریہ۔ صلح حضرت امام حسنؑ کے اسباب و مصالح اور مسئلہ تقیہ کی خوبیوں کے متعلق نادر تحقیقات کا ذخیرہ مصنفہ جناب مولانا سید نظیر حسین صاحب قبلہ قیمت فی جلد ۸ ؎

۲؎ رسالہ جلباب (پردہ) کی عقلی ضرورتوں، فطری مجبوریوں اور شرعی دلیلوں کے متعلق بہترین مباحث اور اعلیٰ معلومات و تحقیقات کی قابل قدر کتاب ہے۔ مصنفہ جناب خانبہادر سید محمد خلیل صاحب ایم اے منسٹر۔ قیمت ۸

۳؎ رسالہ وراثت انبیاء اور قرآن معروف بہ خلافۃ رسول۔ عقلی دلیلوں اور قرآن مجید کی آیات اور انبیاء سلف کی سیرتوں سے ثابت کیا ہے کہ حضرت رسول خداؐ کی میراث جاری ہوئی اور حضرات ائمہ طاہرینؑ آپکے حقیقی وارث اور منصوص من اللہ والرسول خلفاء تھے اور مذہب شیعہ ہی حق ہے مصنفہ جناب حاجی سید اظہار حسین صاحب صفائی۔ اکجسٹریٹ منیشر ۸

۴؎ دی قرآن اینڈ دی سکسیسرز آف محمدؐ۔ یعنی جناب حاجی صاحب ممدوح نے اپنے مذکور بالا رسالہ کا ترجمہ نہایت خوبی سے انگریزی میں کرکے چھپوایا ہے۔ قیمت ۴

۵؎ حالات جناب امیرؑ۔ فضائل و تاریخی حالات جناب امیر المومنینؑ میں ایک دلچسپ رسالہ جسکے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ قیمت فی جلد ۸

۶؎ حدیث قرطاس۔ مرزا حیرت دہلوی و مولوی شبلی صاحب نعمانی کے اعتراضات و شکوک و تاویلات کا محققانہ جواب قیمت ۴

۷؎ حدیقہ خضراء۔ حالات حضرت حجتؑ میں ایک دلچسپ مثنوی۔ قیمت ۸
رسالہ جعفریہ۔ یہ مسئلہ خلافت پر ایک دلچسپ رسالہ مصنفہ خان بہادر مسٹر محمد جعفر صاحب بی۔ اے بیرسٹر ایٹ لا قیمت ۴

۹؎ شیعوں کا اردو قاعدہ۔ بچوں کے لئے بہت مفید۔ قیمت ۱

المشتھر:۔ ناظم انجمن باب العلم کجھوا (صوبہ بہار)

(سید محمد جعفر نے مطبع اصلاح کجھوا میں چھپا کر شایع کیا)

علمی و دینی ماہوار رسالہ

نمبر ۶ و ۷ — جلد ۱۶

جمادی الثانی و رجب — سنہ ۱۳۵۵ھ

اصلاح

قواعد و ضوابط	اغراض و مقاصد
(۱) یہ رسالہ اس سال ۱۳۵۵ ہجری میں محرم سے جمادی الآخری تک ۳۲ صفحہ۔ رجب سے ذی القعدہ تک ۴۸ صفحہ ماہوار اور ذی الحجہ میں ۶۰ صفحہ شایع کیا جائیگا۔ (۲) اس کا سالانہ چندہ مع محصول ڈاک صرف ۲ ہے (۳) جو صاحب اس کے دس خریدار عنایت کرینگے اونکو ایک کتاب تصویر عزا بلا قیمت حاضر کیجائیگی (۴) جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ آنا ضروری (۵) اجرت اشتہار خط و کتابت سے طے کیجئے (چونکہ اس رسالہ کی اشاعت الله بہت زیادہ ہوگی۔ اس میں اشتہار دینے سے تاجروں کو بہت نفع ہوگا)	۶۰ صفحہ میں ایک جامع کتاب تصویر عزا کا شایع کرنا۔ جسمیں حضرت امام حسین علیہ السلام کی عزاداری ذکر مصائب۔ ماتم۔ نوحہ۔ بکا۔ مجلس۔ تعزیہ۔ دلدل علم۔ تابوت۔ دوسری شبیہیں۔ فاقہ۔ عاشورا۔ حضرت کی شہادت اور یزید کی حمایت وغیرہ کے متعلق مخالفین کے بکثرت اعتراضات اور اُن سب کے بہت تشفی بخش۔ مفصل اور محققانہ جوابات غیر مقلد شوہر اور حنفی بیوی سے دلچسپ مباحثہ کی صورت میں درج کیے گئے ہیں تاکہ کل مسلمانوں کو عزاداری کے متعلق ہر بات کا تفصیلی علم ہوجائے اور اسکی خوبی ذہن نشین ہو۔

بمقام اشاعت

سالانہ چندہ — دفتر اصلاح کھجوا ضلع بہار — دو روپیہ

باسمہ سبحانہ

الشمس

جلد ۱۶	ماہ جمادی الاخری و رجب ۱۳۵۱ھ	نمبر ۶ و ۷

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے اپنے احسان عظیم سے الشمس نمبر ۶ و ۷ بھی شایع کرادیئے جس سے کتاب تصویر عزا ۱۵۶ صفحہ تک شایع ہو کر قدر دانوں کی خدمت میں پہونچتی ہے۔ اسکی تحقیقات جامعیت اور دلچسپی کے متعلق بعض خطوط کی نقل رسالہ الشمس اصلاح میں شایع کردیجاتی ہے۔ اب اس جلد ۱۶ کے صرف پانچ نمبر (۸ تا ۱۲) اور باقی ہیں۔ ہم نے بار بار درخواست کی کہ کل حضرات صرف دو دو جدید خریدار عنایت فرماکر شکر گزار کریں مگر افسوس بہت کم توجہ ہوئی حالانکہ تصویر عزا کو تمام کرکے اور زیادہ دلچسپ اور مفید کتابوں کو رسالہ الشمس کے ساتھ شایع کرنے کا ارادہ ہے مثلاً سوانح عمری خلیفہ اول۔ سوانح عمری خلیفہ دوم وغیرہ۔ اب دو باتیں بہت ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ کتاب تصویر عزا کی قیمت جن حضرات نے ابتک نہیں بھیجی وہ فوراً بذریعہ منی آرڈر عنایت فرمائیں ورنہ انکی خدمت میں وی۔ پی حاضر ہوگا۔ جو انکو ۵ میں ملیگا۔ حالانکہ اگر وہ منی آرڈر سے بھیجدیں تو صرف ۲ صرف ہوگا دوسری یہ کہ جن حضرات نے ابتک تصویر عزا کا کوئی جدید خریدار نہیں عنایت فرمایا وہ کم از کم دو جدید خریداروں سے چندہ لیکر للعہ بذریعہ منی آرڈر عنایت فرمائیں۔ اگر ایک ماہ کے اندر صرف ۵۰۰ جدید خریداروں کے چندے بھی ہمارے پاس آگئے تو انشاء اللہ ہم آسانی سے تین مہینہ میں تصویر عزا کو مکمل شایع کرکے الشمس جلد ۱۶ شروع کردے سکتے ہیں اور سوانح عمری حضرت ابوبکر کا نہایت قیمتی اور محققانہ ذخیرہ آپ کو گھر بیٹھے ملنے لگیگا۔

شکریہ شروع سے ابتک صرف حسب ذیل حضرات نے کتاب تصویر عزا کے جدید خریدار عنایت فرماکر شکر گزار کیا (۱) جناب آغا سید مرتضی شاہ صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس میانوالی ۳۰ خریدار (۲) جناب مولوی حکیم سید ابو محمد صاحب فتحپور ضلع بارہ بنکی ۱

ٹائیٹل کا تیسرا چوتھا صفحہ بھی ضرور پڑھیے۔

قرآن کو کوئی شخص خلاف فصاحت کیسے کہ سکتا ہے۔ اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ سورہ رحمن میں خدا نے تقریباً ہر آیت کے بعد اس آیۃ کو بیان فرمایا ہے۔ سب جسطرح

حسینی بیگم۔ تم گھبرا گئے تو میں بھی اب ان پیشین گوئیوں کو ختم کرتی ہوں۔ اگرچہ ابھی بہت باقی رہ گئی ہیں اور سب ذکر کیجائیں تو سو سے کم نہ ہونگی مگر میں آخر میں صرف ایک پیشین گوئی اور بیان کر کے اسکو تمام کرونگی۔ (۲۵) حضرت غوث اعظم محبوب ربانی غوث صمدانی حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو تو خوب جانتے ہو حضرت ممدوح نے بھی اپنی مشہور کتاب میں تحریر فرمایا ہے

روی عن ام سلمہ رض انہا قالت کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی منزلی اذا دخل علیہ الحسین رض فطالعت علیہما من الباب واذا الحسین علے صدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلعب وفی ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم قطعۃ من طین ودموعہ تجری فلما خرج الحسین رض دخلت فقلت بابی انت وامی یا رسول اللہ طالعت علیک وفی یدک طینۃ وانت تبکی فقال صلی اللہ علیہ وسلم لی لما فرحت بہ وھو علی صدری یلعب اتانی جبرئیل عم وناولنی الطینۃ التی یقتل علیہا فلذلک بکیت۔ یعنی حضرت ام سلمہ بیان کرتی تھیں کہ ایک روز حضرت رسولخدا صلعم میرے گھر تشریف رکھتے تھے۔ اتنے میں حضرت کے پاس حسین رض پہونچ گئے۔ میں دروازہ سے دونوں صاحبوں کو جھانک کر دیکھنے لگی تو کیا دیکھتی ہوں کہ حضرت رسولخدا صلعم کے سینہ پر حسین ع چڑھے ہوئے کھیل رہے ہیں اور حضرت رسولخدا صلعم کے ہاتھ میں تھوڑی مٹی ہے اور حضرت کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں جب حسین ع وہاں سے نکل آئے تو میں حضرت صلعم کی خدمت میں گئی اور عرض کی اے رسولخدا صلعم میرے باپ اور ماں حضور پر نثار ہو جائیں۔ میں نے در سے جھانک کر حضور کو دیکھا تو آپ کے ہاتھ میں مٹی تھی اور آپ روتے تھے۔ وہ مٹی کیسی تھی اور حضور کیوں روتے تھے؟ اس پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حسین ع میرے سینہ پر کھیل رہے تھے اور میں انکی کھیل سے

[illegible] ہو رہا تھا تو جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے اس جگہ کی مٹی دی جہاں
میرا فرزند حسین ذبح کیا جائیگا اسی سبب سے میں رو رہا ہوں (کتاب غنیۃ الطالبین
مصنفہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۶۸۳)۔ کہو تو میں
ابھی اور سیکڑوں کتابوں سے اس پیشین گوئی کو بیان کروں۔

مولوی صاحب۔ نہیں بس کرو۔ اب بالکل ضرورت نہیں ہے۔ یقیناً
حضرت صلعم نے حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیشین گوئی کی تھی۔ اسمیں وہی
عذر کریگا جو آنکھ اور عقل دونوں کا اندھا ہو۔

سولہواں باب ۱۶

کیا امام حسین علیہ السلام یقیناً شہید ہوئے

مولوی صاحب۔ مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کیا ضرور قتل ہی ہوئے۔

حسینی بیگم۔ اس سے تمہارا کیا مطلب؟ کیا اسمیں بھی کسی کو شبہ ہو سکتا ہے

مولوی صاحب۔ ہو کیوں نہیں سکتا۔ اگر کوئی انکار کر دے تو تم روک سکتی ہو

حسینی بیگم۔ نہیں انکار کرنے کو میں کیا کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ بتاؤ اگر کوئی شخص
تم سے کہے کہ یہ زمین نہیں ہے۔ دن کو آفتاب نکلا ہو اور وہ کہے کہ نہیں ہے۔ رات
کو چاند چمکتا ہو اور وہ کہے نہیں۔ یہ بھی کہے کہ یہ مکان نہیں ہے۔ یہ تخت نہیں
بچھا ہے۔ یہ لوٹا نہیں رکھا ہے تو اوسکی زبان کو کون پکڑ سکتا ہے۔

مولوی صاحب۔ مگر یہ چیزیں تو ایسی ہیں جن سے کوئی انکار کریگا تو پاگل سمجھا جائیگا۔

حسینی بیگم۔ پھر کیا جو شخص حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے انکار کرے
وہ عاقل مانا جائیگا۔ یہ بتاؤ اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت رسولخدا محمد مصطفےٰ صلعم
پیدا ہی نہیں ہوئے تھے تو اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔

مولوی صاحب۔ اس سے کہا جائیگا کہ حضرت صلعم کے کلمہ گو آج کروڑوں دنیا میں
موجود ہیں اور کروڑوں مر گئے۔ اگر حضرت پیدا نہیں ہوتے تو اتنے مسلمان حضرت صلعم کو

پیغمبر کیونکر مانتے۔
حسینی بیگم۔ بس جتنے مسلمان آج موجود ہیں اور جس قدر مر گئے وہ سب جسطرح حضرت رسولخداؐ کو پیغمبر مانتے رہے یہ بھی کہتے رہے کہ حضرتؐ کے نواسے امام حسین علیہ السلام کربلا میں شہید ہوئے ہیں۔ کوئی عاقل ایسا نہیں ملیگا جو حضرت رسولخداؐ کے پیدا ہونے کو ماننے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے انکار کرے۔ اور جس طرح دنیا کی صحیح ترین کتابوں میں رسولخدا صلعم کا پیدا ہونا اور پیغمبری کا دعویٰ کرنا اور مکہ شریف سے مدینہ شریف ہجرت کرنا لکھا ہے بالکل اسی طرح انھیں کتابوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا جناب رسولخداؐ کا نواسا ہونا نیز سنہ ۶۱ ہجری میں شہید ہونا اور کربلا میں دفن ہونا لکھا ہے۔ ذرہ برابر دونوں میں فرق نہیں ہے۔ بلکہ یہ حضرت رسولخدا صلعم کی تاریخ ولادت سے زیادہ یقینی ہے۔
مولوی صاحب۔ ہاں ہے تو ایسا ہی۔ مگر دہلی میں ایک صاحب مرزا حیرت پیدا ہوئے تھے جو اخبار کرزن گزٹ دہلی کے اڈیٹر تھے۔ انھوں نے سنہ ۱۹۰۷ء مطابق سنہ ۱۳۲۳ ہجری میں رافضیوں کے چڑانے کو لکھدیا تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ شہید نہیں ہوئے۔
حسینی بیگم۔ ایسے ہی لوگوں کی باتوں کیطرف توجہ کیجائے تو مجھے یقین ہے کہ اگر تمہارے دوست کہدیں کہ تمہارے کان ہی نہیں ہے تو تم اپنے کو واقعاً کن کٹا مان لوگے۔
مولوی صاحب۔ تم تو مذاق کرنے لگیں۔
حسینی بیگم۔ اس میں مذاق کیا ہے۔ تم خود کہتے ہو کہ مرزا حیرت نے رافضیوں کے چڑانے کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے انکار کردیا۔ اسی طرح میں بھی کہتی ہوں کہ اگر کوئی تمہیں چڑانے کو کہدے کہ تمہارے کان نہیں ہیں تو تم اس کو سچا کہدوگے۔
مولوی صاحب۔ لیکن غرض کرد کہ رافضیوں کے چڑانے کو نہیں بلکہ واقعاً

تحقیقی طور پر کوئی شخص کہے کہ میں امام حسینؑ کی شہادت کو نہیں مانتا تو اس کو کیا جواب دیا جائیگا

حسینی بیگم - اس سے پوچھا جائیگا کہ وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم - اگر مسلمان ہے تو مسلمانوں کی صحیح ترین کتابوں کو دکھایا جائیگا - اور غیر مسلم ہے تو ان لوگوں کی کتابوں سے سمجھا دیا جائیگا۔

مولوی صاحب - مسلمانوں کی کتابیں تو زیادہ تر عربی زبان میں ہیں جن کو مولوی لوگ سمجھ سکتے ہیں - تو یہ لوگ ایسے واقعہ سے انکار ہی کیوں کرینگے - البتہ جو لوگ صرف اردو سمجھتے ہیں انکو کیونکر یقین کرایا جاسکتا ہے۔

حسینی بیگم - واہ یہ خوب کہی - اردو میں بھی بہت سی کتابیں بڑے بڑے علمائے کرام کی ہوگئی ہیں انہیں تلاش کرنے سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادۃ کا واقعہ ضرور ملجائیگا۔

مولوی صاحب - تمہارے پاس کوئی کتاب ہو تو دکھاؤ۔

حسینی بیگم - اٹھکر گئیں اور الماریوں سے چند کتابیں نکال لائیں - پھر اسطرح باتیں ہونے لگیں۔

حسینی بیگم - تم شمس العلماء حافظ مولوی ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی کو تو خوب جانتے ہو جن کا مترجم کلام شریف مسلمانوں میں پھیلا ہوا ہے - تم بھی تو انھیں کی مترجم حمائل میں تلاوت کرتے ہو - انکی کتابوں میں اگر یہ واقعہ لکھا ہو تو یقین ہوگا یا نہیں؟

مولوی صاحب - ہاں - ہاں ضرور ہوگا - ایسے محقق اور مستند علماء اب پیدا کہاں ہوتے ہیں - ان لوگوں کی تحقیق اور علمی و دینی خدمات کا تو ڈنکا بج رہا ہے وہ بڑے قابل اور قابل تعریف معلومات کے بزرگ گزرے ہیں - وہ گورنمنٹ اور پبلک دونوں میں ایسے معزز اور جلیل القدر عالم مانے گئے کہ ہندوستان بھر میں عربی علوم کا جو سب سے بڑا سرکاری امتحان "مولوی فاضل" پنجاب یونیورسٹی

اردو کی کتابوں میں واقعہ شہادت کا ثبوت

میں ہوتا ہے اسمیں عربی علم ادب کے ممتحن وہ مرتے وقت تک ہوتے رہے کیا عجب
ہمارے شیر پنجاب اور سردار فرقہ اہلحدیث مولانا ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل
اڈیٹر اخبار اہلحدیث امرتسر کے امتحان مولوی فاضل میں بھی وہ ممتحن رہے ہوں
اور انکا بھی امتحان انھیں نے لیا ہو۔

حسینی بیگم۔ بس بس اس سے زیادہ انکی قابلیت کی اور کیا دلیل چاہئے
دیکھو وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں "علی رض کے نام کے ساتھ ہمارا ذہن فاطمہ رض کی
طرف منتقل ہوتا ہے اور فاطمہ رض کے خیال کے ساتھ یہ بات بھی خواہی نخواہی خیال
میں آتی ہے کہ پیغمبر کے انتقال سے اُس وقت کے ہر ایک مسلمان کو کیا مرد کیا عورت
کیا پیر کیا لڑکے۔ کیا مہاجرین۔ کیا انصار سبھی کو قلق ہوا ہوگا مگر قلق قلق
میں فرق تھا۔ بڑا قلق فاطمہ رض کا تھا کہ ان کے حق میں گویا مصیبت کا آسمان ٹوٹ پڑا تھا
انھوں نے باپ کے مرنے کا اتنا رنج کیا اور کرنا ہی تھا کہ چھ مہینے کے اندر ہی اندر
گھل گھل کر مر گئیں اور جتنے دن جیں ہنسنا تو درکنار مسکرائی تک نہیں۔ ہم کو
جب فاطمۃ الزہرا رض کا خیال آتا ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ علی رض کو خلافہ ملجاتی
تو غمزدہ فاطمہ رض کی کچھ تو دلجوئی ہوجاتی۔ یہ خیال اور بھی زیادہ تکلیف دیتا
ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ پہلے انتخاب میں علی رض کی ناکامی نے پیغمبر صاحب کی نسل
کی اسلامی وقعت کو کم کرتے کرتے آخر کو بالکل زائل کر دیا۔ اب جو کچھ بھی اسلامی وقعت
پیغمبر صاحب کی نسل کی رہ گئی ہے وہ یہی ہے کہ درود میں آل محمد ص کا نام برائے نام
ابھی تک باقی چلا جاتا ہے۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص قوم کو کسی طرح کا
فائدہ پہونچاتا ہے تو لوگ اوسکی نسلوں تک کا احسان مانتے ہیں۔ ایک پیغمبر صاحب
تھے کہ جھگڑالوں کو لیڈروں کو بادشاہ۔ بدمعاشوں کو بھلا مانس۔ بت پرستوں کو
خدا پرست۔ نالائقوں کو لائق۔ وحشیوں کو مہذب۔ جانوروں کو انسان بناگئے
اُن کے اِن تمام احسانات کا بدلہ اُن ہی کی اُمۃ نے اُنکے نواسوں نواسیوں بہو
بیٹیوں کو جو دیا اور جیسا دیا اُس کا رونا آج تک اسلامی دنیا میں رویا جارہا ہے

اور قیامتہ تک رویا جائیگا۔ قطعہ اَتَرْجُوْ اُمَّۃٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا۔ شَفَاعَۃَ جَدِّہٖ يَوْمَ الْحِسَابِ ✦ فَلَا وَاللّٰہِ لَيْسَ لَهُمْ شَفِيْعٌ۔ وَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الْعَذَابِ (جس امتہ نے حسینؓ کو قتل کیا کیا وہ اس بات کی امید رکھتی ہے کہ قیامتہ کے روز اُنکے نانا کی شفاعتہ اُسے نصیب ہوگی قسم خدا کی اُس روز اُن کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور وہ قیامتہ کے دن مبتلائے عذاب ہوں گے) پیغمبرؐ کی نسل کے ساتھ اُنکی اُمتہ کا برتاؤ جو کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی ہوا نامناسب ہوا بیجا ہوا" (کتاب امہات الامۃ مطبوعہ دہلی صفحہ ۹۴)۔ اس عبارت میں مجھے صرف اس جملہ سے مطلب ہے "جس امتہ نے حسینؓ کو قتل کیا" جس سے معلوم ہوا کہ ممدوح نے امام حسینؓ کے قتل کو مانا۔ پھر ممدوح لکھتے ہیں "علیؓ اور معویہ کی نزاع کا انجام یہ ہوا کہ مقام صفین میں دونوں کے لشکر صف آرا ہوئے اور طرفین کے تیس ہزار آدمی مارے گئے اور آخر کار ابو موسی اشعری علی رضؓ کیطرف سے اور عمرو بن العاص معویہ کیطرف سے حکم قرار پائے کہ جسکو خلیفہ قرار دیں وہی خلیفہ۔ عمرو بن العاص معویہ کا وزیر تھا اور وہ بھی معویہ کیطرح بڑے جوڑ توڑ کا آدمی تھا ع وزیرے چنیں شہر یارے چناں۔ اس نے ابو موسیٰ کو دھوکا دیکر اپنے تئیں حکم مستقل بنایا اور علی رضؓ کو خلافتہ سے معزول کردیا۔ علیؓ اور کوفیوں نے جو علی رضؓ کے مددگار تھے عمرو بن العاص کے فیصلہ کو نہ مانا اور خلافتہ بدستور دو عملی میں رہی۔ کوفیوں کے خلیفہ علی رضؓ اور عراقیوں اور شامیوں کے معویہ۔ یہاں تک کہ علیؓ عبدالرحمان بن ملجم کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ اور ادھوری اور متنازع فیہ خلافتہ کے لئے کوفیوں نے حسن رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آخر حسنؓ نے خلافتہ کے دردِ سر کو اپنی اور عامہ مسلمین کی عافیتہ میں خلل انداز سمجھکر یہ کالا بد معویہ کے سر ماری۔ پھر بھی معویہ کو نسلِ اہلبیتؑ کیطرف سے کھٹکا لگا رہا۔ اور اُس نے اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعتہ لینی شروع کی۔ حسینؓ نے کیا انکار دونوں میں لڑائی ٹھنی۔ اس لڑائی کا جو کچھ انجام ہوا آج تک مسلمان اس کو روتے پیٹتے ہیں اور اسکے سوا وہ کر بھی کیا سکتے ہیں ے

نماند ستمگار بد روزگار بماند برو لعنة پایدار
پنداشت ستمگر کہ جفا بر ما کرد برگردن او بماند و بر ما بگزشت"
(دیکھو امہات الامہ صہ ۱۳۱)

مولوی صاحب۔ اس شعر میں تو یزید وغیرہ پر لعنۃ بھی کردی اور مولانا نذیر احمد صاحب نے اس کو نقل کر گئے بتایا کہ وہ بھی سبھوں پر لعنت کرتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ مولانا ممدوح ہی یہ بھی تحریر فرماتے ہیں "علیؓ کے دوسرے فرزند حسینؓ نے معویہ کے بیٹے یزید کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا اور کوفہ میں آکر اپنی خلافت پر لوگوں سے بیعت لی۔ جس کا نتیجہ وہ ہوا جو سب کو معلوم ہے۔۔۔ حسینؓ قتل ہوئے پیچھے عبد الملک بن مروان نے انکے صاحبزادے زین العابدینؓ کو قید میں رکھا اور آخر کار زہر دیکر مار ڈالا" (امہات الامہ صہ ۹۵)۔ ایک جگہ اور تحریر فرماتے ہیں "بی بی ام سلمہ کا انتقال شوال کے مہینہ سنہ ۶۲ ہجری میں ہوا اس وقت انکی عمر ۸۴ برس کی تھی۔ ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں ان ہی کا انتقال ہوا۔ انکے انتقال سے کچھ پہلے سنہ ۶۱ ہجری میں حسینؓ بن علیؓ موضع کربلا میں شہید ہوئے۔ بی بی ام سلمہؓ نے مدینہ میں اُسی روز اس واقعہ کی خبر شائع کردی تھی چنانچہ ترمذی میں ابو رافع کی بیوی سلمیٰ سے روایۃ ہے کہ میں ایک روز بی بی ام سلمہ کے پاس گئی دیکھتی ہوں کہ وہ زار وقطار رو رہی ہیں۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا تو لگیں کہنے میں نے ابھی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اس وحشت ناک حالت میں دیکھا کہ آپ کے سر اور ڈاڑھی مبارک کے تمام بال خاک آلود ہو رہے ہیں۔ فرمایا ام سلمہ! میں ابھی ابھی مقتل حسین میں گیا تھا اور وہیں سے آرہا ہوں۔ سلمیٰ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے چند روز بعد میں نے سُنا کہ قتل حسینؓ کی خبر مدینے کے ہر چہار طرف گشت کر رہی ہے"۔ (امہات الامۃ صہ ۱۲۱)۔ ایک اور مقام پر لکھا ہے "پیغمبر صاحب کی صاحبزادی فاطمۃ الزہراؓ آپ کے چچا زاد بھائی علی ابن ابیطالبؓ سے بیاہی گئیں اور ان سے تین صاحبزادے

حسنؓ حسینؓ ۔ محسن رضی اللہ عنہم اور دو صاحب زادیاں ام کلثوم اور زینب
پیدا ہوئیں ۔ محسن تو حالت رضاعت ہی میں انتقال کر گئے اور حسن و حسین
بڑے ہو کر صاحب اولاد ہوئے حسنؓ نے آخر میں زہر کے صدمے سے وفات
پائی اور حسینؓ معرکہ کربلا میں شہید ہوئے (امہات الامہ صے ۵۷) ۔ اور مولانا
ابو الکلام آزاد دہلوی کو بھی تم خوب جانتے ہو جنکی قابلیت کا شہرہ ہے انہوں
نے اخبار وکیل امرتسر ۔ اپنے اخبار الہلال والبلاغ کلکتہ وغیرہ میں بہت سے
مضامین حضرت کی شہادۃ پر لکھے ہیں ۔ حال میں اخبار حقیقت لکھنؤ نے بھی موصوف
کا ایک مضمون "فلسفہ شہادت" کی سرخی سے شایع کیا ہے (دیکھو اخبار حقیقت لکھنؤ
مورخہ ۱۵ و ۱۶ محرم ۱۳۵۱ ہجری) تمہارے شیر پنجاب مولانا ثناء اللہ صاحب
امرتسری مولوی فاضل واڈیٹر اخبار اہلحدیث و سردار فرقہ اہلحدیث نے بھی اپنے
اخبار اہلحدیث امرتسر میں بچیسوں مضمون شہادۃ پر لکھے ہیں ۔ جن سب میں اقرار
کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام ۱۰ محرم ۶۱ ہجری کو کربلا میں شہید ہوئے ۔ اور
جناب مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی نے جو کیسے محترم رکن مذہب
اہلسنت کے ہیں اس بحث میں ایک مستقل کتاب ہی لکھدی ہے جس کا نام ہے
"شہادت حسینؓ" اس کے پہلے صفحہ پر یہ عبارت لکھی ہے "شہادت حسین
یعنی حضرت سید الشہداء امام ہمام جناب سیدنا و مولانا امام حسین علی جدہ و
علیہ الصلوۃ والسلام کی شہادۃ کا ثبوت احادیث صحیحہ و کتب تواریخ و سیر معتبرہ
سے ۔ اور جناب مرزا حیرت دہلوی کے اعتراضات اور شکوک و شبہات کی تردید
اور اسکے جوابات ہم اہلسنت والجماعۃ کی طرف سے" (رسالہ شہادۃ حسین صے ۱)
اس رسالہ کو محمد رح نے بشیر ہند پریس امرتسر میں چھپوا کر شایع کر دیا تھا ۔

مولوی صاحب ۔ ہاں ہاں مدۃ ہوئی میں نے بھی وہ رسالہ دیکھا تھا ۔ واللہ
بڑی قابلیت اور جامعیت سے لکھا ہے اور اچھی تحقیقات جمع کی ہیں ۔ تمہارے
پاس وہ ہے یا نہیں ۔

حسینی بیگم - ابا جان نے بڑی کوشش سے اسکے دو نسخے منگائے تھے - ایک خود رکھا ایک مجھے دیا - میں تو اسکو کئی مرتبہ پڑھ گئی ہوں - بعض بعض جگہ تو واقعہ شہادت کے متعلق خوب ہی تحقیق کی داد دی ہے -

مولوی صاحب - آج مجھے کوئی ایسا ضروری کام نہیں ہے - لاؤ اسی میں جی بہلایا جائے - اس رسالہ کو بھی نکالو اور مختلف جگہ سے اسکی کچھ عبارتیں پڑھو -

حسینی بیگم گئیں اور الماری سے رسالہ "شہادت حسین" نکال لائیں -

مولوی صاحب - رسالہ تو بہت مختصر ہے -

حسینی بیگم - مگر تحقیقات کا جوہر بھی ہے - میرے اختیار میں ہو تو اسکے کئی ہزار نسخے چھپوا کر مسلمانوں میں مفت بانٹ دوں -

مولوی صاحب - اچھا کچھ پڑھو -

حسینی بیگم - سنو - مولانا ممدوح تحریر فرماتے ہیں "نہ شہادت کا واقعہ ہمارے یا کسی سنی کے نزدیک جزو ایمان ہے اور نہ اسے اسلام و ایمان کا کوئی رکن سمجھتا ہوں - ہاں یہ میرا عقیدہ ہے کہ اسلام میں یہ واقعہ ایک بہت ہی عجیب و غریب سخت دردناک دل سوز اور مصیبت انگیز واقعہ ہوا اور کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی شہادۃ کمال تواتر سے ثابت ہے - یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ کسی ولی و بزرگ خلفائے اربعہ رض اور خود حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات شریف کا واقعہ یا تاریخ وغیرہ اس تواتر سے ثابت نہیں جیسا کہ سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ ثابت ہے - خلفاء کی وفات کی تاریخوں میں اختلاف - خود حضور انور صلعم کی وفات شریف کی تاریخوں میں اختلاف لیکن امام مظلوم ع کی شہادت میں ذرا اختلاف نہیں - تمام احادیث و تواریخ وغیرہ سے بالاتفاق ثابت ہے کہ امام حسین ع دسویں محرم کو کربلا میں شہید ہوئے - پھر ایسے مسلم اور کھلے واقعہ کا انکار ظلم نہیں تو کیا ہے - اگر ایسا ہی ہے تو پھر دنیا میں کون سا واقعہ سچا ہو سکیگا اور ایک متواتر واقعہ کا انکار بالکل عقل و فہم کے خلاف ہے خصوصاً جب کہ وہ

تواتر بھی اس درجہ کو پہونچ گیا ہو کہ نہ اسلامی دنیا بلکہ تمام تاریخی و علمی دنیا اسے تسلیم کرتی ہے اور تمام محققین اسکے تواتر کو اور اس واقعہ کو صحیح مانتے ہوں اس کا انکار کرنا عقل و دانش سے بالکل بعید ہے۔ چنانچہ عیسائی مورخوں نے بھی اپنی کتابوں میں شہادت امام مظلوم کا ذکر کیا ہے مسٹر جیمس کارکرن صاحب مورخ جو مترجم صدر دیوان عدالت کلکتہ تھے جنھوں نے تاریخ چین لکھی اور ۱۸۴۸ء میں دو جلدوں میں بزبان اردو طبع کرا کے شایع کی۔ اونھوں نے تاریخ چین دفتر دوم باب سولہ میں جہاں مغلوں اور ختائیوں کی لڑائیوں اور بہادریوں کا ذکر کیا ہے یوں تحریر فرمایا ہے ... اسی طرح علامہ جرجی زیدان مصری عیسائی اڈیٹر الھلال جو علوم مشرقیہ و مغربیہ میں اس وقت دنیا میں اپنی آپ نظیر ہیں اونھوں نے بھی تمام اسلامی تاریخوں اور صحیح روایتوں سے شہادت امام حسین کے واقعات کو جمع کر کے عربی زبان میں ایک کتاب غادۂ کربلا لکھی ہے اور اسمیں شہادت کے دردناک واقعات درج کیے ہیں وہ چھپ کر مصر میں شایع و ذائع ہے۔ اسی طرح محققین اور غیر اقوام کے مورخین نے بھی اس واقعہ کی تصدیق اور اس کا تذکرہ کیا ہے" (رسالہ شہادت حسین ص ۳) پھر لکھتے ہیں "باتفاق کتاب سر الشہادتین حضرت مولانا شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ہی تصنیف ہے اور کوئی روایت اسکی بے سند نہیں پائی جاتی۔ اور حضرت شاہ صاحب نے فقط سر الشہادتین ہی میں نہیں بلکہ اپنی تفسیر میں بھی امام عالی مقام کی شہادت کا ذکر کیا ہے اور اپنی مناظرہ کی کتاب تحفۂ اثنا عشریہ (جو شیعوں کی تردید میں لکھی گئی ہے) میں بھی اس کا جا بجا مذکور کیا ہے ... اور صرف شاہ صاحب ہی نہیں اون کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جو فن حدیث کے بڑے نقاد گزرے ہیں اپنی تصنیفات میں امام علیہ السلام کی شہادت اور اس بارے میں رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کو بیان فرمایا ہے" (ص ۴۴) پھر لکھا ہے "ناظرین! اسلام میں جب سے تالیف و تصنیف کی بنیاد پڑی

اور احادیث اور تاریخی واقعات قلمبند ہونے لگے۔ اُس وقت سے اس وقت یعنی دوسری صدی کے آخر سے چودھویں صدی ہجری کے شروع تک جتنی کتابیں اسلامی تاریخ کی کہلاتی ہیں اور جن کو محدثین و مورخین نے جمع کیا ہے سب کی سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام شہید کربلا ہیں ایسے تواتر کا انکار کرنا ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کوئی عاقل کیونکر تسلیم کر سکتا ہے اور متواترات کا جواب متواترات ہی سے ہونا چاہیئے نہ کہ کسی قصہ و کہانی سے۔ بارہ سو برس کے محدثین و مورخین اور کافہ امت کو محض غلطی اور دھوکے پر قرار دینا خود اپنے نفس کا ایک بہت بڑا دھوکا اور فریب ہے۔ طبقات صحابہ میں ہم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے ان کے مصنفین ایک ملک یا شہر کے رہنے والے نہ تھے بلکہ مختلف بلاد و انصار کے۔ ابن سعد بغدادی ہیں۔ ابن اثیر شامی ابن حجر مصری اور ابن عبد البر اندلسی۔ اندلس پر ہمیشہ بنی امیہ حاوی رہے اور اُنکی وہاں ایک مستقل سلطنت تھی۔ وہاں کے اکثر علما حُبِّ اموئیت میں سرشار تھے۔ جیسے ابن عربی مالکی اور ابن خلدون وغیرہما۔ مگر کسی عالم نے امام حسینؑ کے واقعہ شہادت کو غلط نہیں بتایا بلکہ قرطبی وغیرہ نے اس واقعہ کو بہ تفصیل تمام ذکر کیا ہے۔ ہاں امام حسین علیہ السلام کو کچھ لوگ برسر غلط اور باغی بتاتے تھے بلکہ معاذ اللہ من ذلک۔ لیکن اصل واقعہ سے انکار نہ تھا.... مگر یہاں معاملہ برعکس ہے۔ مدعی سست و گواہ چست۔ یعنی بنی امیہ بھی اس واقعہ شہادت کو غلط نہ بتائیں بلکہ سچ سمجھیں اور جناب مرزا حیرت صاحب اس کو غلط بتائیں ذلک عجب عجاب... ناظرین اب اور آگے چلیئے۔ ہمارے محدثین کے تعلقات فقط متون حدیث ہی تک محدود نہ رہے۔ واقعات عالم اور انقلابات سلطنت کیطرف بھی اُنکی نگاہیں تھیں اور اُنکو قلمبند کرتے جاتے تھے۔ دوسری صدی کے آخر میں تاریخ کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا تھا اور یوماً فیوماً مستند تاریخوں کا مجموعہ و ذخیرہ تیار ہوگیا اور تیسری صدی کے مشہور مولفات سے اس وقت دو تاریخیں میرے یہاں موجود ہیں۔ ایک کتاب

الامامتہ والسیاستہ ابن قتیبہ دینوری کی جنہوں نے ۲۷۰ھ میں انتقال کیا۔ یہ کتاب اسی سال مصر میں چھپی ہے۔ دوسری کتاب تاریخ طبری ہے جو اسلامی دنیا میں نہایت ہی شہرۂ آفاق اور ہر زمانہ میں اس پر بہت ہی اعتماد کیا گیا ہے۔ یہ مصر میں طبع ہوئی ہے۔ علامہ ابن خلدون اور علامہ ابن اثیر وغیرہ اسی کے خوشہ چین ہیں۔ اسکی روائتیں بقاعدہ اہل حدیث حدثنا اور اخبرنا کرکے ہے.....
ان سب کتابوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ بتفصیل تمام درج ہے۔ مرزا حیرت جب تک ان قدیم تاریخوں سے جن کو ابتدائی تاریخ و کتاب ہونے کا حق ہے پہلے کی کوئی کتاب تاریخ ابطال شہادت میں نہ پیش کریں اور اسکی روایات کو محدثین کے قاعدے پر پرکھ کر بتائیں کوئی عاقل کب ادھر توجہ کرسکتا ہے۔
اب خاص کتب حدیث کو ملاحظہ فرمایئے۔ اسلامی دوسری صدی سے سلسلۂ تالیفات شروع ہوگیا تھا اور چوتھی صدی تک ایک مضبوط ذخیرہ طیار ہوگیا جس میں موطا امام مالک بن انس اور مسند امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ اور صحاح ستہ وغیرہ مشہور و متداول ہیں۔ موطا میں مراسیل و موقوف اخبار بہت ہیں۔ اس لئے مسند امام احمد اور جامع صحیح (صحیح بخاری) امام بخاریؒ کی اس سے زیادہ کارآمد اور مبسوط ہے اور ان تمام کتب میں جامع صحیح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اصح الکتب کہلاتی ہے اور عامہ اہل علم اسکی صحت پر متفق ہیں۔ اسکی حدیث کو موضوع کہنا تو بڑی بات ہے کوئی ضعیف بھی نہیں کہہ سکتا۔ اس کتاب کی حدیثیں اور واقعات بالکل صحیح ہیں مگر یہاں بھی مجھے حسرت سے یہی لکھنا ہوتا ہے کہ... شہادت امام حسین علیہ السلام کا اس میں مذکور ہوا ہے۔" (رسالہ شہادت حسین صہ ۱۳) پھر ایک جگہ مولانا ممدوح تحریر فرماتے ہیں" اب غور کرنا چاہیئے کہ یہ پیشین گوئی شہادت کس قدر کثرت طرق سے مروی ہے۔ اگر اس پر تواتر معنوی کا بھی حکم لگایا جاوے تو شاید بے جا نہ ہوگا حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ اور خود حضرت امام حسینؑ اور حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم۔ اور حضرت امہات المومنین حضرت

عائشہ ۔ حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب بنت حجش رضی اللہ عنہن اور والدہ ابن عباس حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہما نے اس پیشین گوئی کی روایت کی ہے اور ہر طبقہ کے محدثین اسکو اپنی کتابوں میں سند کرتے آئے ہیں ۔ مثل امام احمد بن محمد بن حنبل ۔ ابن ابی شیبہ ۔ عبد بن حمید کشی ۔ ابو داؤد بروایتے ۔ ابن سعد طبری ۔ حاکم ۔ عبد الرزاق ۔ ابو نعیم ۔ ابو یعلے ۔ ابن عساکر ۔ طبرانی ۔ وخطیب اور بیہقی وغیرہم رحمہم اللہ تعالی اور پھر ان سے اکابر محدثین وعلماے محققین نقل کرتے آئے ہیں ۔ جیسے ابن تیمیہ ۔ ابن قیم ۔ نودی ۔ ابن صلاح ۔ سبکی ۔ ابن سبکی ۔ قاضی عیاض ۔ بیضاوی ۔ غزالی ۔ ابن عربی ۔ قرطبی ۔ ذہبی ۔ مزی ۔ ابن اثیر ۔ ابن حجر عسقلانی ۔ ابن حجر مکی ۔ عینی ۔ سخاوی ۔ سمہودی ۔ شعرانی اور جلال الدین سیوطی ۔ شیخ علی متقی ۔ شیخ عبد الحق ۔ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ۔ اور کسی محدث نے ابتداء زمانہ تالیف وتصنیف احادیث سے لیکر آج تک اصل پیشین گوئی شہادت کو موضوع نہیں کہا ۔ موضوعات صغانی ابن جوزی ۔ موضوعات سخاوی موضوعات سیوطی ۔ موضوعات ملا علی قاری موضوعات شوکانی شائع وذائع ہیں ۔ مگر ان کتابوں میں اصل واقعہ کی حدیث کو نہ موضوع کہا گیا اور نہ اشارۃً وکنایۃً بھی کسی نے اس پیشین گوئی کا انکار کیا ۔

علماے اندلس جو خاص بنی امیہ کی سطوت وجبروت میں تھے وہ بھی اس واقعہ کو چھپا نہ سکے اور اکابر محدثین وعلماے اندلس مثل ابو عمرو ۔ قرطبی ۔ ابن حزم ۔ حمیدی ۔ ابن عربی مالکی ۔ ابن عربی صوفی ۔ ابن عبد ربہ ۔ مقری وغیرہم رحمہم اللہ تعالے اپنی تصانیف وتوالیف میں برابر شہادت امام حسین علیہ السلام کا مذکور کرتے آئے اور انکی کتابیں ہم لوگوں کے ہاتھوں میں موجود اور شائع وذائع ہیں ۔ ناظرین بالتمکین یہ تو آپ بخوبی معلوم کر چکے کہ صحاح وسنن ومسانید اور تمام حدیث کی کتابیں اور اسماء تواریخ وسیر وغیرہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر متفق ہیں اور تمام دنیا اور سارا جہان آپ کو شہید کربلا جانتا اور کربلا میں آپکی شہادت کو مانتا ہے " ۔ رشہاد

حسین صاحب) اگر کہو تو اس کتاب کا اقتباس کچھ اور پڑھوں یا بس کردوں۔
مولوی صاحب۔ نہیں بس۔ اس کتاب سے تو بہت عبارتیں پڑھ چکیں۔ اب کسی اور کتاب کا مضمون سناؤ۔
حسینی بیگم۔ دیکھو جناب شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی صاحب علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں" اب اسلام میں ہاشمی اور اموی دو طاقتیں حریف مقابل بنکر قائم ہوئیں اور اُنکے باہمی معرکہ آرائیوں کی مسلسل تاریخ شروع ہوگئی۔ امام حسن ع نے گو معلقہً خلافت سے ہاتھ اُٹھالیا اور بظاہر معویہ کی حکومت بے داغ رہگئی لیکن اسی زمانہ میں آل ہاشم و شیعگان علیؑ نے حضرت امام حسینؑ کو خلیفہ کرنا چاہا۔ اور جب انھوں نے انکار کیا تو انکے علاتی بھائی محمد بن حنفیہ کے ہاتھ پر خفیہ بیعت کی اور اکثر شہروں میں نقیب مقرر کیے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے جانکاہ واقعہ کو ہم دوہرانا نہیں چاہتے۔ افسوس ہے کہ اس عبرت انگیز حادثہ نے خاندان نبوت کی تمام زندہ یادگاریں مٹادیں"۔ (المامون ص۱۳)
اور مولانا موصوف نے ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہے جس کا نام ہے" موازنہ انیس و دبیر" جس میں واقعات کربلا کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اگر اس کتاب کی عبارت پڑھنی شروع کروں تو کئی دن اسی میں صرف ہوجائیں۔
مولوی صاحب۔ ہاں اس کتاب سے کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسمیں تو شروع سے آخر تک یہی باتیں ہیں۔ میر انیس اور مرزا دبیر صاحبان کے کلام میں فرق دکھایا ہے اور ہر واقعہ کربلا کو ویسا ہی یقینی مانا ہے جیسا میر صاحب اور مرزا صاحب کے وجود کو۔ مگر یہ لوگ زیادہ تر حنفی فرقہ کے علماء تھے اہلحدیث علماء میں صرف ایک جناب مولانا ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اخبار اہلحدیث امرتسر کا نام تم نے لیا ہے کیا اور کسی بزرگ کی کتاب اردو زبان میں نہیں ہے جس میں واقعہ کربلا کو یقیناً ذکر کیا ہو۔
حسینی بیگم۔ ہے کیوں نہیں۔ بہت سی کتابیں ہیں۔ ریاست حیدرآباد دکن

کے استاد جناب مولانا وحید الزماں خاں صاحب وقار الملک ایدہ اللہ مقامہ کی کتاب انوار اللغۃ ہی کو دیکھ لو کہ سیکڑوں جگہ اس واقعہ کو لکھا ہے مثلاً "ایک روایت میں من راس الستین ہے یعنی ساٹھویں سال سے ابو ہریرہ اسی سال سے پناہ مانگا کرتے تھے آخر اوس سے پہلے گزر گئے۔ اسی سال میں امام حسینؑ کی شہادت ہوئی یزید پلید بادشاہ ہوا" (انوار اللغۃ پارہ ۲ صفحہ ۱۴۲) "ادہ لفراخ محمد من خلیفۃ یستخلف افسوس ہے محمدؐ کی آل کو ایک خلیفہ سے (کیسا صدمہ پہونچیگا) جو خلیفہ بنایا جائیگا مراد یزید ہے جسکی وجہ سے امام حسینؑ اور آپکی آل کو کیسا صدمہ پہونچا (پارہ ۱ صفحہ ۶۶)" "ایک چھنال عورت کتے کے سبب سے بہشت میں گئی رحم کر کے اوسکو پانی پلایا تھا مگر ابن زیاد کے ساتھیوں نے آنحضرتؐ کے جگر گوشوں پر رحم نہ کیا اونکو پیاسا شہید کیا بھلا یہ بہشت میں کیونکر جا سکتے ہیں" (پارہ ۲ صفحہ ۱۵۹) "ہائے محمدؐ کے بچوں کا ایک ناپاک دنیا کے مزدوں میں ڈوبے ہوئے خلیفہ کی وجہ سے کیا حال ہونا ہے مراد یزید مردود ہے جس نے آنحضرتؐ کی آل کو تباہ و برباد کیا۔ ایسی ایسی مصیبتیں اون پر ڈالیں جن کے لکھنے سے قلم تھراتا ہے" (پارہ ۳ صفحہ ۱) "اسی لئے امام (حسین علیہ السلام) اوس ردے قواعد اسلام دین کی حفاظت کے لئے اوس (یزید) کے مخالف ہوئے اور شہادۃ کا درجہ حاصل کیا" (پارہ ۵ صفحہ ۱۹) "سبحان اللہ سعد تو پیغمبر کے ایسے جان نثار تھے اور انکا نالائق بیٹا عمر بن سعد ایسا نکلا کہ رے کی حکومت کی طمع میں امام حسینؑ کو شہید کرایا بقول شخصے ولی کے گھر شیطان پیدا ہوا" (پارہ ۵ صفحہ ۴۳) مولانا موصوف بڑے پر جوش حامی دین حق تھے۔ ایک مقام پر تحریر فرمایا ہے "حجاج بن یوسف ظالم شقی نے سنان بن یزید نخعی سے پوچھا تو نے امام حسینؑ کو کیونکر قتل کیا۔ وہ مردود کہنے لگا میں نے آپ کو برچھے سے ڈھکیلا اور تلوار سے کاٹ ڈالا۔ واہ رے ملعون نطفۂ حرام۔ ارے پیغمبرؐ کے محبوب فرزند کو یوں ظلم سے قتل کرے اور پھر فخریہ بیان کرے۔ اوس پر مسلمانی کا دعویٰ۔ یعنی

کہتے ہیں شمر ملعون نے آپ کو برچھا مارا اور سنان نے تلوار لگائی۔ جب آپ گھوڑے پر سے گر پڑے تو خولی نے سر مبارک تن سے جدا کیا۔ بہر حال آپکے قاتل یہ تینوں ملعون ہیں۔ شمر اور سنان اور خولی۔ یہ سب قیامت کے دن دوزخ کے کندے ہونگے۔ چنانچہ خود حجاج نے سنان سے یہ سنکر کہا قسم خدا کی تم دونوں بہشت میں اکٹھا نہ ہوگے" (پارہ ۸ صـ۳۹)۔ پھر لکھا ہے "زیاد کا بیٹا عبید اللہ تھا جو لشکر عظیم لے کر امام حسینؑ سے لڑا اور آپ کو شہید کرایا۔ عبید اللہ کے کرتوت سے تو یہ یقین ہوتا ہے کہ اوس کا باپ حرام زادہ تھا اور معاویہ کی کارروائی بباطن صحیح تھی گو ظاہر شرع کی رو سے غلط اور خلاف قانون تھی۔ اس روایت سے انصاف پسند لوگ یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ معویہ کس قسم کے آدمی تھے اور وہ خلفائے راشدین میں سے شمار ہونے کے قابل ہیں یا نہیں۔ اہلسنت کے عقائد کی کتابوں میں اسکی تصریح ہے کہ معاویہ دنیاوی بادشاہوں میں سے تھے نہ خلفائے راشدین میں سے کس لئے کہ خلافت راشدہ امام حسن علیہ السلام پر ختم ہوگئی اور حدیث شریف کا بھی یہی مضمون ہے۔ اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے جو لکھا ہے اما خلافۃ معویۃ فصحیحۃ ثابتۃ بعد خلع الحسنؑ بن علیؑ تو یہ حدیث نبوی کے خلاف ہے الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ۔ اس وجہ سے ہم شیخؒ کا قول قبول نہیں کر سکتے۔ اور جب معاویہ باوجود قریشی ہونے کے خلیفہ نہ ہوئے تو اور کوئی مغل یا ایرانی یا افغانی ڈاڑھی منڈا شرع کے خلاف چلنے والا کیونکر خلیفۃ المسلمین ہو سکتا ہے۔ غایۃ ما فی الباب یہ ہے کہ اگر کفر نہیں کرتا تو اس کو بادشاہ اسلام کہیں گے" (پارہ ۸ صـ۴۶) ایک اور جگہ تحریر فرمایا ہے "آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ میں نے کہا خیر تو ہے۔ آپ کیوں رونے لگے۔ فرمایا جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھکو یہ خبر سنائی کہ میری امت عنقریب میرے اس بیٹے کو قتل کریگی۔ یعنی امام حسین علیہ السلام کو۔ میں نے کہا ہاں اس کو؟ کہنے لگے ہاں اسکو! اور ایک لال مٹی لیکر آئے یعنی کربلا کی جہاں جناب امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے۔ اس حدیث

کو حاکم نے روایت کیا اور کہا صحیح ہے۔ بخاری مسلم کی شرط پر صحیح بخاری میں انس بن مالک اور عبداللہ بن عمر اور امام زین العابدینؑ سے روایات صحیحہ مسندہ موجود ہیں جن سے امام حسینؑ کا قتل ہونا ثابت ہے۔ اور ترمذی نے بی بی ام سلمہ سے روایت کی کہ انھوں نے خواب میں آنحضرتؐ کو پریشان حال دیکھا۔ سبب پوچھا تو فرمایا میں ابھی وہاں گیا تھا جہاں حسینؑ مارا گیا۔ اور تمام اہل تاریخ اور سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام کربلا میں شہید کئے گئے اور آپکا سر مبارک پہلے ابن زیاد ملعون پھر یزید پلید پاس لایا گیا۔ اس پر بھی جو کوئی آپکی شہادت کا انکار کرے وہ محض بے وقوف اور جاہل ہے" (پارہ ۹ صہ ۱۳)۔ اس کتاب سے ایک عبارت اور سنا کر ختم کرتی ہوں۔ جو خاص مرزا حیرت دہلوی کے انکار اور پھر ان کے انجام کے متعلق ہے۔ لکھتے ہیں" لاشبع اللہ بطنہ یا بطنک۔ آنحضرتؐ نے معویہ بن ابی سفیان کے حق میں فرمایا اللہ اوس کا پیٹ نہ بھرے۔ یا اللہ تیرا پیٹ نہ بھرے۔ بس یہی ایک حدیث معویہ کے باب میں وارد ہے۔ خواہ اس کو مذمت سمجھو یا منقبت۔ امام نسائی نے جب حضرت علیؑ کے فضائل بیان کرنا شروع کئے تو ایک شخص نے اُن سے کہا تم نے معویہ کی فضیلت میں بھی کوئی کتاب لکھی ہے؟ انھوں نے کہا معویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ البتہ ایک حدیث تو ہے لا اشبع اللہ بطنہ۔ اس پر خارجی اور ناصبی مردودوں نے آپکو مارنا شروع کیا یہاں تک کہ آپ اوسی صدمہ سے شہید ہوئے رضی اللہ عنہ۔ ہمارے زمانہ میں بھی اہلبیت علیہم السلام کی ایک کرامت ظاہر ہوئی۔ جیسے اولیاء اللہ سے بعد وفات بھی ایسی کرامتیں ظاہر ہوا کرتی ہیں۔ وہ یہ کہ ایک سید محب اہلبیتؑ نے معاویہ کے حالات منقصت آیات میں ایک کتاب لکھی۔ یہ امر جھوٹے سنیوں کو جو درحقیقت خارجی اور ناصبی ہیں ناگوار ہوا اور معویہ کی طرفداری میں اوس بیچارے سید کو اخراج اور ملک بدر کرانا چاہا۔ اللہ کی قدرت چند ہی روز میں ان طرفداران معویہ پر عتاب شاہی نازل ہوا اور وہ سب اخراج کئے گئے۔ شہر دہلی میں ایک خارجی صاحب نے

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا انکار کیا اور معاذ اللہ آپکو بزدل قرار دیکر یہ بہتان جوڑا کہ آپ میدان کربلا سے بال بچوں اور عزیز و اقربا اور دوستوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچا کر بھاگ گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا غضب اسپر[1] اتارا اسپر راہ اوسکی مرمت کیگئی اور تجارت اور سوداگری برباد ہو کر تجویز حبس قرار پائی ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعد لہم عذابا مہینا اللہ اور رسول ؐ کو ایذا دینے والے بموجب نص قرآنی ملعون ہیں ۔ اور انکے لئے ذلت کا عذاب طیار ہے ۔ فرمایئے ہم کو معویہ اور عمرو عاص اور سمرہ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ کی حمایت کی ضرورت ہی کیا آن پڑی ہے ۔ البتہ ہم اون بزرگواروں کی ضرور حمایت کرینگے جنھوں نے مرتے دم تک اللہ اور رسول ؐ کی محبت نہ چھوڑی .... مگر معویہ کا باپ تو آنحضرت ؐ سے عمر بھر لڑتا رہا ۔ پھر اس کا بیٹا حضرت علیؑ سے لڑتا رہا اور خلیفہ برحق سے باغی بن بیٹھا ۔ ہزاروں مسلمانوں کا خون کرایا ۔ پھر اوسکے بیٹے نے تو معاذ اللہ سارے خاندان رسالت کو تباہ و تاراج کرادیا ۔ ایسے لوگوں کی حمایت درحقیقت اللہ اور رسول ؐ سے دشمنی کرنا ہے ۔ ہم اہلسنت کا یہ مشرب نہیں ہے کہ کسی پر لعنت کرنا یا کسی کو برا کہنا جزو ایمان سمجھیں جیسے حضرات امامیہ کا مذہب ہے مگر ہم کو یہ بھی ضرور نہیں ہے کہ اگر کوئی ان بدکاران دشمنان اہلبیت ؑ کی برائی کہے تو ہم اونکی حمایۃ کیلئے اوٹھ کھڑے ہوں اور اونکی مدح و ثنا کریں بلکہ ہر حال میں سکوت اولیٰ ہے لا ازود الطیر عن شجرۃ ۔ قد بلوت المر من ثمرۃ اور امام شافعی نے بھی یہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو (ہمارے ہاتھوں کو) ان خونریزیوں سے بچایا اور الگ رکھا اس لئے ہم اپنی زبانیں بھی اون سے پاک رکھتے ہیں" (انوار اللغۃ پارہ ۱۳ ص۱)

مولوی صاحب ۔ واقعاً ہم لوگ کیوں اپنی زبان خراب کریں ۔ مگر مولانا نے خود تو معویہ یزید ابن زیاد وغیرہ کو پانی پی پی کر کوسا ہے ۔ اور ہم لوگوں سے فرمائش کرتے ہیں کہ اپنی زبان روکیں ۔ ابھی تم انھیں کی کتاب سے پڑھ چکیں کہ انھوں نے ان

[1] اس سے مراد مرزا حیرت دہلوی ہیں جنھوں نے امام حسینؑ کی شہادت سے انکار کیا تھا ۱۲ ۔

لوگوں کو نطفہ حرام تک لکھا ہے۔

حسینی بیگم۔ میرا خیال ہے کہ مولانا ممدوح اس زمانہ کے علمائے اہل حدیث میں سب سے بڑھے ہوئے اور بہت بڑے محقق اور نہایت محترم بزرگ مذہب تھے ان کو باطل امور پر بڑا غصہ آجاتا تھا اور اپنے آپے سے باہر ہوجاتے تھے۔ انھوں نے دین کی حفاظت ہی کے جوش میں برا کہا ہے۔ جیسے خدا ورسول دین کے خلاف چلنے والوں کو بُرا کہتے رہے ہیں۔

مولوی صاحب۔ یہ نہ کہو کہ مولانائے ممدوح علمائے اہلحدیث میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ ہوسکتا ہے اُن سے بھی بڑھے ہوئے کوئی بزرگ اُنکے زمانہ میں رہے ہوں۔

حسینی بیگم۔ ہاں ہو کیوں نہیں سکتا۔ مگر تم کسی کا نام لو جس کو اس چودہویں صدی کے علمائے فرقہ اہلحدیث میں اُن سے بہتر کہہ سکو۔ بے شک جناب نواب مولانا صدیق حسن خانصاحب اُن کے برابر تھے مگر وہ قبل گزر چکے ہیں۔

مولوی صاحب۔ مجھے معلوم نہیں ہونے سے کیا یہ ثابت ہو جائیگا کہ اُن سے بہتر کوئی عالم تھے ہی نہیں۔

حسینی بیگم۔ ثابت نہیں ہوگا تو میرا خیال غلط بھی تو نہیں ہوسکتا جب تک تم اسکے خلاف کسی کا نام نہ پیش کرو مجھے اس سے نہیں روک سکتے کہ میں انھیں کو چودہویں صدی کے کل علمائے اہلحدیث کا پیشوا مانوں۔ دیکھو لاہور کے اہلحدیث بھائیوں نے مولانا ممدوح کی اسی کتاب انوار اللغۃ کو اُن سے طلب کر کے چھپوایا تو مولانا ممدوح اور اُنکی دینی خدمات کے متعلق کیا لکھا ہے۔

مولوی صاحب۔ کیا لکھا ہے۔ تمہارے پاس وہ تحریر ہو تو پڑھو۔

حسینی بیگم۔ اسی انوار اللغۃ کے آخر میں لکھا ہے "علمار ربانیین نے اپنے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق تفاسیر و تراجم جدیدہ لکھکر شایع کئے۔ گردش دوراں وانقلاب زماں کی تاثیر جدیدہ نے ہمارے وقت میں ملک ہندوستان میں یہ جدت دکھلائی کہ بعض بے عمل اور بعض بے علم محض اردو زباندانی کی بدولت مفسر حقانی

ومترجم کلام ربانی بن بیٹھے اور خود تنائیاں کرنے لگے۔ لہذا برطبق پیشین گوئی خیر الانام علیہ الصلوۃ والسلام کہ اس ہمارے علم کے حامل آئندہ لوگوں میں سے ایسے عادل ہوتے رہیں گے۔ جو حد سے بڑھنے والوں کی تحریف اور جاہلوں کی تاویل کو باطل کرینگے او کما قال صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ مولانا مولوی وحید الزمان صاحب حیدر آبادی جو اسم بامسمیٰ ہیں اور اپنے نام کیطرح یکتائے زمان ہیں خدا تعالیٰ کی رحمت تامہ نے خلقت عامہ کی مصلحت کے لئے ان کو اس خدمت کیلئے خاص کیا اور آپ کو اس پیشین گوئی کا مصداق بنایا۔ مولانا کا مترجم لاثانی ہونا تو پہلے سے مانی ہوئی بات ہے آپنے کتب صحاح ستہ کے ایسے عمدہ تراجم لکھکر شایع کرادیئے کہ بلاد قریبہ سے لیکر اطراف بعیدہ تک تمام لوگ کیا علماء کیا عوام کاغذ زر کی طرح بڑے شوق سے لے گئے اور ان تراجم کی عمدگی دیکھکر موافق سے لیکر مخالف تک سب آپکا لوہا مان گئے۔ علی الخصوص آپ کی آخری تصنیف اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کا ترجمہ موسومہ تیسیر الباری تو ایسی بے نظیر کتاب واقع ہوئی ہے کہ اہل اسلام علی اختلاف مذاہبھم تو بجائے خود۔ آریہ اور عیسائیوں نے بھی اس کتاب کو بڑے شوق سے خریدا۔ غرض مولانا نے اُن عالمان بے عمل اور مترجمان بے علم کی تحریفات وتاویلات کا بُرا اثر مٹانے کے لئے ترجمہ کلام اللہ شستہ سلیس اردو زبان میں لکھا اور تفسیر وحیدی تصنیف فرمائی۔ اس ترجمہ وتفسیر کی باطنی خوبیوں اور معنوی کمالات کے اظہار وشمار میں جس قدر مبالغہ کیا جائے اور تعریف وتوصیف کو جس قدر حد سے بڑھایا جائے ممکن نہیں کہ اُس کے واقعی کمالات کا عشر عشیر بھی بیان ہوسکے"۔

مولوی صاحب۔ ہاں مولانائے ممدوح کے بڑے جلیل القدر عالم دین اور مقتدائے فرقہ اہلحدیث ہونے میں کسی کو کیا عذر ہوسکتا ہے۔ واقعاً علم حدیث پر اُن کے بڑے بڑے احسانات ہیں۔ اور جس طرح مولانا شبلی صاحب نے اسلامی تاریخ کی بے مثل اشاعت کی اسی طرح مولانا وحید الزمان خانصاحب مرحوم

نے اسلامی حدیث کی بے نظیر خدمات انجام دیں۔

حسینی بیگم۔ مگر میں نے جو کہا تھا کہ "مولانائے ممدوح اس زمانہ کے علمائے اہلحدیث میں سب سے بڑھے ہوئے تھے" اسکی تصدیق تو ہوگئی۔

مولوی صاحب۔ واہ وہ کیونکر۔

حسینی بیگم۔ ابھی میں نے عبارت پڑھی کہ لاہور کے اہلحدیث بھائیوں نے مولانائے ممدوح کو لکھا ہے "مولانا مولوی وحید الزمان صاحب حیدرآبادی جو اسم بامسمی ہیں اور اپنے نام کی طرح یکتائے زمان ہیں۔ خدائے تعالی کی رحمت تام نے خلقت عامہ کی مصلحت کے لئے ان کو اس خدمت کے لئے خاص کیا اور آپکو اس پیشین گوئی کا مصداق بنایا" اس سے زیادہ اور کن الفاظ میں کوئی کچھ کہہ سکتا تھا۔

مولوی صاحب۔ ہاں اس عبارت سے تو بے شک تمہارے ہی قول کی تائید ہوئی

حسینی بیگم۔ اسیطرح اور بہت سے علمائے اہلحدیث کی کتابیں اردو زبان میں ہیں جس میں واقعہ کربلا کو بیان کیا ہے۔ میں کس کس کتاب کو بیان کروں۔ بس صرف دو کتاب کی عبارت اور سن لو۔ تم جانتے ہو کہ صحاح ستہ کی کل کتابوں کی حدیثیں جس کتاب میں جمع کی گئی ہیں اس سے زیادہ قابل اعتبار دنیا میں اور کون کتاب ہوسکتی ہے۔ الحمدللہ کہ اس کتاب کا ترجمہ اردو زبان میں ہوگیا ہے جس کا نام تلخیص الصحاح ہے اور جس کا فرقہ اہلحدیث کے ایک بڑے عالم جناب مولانا مولوی سید ابو الحسن محمد محی الدین خانصاحب مولوی فاضل نے جو جناب مولانا مولوی رشید الدین خانصاحب مرحوم دہلوی کے پوتے تھے ترجمہ کیا ہے۔ جس طرح تمہارے شیر پنجاب مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اڈیٹر اخبار اہلحدیث امرتسر مولوی فاضل ہیں اسی طرح مولانا محی الدین خاں صاحب بھی مولوی فاضل تھے۔ اور خاندانی عزت و شرف میں ان سے کہیں بڑھے ہوئے مانے گئے۔ مولانا صاحب ممدوح نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے "علم حدیث میں ایسی جامع کتاب جو صحاح ستہ

کے قائم مقام ہو اور جس کا مطالعہ صحاح کے مطالعہ کے مساوی ہو اس سے بہتر کوئی نہیں ہے جو انواع واقسام کے فوائد پر مشتمل ہے اور جسمیں ہر قسم کی سہولتیں موجود ہیں اور جسکے مطالعہ سے صحاح ستہ پر عبور ہو جاتا ہے۔ اور تمامی مضامین صحاح ستہ سے ایک قسم کی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے"۔ (تلخیص الصحاح جلد ۱ صفحہ مطبوعہ لاہور)

مولوی صاحب۔ ہاں۔ ہاں میں جانتا ہوں تلخیص الصحاح کتاب تیسیر الوصول کا اردو ترجمہ ہے جسمیں صحیح بخاری شریف۔ صحیح مسلم شریف۔ صحیح ترمذی شریف۔ ابوداؤد شریف۔ نسائی شریف اور موطا شریف کی حدیثیں جمع کر دی ہیں۔ اور اردو ترجمہ بھی بہت صحیح اور مقبول ہوا ہے۔

حسینی بیگم۔ اس کتاب سے بھی اردو داں مسلمانوں کو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت رسولخدا صلعم کی پیشین گوئی کے مطابق کربلا میں شہید ہوئے۔

مولوی صاحب۔ اسکی وہ عبارت نکال کر ذرہ پڑھو تو۔

حسینی بیگم۔ سنو" ایک انصاری عورت سلمی سے روایت ہے کہا کہ میں ام سلمہ کے پاس گئی اور حالانکہ وہ رو رہی تھیں۔ تو میں نے کہا کہ تم کیوں روتی ہو۔ کہا کہ میں نے ابھی حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ کے سر اور ڈاڑھی پر گرد پڑی ہوئی تھی اور آپ روتے تھے تو میں نے کہا یا حضرت آپ کیوں روتے ہیں۔ فرمایا کہ ابھی میرے سامنے حسین قتل ہوئے ہیں۔ ترمذی اسکے راوی ہیں" (تلخیص الصحاح جلد ۱ صفحہ ۶۱ مطبوعہ لاہور) پھر لکھا ہے "انس سے روایت ہے کہ عبید اللہ بن زیاد امام حسین علیہ السلام کا سر لایا اور ایک طشت میں رکھا تو ایک چھڑی انکی ناک میں مارنے لگا اور کہتا تھا کہ میں نے ایسا خوبصورت کوئی نہیں دیکھا۔ پس میں نے کہا پس خبردار ہو کہ بے شک وہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ تر مشابہ تھے۔ بخاری اور ترمذی اسکے راوی ہیں اور لفظ اسکے ترمذی کے ہیں"۔ پھر لکھا ہے" عمارہ بن عمیر سے روایت ہے کہ جب عبید اللہ

بن زیاد اور اوسکے ساتھیوں کے سر لائے گئے تو مسجد کے چبوترے میں رکھے
گئے اور میں وہاں پہونچا اور حالانکہ لوگ کہتے تھے کہ البتہ آگیا ہے۔ البتہ
آگیا ہے۔ سو ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سانپ آیا اور سروں کے بیچ میں گھسنے
لگا یہاں تک کہ عبید اللہ بن زیاد کے نتھنے میں گھس گیا اور تھوڑی دیر ٹھہرا۔
پھر نکلا اور چلا گیا۔ پھر پھر آیا اور اوسکے نتھنے میں گھس گیا۔ اسی طرح اوس نے
دو یا تین بار کیا۔ ترمذی اسکے راوی ہیں اور اوسکو صحیح کہتے ہیں" (تلخیص الصحاح
جلد ۱ صفحہ ۶) اور تم جانتے ہو کہ اسلامی دنیا کے بہت عظیم الشان مورخ علامہ
ابن اثیر جنکی کتاب تاریخ کامل مسلمانوں کے لئے ایک نعمۃ عظمیٰ ہے حضرات صحابہ
کرام کے حالات میں بھی ایک مستند۔ صحیح۔ مقبول اور جلیل القدر کتاب اسد الغابہ
لکھی ہے جو مصر میں چھپ بھی گئی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ جناب مولوی حاجی عبد الشکور
صاحب اڈیٹر رسالہ النجم لکھنو نے اپنے رسالہ النجم کے ہمراہ کئی برس میں شایع
کیا ہے۔ اڈیٹر صاحب موصوف نے اس کتاب کے متعلق لکھا ہے" ترجمہ
اسد الغابہ جلد اول جس میں حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کے ۴۶۴
اصحاب کا تذکرہ ہے اور سب سے پہلے آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کا ذکر مبارک
نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب علامہ ابن اثیر
جزری متوفی سنہ ۶۳۰ ہجری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تالیف کی ہوئی ہے۔ علامہ ذہبی نے
تجرید اسماء الصحابہ میں لکھا ہے کہ مصنف نے اس کتاب میں سات ہزار پانچ
سو تذکرے لکھے ہیں اور اگلوں سے جو فرد گزاشت ہو گئی تھی اسکو بھی پورا کیا
ہے اور اُن کے اغلاط بیان کئے ہیں" (ترجمہ اسد الغابہ جلد اول ٹیٹل کا صفحہ) اسی
کتاب میں واقعہ شہادت مفصل لکھا ہوا ہے۔ اسکے چند جملے پڑھتی ہوں "جب
حضرت معاویہ کی وفات ہوئی تب بھی حضرت حسینؑ نے بیعت نہ کی اور مدینہ سے
مکہ چلے گئے۔ مکہ ہی میں اہل کوفہ کے خطوط اُن کے پاس پہونچے۔ لہذا انھوں نے
سفر کا سامان تیار کر لیا۔ بہت لوگوں نے انھیں منع کیا۔ ان منع کرنے والوں

میں ان کے بھائی محمد بن حنفیہ اور ابن عمر اور ابن عباس وغیرہ تھے مگر حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ میں نے رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے آپنے مجھے جس بات کا حکم دیا ہے اس کو میں ضرور کروں گا۔ چنانچہ وہ عراق چلے گئے۔ یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا حاکم بنایا تھا۔ اُس نے حضرت حسینؓ کیطرف لشکر بھیجے اور عمر بن سعد بن ابی وقاص کو سردار لشکر بنایا اور (درصورت فتحیابی) اُسے رے کی حکومت کا امیدوار کیا چنانچہ وہ لشکر لیکے گیا اور حضرت حسینؓ سے جنگ کی بعد اسکے ان سے اس بات کی درخواست کی کہ عبید اللہ بن زیاد کے حکم سے اتر آئیں اور انھوں نے اس کو منظور نہ کیا اور جنگ کو اختیار فرمایا یہانتک کہ خود شہید ہوئے اور انیس ۱۹ آدمی ان کے گھر کے شہید ہوئے . . . جب خولی نے ان پر حملہ کیا تو ان کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے پاس بھیجا اور یہ شعر کہے ؎ اوقر رکابی فضۃ وذھبا۔ فقد قتلت السید المحجبا + قتلت خیر الناس اما وابا۔ وخیرھم اذ ینتسبون نسبا (میں اپنی رکاب کو سونے سے منڈھونگا میں نے ایک بڑے سردار کو قتل کیا + میں نے ایسے شخص کو قتل کیا جس کے ماں باپ تمام آدمیوں سے افضل تھے اور جن کا نسب سب سے بہتر تھا)۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سنان بن انس نے حضرت حسینؓ کو شہید کیا تو لوگوں نے اُس سے کہا تو نے حضرت حسین بن علی کو شہید کیا وہ فاطمہ بنت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہا کے فرزند تھے۔ تمام عرب سے زیادہ عظمت والے تھے . . . بس اگر یہ لوگ تجھے اپنے سارے گھر کا مال دے دیں تب بھی وہ بمقابلہ اس گناہ کے کم ہو گا۔ جب حضرت حسینؓ شہید ہوئے تو عمر بن سعد نے چند لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر حضرت حسینؓ کے جسم مبارک کو پامال کریں۔ حضرت حسینؓ کے ہمراہ بہتر ۷۲ آدمی شہید ہوئے تھے۔ جب وہ شہید ہوئے تو عمر بن سعد نے ان کا اور ان کے ساتھیوں کا سر ابن زیاد کے پاس بھیجدیا۔ ابن زیاد نے لوگوں کو جمع کیا اور وہ سر منگوائے اور حضرت حسینؓ کے دونوں ہونٹوں کے درمیان میں ایک

لکڑی سے کونچنے لگا جب حضرت زید بن ارقم نے دیکھا کہ وہ لکڑی کو اٹھاتا ہی نہیں تو انھوں نے کہا کہ او کم بخت اس لکڑی کو اٹھا۔ قسم ہے اس اللہ کی جسکے سوا کوئی معبود نہیں کہ میں نے دیکھا ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہونٹ ان ہونٹوں پر بوسہ دیتے تھے۔ یہ کہکے وہ روئے تو ابن زیاد نے کہا کہ خدا تمہاری آنکھوں کو رلاتا رہے اور مجھے خدا کی قسم اگر تم بوڑھے اور سٹھیائے ہوئے نہ ہوتے تو میں تمہاری گردن مار دیتا پس زید بن ارقم وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ اے گروہ عرب آج کے بعد سے تم غلام ہو۔ تم نے حسین بن فاطمہ کو قتل کیا اور تم نے ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) کو سردار بنایا ہے جو تمہارے نیک لوگوں کو قتل کرتا ہے اور برے لوگوں کو غلام بناتا ہے"۔ (ترجمہ اسد الغابہ مترجمہ مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ۔ جلد ۳ صفحہ ۲۸)

مولوی صاحب - میں خود جانتا ہوں کہ یہ واقعہ ہر زبان کی سیکڑوں کتابوں میں ہے مگر چاہتا ہوں کہ اردو فارسی۔ عربی کتابوں کے متعلق تمہاری معلومات کا اندازہ کروں کہ کس حد تک ہے۔ اردو میں تم نے بہت کثرت سے ہمارے مشہور اور بڑے محقق علماء کی کتابوں کے پتے بتائے۔ اب بتاؤ کہ اگر کوئی شخص صرف فارسی زبان جانتا ہو تو اس کو تم اس واقعہ کا یقین کس طرح دلاؤگی اور کس کس کتاب کی عبارت دکھاؤگی۔

حسینی بیگم - اردو کتابوں کا تو خیر شمار بھی آسان ہے مگر فارسی اور عربی کتابوں کو کون گن سکتا ہے۔ یوں سمجھو کہ اس واقعہ کو گزرے تقریباً تیرہ سو برس ہو گئے اس وقت سے اب تک ہزاروں کتابیں فارسی زبان میں لکھی جا چکی ہیں۔ ان میں زیادہ تر ایسی ہیں جن میں کسی نہ کسی ربط سے واقعہ کربلا کا ذکر ہو ہی گیا ہے۔

مولوی صاحب - خیر تم کچھ کتابوں کی عبارتیں تو پڑھو۔

حسینی بیگم - بہت اچھا میں ابھی فارسی کتابیں بھی نکال لاتی ہوں۔ وہ اٹھکر گئیں اور اردو و عربی کتابوں کے ڈھیر سے صرف فارسی زبان کی کتابیں نکالنے میں چار پانچ منٹ کی دیر ہو گئی۔ جب کتابیں لیکر پلٹیں تو دیکھا کہ مولوی صاحب بڑے خراٹے لے رہے ہیں۔ گھڑی پر نظر کی تو بارہ بج چکے تھے۔ کتابوں کو تخت

پر ایک طرف رکھدیا۔ لمپ کی روشنی کم کردی اور آہستہ سے لحاف کھینچ کر خود بھی سو رہیں۔

سترہواں باب ١٧

زیارت امام حسینؑ کا اثر اسکے مستحب ہونیکی بحث زمین کربلا کی فضیلت

کچھ ایسے اتفاقات پیش آتے گئے کہ مولوی صاحب نے کئی روز تک حسینی بیگم سے فارسی کتابوں کی عبارتیں نہیں نکلوائیں۔ اس درمیان میں ایک نئی دلچسپ بات ہوگئی۔ حسینی بیگم کے چھوٹے ماموں مسٹر ابوالخیر انگریزی پڑھتے تھے اور سال گزشتہ انھوں نے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سے بی۔ اے کا امتحان پاس کرلیا تھا اسکے بعد مختلف محکموں میں انھوں نے ملازمت کی کوشش کی۔ مگر اب تو بی۔ اے پاس کرنا خطرناک تجارت کے برابر ہو رہا ہے کہ ابتدا سے اِس وقت تک کی تعلیم میں پانچ چھ ہزار روپیہ خرچ ہوجاتا ہے اور اس قدر سرمایہ لگانے کے بعد صرف ایک کاغذ ہاتھ آتا ہے جس کو لئے ہوے ہر محکمہ۔ ہر کچہری۔ ہر دفتر میں خوشامدیں کرتے پھرو۔ یہانتک نوبت پہونچی کہ دس روپیہ کی جگہ بھی خالی ہوتی ہے تو بی۔ اے بلکہ بعض ایم۔ اے کی درخواستیں بھی رجسٹری کر کے آجاتی اور اس پر بھی معزز لوگوں کی سفارشیں نتھی ہوتی ہیں۔ مگر ایک ہی خوش قسمت ایسا ہوتا ہے جس کو وہ دس روپیہ کا عہدہ ملتا ہے۔ اور باقی حضرات "ہائے تقدیر۔ ہائے قسمت" کہکر اپنا دل پکڑ لیتے ہیں۔ مسٹر ابوالخیر بھی سال بھر تک خاک چھانتے پھرے اور سیکڑوں درخواستیں دے چکے مگر کسی جگہ کامیابی نہیں ہوئی پہلے تو وہ دعا۔ وظیفہ۔ عمل غرض ہر روحانی کرشمہ اور باطنی اثر کے منکر تھے مگرے

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج　　احتیاج است احتیاج است واحتیاج

مسٹر ابوالخیر نے اب نماز پڑھنی بھی شروع کردی۔ دعائیں بھی کرتے ہیں۔ کچھ عملیات کا بھی شوق ہوگیا ہے۔ بعض پرانے بزرگوں کی رائے اور امراء سے کچھ چھ شریف دیوا شریف دہلی۔ اجمیر شریف وغیرہ کے اولیاء کی زیارت بھی کر آئے مگر گوہر مقصود اب تک حاصل نہیں ہوا۔ دو

آٹھویں دسویں اپنی بھانجی حسینی بیگم کو دیکھنے بھی چلے آیا کرتے تھے۔ ایک روز آئے تو دونوں میں اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

حسینی بیگم۔ ماموں جان اب یہ تو فرمائیے کہ میری ممانی جان کب تک تشریف لائینگی

مسٹر ابوالخیر۔ ابھی اپنے کھانے کا تو ذریعہ ہی نہیں ہوا۔ تمہاری ممانی صاحبہ کے زیورات اور ہر روز کے پاندان خرچ کا سامان کہاں سے ہوگا۔

حسینی بیگم۔ پھر آپ کی ملازمت کا کیا ہو رہا ہے۔

مسٹر ابوالخیر۔ کیا کہوں میرے والدین نے میری تعلیم میں چار پانچ ہزار روپیہ خرچ کیا ہوگا مگر اب تو دیکھتا ہوں کہ یہی تعلیم مجھ سے خودکشی کرادیگی اور بی۔ اے کا ڈپلوما میری جان لے کر رہیگا۔

حسینی بیگم۔ خدا نہ کرے حضور کے دشمنوں کی جان جائے۔ یہ کیا باتیں آپ فرمانے لگے۔

مسٹر ابوالخیر۔ تم یقین مانو کہ اگر ابا جان نے مجھے کسی درزی کی دوکان پر سال بھر تک کام سکھانے کے بعد صرف دو سو روپیہ میں میرے لئے سنگر مشین وغیرہ خرید دی ہوتی تو آج میں کئی ہزار روپیہ کا سرمایہ دار ہوتا۔ ایک ایک درزی کو دیکھتا ہوں کہ معمولی کوٹ اور شیروانی کی سلائی پانچ پانچ دس دس روپیہ لیتا ہے اور لوگ اسکے ہاں ٹوٹے پڑتے اور وقت پر کپڑا دینے کے لئے اسکی خوشامد پر خوشامد کرتے رہتے ہیں۔ اور ایک میں ہوں بلکہ بہت سے گریجوایٹ ہیں کہ دس روپیہ ماہوار کی جگہ کے لئے بھی سیکڑوں آدمیوں کی خوشامد کر رہے ہیں۔ مگر ہر جگہ سے یہی جواب ملتا ہے کہ "کوئی جگہ خالی نہیں ہے"۔ میں تو پیر۔ اولیاء وغیرہ کو مانتا نہیں مگر بعض بزرگوں کے اصرار سے کئی اولیا صاحبان کی قبروں پر بھی جا کر سجدے پر سجدے کر آیا اور جہاں تک ممکن ہوا وہاں اپنی ناک رگڑی مگر اس سے بھی تو کچھ کام نہیں چلا

حسینی بیگم۔ ایک تدبیر تو میرے ذہن میں بھی آتی ہے مگر آپ مانیئے گا نہیں اور اسمیں خرچ بھی ڈھائی تین سو روپیہ کا ہے۔

مسٹر ابوالخیر۔ خیر ڈھائی تین سو روپیہ کا قرض ملجانا تو بہت دشوار نہیں ہے مگر وہ تدبیر

کیا ہے سُنوں بھی تو۔

حسینی بیگم۔ نہیں آپ ہنس دینگے۔ اس کا تعلق اعتقاد پر ہے۔ میرا تو اعتقاد ہی کہ آپ اس پر عمل کریں تو آپکی دعا ضرور قبول ہو گی اور یقیناً آپ کو اچھا ذریعہ معاش مل جائیگا۔

مسٹر ابوالخیر۔ مگر اسکے بیان کرنے میں تمہارا نقصان ہی کیا ہے۔

حسینی بیگم۔ میں تو کہتی ہوں کہ آپ ردولی شریف۔ کچھوچھہ شریف۔ اجمیر شریف ہو آئے۔ اگر ہو سکے تو ایک دفعہ کربلا شریف بھی چلے جائیے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کر آئیے۔

مسٹر ابوالخیر۔ تم عورتیں ابھی تک اسی جہالت میں پڑی ہو۔ امام حسین علیہ السلام کیا بنا دینگے

حسینی بیگم۔ میری غرض یہ ہے کہ آپ حضرتؑ کے روضہ پر جا کر دعا کیجئے جو مانگنا ہو خدا ہی سے مانگئے، مگر اُسی نورانی زمین اور اسی بہشتی روضہ پر پہونچکر اور اسی بنا ر لا الہ کا واسطہ دیکر۔

مسٹر ابوالخیر۔ اچھا دیکھا جائیگا۔ اب تو بیکاری کی اذیت اور فکروں کی پریشانی سے دماغ بھی کچھ کام نہیں کرتا۔

اسکے بعد ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ حسینی بیگم نے دوبارہ پان کی گلوری دی اور مسٹر ابوالخیر کھا کر واپس گئے۔ جب شب کو پلنگ پر سوئے تو دیر تک سوچتے رہے کہ اس میں مضائقہ کیا ہے۔ شیعہ تو بہت کثرت سے وہاں جاتے ہیں اور ہم لوگ بھی بغداد شریف جاتے ہیں تو بعض لوگ کربلا بھی ہو آتے ہیں۔ ایک کوشش یہ بھی سہی۔ نہیں کچھ سیاحت تو ہو جائیگی۔ یہاں پڑے پڑے اور کوفت کرتے کرتے صحت خراب ہونے لگی ہے۔ تبدیل آب و ہوا اور دنیا کا مختلف منظر دیکھنے سے کچھ دل تو بہل جائیگا۔ یہی سوچتے سوچتے سو گئے۔ اور ایک ہفتہ تک اسی پر غور کرتے رہے اسکے بعد کوشش کرکے تین سو روپیہ اپنے عزیزوں سے قرض [illegible] کربلا ئے معلیٰ کی زیارت کو روانہ ہو گئے۔ پندرہ دن میں وہاں

پہونچ گئے۔ حضرت ؑ کے روضہ پر دیکھا کہ عجب نور برس رہا ہے۔ زیارت کی وہیں نماز پڑھی اور حضرت کا واسطہ دیکر بہت گڑگڑا گڑگڑا کے خدا سے دعا کی کہ اے خدا جلد میرے لئے کوئی اچھا ذریعہ معاش پیدا کردے۔ چار پانچ روز کے بعد نجف اشرف بھی گئے۔ دو روز وہاں رہے تھے کہ اب دل گھبرایا اور ہندوستان کا ارادہ کردیا جب بصرہ جہاز پر سوار ہوے تو ایک ادھیڑ بہت خوشحال بزرگ کو دیکھا۔ جن کو لوگ سیٹھ جی سیٹھ جی کہتے تھے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ بمبئی کے بہت معزز تاجر ہیں اور زیارت کرنے کے لئے بغداد تشریف گئے تھے۔ اب اپنے مکان واپس جا رہے ہیں۔ مسٹر ابوالخیر کو اخبار بینی کا بڑا شوق تھا۔ اردو۔ فارسی انگریزی اخبار جہاں ملتا لے لیتے۔ جہاز پر بھی کئی تازہ اخبار انکے ساتھ تھے۔ جس روز یہ سوار ہوئے اسکے دوسرے دن یہ ایک جگہ کھڑے ہو کر فارسی اخبار پڑھتے تھے کہ سیٹھ جی بھی ادھر ٹہلتے پہونچ گئے۔ سیٹھ صاحب فارسی نہیں جانتے تھے۔ انھیں گجراتی اخبار دیکھنے کی عادت تھی مگر وہ اس جہاز پر کہاں ملتا۔ انکو خیال ہوا کہ یہ فارسی اخبار دیکھ رہے ہیں لاؤ انھیں سے کچھ باتیں کرو اور نئی خبریں سنو۔ جب دونوں آدمی ایک دوسرے کے سامنے ہوئے تو یوں باتیں ہونے لگیں۔

سیٹھ جی۔ السّلام علیکم۔

مسٹر ابوالخیر۔ وعلیکم السّلام۔ مزاج شریف۔

سیٹھ جی۔ آپ کی دعا ہے۔ آپ کا مکان کہاں ہے۔

مسٹر ابوالخیر۔ غریب خانہ الہ آباد ہے۔ اور آپ کا دولت خانہ؟

سیٹھ جی۔ بمبئی میں۔ آپ کا نام۔

مسٹر ابوالخیر۔ مجھے ابوالخیر کہتے ہیں۔ اور آپ کا اسم شریف۔

سیٹھ جی۔ نورالدین۔

مسٹر ابوالخیر۔ مجھے آپ سے ملکر بڑی مسرت ہوئی۔ یہ کہکر آگے بڑھے اور ہاتھ ملایا سیٹھ جی نے پان بڑھایا۔ انھوں نے تعظیم کرکے لیا

سیٹھ جی - آپ کوئی تازہ اخبار پڑھتے ہیں -
مسٹر ابوالخیر - جی ہاں اسی ہفتہ کا ہے -
سیٹھ جی - کوئی نئی خبر ہے -
مسٹر ابوالخیر - جی ہاں بہت سی خبریں ہیں - اسکے بعد دونوں آدمی ٹہلنے لگے اور مسٹر ابوالخیر مختلف مقامات کی خبریں پڑھکر سیٹھ جی کو سُنانے لگے -

جہاز پر کئی روز رہنا پڑا - اس درمیان میں سیٹھ جی اور مسٹر ابوالخیر میں اچھی محبت پیدا ہوگئی - چائے نوشی اور کھانا بھی اکثر ساتھ ہی ہوتا مسٹر ابوالخیر کی شرافت - تہذیب اخلاق اور خوش بیانی سے سیٹھ جی کے دل میں انکی عزت بڑھتی گئی - جب جہاز بمبئی پہونچا اور دونوں اُترے تو سیٹھ جی نے اصرار کیا کہ میرے ہی یہاں چلکر دس پندرہ روز رہیئے بمبئی کی خوب سیر کیجیے - اسکے بعد الہ آباد جایئے گا - ابھی جلدی کیا ہے - سیٹھ جی کی ایسی شفقت مسٹر ابوالخیر پر ہوگئی تھی کہ اُن سے اس فرمائش کو ٹالا نہیں گیا - مجبوراً ان کے ہاں مہمان ہوگئے - یہاں مسٹر ابوالخیر کو پتہ چلا کہ سیٹھ جی لاکھوں کے آدمی ہیں - سیکڑوں روپیہ روزانہ کا منافع گھر میں آتا ہے - تب افسوس کرنے لگے کہ میں نے کیوں بی - اے پڑھنے میں عمر ضائع کی اور تجارت میں کیوں نہیں داخل ہوا کہ انکی طرح میں بھی ترقی کیئے ہوتا مسٹر ابوالخیر کو انکی بی - اے کی ڈگری سے اب تک کسی قسم کا فائدہ نہیں ہوا سیٹھ جی سے جو ملاقات پیدا ہوگئی اس کا ذریعہ بھی فارسی اخبار ہی تھا - جب بمبئی رہتے ہوئے مسٹر ابوالخیر کو چار روز ہوگئے تو ایک روز شب کے وقت سیٹھ جی سے اس طرح باتیں ہونے لگیں -

مسٹر ابوالخیر - اب میرے اعزہ گھر پر میرا انتظار کرتے ہونگے - میں چاہتا ہوں کل چلا جاؤں
سیٹھ جی - ابھی آپنے بمبئی دیکھا کہاں - مکان پر آپ کے کون کون عزیز ہیں - اگر بیوی بچوں کا خیال ہے تو دو سو روپیہ کل صبح تار پر وہاں بھیجدیجئے اور لکھدیجئے کہ میں بمبئی خیریت سے پہونچ گیا ہوں - دس بارہ روز میں آؤں گا -
مسٹر ابوالخیر - میرے عزیزوں میں بھائی - بہن - بھانجی ہیں - بیوی تو ابھی ہوئی ہی نہیں بچے کہاں سے آئیں گے - کسی کے خرچ کی فکر نہیں ہے بلکہ خود ہی اپنی ملازمت وغیرہ

کی کوشش کرنی ہے۔

سیٹھ جی۔ تو کیا ملازمت صرف الہ آباد ہی میں مل سکتی ہے یہاں نہیں ملیگی؟

مسٹر ابوالخیر۔ کیوں نہیں۔ مگر یہاں کوشش کون کریگا سفارش کس طرح بہم پہنچیگی؟

سیٹھ جی۔ وہاں آپ کو سردست کس تنخواہ کی ملازمت ملجائیگی۔

مسٹر ابوالخیر۔ زمانہ بہت برا ہوگیا ہے۔ اب تو بی۔ اے پاس کو پچاس روپیہ ماہوار کی جگہ بھی ملجاتی ہے تو اسکے لئے معراج سمجھی جاتی ہے۔

سیٹھ جی۔ تو میری رائے ہے کہ آپ یہیں مستقل طور پر رہیں اور میری تجارت میں میرا ہاتھ بٹائیں۔ آپکا کھانا وغیرہ تو میرے ساتھ جس طرح ہے رہیگا۔ آپ کے پاکٹ خرچ کے لئے ابھی میں سو روپیہ ماہوار آپ کو دونگا۔ اگر اس کام میں آپکا دل لگ گیا اور آپنے کچھ ترقی دکھائی تو آپکی تنخواہ بھی بڑھا دونگا۔

مسٹر ابوالخیر۔ (دل میں تو بہت خوش ہوئے اور اس ملازمت کو ایک بڑی نعمت سمجھے مگر پالیسی کے طور پر کہا) میں ابھی نہیں کہہ سکتا۔ دو روز اس مسئلہ پر غور کروں۔

سیٹھ جی۔ ہاں اور آپ نے یہ کیا کہا کہ "بیوی تو ابھی ہوئی ہی نہیں بچے کہاں سے آئینگے" کیا آپ کی شادی نہیں ہوئی ہے۔

مسٹر ابوالخیر۔ جی ہاں ابھی تک تو اس تردد سے بچا ہوں۔

سیٹھ جی۔ کیوں۔

مسٹر ابوالخیر۔ نسبتیں تو کئی بڑی بڑی جگہوں سے آتی رہیں مگر میں ابھی آمادہ نہیں ہوا۔ کہ کوئی معقول ملازمت کرلوں تب اس کا ارادہ کروں۔ ملازمت کا ملنا دشوار ہے۔ بیویاں تو بہت مل رہینگی۔

اس کے بعد سیٹھ جی چپ ہوگئے۔ وہ ایک بڑی فکر میں ڈوبے۔ انکی عمر قریب ساٹھ برس کے پہونچ گئی تھی۔ اولاد تو کئی ہوئی مگر زندہ صرف ایک لڑکی رہ گئی تھی جو شادی قابل ہوچکی تھی۔ اسکی نسبت بھی کئی جگہ سے آتی تھی مگر سیٹھ جی چاہتے تھے کہ کوئی ایسا لڑکا ملے جو شریف۔ مہذب۔ تعلیم یافتہ ہو اور سب سے زیادہ یہ کہ اُنکے گھر رہنے کو

منظور کرے۔ جو داماد کا داماد ہو اور بیٹا کا بیٹا جس سے انکی بیٹی بھی ان کے گھر رہے اور انکے بعد انکا کاروبار بھی اسی طرح جاری رہے۔ مگر بمبئی میں کوئی ایسا ملتا نہیں تھا۔ وہ غور کرنے لگے کہ اگر مسٹر ابوالخیر ہی سے میری بیٹی کی شادی ہو جائے تو میری سب آرزوئیں پوری ہو جائیں۔ پھر میں اپنی موت کو بھی اپنی زندگی ہی سمجھوں۔

دو تین دن سے سیٹھ جی اپنے کاروبار مسٹر ابوالخیر کے ذمہ بطور منیجر کرکے خود اسی مسئلہ پر غور و فکر کرنے میں بسر کرنے لگے۔ اپنے عزیزوں۔ دوستوں۔ ملاقاتیوں سے مشورہ کرتے۔ اسکے نشیب و فراز پر بحث کرتے اور ہر شخص انکی اس تجویز کو بہت پسند کرتا بلکہ کہتا کہ اس میں دیر نہ کیجئے بلکہ سمجھئے کہ خدا نے مسٹر ابوالخیر کو آپ کے پاس بطور نعمت غیر مترقبہ نازل کر دیا ہے۔ جس طرح ہو انھیں سے بیٹی کی شادی کر دیجئے ہرگز ہرگز اس کو نہ چھوڑیئے۔ پندرہ روز کے بعد انھوں نے اس کو طے کر لیا اور اپنے ایک دوست کے ذریعہ سے مسٹر ابوالخیر پر اپنی تجویز بھی ظاہر کر دی۔ مسٹر ابوالخیر دلمیں بہت خوش ہوئے اور خیال کیا کہ اس سے بہتر کیا۔ پھر تو مجھے دنیا ہی میں بہشت ملجائیگی مگر پالیسی کے طور پر دو چار روز غور کرنے میں صرف کر دیئے۔ اسکے بعد اس کو منظور کیا اور ۱۰ ذیقعدہ کو انکی شادی سیٹھ جی کی بیٹی سے ہو گئی۔ جس میں لاکھوں کا مال ملا۔ شادی کے تین چار روز کے بعد مسٹر ابوالخیر نے پانچ ہزار روپیہ کا چک لفافہ میں رکھکر ایک خط کے ساتھ مولوی عبدالغفار صاحب کے نام رجسٹری کر کے بھیجدیا۔ جب وہ الٰہ آباد مولوی صاحب کے پاس پہونچا تو اونھوں نے کھول کر خط پڑھا جسمیں لکھا تھا

"عزیز گرامی قدر مولوی عبدالغفار صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ۔ بعد السلام علیکم واضح ہو کہ میں بخیریت ہوں اور آپ لوگوں کی عموماً اور عزیزی حسینی بیگم سلمہا کی خصوصاً خیریت کے لیئے برابر دعا کرتا ہوں۔ مجھے تو اونھوں نے فقیر سے بادشاہ بنا دیا۔ آپ جانتے ہیں بی۔ اے پاس کرنے کے بعد میں نے ۲۰ ۲۵ روپیہ کی ملازمت کے لیئے بھی کس قدر خاک چھانی مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ اتفاقاً حسینی بیگم سلمہا نے مجھ سے اصرار کیا کہ کربلا شریف جاکر زیارت کروں اور وہیں دعا مانگوں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ

مجھے بہشت کا پتا بتا رہی ہیں۔ پہلے تو اسے حقارت سے ٹالنا چاہا مگر تقدیر بہشت دکھانے والی تھی۔ آخر سامان کرکے میں کربلا شریف روانہ ہوگیا۔ وہاں سے نجف اشرف گیا اسکی زیارت کرکے دل گھبرایا۔ بغداد شریف کی زیارت بھی نہیں کرسکا اور سیدھے ہندوستان کا راستہ لیا۔ بصرہ جہاز پر سوار ہوا تو بمبئی کے ایک لکھ پتی سیٹھ صاحب سے ملاقات ہوگئی وہ اپنے ساتھ بمبئی لائے۔ اپنا مہمان کیا۔ اور چند دنوں کے بعد میری شادی اپنی اکلوتی بیٹی سے کردی۔ اس طرح زیارت کربلا کے بعد ابھی ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تھا کہ میں فقیر سے بادشاہ ہوگیا۔ میری جواہرات سے لدی ہوئی حور مثال بیوی میرے پلنگ پر سوئی ہیں اور میں اسکے بغل کی میز پر خط لکھ رہا ہوں۔ اس وقت لاکھوں کا کاروبار گویا میرے ہاتھ میں ہے۔ یہ پانچ ہزار روپیہ کا چک روانہ کرتا ہوں حسینی بیگم سلمہا کو پان کھانے کے لئے دے دیجئے گا کہ انھوں نے مجھے زندہ کردیا بلکہ زندگی ہی میں بہشت میں پہونچا دیا۔ نہ زیارت امام حسین علیہ السلام کو آتا نہ یہ سلطنت ملتی۔ آئندہ ماہ سے سو روپیہ ماہوار اُن کے پان کھانے کو میں بھیجا کروں گا۔ خدا جب تک مجھے زندہ رکھے۔ والسلام ابوالخیر

مولوی صاحب نے یہ خط پڑھا تو ان پر سکتے کا عالم طاری ہوگیا۔ دیر تک بے حس و حرکت پڑے رہے۔ کبھی کہتے کہ جھوٹ ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ کبھی سوچتے کہ جعلی چک ہے مذاق کے لئے بھیجا ہے۔ کبھی کچھ خیال کرتے کبھی کچھ۔ مگر آخر میں بول دینا پڑا کہ "خدا کی دین ہے وہ اسی طرح چھپر پھاڑ کر دے دیتا ہے"۔ دل کو تو مولوی صاحب کچھ عجیب حیرت کے عالم میں رہے۔ شب کو وہ خط لئے ہوئے مکان پر آئے جب حسینی بیگم آئیں تو اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب۔ لو مبارک باد۔ تمہارے ماموں مسٹر ابوالخیر بادشاہ ہوگئے اور تمہیں نے اُنکو مالامال کردیا

حسینی بیگم۔ کیا آج کوئی نیا مذاق سوچکر آئے ہو۔

مولوی صاحب۔ مذاق کیسا۔ انکا خط ہی آج آیا ہے تم خود پڑھ لو۔

حسینی بیگم نے خط پڑھا تو نہایت خوش ہوئیں۔ فوراً اٹھکر وضو کیا اور شکریہ کا دوگانہ ادا کرکے مولوی صاحب کے پاس آ بیٹھیں۔

مولوی صاحب۔ واہ رے قسمت۔ کیا سے کیا ہو گئے۔ مگر یہ تدبیر تم کو کس نے بتائی کہ کربلا شریف کی زیارت سے آدمی اس طرح بادشاہ بن جاتا ہے۔

حسینی بیگم۔ کتابوں ہی سے مجھے معلوم ہوا کہ کربلا شریف بڑی برکت کی جگہ ہے اس سے میں نے خیال کیا کہ اگر ماموں جان وہاں جاکر دعا کرینگے تو خدا ضرور قبول کریگا مگر میں تو سمجھی تھی کہ وہ واپس آئیں گے تو انکو کوئی ملازمت پچاس ساٹھ کی ملجائیگی یہ تو میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ کربلا شریف کی زیارت کرکے وہ گھر بھی نہیں پہونچنے پائیں گے کہ بیچ ہی میں لکھ پتی ہو جائیں گے۔ فوراً ایسی بیوی بھی ملجائیگی اور لاکھوں کا کاروبار بھی ہاتھ آجائیگا۔

مولوی صاحب۔ زیارت کرنا تو رافضیوں کا کام ہے۔ ہمارے یہاں یہ جائز نہیں ہے۔ تم نے کس مذہب سے ان کو زیارت کا مشورہ دیا۔

حسینی بیگم۔ میرا مذہب تو تم کو معلوم ہے مگر میں کہتی ہوں کہ تمہارے (اہلحدیث بھائیوں کے) یہاں بھی زیارت کرنا ثابت ہے۔ خود حضرت رسولخدا صلعم نے ان حضرات کی زیارت کا حکم دیا ہے۔ جناب مولانا وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے "کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا۔ میں نے پہلے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کردیا تھا۔ اب زیارت کرو۔ مترجم کہتا ہے..... اگر کوئی شخص کسی پیغمبر یا ولی کی قبر کی زیارت کو جائے اور زیارت کے بعد اوسکے دل میں دعا کا ارادہ پیدا ہو وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ اب زیارت قبور کے لئے سفر کرنا تو..... اکثر علمائے اہلحدیث یہ کہتے ہیں کہ جائز ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۱۱ صفحہ ۲۲) اور دوسری جگہ لکھا ہے "بعضے اہل حدیث نے اس حدیث سے یہ دلیل لی ہے کہ اموات سے دعا کا سوال کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کے اعمال منقطع ہو گئے ہیں۔ حالانکہ یہ اونکی غلطی ہے۔ انبیا اور اولیا

اولیاء اللہ انکی قبروں پر دعا کا سوال کر سکتے ہیں۔ اسی طرح خواب ہیں۔ اعمال کے انقطاع سے یہ مراد ہے کہ مرنے کے بعد انکا کوئی عمل نامہ اعمال میں شریک نہیں کیا جاتا۔ نہ یہ کہ وہ کوئی عمل ہی نہیں کر سکتے۔ احادیث صحیحہ سے انبیاء کے عمل بعد از موت ثابت ہیں اور اولیاء اللہ سے بعد از موت بھی طرح طرح کے فیوض اور برکات ہونا متواتر منقول ہے۔ ثابت بنانی کی قبر میں جھانکا دیکھا وہ نماز پڑھ رہے ہیں حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنی والدہ کی قبر پر جا کر کہا اماں اسی وقت پروردگار کی بارگاہ میں جاؤ اور اس خلجی سلطان کا علاج کراؤ جس نے مجھے تنگ کر دیا ہے۔ یہ واقعہ عصر کے وقت ہوا اور اسی روز مغرب کے بعد سلطان مارا گیا۔" (انوار اللغۃ پارہ ۵ صفحہ ۳۵) اس سے سب باتیں ثابت ہو گئیں کہ زیارت کے لئے اولیاء اللہ کی قبر پر جانا بھی چاہیئے اور دعا بھی مانگنی چاہیئے۔ اور خود حضرت رسولخدا صلعم کا زیارت حضرات شہداء کے لئے جانا متواتر واقعہ ہے بلکہ خود خدا نے حضرت صلعم کو اس کا حکم دے رکھا تھا۔ چنانچہ جناب شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے "ہم چنانکہ نیز بزیارت بقیع و استغفار برایشاں مامور بودہم چنیں بزیارت شہداء احد و دعاے برآ ایشاں مامور شد۔ یعنی جس طرح خدا نے حضرت صلعم کو حکم دیا تھا کہ بقیع کی قبروں کی زیارت کریں اور وہاں کے مدفونین کیلئے استغفار کریں اسی طرح حضرت صلعم کو خدا کا حکم تھا کہ اُحد کے شہیدوں کی زیارت کریں اور انکے لئے دعا فرمائیں (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۹۴) اور علامہ قسطلانی نے تو اس کے بارے میں ایک مستقل فصل ہی قائم کی ہے جس میں لکھتے ہیں الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف* من اعظم الآیات وارجی الطاعات والسبیل الی اعلی الدرجات ومن اعتقد غیر هذا فقد انخلع من ربقۃ الاسلام وخالف اللہ ورسولہ وجماعۃ العلماء الاعلام یعنی جان رکھو کہ حضرت رسولخدا صلعم کے روضہ کی زیارت بڑی آیتوں اور بہت زیادہ امید والی طاعتوں سے ہے اور وہ بلند ترین درجوں تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اور جو شخص اسکے خلاف اعتقاد رکھیگا وہ حلقہ اسلام سے خارج اور اللہ و رسول صلعم اور علماء اعلام کی جماعت کا بھی مخالف ہو جائیگا۔

* یعنی دوسری فصل حضرت رسولخدا صلعم کی قبر کی زیارت کے بیان میں اعظم ان زیارۃ قبرہ الشریف

وقال القاضی عیاض انہا سنۃ من سنن المسلمین مجمع علیہا و فضیلۃ مرغب فیہا و روی الدار قطنی من حدیث ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من زار قبری وجبت لہ شفاعتی یعنی قاضی عیاض نے کہا ہی کہ حضرت رسولخداؐ کی قبر کی زیارت مسلمانوں کی سنت ہے جس پر لوگوں کا اجماع ہو چکا ہے اور ایسی فضیلت ہے جسکی ترغیب دی گئی ہے اور دار قطنی نے عبداللہ ابن عمر کی حدیث روایت کی ہے کہ حضرت رسولخداؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری قبر کی زیارت کرے گا اسکے لئے میری شفاعت واجب ہو جائیگی وینبغی لکل مسلم اعتقاد کون زیارتہ قربۃ للاحادیث الواردۃ فی ذلک یعنی ہر مسلمان کے لئے اس بات کا اعتقاد کرنا مناسب ہے کہ حضرتؐ کی قبر کی زیارت سے خدا کی خوشی حاصل ہوتی ہے اس لئے کہ اس مضمون کی بہت سی حدیثیں وارد ہیں وقد اجمع المسلمون علی استحباب زیارۃ القبور کما حکاہ النووی یعنی مسلمانوں کا اجماع ہے اس بات پر کہ قبروں کی زیارت کرنی مستحب ہے جیسا کہ علامہ نووی نے بیان کیا ہے قال زوروا القبور یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ تم لوگ قبروں کی زیارت کیا کرو۔ ان امرأۃ سالت عائشہ رضی اللہ عنہا ان اکشفی لی عن قبر رسول اللہ فکشفتہ فبکت حتی ماتت ایک عورت نے حضرت عائشہ سے سوال کیا کہ مجھے حضرت رسولخداؐ کی قبر کھول کر دکھا دیجئے۔ انھوں نے کھولدی۔ تو وہ عورت اس قدر روئی کہ مرگئی (مواہب لدنیہ مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۳۸۳ تا ۳۸۷)۔

حضرت رسولخداؐ کی زیارت جس طرح پڑھی جاتی ہے اس سے ایک اور بات معلوم ہوتی ہے وہ میرے اور تمہارے ایک سابق بحث سے متعلق ہے۔ تم کہتے تھے کہ اہل بیت سے مراد حضرت رسولخدا صلعم کی بیویاں ہیں اور میں کہتی تھی کہ حضرتؐ کی بیویاں اہلبیت سے خارج ہیں اور اہلبیت سے مراد صرف حضرت رسولخدا صلعم کی ذریۃ جناب علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ اور انکی اولاد ہیں۔ اب دیکھو کہ حضرت رسولخدا صلعم کی زیارت کسطرح کیجاتی ہے۔ اسمیں بھی حضرت امام حسین علیہ السلام اور دیگر حضرات اہلبیتؑ کی زیارت

پڑھی جاتی ہے۔ یہی علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ حضور کی زیارت اس طرح پڑھے۔
السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا نبی اللہ السلام علیک
یا حبیب اللہ السلام علیک یا خیرۃ خلق اللہ السلام علیک یا صفوۃ
اللہ۔ السلام علیک یا سید المرسلین وخاتم النبیین السلام
علیک یا قائد الغر المحجلین۔ اسکے بعد لکھا ہے اس جملہ کو غور سے سننا السلام
علیک وعلی اھل بیتک الطیبین الطاھرین السلام علیک وعلی
ازواجک الطاھرات امھات المومنین یعنی اے رسولخدا آپ پر اور
آپ کے طیب وطاہر اہل بیتؑ پر سلام ہو۔ آپ پر اور آپکی بیویوں پر بھی سلام ہو
جو امہات المومنین تھیں (مواہب لدنیہ جلد ۲ ص ۳۸۷) بتاؤ اگر اہل بیت اور
ازواج ایک ہوتے تو آنحضرتؐ کی زیارت میں حضرتؐ کے اہل بیتؑ پر علحدہ اور حضرتؐ
کی بیویوں پر الگ سلام کیوں پڑھا جاتا؟ یہ بھی قابل غور ہے کہ اہل بیتؑ کی صفت
طیبین وطاہرین لائے ہیں اور ازواج کی صفت امہات مومنین ذکر کی ہے اور
دونوں بالکل صحیح ہے کہ اہل بیتؑ یقیناً طیب وطاہر ہیں مگر وہ امہات مومنین نہیں ہیں اور
ازواج رسولؐ یقیناً امہات مومنین ہیں مگر وہ اہلبیت نہیں ہیں۔

مولوی صاحب۔ یہ بات تو تم کو بڑی عجیب مل گئی۔ واقعاً جب حضرت رسولخداؐ
کی زیارت میں ازواج پر الگ سلام کیا جاتا ہے اور اہل بیتؑ پر علحدہ تو یقیناً ماننا
پڑیگا کہ ازواج رسول صلعم اہل بیتؑ سے خارج ہیں۔ مگر تم نے اس وقت تک تو آنحضرتؐ
کی زیارت کو ثابت کیا کہ مستحب ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ امام حسینؑ کی زیارت
کا کیا ثبوت ہے۔

حسینی بیگم۔ کیا حضرت رسولخداؐ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ زوروا القبور اے
مسلمانو! تم قبروں کی زیارت کیا کرو۔ اور کیا علامہ نودی کی عبارت نہیں سنی کہ
مسلمانوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اور کیا حضرت
امام حسین علیہ السلام مسلمانوں کے سردار نہیں تھے۔ جب عام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت کا

حکم دیا گیا ہے تو فرزند رسولؐ اور سید شباب اہل الجنۃ کے روضہ کی زیارت کا کیا کہنا علاوہ بریں ہم ابھی بیان کر چکے کہ حضرت رسولخدا صلعم بقیع کی قبروں کی زیارت اور شہداء احد کی زیارت کو جاتے تھے اور خدا نے ہم لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ یعنی البتہ رسولخدا صلعم کی ذات میں تم لوگوں کی پیروی کرنے کا بہترین نمونہ موجود ہے۔ پس جب حضرت رسولخداؐ کو احد کے معمولی شہیدوں کی زیارت کا حکم خدا نے دیا اور یہ یقینی ہے کہ حضرتؑ کا درجہ شہدائے احد سے بہت زیادہ تھا۔ پھر ہم لوگ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرینگے جو ہم لوگوں سے کہیں افضل و اشرف بلکہ سردار دنیا و دین تھے تو کس قدر خدا کی خوشی کا سبب ہوگا۔ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی زندگی میں صرف خود ہی شہداء احد کی زیارت نہیں کی بلکہ مسلمانوں سے بھی انکی زیارت کا اشارہ کیا ہے۔ روی عنہ علیہ الصلوۃ والسلام انہ قال فی شہداء احد والذی نفسی بیدہ لا یسلم علیہم احد الی یوم القیامۃ الا ردوا علیہ یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے شہداء احد کے بارے میں فرمایا ہے کہ خدا کی قسم جو شخص ان شہداء پر قیامت تک کسی وقت بھی سلام کریگا اسکو یہ لوگ جواب سلام دینگے (مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۳۹) جب شہداء احد تک اپنی زیارت کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو پھر امام حسین علیہ السلام بدرجہ اولیٰ اپنے زائرین کے سلام کا جواب عطا فرماتے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ امام حسین علیہ السلام شہداء احد سے ہزاروں درجہ افضل تھے اور جناب شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے تو زیارت حضرت رسولخدا صلعم کی تاکید میں کئی حدیثیں لکھی ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من زار قبری وجبت لہ شفاعتی کہ جو شخص میری قبر کی زیارت کریگا اسکے لئے میری شفاعت واجب ہو جائیگی من جاءنی زائرا لا تعملہ حاجۃ الا زیارتی کان حقا علی ان اکون لہ شفیعا یوم القیامۃ کہ جو شخص صرف میری زیارت کو آئے اور اسکی کوئی غرض نہ ہو تو مجھ پر واجب ہوگا کہ قیامت میں اسکی شفاعت کروں۔ من حج البیت ولم

یزرنی فقد جفانی یعنی جو شخص حج کرے مگر میری زیارت نہ کرے وہ مجھ پر ظلم کریگا۔
(جذب القلوب ص۲۸۹) آگے لکھا ہے زیارت حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
اکمل الصلوٰۃ وافضلہا باجماع علماء دین قولاً وفعلاً از افضل سنن واوکد مستحبات
است .... یعنی حضرت رسولخدا صلعم کی زیارت علمائے اسلام کے اجماع
کے مطابق سنتی کاموں میں سب سے افضل اور مستحبی عبادتوں میں سب سے زیادہ تاکیدی
ہے (جذب القلوب ص۳۱۲)۔ علاوہ بریں علامہ قسطلانی نے لکھا ہے وینبغی
ایضا بعد زیارتہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقصد المزارات التی
بالمدینۃ الشریفۃ والآثار المبارکۃ والمساجد التی صلے فیہا علیہ
الصلوٰۃ والسلام التماسا لبرکتہ ویخرج الی البقیع لزیارۃ من فیہ فان
اکثر الصحابۃ ممن توفی فی المدینۃ فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم و
بعد وفاتہ مدفون بالبقیع وکذلک سادات اہل البیت والتابعین۔
یعنی جو شخص حضرت رسولخدا صلعم کی زیارت کو جائے اسکے لئے مناسب ہے کہ حضرت کی زیارت
سے فارغ ہو کر اُن مزاروں اور مبارک یادگاروں کے پاس بھی جائے جو مدینہ شریف
میں ہیں اور ان مسجدوں میں بھی حاضر ہو جنمیں حضرت صلعم نے نماز پڑھی تھی کہ ان
کل مقامات سے برکت حاصل کرے۔ پھر جنۃ البقیع میں جاکر ان لوگوں کی زیارت
کرے جو وہاں دفن کیئے گئے ہیں۔ کیونکہ حضرت رسولخدا صلعم کی زندگی میں اور وفات کے
بعد جو صحابہ مرے اُن سے اکثر وہیں مدفون ہیں۔ اسی طرح سادات اہل بیت و
تابعین بھی وہاں مدفون ہیں (مواہب لدنیہ جلد۲ ص۱۰۴) اور جناب شیخ عبد الحق صاحب
محدث دہلوی نے لکھا ہے " واز یں جملہ است کہ بعد از زیارت آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم بزیارت بقیع کہ مرقد آل واصحاب کرام وامہات المومنین وبنات وتابعین و
اتباع ودیگر علماء وصلحاء امت است وبزیارت سید الشہداء عم النبی حمزہ بن عبد المطلب
وزیارت مسجد قبا ودیگر مساجد وآبار ومآثر اماکن وآثار سید الابرار بغنیمت شمارد
کلام در آں ست کہ بزیارت بقیع ہر روز بعد از زیارت سرور کائنات صلعم متوجہ شود یا

روز جمعہ فقط چنانچہ الآن شدہ است امام نووی و تابعان او برآنند کہ ہر روز کند یعنی آنحضرت صلعم کی زیارت کے بعد بقیع کی زیارت کرے جسمیں آنحضرت کی آل و اصحاب و ازواج و تابعین و تبع تابعین اور دیگر علماء و صلحاء امت دفن کیے گئے ہیں اور حضرت حمزہ کی زیارت اور مسجد قبا و دیگر مساجد وغیرہ کی زیارت بھی کرے ......
کلام اسمیں ہے کہ بقیع کی زیارت بھی ہر روز آنحضرت صلعم کی زیارت کے بعد کرے یا صرف جمعہ کے روز کرے جیسا کہ آج کل جاری ہے۔ امام نووی اور اُنکے تابعین کا قول ہے کہ بقیع کی زیارت بھی روز کرے۔ اسکے بعد ایک عالم کی دلیل لکھی ہے جو کہتے تھے کہ ان حضرات کی زیارت کبھی کبھی نہیں کرنی چاہیے بلکہ ہر روز کرنی مناسب ہے شیخ ابوالحسن بکری رحمۃ اللہ علیہ گفتہ است کہ زیارت قبور سنت موکدہ است وایں شامل است ہر روز را یعنی شیخ ابوالحسن بکری رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ قبروں کی زیارت کرنا سنت موکدہ ہے اور یہ شامل ہے ہر روز کو (جذب القلوب صفحہ ۳۵۹)
اس عبارت کے بعد تو تم کچھ بول نہیں سکتے۔

مولوی صاحب۔ کیا مطلب۔

حسینی بیگم۔ یہی کہ علامہ قسطلانی اتنے بڑے جلیل القدر عالم اور محدث نے جنہوں نے صحیح بخاری شریف کی پوری شرح لکھ ڈالی ہے اور جنھوں نے حضرت رسولخدا صلعم کی بہت مفصل سوانح عمری یہی مواہب لدنیہ لکھی ہے اور جناب شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے جو اہلسنت کے کیسے زبردست پیشوا تھے سب مسلمانوں پر تاکید کی ہے کہ جنۃ البقیع کے عام صحابہ تابعین اور سادات اہل بیت کی زیارت کریں تو حضرت امام حسین علیہ السلام ان کل صحابہ و تابعین اور سادات اہل بیت کے سردار اور ان سب سے افضل تھے۔ پھر حضرت کی زیارت کا حکم تو بدرجہ اولیٰ ہوا۔ تم ہی انصاف کرو کہ جو غیر معصوم صحابہ و تابعین بقیع میں مدفون ہیں جب اُنکی زیارت ہمارے لیے مناسب ہے تو سید شباب اہل الجنۃ اور سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کس قدر ضروری ہوگی۔ اور تم حضرت عمدۃ العلماء قدوۃ الفقہاء رئیس المتکلمین امام الواعظین مولانا محمد مبین

السکینہ السدنی اعلیٰ علیین کو بھی خوب جانتے ہو جو مشاہیر علماء دار العلم والعمل فرنگی محل لکھنؤ سے تھے ممدوح نے اپنی کتاب وسیلۃ النجاۃ میں ایک خاص باب ہی حضرات ائمہ طاہرینؑ کی زیارت کے متعلق لکھا ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں خاتمہ در بیان فضیلت وثواب زیارات ائمہ اطہار علیہم السلام یعنی کتاب کا خاتمہ حضرات ائمہ اطہار کی زیارت کا ثواب اور فضیلت بیان کرنے میں ہے (وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۳۱) اور جناب علامہ شیخ شبلنجی نے تحریر فرمایا ہے قال الشعرانی فی الباب العاشر من المنن ومما من اللہ تبارک وتعالیٰ بہ علی زیارتی کل قلیل لاھل البیت الذین دفنوا فی مصر کلھم او رؤسھم فقط وازورھم فی السنۃ ثلاث مرات بقصد صلۃ رحم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ولم ار احدا من اقرانی یعتنی لذلک اما لجھلہ بمقامھم واما لدعواہ عدم ثبوت کونھم دفنوا فی مصر وھذا جمود فان الظن یکفینا فی مثل ذلک انتھی ثم انہ ذکر فی ھذہ المنۃ ایضا اسماء جماعۃ من اھل البیت لھم مزارات بمصر القاھرۃ اخبرہ عنھم سیدی علی الخواص رحمہ اللہ وفی آخرھا قال فھولاء الذین بلغنا انھم فی مصر من اھل البیت وصححہ اھل الکشف قال وکان سیدی علی الخواص رضؓ یحتم زیارۃ اھل البیت بالامام الشافعی رضؓ فعلیک یا اخی بزیارۃ قرابۃ بیت محمد صلے اللہ علیہ وسلم وقدمھم علی زیارۃ کل ولی فی مصر عکس ما علیہ العامۃ فلا تکاد تری احدا منھم یعتنی بزیارۃ احد ممن ذکرنا ابدا ویعتنی بزیارۃ بعض المجاذیب وینام فی موالدھم وھذا کلہ من جملۃ الجھل فاحذرہ ترشد۔ یعنی علامہ شعرانی نے کتاب منن کے دسویں باب میں فرمایا ہے کہ ان باتوں سے جن کا احسان خدا نے مجھ پر کیا ہے یہ ہے کہ مجھ سے جس قدر بھی ممکن ہوتا ہے حضرات اہلبیتؑ کی جو مصر میں مدفون ہیں زیارت کرتا ہوں۔ خواہ سب اہلبیتؑ کی یا صرف ان کے سرداران کی۔ اور میں سال میں تین مرتبہ انکی زیارت کو جاتا ہوں اس نیت سے کہ حضرت رسولخدا صلعم کا حق صلہ رحم ادا کروں۔

(کیونکہ اہلبیت حضرت ہی کی اولاد ہیں تو ان حضرات کی زیارت سے حضرت رسولخدا صلعم کے حقوق مجھ سے ادا ہونگے) اور میں اپنے ساتھیوں سے کسی کو بھی نہیں دیکھتا ہوں کہ اس صلہ رحم کا خیال کرے یا تو اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہے کہ حضرات اہلبیتؑ کہاں کہاں دفن کئے گئے ہیں یا اس وجہ سے کہ ان کے خیال میں وہ حضرات مصر میں دفن ہی نہیں کئے گئے ہیں۔ مگر یہ غفلت ہے کیونکہ ایسی باتوں میں گمان پر عمل کرنا کافی ہوتا ہے۔ پھر انھیں علامہ شعرانی نے اس باب میں اہلبیت کی ایک جماعت کے نام ذکر کئے ہیں۔ جنکے روضے مصر میں ہیں۔ ان سے ان حضرات کے پتے سید علی الخواص رحمہ اللہ نے بتائے تھے۔ اور اس باب کے آخر میں کہا ہے کہ وہ حضرات اہلبیتؑ ہیں۔ جنکے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ مصر میں دفن کئے گئے ہیں انھوں نے کہا ہے کہ سید علی الخواص حضرات اہلبیتؑ کی زیارت امام شافعی کی زیارت کے ساتھ ختم کرتے تھے۔ پس اے مسلمان بھائیو تم پر بھی لازم ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے قرابت مندوں کی زیارت کیا کرو اور مصر میں جو اولیاء ہیں انکی زیارت پر حضرات اہلبیتؑ کی زیارت کو مقدم رکھا کرو برخلاف اس کے جو عوام کرتے ہیں کہ اپنی جہالت اور گمراہی سے بعض مجذوبوں کی زیارت کرتے اور اونکی بیدالکس کی جگہوں میں سوتے ہیں جس سے تم لوگ بچو کہ ہدایت پاؤ (نور الابصار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۷۶) اور تم اس بات کو بھی جانتے ہو کہ بہت سے مورخین کے قول کے مطابق مصر میں حضرتؑ کا سر مبارک دفن کیا گیا ہے۔ وہاں بہت بڑا روضہ اس سر مبارک کا موجود ہے اور لاکھوں مسلمان اس روضہ مبارک کی زیارت روز کرتے ہیں۔ جناب شمس العلماء مولانا شبلی صاحب نعمانی نے مصر کے بارے میں لکھا ہے "مزارات اور مشاہد بھی کثرت سے ہیں اور اُن کے مصارف کے لئے بہت سے اوقاف ہیں حضرت زینبؑ (امام حسین علیہ السلام کی بہن) حضرت کلثوم۔ امام شافعی۔ امام لیث کے مقبرے بڑی شان وشوکت کے ہیں۔ میں نے امام شافعی کے مزار کی زیارت کی۔ اور مزارات کی زیارت کا بھی ارادہ تھا لیکن وہاں پہونچکر جو حالت دیکھی اُس سے طبیعت کو وحشت ہوئی

اور متاسف ہوکر واپس آیا۔ مصر والوں نے ہفتہ کے خاص خاص دن قرار دے رکھے
ہیں جنمیں انکے اعتقاد کے موافق حضرت زینبؑ و امام شافعی وغیرہ کی روحیں عالم بالا
سے اپنے مزارات کیطرف متوجہ ہوتی ہیں۔ ان خاص دنوں کو حضرت کہتے ہیں
اور جبکے حضرۃ کا جو دن ہوتا ہے اُس دن ان کے مزار پر بڑی بھیڑ ہوتی ہے کثرت
سے لوگ زیارت کو آتے ہیں اور قبر کو بوسہ دیکر اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں"
(سفرنامہ روم و شام و مصر ص ۲) ۔ پس جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک
کی زیارت مصر میں اس درجہ رائج ہے تو حضرت کے جسد مبارک کی زیارت کربلا
شریف میں کیوں قابل اعتراض ہو سکتی ہے۔ اور علامہ ابن بطوطہ نے بغداد کے
متعلق لکھا ہے وبالقرب منها قبر الامام ابی عبد الله احمد بن حنبل رضی
الله عنه ولا قبة عليه ويذكر انها بنيت علی قبره مرارا فتهدمت
بقدرة الله تعالی وقبره عند اهل بغداد معظم واكثرهم علی مذهبه
والقرب منه قبر ابی بكر الشبلی من ائمة المتصوفة رحمه الله وقبر
سری السقطی وقبر بشر الحافی وقبر داؤد الطائی وقبر ابی القاسم
الجنيد رضی الله عنهم اجمعين واهل بغداد لهم يوم فی كل جمعة
لزيارة شيخ من هولاء المشائخ ويوم لشيخ آخر يليه هكذا الی آخر
الاسبوع یعنی بغداد شریف میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے روضہ کے
قریب امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا روضہ ہے مگر اس پر کوئی قبہ نہیں ہے۔
لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس پر کئی مرتبہ قبہ بنایا گیا مگر خدا کی قدرۃ سے گر گر
گیا۔ حضرت احمد بن حنبل کا روضہ بغداد والوں کے اعتقاد میں بہت قابل تعظیم
اور باعث برکت ہے۔ کیونکہ بغداد کے اکثر لوگ بھی امام احمد بن حنبل کے مذہب
پر ہیں۔ انکے روضہ کے قریب حضرت ابو بکر شبلی کا روضہ ہے جو صوفیوں کے
بڑے پیروں سے ہیں اور سری سقطی اور بشر حافی اور داؤد طائی اور ابو القاسم
جنید رضی اللہ عنہم اجمعین کے روضے بھی ہیں اور کل بغداد والوں کا معمول ہے

کر ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ہر روز ان بزرگوں سے کسی بزرگ کی زیارت
کو جاتے ہیں ۔ پھر دوسرے روز دوسرے بزرگ کی زیارت کو ۔ تیسرے دن تیسرے بزرگ
کی زیارت کو اسی طرح پورا ہفتہ زیارت کرتے ہیں در حلۃ ابن بطوطہ مطبوعہ مصر
صفحہ ۱۴۳) میں کہاں تک عبارتیں پڑھتی چلی جاؤں ۔ اب تم خود فیصلہ کرو کہ جب
ایسے ایسے بزرگوں کے روضہ کی زیارت اس قدر لازمی اور ضروری سمجھی جاتی
ہے کہ بغداد کے ایسے مرکز علم و دین کے علماء و عوام سب ہی ہفتہ بھر انکی زیارت
کرتے رہتے ہیں تو حضرت امام حسین علیہ السلام جو ان لوگوں کے آقا و پیشوا
تھے اور جنکی مودۃ ہی کیوجہ سے وہ بزرگان دین بھی بہشت کی امید کر سکتے ہیں
حضرتؑ کی زیارت کس قدر ضروری اور ہر مسلمان پر لازمی ہے ؟ اسی وجہ سے ہزاروں
علماء و صلحاء اہلسنت جو دنیا کے مختلف مقامات سے بغداد شریف زیارت کو جاتے
ہیں ان میں سے بہت حضرات کربلا شریف کی زیارت کو بھی ضرور ہو آتے ہیں
مولوی صاحب ۔ تم نے زیارت کے مسئلہ میں بھی مجھے لاجواب کر دیا اور ثابت
کر دیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زیارت بھی مستحب اور باعث اجر جمیل ہے
حسینی بیگم ۔ الحمد للہ کہ اس مسئلہ کو بھی تم مان گئے مگر میں کچھ اور توضیح کر دیتی ہوں تاکہ
تم کو کسی قسم کا تردد باقی نہ رہے ۔ یہ بتاؤ کہ تم امام غزالی صاحب رضی اللہ عنہ کو کیسا سمجھتے ہو ۔
مولوی صاحب ۔ البتہ اگر وہ تو اسلام کے بڑے رکن تھے ۔ حجۃ الاسلام انکا
خاص لقب مشہور ہو گیا تھا ۔ شمس العلماء مولانا شبلی صاحب نعمانی علیہ الرحمہ نے انکی مفصل
سوانح عمری لکھی ہے ۔ جو شایع بھی ہو گئی ہے ۔
حسینی بیگم ۔ انھیں امام غزالی رضی اللہ عنہ کی کتاب احیاء العلوم کو دیکھو ۔ اس
احیاء العلوم کے بارے میں مولانا شبلی صاحب نے لکھا ہے " محدث زین عراقی
کا قول ہے کہ امام غزالی کی احیاء العلوم اسلام کی اعلیٰ ترین تصنیفات سے ہے
عبدالغافر فارسی جو امام صاحب کے ہمعصر اور امام الحرمین کے شاگرد تھے اُنکا بیان
ہے کہ احیاء العلوم کی مثل کوئی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی ۔ امام نووی شارح

صحیح مسلم لکھتے ہیں کہ احیاء العلوم قرآن مجید کے لگ بھگ ہے۔ شیخ ابو محمد کازرونی کا دعویٰ تھا کہ اگر دنیا کے تمام علوم مٹا دیئے جائیں تو احیاء العلوم سے میں سب کو دوبارہ زندہ کر دونگا۔ شیخ عبداللہ عیدروس کو جو بہت مشہور صوفی گزرے ہیں احیاء العلوم قریب قریب پوری حفظ تھی۔ شیخ علی نے ۲۵ دفعہ اول سے آخر تک احیاء العلوم کو پڑھا اور ہر دفعہ ختم کے بعد فقراء اور طلبہ کی عام دعوت کرتے تھے"۔ (الغزالی مطبوعہ حیدرآباد ص ۵۴)

یہی امام غزالی صاحب لکھتے ہیں زیارۃ القبور مستحبۃ علی الجملۃ للتذکر والاعتبار وزیارۃ قبور الصالحین مستحبۃ لاجل التبرک مع الاعتبار وقد کان رسول اللہ ؐ نھی عن زیارۃ المقبور ثم اذن فی ذلک ؎ یعنی قبروں کی زیارت کرنی ہر طرح مستحب ہے کیونکہ اس سے آخرت یاد آتی اور عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اور نیک لوگوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے اس لئے کہ اس سے برکت حاصل ہوتی ہے اور عبرت بھی ہوتی ہے اور حضرت رسولخدا صلعم نے پہلے قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا پھر اس کا حکم دے دیا۔ وزار رسول اللہ ؐ قبر امہ فی الف مقنع ؎ فما رؤی باکیا اکثر من ذلک الیوم

یعنی آنحضرت صلعم نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی قبر کی زیارت کی ہزار سواروں میں جو ہتھیار بند تھے ۱؎ تو آنحضرت صلعم جس قدر اس روز روئے اس سے زیادہ کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔ اقبلت عائشہ رضی یوما من المقابر فقلت یا ام المومنین من این اقبلت قالت من قبر اخی عبدالرحمن فقلت الیس کان رسول اللہ ؐ نھی عنھا قالت نعم ثم امر بھا۔ یعنی حضرت عائشہ ایک روز قبرستان سے آتی تھیں تو راوی نے پوچھا کہ کہاں سے تشریف لاتی ہیں۔ فرمایا اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر کی زیارت کو گئی تھی۔ میں نے کہا کیا رسولخدا صلعم نے اس سے منع نہیں فرمایا تھا؟ کہا ہاں مگر پھر حکم دے دیا تھا قال رسول اللہ ؐ زوروا موتاکم وسلموا علیھم وصلوا علیھم یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ اپنے مُردوں کی قبروں کی زیارت کرو۔ ان پر سلام کرو اور درود بھیجو۔ ان

۱؎ مولانا وحید الزمان خانصاحب نے اسی طرح ترجمہ کیا ہے ملاحظہ ہو انوار اللغۃ پارہ ۲۱ صفحہ ۱۵۵

فاطمة بنت النبیؐ کانت تزور قبر عمها حمزة فی الایام فتصلی وتبکی عندہ یعنی حضرت فاطمہ علیہا السلام اپنے چچا جناب حمزہ کی قبر کی زیارت مہینہ میں کئی دفعہ کرتی تھیں اور وہاں نماز پڑھتیں اور روتی تھیں۔ امام صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے یستحب تلقین المیت بعد الدفن والدعاء لہ یعنی میت کو دفن کرنے کے بعد اسکو تلقین پڑھانی اور اسکے لئے دعا کرنی بھی مستحب ہے (احیاء العلوم مطبوعہ لکھنؤ جلد ۴ صـ ۲۷۲)۔ اور تم جانتے ہو کہ علمائے اسلام میں ایک بڑے محترم بزرگ علامہ نور الدین سمہودی بھی گزرے ہیں جنھوں نے مدینہ شریف کی مفصل تاریخ کتاب وفاء الوفا لکھی ہے انھوں نے تو تقریباً پوری کتاب میں زیارت کی باتیں اور اس کا ثواب لکھدیا ہے۔ حضرت رسولخدا صلعم کے چچا عباس اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی زیارت کے بارے میں ممدوح نے لکھا ہے وینبغی ان یسلم زائرھما علی من تقدم ذکر دفنہ عندھما فی قبر فاطمة والحسن رضی اللہ تعالی عنہما یعنی حضرت عباس اور حضرت امام حسنؑ کے روضوں کی زیارت کرنے والوں کے لئے مناسب ہے کہ ان لوگوں کی زیارت بھی کریں جن کو میں نے جناب سیدہ اور جناب امام حسنؑ کے روضوں کے بیان میں لکھا ہے کہ ان کے قریب دفن ہیں۔ (وفاء الوفا جلد ۲ صـ ۱۰۱)۔ الباب الثامن فی زیارة النبیؐ وفیہ اربعة فصول یعنی چوتھا باب حضرت رسولخدا صلعم کی زیارت کے بیان میں۔ اور اس میں چار فصلیں ہیں الفصل الاول فی الاحادیث الواردة فی زیارتہ نصا یعنی پہلی فصل ان حدیثوں کے بیان میں جو صاف صاف زیارة کے بارے میں وارد ہیں (جلد ۲ صـ ۳۹۴)۔ الفصل الثانی فی بقیة ادلة الزیارة وان لم تتضمن لفظ الزیارة نصا وبیان تاکد مشروعیتھا وقربھا من درجة الوجوب حتی اطلقہ بعضھم علیھا یعنی دوسری فصل زیارت کی باقی دلیلوں کے بیان میں اگرچہ ان میں لفظ زیارت صاف طور پر نہیں ہے اور اس بیان میں کہ مذہب اسلام نے زیارت کی بڑی تاکید کی ہے اور یہ واجب ہونے کے درجہ تک پہونچ گئی ہے یہانتک

کہ بعض علمار نے اس کو واجب کہا بھی ہے (صہ ۴۰۳) اور صحابہ کرام اور بعد کو علمائے اعلام برابر زیارت کو جاتے رہے ہیں۔ چنانچہ جناب بلال کا شام سے مدینہ زیارت کو آنا مشہور واقعہ ہے۔ علامہ سمہودی لکھتے ہیں وممن سافر الی زیارۃ النبیؐ من الشام الی قبرہؐ بالمدینۃ بلال یعنی جن لوگوں نے شام سے حضرت رسولخداؐ کی زیارت کے لئے مدینہ کا سفر کیا ان میں آنحضرتؐ کے موذن بلال بھی تھے ان بلالا رای فی منامہ النبیؐ وھو یقول ماھذہ الجفوۃ یا بلال اما آن لک ان تزورنی یا بلال۔ فانتبہ حزینا وجلا خائفا فرکب راحلتہ وقصد المدینۃ فاتی قبر النبیؐ فجعل یبکی عندہ ویمرغ وجہہ علیہ فاقبل الحسن والحسینؓ فجعل یضمھما ویقبلھما فقالا لہ یا بلال نشتھی ان نسمع اذانک الذی کنت تؤذن بہ لرسول اللہؐ فی المسجد ففعل یعنی بلال (شام میں تھے وہاں انھوں) نے خواب میں حضرت رسولخدا صلعم کو دیکھا کہ فرماتے ہیں اے بلال یہ کیا بے مروتی کرتے ہو۔ کیا ابھی اس کا وقت نہیں آیا کہ تم مدینہ آکر میری زیارت کرو۔ یہ خواب دیکھکر بلال خوف زدہ اور پریشان بیدار ہوئے اور فوراً سوار ہو کر مدینہ کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہونچکر حضرت رسولخدا صلعم کے روضہ پر حاضر ہوئے اور وہاں روتے اور اس جگہ چہرہ کو رگڑتے تھے کہ دفعتہً امام حسن و امام حسین علیہما السلام وہاں پہونچ گئے تو بلال دونوں صاحبزادوں کو اپنے سینہ سے لگانے اور ان کا بوسہ لینے لگے۔ تب ان صاحبزادوں نے کہا اے بلال ہم چاہتے ہیں کہ آپکی وہ اذان پھر سنیں جو آپ حضرت رسولخدا صلعم کے لئے حضرتؐ کی مسجد میں دیتے تھے۔ بلال نے ان حضرات کی آرزو پوری کی اور اذان دینے لگے (وفاء الوفا جلد ۲ ص۴۰۸) دیکھو اس سے زیارت کی کس قدر تاکید نکلی کہ حضرت رسولخدا صلعم نے خواب میں بلال سے اس ترک زیارۃ کو بے مروتی فرمایا اور اعتراض کیا کہ تم کیوں میری زیارت کو نہیں آتے؟ اور سنو ان عمرؓ لما صالح اھل بیت المقدس وقدم علیہ کعب الاحبار واسلم وفرح باسلامہ

قال له هل لک ان تسیر معی الی المدینة وتزور قبر النبیؐ وتتمتع
بزیارته فقال نعم یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب بیت المقدس والوں
سے صلح کر لی اور ان کے پاس کعب الاحبار آئے اور اسلام قبول کیا اور حضرت
عمر ان کے اسلام لانے سے خوش ہوئے تو ان سے فرمایا کیا تم میرے ساتھ مدینہ
چلوگے اور حضرت رسولخدا صلعم کے روضہ کی زیارت کا شرف حاصل کروگے؟ کعب الاحبار
نے کہا ہاں۔ (ص۴۰۹) پھر لکھا ہے ان زیارة قبر النبیؐ من افضل المندوبات
والمستحبات بل تقرب من درجة الواجبات یعنی حضرت رسولخداؐ کے روضہ
کی زیارت سنت اور مستحب کاموں میں افضل عمل ہے بلکہ واجب کے درجہ کے قریب
پہونچتی ہے (ص۴۱۵) پھر لکھا ہے ویقول نحن وفدک یا رسول اللہؐ
وزوارک جئناکؐ لقضاء حقکؐ والتبرکؐ بزیارتکؐ یعنی زیارت کرنے
والوں کو چاہئے کہ یہ بھی کہیں کہ اے رسولخداؐ ہم لوگ آپ کے ہاں آئے ہیں آپکے
زائر ہیں۔ آپکی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کا حق ادا
کریں اور آپکی زیارت سے برکت حاصل کریں (ص۴۳۹)

مولوی صاحب۔ مگر یہ سب باتیں تو صرف حضرت رسولخدا صلعم کی زیارت
کے متعلق ہیں۔ دوسرے لوگوں کی زیارت کے متعلق کچھ اور دلیلیں ہیں تو انکو
بیان کرو۔

حسینی بیگم۔ دوسرے بزرگوں کی زیارت کے متعلق بھی تو کس کثرت سے دلیلیں
بیان کرچکی کیا وہ سب کافی نہیں ہیں؟ اچھا اور سنو علامہ سمہودی لکھتے ہیں وقد
اوضح السبکی ان الاجماع علی الزیارة قولا وفعلا وسرد کلام الائمة فی ذلک
وبین انها قربة بالکتاب والسنة والاجماع والقیاس یعنی علامہ سبکی نے
اس بات کو واضح طور پر لکھا ہے کہ زیارت کے مستحب اور باعث ثواب ہونے
پر اجماع ہے قولاً بھی اور فعلاً بھی اور اس مضمون کے متعلق پیشوایان دین کا کلام
ذکر کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ قران مجید حدیث اجماع اور قیاس ہر چیز سے زیارت

کا باعث ثواب ہونا ثابت ہے (وفاء الوفا جلد ۲ صفحہ ۴۱۱) پھر لکھا ہے وقد جاء فی السنة الصحیحة المتفق علیہا الامر بزیارۃ القبور یعنی صحیح حدیثوں میں جن پر محدثین کا اتفاق ہے یہ حکم ہے کہ قبروں کی زیارت کرنی چاہیئے (صفحہ ۴۱۲) پھر لکھا ہے وکیف یتخیل فی احد من السلف المنع من زیارۃ المصطفٰی ؐ وھم مجمعون علی زیارۃ سائر الموتی۔ یعنی یہ خیال کیونکر ہو سکتا ہے کہ بزرگوں سے کسی نے حضرت رسولخدا صلعم کی زیارت کو منع کیا ہے اس لیئے کہ تمام مسلمانوں کا تو اس پر اجماع ہے کہ تمام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم کے روضہ کی زیارت کیوں مستحب نہیں ہوگی (صفحہ ۴۱۷) یہ بھی لکھا ہے من زار قبر ابویہ فی کل جمعۃ او احدھما کتب بارا یعنی جو شخص ہر جمعہ میں اپنے والدین کی قبر کی زیارت کرے گا وہ ابرار میں لکھا جائیگا (صفحہ ۴۱۳) یہ بھی لکھا ہے ویروی من حدیث عائشہ رضؓ ما من رجل یزور قبر اخیہ فیجلس عندہ الا استانس بہ حتی یقوم یعنی حضرت عائشہ سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کو جائیگا اور اسکے پاس بیٹھیگا تو اس مردے کو اس سے انس حاصل ہوگا (صفحہ ۴۱۴) بتاؤ جب معمولی مسلمانوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے تو پھر حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ کی زیارت کس درجہ مستحب اور باعث ثواب ہوگی۔ اور جب اپنے باپ اور بھائی کی قبروں کی زیارت کا اجر ملیگا تو خدا کے پیارے اور حضرت رسولخدا صلعم کے لاڈلے حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے ثواب کی حد کوئی کیا سمجھ سکتا ہے پھر لکھا ہے۔ ویستحب الاکثار من الزیارۃ وان یکثر الوقوف عند قبور اھل الخیر والفضل یعنی کثرت سے زیارت کرنا اور صاحبان خیر وفضل کی قبروں کے پاس بہت زیادہ ٹھہرنا مستحب ہے (صفحہ ۴۱۶) بتاؤ جب عام طور پر صاحبان خیر وفضل کی قبروں کے پاس جانا اور ٹھہرنا مستحب ہے تو حضرت امام حسین علیہ السلام ایسے سرچشمہ خیر وفضل کی زیارت کا کس درجہ ثواب ہو سکتا ہے؟ یہ بھی لکھا ہے

زیارۃ قبور الانبیاء والصحابۃ والتابعین والعلماء وسائر المرسلین
للبرکۃ اثر معروف وقد قال حجۃ الاسلام الغزالی کل من یتبرک بمشاھدتہ
فی حیاتہ یتبرک بزیارتہ بعد موتہ ویجوز شد الرحال لھذا الغرض
یعنی انبیاء۔ صلحاء۔ تابعین۔ علماء اور باقی مرسلین کی قبروں کی زیارت برکۃ حاصل
کرنے کے لئے کرنی مشہور و معروف دستور ہے اور حجۃ الاسلام امام غزالی نے
کہا ہے کہ ہر وہ بزرگ جن سے انکی زندگی میں ملکر برکت حاصل کیجاتی ہے ان کے
مرنے پر انکی قبر کی زیارت سے برکت حاصل کرنی چاہئے اور اس غرض کے لئے
سفر کرنا جائز ہے (ص ۱۳۱) ۔ تم ہی انصاف کرو کہ جب عام صلحاء و تابعین و علماء
کی زیارت باعث ثواب ہے تو حضرت امام حسین علیہ السلام ایسے پیشوائے اسلام
کے روضہ کی زیارت کا کیا اجر ہوگا ۔ پھر علامہ ممدوح لکھتے ہیں یستحب الخروج
کل یوم الی البقیع ویکون ذلک بعد السلام علی رسول اللہؐ یعنی مستحب ہے
کہ ہر روز حضرت رسولخدا صلعم کی زیارت سے فارغ ہو کر قبرستان بقیع میں
جائیں اور وہاں والوں کی بھی زیارت کریں (ص ۱۴۷) یستحب ان یاتی قبور
الشہداء باحد یعنی مستحب ہے کہ احد کے شہیدوں کی قبروں کی زیارت کو
جائیں (ص ۱۴۸) پھر لکھا ہے ومن اعظامہ واکبارہ اعظام جمیع اشیائہ
واکرام جمیع مشاھدہ وامکنتہ ومعاھدہ وما لمسہ بیدہ او عرف بہ
انتھی قلت وذلک بزیارۃ تلک المشاھد والتبرک بھا یعنی حضرت
رسولخدا صلعم کی تعظیم و احترام سے یہ بھی ہے کہ حضرت کی کل چیزوں اور حضرت
کے کل مقاموں۔ مکانوں اور گزرگاہوں کی تعظیم کی جائے بلکہ جس چیز کو حضرتؐ
نے اپنے ہاتھ سے چھوا یا پہچانا اسکی تعظیم بھی کیجائے اور یہ بات اسی طرح حاصل
ہوگی کہ ان کل روضوں اور قبروں کی زیارت کیجائے اور اس سے برکت حاصل
کیجائے (ص ۱۴۹) اس اصول پر بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ کی زیارت
ضروری ہے ۔ جن کو حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی زبان چسائی ۔ اپنے کاندھے پر

سوار کرتے رہے۔ اپنی گود میں کھلاتے رہے و ذکو خلیل المالکی فی منسکہ استحباب زیارۃ البقیع یعنی خلیل مالکی نے اپنے منسک میں لکھا ہے کہ قبرستان بقیع کی زیارت مستحب ہے (ص ۲۱۹) اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے روضوں کی زیارت بھی مستحب ہے۔ لکھتے ہیں قبرالنبیؐ وصاحبیہ فان زیارتھم مستحبۃ یعنی حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت ابوبکر و عمر کی قبروں کی زیارۃ مستحب ہے (وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۱۲) اور حضرت سیدہ جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کی زیارۃ بھی مستحب ہے۔ علامہ ممدوح نے لکھا ہے ایسلم علی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالی عنہا عند المحراب الذی فی بیتھا یعنی جناب سیدہ کی زیارت بھی کرے اس محراب کے پاس جو انکے گھر میں ہے (ص ۴۱۱) بلکہ کوہ احد کی زیارۃ کا بھی حکم ہے علامہ ممدوح نے لکھا ہے وینہ ور جبل احد نفسہ ففی الصحیح احد جبل یحبنا ونحبہ یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ احد پہاڑ کی بھی زیارت کریں کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ احد پہاڑ ہم کو دوست رکھتا ہے اور ہم اسکو دوست رکھتے ہیں (ص ۴۱۹) غور کرو جب پہاڑ کی جس کو حضرت دوست رکھتے تھے زیارت کا حکم ہے تو امام حسین علیہ السلام کی زیارۃ کا کس درجہ حکم ہو سکتا ہے جنکو حضرت رسولخدا صلعم اس درجہ دوست رکھتے کہ اپنی جان اور ماں باپ تک کو حضرت پر فدا کرتے رہتے تھے جسکے واقعات عام کتب حدیث و تفسیر و سیرۃ میں بھرے ہوئے ہیں۔

مولوی صاحب۔ مگر حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں یا حضرت کے بعد صحابہ کرام زیارت کرتے تھے یا نہیں۔

حسینی بیگم۔ خود حضرت رسولخدا صلعم زیارت کرتے تھے اور حضرتؐ کے صحابہ کرام بھی زیارت کرتے تھے۔ علامہ سمہودی لکھتے ہیں۔ ثبت من زیارتہٖ لاھل البقیع وشھداء احد یعنی یہ بات ثابت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم قبرستان بقیع اور غزوہ احد کے شہیدوں کی زیارت فرمایا کرتے تھے (وفاء الوفا

جلد ۲ ص ۱۱۳) واذا ثبت ان الزیارۃ قربۃ فالسفر الیہا کذلک وقد ثبت خروج النبی من المدینۃ لزیارۃ قبور الشہداء فاذا جاز للخروج للقریب جاز للبعید یعنی جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ زیارت کرنی باعث ثواب ہے تو اسکے لئے سفر کرنا بھی باعث ثواب ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم شہدار کی قبروں کی زیارت کیلئے مدینہ سے باہر تشریف لے جایا کرتے تھے ۔ پس جب قریب کے آدمی کے لئے زیارت کے لئے سفر کرنا جائز ہوا تو اور لوگوں کے لئے بھی زیارت کے لئے سفر کرنا جائز ہے (ص ۱۱۴) اور حضرت بلال کا آنحضرت ؐ کے روضہ کی زیارت کے لئے شام سے مدینہ آنا ۔ اور حضرت عمر کا کعب الاحبار کو بیت المقدس سے مدینہ حضرت کے روضہ کی زیارت کے لئے اپنے ساتھ لانا پہلے بیان کرچکی ہوں ۔ علامہ ممدوح نے یہ بھی لکھا ہے روی البیہقی عن ھاشم بن محمد العمری من ولد عمر بن علی قال اخذنی ابی بالمدینۃ الی زیارۃ قبور الشہداء یعنی بیہقی نے ہاشم بن محمد عمری سے روایت کی ہے کہ عمر بن علی کے ایک لڑکے نے بیان کیا کہ میرے والد مجھکو مدینہ میں شہدار کی قبروں کی زیارت کے لئے لے گئے (ص ۱۱۳) اور جناب سیدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام برابر اپنے چچا حضرت حمزہ کی قبر اور اپنے والد ماجد صلعم کے روضہ کی زیارت کو تشریف لیجایا کرتی تھیں ان فاطمۃ بنت رسول اللہ کانت تزور قبر حمزۃ رض یعنی حضرت فاطمہ برابر جناب حمزہ رض کی قبر کی زیارت کو جاتی تھیں (ص ۱۱۲) جاءت فاطمہ رض فوقفت علے قبرہ واخذت قبضۃ من تراب القبر ووضعت علی عینیہا وبکت وانشأت تقول ۔ ماذا علی من شم تربۃ احمد ۔ ان لا یشم مدی الزمان غوالیا ۔ صبت علی مصائب لو انہا ۔ صبت علی الایام عدن لیالیا ۔ یعنی حضرت فاطمہ حضرت رسولخدا صلعم کی قبر پر آئیں اور وہاں ٹھہریں پھر قبر سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور اپنی آنکھوں پر رکھا اور روئیں پھر دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص حضرت رسولخدا صلعم کی

قبر کی مٹی سونگھ لے وہ پھر عمر بھر کوئی خوشبو نہ سونگھے تو اس کا کیا نقصان ہوگا (کیونکہ حضرت کی قبر کی مٹی اسکے لئے کافی ہے اور اسکی خوشبو کے سامنے دنیا بھر کی خوشبوئیں ہیچ ہیں) مجھ پر اتنی مصیبتیں ڈالی گئیں جو اگر دنوں پر ڈالی جاتیں تو وہ سب راتیں ہو جاتے (وفاء الوفا جلد ۲ ص ۴۴۴) ۔ میرے بیان کو طول ہو گیا مگر آخر میں ایک صفحہ کی عبارت اور سنا دیتی ہوں ۔ علامہ ممدوح لکھتے ہیں فثم یزور قبور السلف الطاهرة بالبقیع کقبر ابراهیم بن رسول اللہ و عثمان والعباس والحسن بن علی وعلی بن الحسین ومحمد بن علی وجعفر بن محمد وغیرهم رض ویختم بصفیة عمة رسول اللہ یعنی مسلمانوں کو چاہیئے کہ حضرت رسولخدا صلعم کی زیارت سے فارغ ہو کر ان بزرگوں کی قبروں کی بھی زیارت کریں جو باہر بقیع میں ہیں جیسے حضرت رسولخدا کے فرزند حضرت ابراہیم اور خلیفہ ثالث حضرت عثمان اور حضرت رسولخدا صلعم کے چچا حضرت عباس اور حضرت کے بڑے نواسے امام حسن علیہ السلام اور چوتھے امام زین العابدین علیہ السلام اور پانچویں امام محمد باقر علیہ السلام اور چھٹے امام جعفر صادق علیہ السلام وغیرہ کی اور آخر میں حضرت رسولخدا صلعم کی پھوپھی جناب صفیہ کی زیارت کریں واذا اراد زیارة البقیع یخرج من باب البلد ویأتی قبة العباس بن عبد المطلب والحسن بن علی رض یعنی جب قبرستان بقیع کی زیارت کا ارادہ کریں تو شہر کے دروازے سے نکلیں اور حضرت عباس بن عبد المطلب اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے روضوں پر آئیں (ص ۴۴۴) اس عبارت کے بعد تو تم کچھ بول ہی نہیں سکتے کہ جب حضرت رسولخدا صلعم کے چچا حضرت عباس اور پھوپھی جناب صفیہ نیز دوسرے امام حسن ع چوتھے امام زین العابدین پانچویں امام محمد باقر اور چھٹے امام جعفر صادق علیہم السلام کی زیارت کا حکم ہے تو پھر تیسرے امام حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کا حکم تو زیادہ ضروری ہے جو سید الشہداء ہیں اور جن کے ذریعہ سے حضرت رسولخدا صلعم کے فضائل مکمل ہوئے کہ آپ ہی کی وجہ سے حضرت رسولخدا کو شہادت

شرف حاصل ہوا۔ بلکہ جو لوگ ان حضرات سے کم درجہ کے تھے انکی زیارت کا بھی حکم ہے وینبغی ھب الی زیارۃ مشہد سیدنا مالک بن سنان ومشہد النفس الزکیہ یعنی پھر مسلمانوں کو چاہئے کہ حضرت مالک بن سنان اور حضرت نفس زکیہ کے روضوں کی زیارت کو جائیں (ص ۱۴۸) جناب علامہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے بھی اپنی کتاب جذب القلوب مطبوعہ کلکتہ میں ان تمام باتوں کو لکھا ہے تم گھبراؤ گے ورنہ میں انکی عبارتیں بھی سناتی۔

مولوی صاحب۔ نہیں انکی ضرورت نہیں ہے۔ اسی قدر بہت ہے۔ تم دریائے زخار ہو کہ جب بہنے لگتی ہو تو پھر رکتی ہی نہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ تم جس مضمون کو شروع کرتی ہو اسکے متعلق تمہارے معلومات کے سمندر کا کنارا نظر ہی نہیں آتا۔

حسینی بیگم۔ اب تم بنانے لگے۔ علامہ سمہودی نے انھیں اوراق میں ایک دلچسپ واقعہ اور لکھا ہے۔ مگر اس کو زیارت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔

مولوی صاحب۔ خیر زیارت سے ربط نہ سہی بیان تو کرو کیا لکھا ہے۔

حسینی بیگم۔ لکھا ہے ان خالد بن الولید بن الحارث بن الحکم بن العاص وھو ابن مطیرۃ قام علی منبر رسول اللہ یوم جمعۃ فقال لقد استعمل رسول اللہ علی بن ابی طالب وھو یعلم انہ خائن ولکن شفعت لہ ابنتہ فاطمۃ رض وداؤد بن قیس فی الروضۃ فقام فقال اس ای یسکتہ قال فمزق الناس قمیصا کان علیہ یعنی خالد بن ولید بن حارث بن حکم بن عاص جس کو لوگ ابن مطیرہ کہتے تھے ایک جمعہ میں حضرت رسولخدا صلعم کے منبر پر چڑھ کر کہنے لگا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علیؑ کو عامل مقرر کیا تھا حالانکہ حضرتؐ جانتے تھے کہ وہ خائن ہیں مگر حضرتؐ کی صاحبزادی جناب فاطمہؑ نے سفارش کی تھی اس سبب سے حضرتؐ نے مقرر کر دیا۔ داؤد بن قیس وہیں روضہ میں تھے انھوں نے کہا چپ رہ اور لوگوں نے اسکی قمیص پھاڑ ڈالی۔ پھر لکھا ہے روایت

کما خرجت من القبر قبر رسول اللہ وھو یقول کذبت یا عدو اللہ
کذبت یا کافر مرارا یعنی دیکھا میں نے کہ ابن مطہرہ کی اس بے ادبی پر حضرت
رسولخدا صلعم کی قبر سے ایک ہاتھ نکلا جو کہتا تھا کہ اے دشمن خدا تو جھوٹ بکتا ہے
اے کافر غلط کہتا ہے۔ اس بات کو اس نے کئی دفعہ کہا (وفار الوفا جلد ۲ صفحہ ۴۴)

مولوی صاحب۔ خیر یہ سب تو ہوا مگر یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے ماموں صاحب سے
خاص کربلا کی زیارت کی فرمایش کیوں کی۔ اپنے بغداد شریف یا مدینہ شریف کی زیارت
کو کیوں نہیں کہا۔

حسینی بیگم۔ بغداد شریف کا نام تو کربلا شریف کے ساتھ آہی نہیں سکتا کیونکہ
بغداد شریف میں تو اُن حضرات کے روضے ہیں جو خود اپنے کو حضرت امام حسین ؑ
کا غلام کہتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے کہ وہ لوگ حضرتؑ کے محبوں اور جان نثاروں
میں ہیں۔ رہا مدینہ شریف تو اس کو نہ پوچھو۔ میں ڈرتی ہوں کہ اس مسئلہ میں کچھ
میں بولوں تو تم مجھسے بہت ناراض ہو جاؤ گے۔ اور میں تمہاری ناخوشی چاہتی نہیں۔

مولوی صاحب۔ میں ناراض کیوں ہونگا۔ کہو تو کیا وجہ ہے۔

حسینی بیگم۔ نہیں اسکو جانے دو۔ تمہارے رنجیدہ ہونے سے خدا مجھ سے ناراض ہوگا۔

مولوی صاحب۔ خدا کے ناراض ہونے کی خوب کہی۔ مذہبی باتوں میں شوہر کی
اطاعت اور اسکی خوشنودی حاصل کرنیکا حکم کس نے دیا ہے؟ اگر قرآن شریف کی
تلاوت کرو اور میں رنج ہوں تو کیا اس سے بھی خدا تم سے ناراض ہوگا۔ تم اپنے
اعتقاد کے مطابق امام ابو حنیفہ صاحب کی تقلید کرتی ہو اور میں اس کو پسند نہیں
کرتا مگر کیا اسکی وجہ سے خدا تم سے ناراض ہوگا۔ غرض مذہبی احکام کے بارے
میں نہ اولاد پر والدین کی اطاعت واجب ہے نہ بیوی پر شوہر کی اطاعت ضروری ہے،
تم کو میرے سر کی قسم بتاؤ تم نے کربلا کی زیارت کو کیوں کہا۔

حسینی بیگم۔ اب تم اصرار کرتے بلکہ قسم دیتے ہو تو میں ظاہر کرتی ہوں کہ میرا تو اعتقاد
ہو گیا ہے کہ مدینہ شریف سے کربلا شریف کا درجہ بڑھ گیا ہے۔

مولوی صاحب۔ پھر وہی کفر کی باتیں بکنے لگیں۔ ایسی باتوں سے آدمی کافر ہو جاتا ہے

حسینی بیگم۔ مگر میرے پاس تو اس اعتقاد کی زبردست دلیل موجود ہے اس کو کیا کروں۔ اسی سے تو میں اسکو ظاہر نہیں کرتی تھی مگر تم نے قسم دیکر مجبور کر دیا۔

مولوی صاحب۔ تم جس بات کو دلیل سمجھو کیا اس کا درست ہونا بھی ضروری ہے؟

حسینی بیگم۔ نہیں غلط بھی ہو سکتی ہے۔ مگر اس دلیل کو کوئی شخص غلط کر بھی تو دے۔

مولوی صاحب۔ خیر میں بھی تو سنوں کہ وہ دلیل کیا ہے جو غلط نہیں ہو سکتی۔

حسینی بیگم۔ تم جانتے ہو کہ حضرت غوث اعظم پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کیسے معزز ولی گزرے ہیں جن کو تم لوگ (اہلحدیث بھائی) بھی نہایت درجہ مانتے ہو۔ اور ہم لوگ (حنفی) تو انکو بہت بڑا رہبر اور پیشوا مانتے ہی ہیں۔

مولوی صاحب۔ بے شک حضرت شیخ جیلانی رضی اللہ عنہ بڑے محترم بزرگ تھے

حسینی بیگم۔ اہلحدیث بھائیوں کے پیشوائے اعظم جناب مولانا وحید الزماں خاں صاحب حیدر آبادی نے لکھا ہے "شیخ عبد القادر جیلی مشہور بزرگ ہیں۔ اور ہمارے مذہب یعنی حنابلہ کے پیشوا اور امام ہیں۔ مترجم کہتا ہے میں نے آپ کو خواب میں دیکھا اور یہ عرض کیا کہ اس زمانہ کے فقراء جیسے ہیں اون کا حال آپ کو معلوم ہوا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میری بیعت بلا واسطہ قبول فرمائیے۔ یہ سنکر آپ مجھکو ایک ڈیرے میں لے گئے اوسمیں کئی کتابیں رکھی تھیں۔ آپ نے ایک جلد کتاب اونمیں سے اوٹھا کر مجھکو عنایت فرمائی۔ میں نے خواب ہی میں اوسکو کھول کر دیکھا تو وہ صحیح بخاری تھی۔ اس خواب کی تعبیر بیس سال کے بعد ظاہر ہوئی۔ اللہ تعالی نے میرے ہاتھ سے صحیح بخاری کا ترجمہ تمام کرا دیا اور اوس کو مقبول فرمایا۔ یا اللہ اپنے پیر و مرشد شیخ عبد القادر جیلانی کے طفیل سے اس کتاب کو بھی مقبول فرما دے" (انوار اللغۃ پارہ ۵ صفحہ ۱۱) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت غوث اعظم کی مریدی تم لوگ بھی کرتے ہو۔

مولوی صاحب۔ پیری مریدی کا ذکر تو رہنے دو۔ البتہ حضرت شیخ صاحب کو ہم لوگ بڑا مقرب بندہ خدا بلکہ صاحب کرامات ولی بھی مانتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ بس انھیں کی کتاب غنیۃ الطالبین سے میں نے سمجھا کہ کربلا شریف خدا کی بہت پیاری جگہ ہے اور شاید مدینہ شریف سے بھی بڑھ گئی ہو تو عجب نہیں۔

مولوی صاحب۔ تمھاری اسی بات پر مجھے غصہ آتا ہے۔ معاذ اللہ مدینہ شریف سے کربلا شریف کیسے بڑھ سکتا ہے۔

حسینی بیگم۔ حضرت شیخ صاحب نے لکھا ہے روی عن الحسن البصری رہ انہ قال ان سلیمان بن عبد الملک رای النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی المنام یبشرہ ویلاطفہ فلما اصبح سال الحسن رض عن ذلک فقال لہ الحسن رض لعلک فعلت الی اھل بیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم معروفا فقال نعم وجدت راس الحسین بن علی رض فی خزانۃ یزید بن معاویہ فکسوتہ خمسۃ من الدیباج وصلیت علیہ مع جماعۃ من اصحابی وقبرتہ فقال لہ الحسن لقد رضی النبی صلے اللہ علیہ وسلم عنک بسبب ذلک فاحسن الی الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ وامر لہ بالجوائز۔ وروی عن حمزۃ بن الزیات قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابراھیم الخلیل علیہ السلام فی المنام یصلیان علی قبر الحسین بن علی رض واخبرنا ابو نصر عن والدہ باسنادہ عن ابی السامۃ عن جعفر بن محمد رض قال ھبط علی قبر الحسین بن علی رض یوم اصیب سبعون الف ملک یبکون علیہ الی یوم القیامۃ یعنی امام حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اوھوں نے فرمایا ہے کہ خلیفہ سلیمان بن عبد الملک نے حضرت رسولخدا م کو خواب میں دیکھا کہ اسکو مبارکباد دیتے اور اسکے ساتھ محبت سے پیش آرہے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو خلیفہ نے امام حسن بصری سے اس خواب کی تعبیر پوچھی امام حسن بصری نے جواب دیا کہ شاید حضور نے حضرت رسولخدا صلعم کے اہلبیت کے ساتھ کوئی نیکی کی ہے۔ خلیفہ نے کہا ہاں۔ میں نے حضرت امام حسین ع

کے سر مبارک کو یزید کے خزانہ میں پایا تو اس کو دیبا کے پانچ کپڑوں سے
ڈھک دیا اور اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ اسپر نماز جنازہ پڑھی۔
اور اوسکو قبر میں رکھدیا۔ اس پر امام حسن بصری نے خلیفہ سلیمان سے کہا کہ
بس اسی سبب سے حضرت رسولخدا صلعم سے خوش ہو گئے ہیں۔ یہ تعبیر سُن کر خلیفہ
سلیمان نے امام حسن بصری کو بہت انعام دیا اور انکے ساتھ بڑا احسان کیا۔ اور
حمزہ بن زیات سے روایت ہے وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت رسولخدا صلعم
اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ دونوں بزرگ امام حسین ع
کے روضہ پر نماز پڑھتے ہیں۔ اور مجھ سے ابونصر نے روایت کی ہے کہ جس روز
امام حسین علیہ السلام شہید کئے گئے اُسی دن حضرت کی لاش کے پاس ستر
ہزار فرشتے اُترے جو حضرت پر قیامت تک روتے رہیں گے (غنیۃ الطالبین)
مولوی صاحب۔ تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ اب کربلا مدینہ شریف سے بھی بڑھ گیا
حسینی بیگم۔ پہلے یہ بتاؤ کہ حضرت غوث اعظم نے جس روایت کو اپنی کتاب
میں لکھا اس کو تم صحیح مانوگے یا نہیں۔
مولوی صاحب۔ یقیناً صحیح ہے۔ میں اسکو غلط نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ حنفی اور
اہلحدیث دونوں انکو نہایت معتبر جانتے ہیں۔
حسینی بیگم۔ تو اب تم کو تسلیم کرنا ہوگا کہ حمزہ بن زیات کا بیان صحیح ہے کہ
اونھوں نے حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت ابراہیم ع کو خواب میں دیکھا کہ روضہ امام
حسین ع پر نماز پڑھتے ہیں۔
مولوی صاحب ہاں اسمیں شک کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھا ہی ہوگا۔
حسینی بیگم۔ اور تم جانتے ہو کہ جو شخص حضرت رسولخدا صلعم کو خواب میں دیکھے
وہ واقعاً حضرت ہی کو دیکھے گا اور کسی دوسرے کو نہیں دیکھ سکتا۔
مولوی صاحب۔ ہاں اسکے متعلق تو حضرت صلعم کی حدیث بھی موجود ہے۔
فرمایا ہے ومن رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل صورتی یعنی

جو مجھے خواب میں دیکھے گا وہ درحقیقت مجھ ہی کو دیکھے گا - اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں اختیار کر سکتا ہے (صحیح بخاری پارہ ۲۵ صفحہ ۶۱۳)

حسینی بیگم - بس اللہ تمہارا بھلا کرے - اب بتاؤ کہ جب کوئی دوسرا شخص آنحضرت صلعم کی صورت نہیں اختیار کر سکتا تو جناب حمزہ بن زیات نے یقیناً آنحضرت صلعم اور حضرت ابراہیمؑ ہی کو خواب میں دیکھا کہ روضہ امام حسینؑ پر نماز پڑھ رہے ہیں۔

مولوی صاحب - ہاں اس سے مجھے انکار نہیں ہے اور نہ اسکی کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔

حسینی بیگم - تو معلوم ہوا کہ واقعاً حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت ابراہیمؑ حضرت امام حسینؑ کے روضہ پر نماز پڑھتے تھے - یعنی یہ حضرات عالم ارواح میں وہاں آکر خدا کی عبادت کرتے تھے۔

مولوی صاحب - ہاں کرتے تھے مگر اس سے کربلا مدینہ شریف سے افضل کیونکر ہو جائیگا۔

حسینی بیگم - یہ بتاؤ کہ انتقال کے بعد حضرت رسولخدا صلعم کہاں تشریف رکھتے ہیں۔

مولوی صاحب - بہشت میں۔

حسینی بیگم - بالکل درست ہے - تو ثابت ہوا کہ آنحضرت صلعم بہشت کو چھوڑ کر کربلا میں آگئے اور وہاں نماز پڑھتے تھے - مگر کیا یہ بھی کسی نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے حضرت رسولخدا صلعم کو خواب میں دیکھا ہو کہ آنحضرت صلعم اپنے انتقال کے بعد عالم ارواح میں کبھی بہشت کو چھوڑ کر مدینہ میں تشریف لائے اور وہاں نماز پڑھی ہے۔

مولوی صاحب - نہیں مجھے تو نہیں معلوم ہے - نہ کسی کتاب میں یہ مضمون دیکھا ہے۔

حسینی بیگم - تو کیا اس سے یہ نہیں ثابت ہوا کہ آنحضرت صلعم نے انتقال کے بعد مدینہ کو اس قابل نہیں سمجھا کہ بہشت کو چھوڑ کر وہاں تشریف لائیں اور نماز پڑھیں۔

مولوی صاحب - اچھا پھر -
حسینی بیگم - اور کربلا کو اس قابل خیال فرمایا کہ بہشت کو چھوڑ کر وہاں آئیں اور وہیں نماز پڑھیں - اب تم ہی غور کرو اور انصاف سے بتاؤ کہ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے انتقال کے بعد دنیا کی جس جگہ کو اس قابل سمجھا کہ بہشت سے آکر وہاں نماز پڑھیں وہ بہتر ہو گی - یا وہ جگہ جس کو حضرتؐ نے اس قابل نہیں سمجھا -
مولوی صاحب - یہ تو تم نے بڑی مشکل کا سوال کیا - میں اس کا کیا جواب دوں
حسینی بیگم - تم جواب دو یا نہ دو مگر ہر انصاف پسند اس کو تسلیم کریگا کہ جب واقعہ کربلا کے بعد حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت ابراہیمؑ نے عالم ارواح میں روضہ امام حسینؑ پر آکر نماز پڑھی اور مدینہ شریف کو اس قابل نہیں سمجھا تو یقیناً کربلا شریف مدینہ شریف سے افضل ہے - اس لئے کہ ان حضرات نے عبادت خدا کے لئے کربلا کو پسند کیا اور مدینہ کو اس قابل نہیں سمجھا -
مولوی صاحب - مگر یہ کیسے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم نے یا حضرت ابراہیمؑ نے واقعہ کربلا کے بعد عالم ارواح میں آکر مدینہ میں نماز نہیں پڑھی -
حسینی بیگم - اس طرح کا کسی کو کوئی دلیل نہیں ہے - اگر کسی شخص نے خواب میں حضرت کو مدینہ میں بھی نماز پڑھتے دیکھا ہوتا تو معلوم ہوتا کہ آنحضرتؐ نے واقعہ کربلا کے بعد عالم ارواح میں آکر مدینہ میں بھی نماز پڑھی - مگر جب کسی نے آنحضرتؐ کو خواب میں اس طرح نہیں دیکھا تو کیسے معلوم ہو کہ حضرت وہاں تشریف لائے اور نماز پڑھی - مگر کربلا شریف کے بارے میں تو روایۃ موجود ہے کہ جناب حمزہ بن زیات نے خواب میں دیکھا کہ حضرت صلعم اور حضرت ابراہیمؑ وہاں نماز پڑھ رہے ہیں اور پھر ان کی اس روایت کو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اس قدر صحیح جانا کہ اپنی ایسی مقبول کتاب غنیۃ الطالبین میں درج کر دیا -
مولوی صاحب - ہاں اس دلیل سے تو بے شک کربلا کا مدینہ شریف سے

افضل ہونا ثابت ہوتا ہے اور تمہاری اس دلیل کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ کیونکہ واقعاً خواب میں حضرت رسولخدا صلعم اور حضرت ابراہیمؑ اس طرح دیکھے گئے کہ کربلا میں نماز پڑھتے ہیں۔ اور مدینہ میں نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھے گئے نہ کسی بزرگ نے ایسا خواب دیکھا۔ نہ کسی عالم نے ایسا خواب اپنی کتاب میں لکھا۔

حسینی بیگم۔ اگر غور کرو تو اس روایۃ کا آخری جملہ بھی پکار کر کہتا ہے کہ کربلا شریف کا درجہ مدینہ شریف سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ پر ستر ہزار فرشتے اُترے جو قیامت تک حضرت پر روتے رہیں گے یعنی ستر ہزار فرشتے برابر وہاں موجود رہتے ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گے۔ جب ہی تو وہاں قیامت تک روتے رہینگے۔ اور مدینہ شریف کے بارے میں یہ کسی نے نہیں بیان کیا کہ وہاں ایک ہزار فرشتے بھی معین کیئے گئے ہوں کہ برابر حاضر رہیں۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ مدینہ شریف اس قابل نہیں تھا کہ وہاں خدا کے عبادت گزار فرشتے مقرر کیئے جاتے کہ برابر رہیں مگر کربلا شریف اس قابل ہے کہ خدا نے ایک دو نہیں۔ سو پچاس نہیں۔ ہزار دو ہزار نہیں۔ دس بیس ہزار نہیں۔ بلکہ ستر ہزار فرشتوں کو مقرر فرمادیا کہ وہیں رہا کریں اور حضرت امام حسینؑ پر رویا کریں"۔

اسکے بعد دونوں سو رہے جب صبح ہوئی تو مولوی صاحب باہر گئے اور حسینی بیگم نے گھر کے ضروری کاموں سے فراغت کر کے اپنے ماموں مسٹر ابو الخیر کے خط کا جواب لکھا جس میں انکی اس نئی زندگی پر بڑی خوشی ظاہر کی اور آخر میں یہ جملہ بھی لکھا "آج کل مجھ سے اس بات پر بحث ہو رہی ہے کہ کس کس زبان میں کن علماء و مورخین نے اس واقعہ کو لکھا ہے کہ ۶۱ھ ہجری میں حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا میں شہید کیئے گئے۔ اردو فارسی عربی کتابوں کے حوالے تو میں دے دونگی مگر انگریزی نہیں جانتی ہوں۔ اگر آپ سے ہوسکے

تو چار پانچ کتابوں کے نام لکھکر مطلع فرمایئے کہ زبان انگریزی کی کتابوں کے حوالے بھی دے دیئے جائیں"۔ اور خط کو ختم کر لیٹر بکس میں چھوڑ دینے کو بھیج دیا۔

اٹھارہواں باب ۱۸

امام باڑہ بنوانے کی ضرورت

ایک شب کو مولوی صاحب گھر آئے اور کھانا کھا کر اپنے پلنگ پر لیٹے تو اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب۔ ہاں اس روپیہ کا کیا ہوا۔ میں کچھ ایسے جھگڑوں میں رہا کہ تم سے دریافت ہی نہیں کر سکا کہ مسٹر ابوالخیر صاحب نے جو پانچ ہزار روپیہ تم کو بھیجے انکو کیا کردگی۔

حسینی بیگم۔ جو تمہاری رائے ہو۔

مولوی صاحب۔ میری رائے کیا۔ تمہارا مال ہے جو تمہارا جی چاہے کرو۔

حسینی بیگم۔ مگر تم بھی تو اپنا خیال ظاہر کرو۔

مولوی صاحب۔ میری رائے ہے کہ اس سے کوئی جائداد موقع کی مل جائے تو خرید لو۔ اگر اس شہر میں کوئی مکان فروخت ہوتا ہو تو اسکے لے لینے سے ماہوار ایک رقم ملتی رہیگی۔

حسینی بیگم۔ میری بھی یہی خواہش ہے کہ اس سے کوئی جائداد حاصل کروں مگر دنیا کی نہیں بلکہ آخرت کی جائداد۔

مولوی صاحب۔ آخرت کی جائداد کس طرح حاصل کروگی۔ ہاں حج کرا دو تو ہو سکتا ہے

حسینی بیگم۔ حج کرنے سے بھی جائداد ملیگی مگر اس کا نفع ایک ہی دفع ملیگا اور میں چاہتی ہوں کہ ایسی جائداد ہو جسکے منافع ہمیشہ ملتے بلکہ بڑھتے رہیں۔

مولوی صاحب۔ تم تو پہیلیاں بجھانے لگتی ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں

کہتیں ۔

حسینی بیگم ۔ میں چاہتی ہوں کہ اس سے ایک امام باڑہ بنواؤں حضرت امام حسین علیہ السلام کی فضیلت ذکر کرنے سے یہ روپیہ مجھے ملا ہے تو اس سے جائداد بھی وہی لی جائے جس میں حضرت کی فضیلت برابر بیان کیجائے اور اس کا ثواب مجھے بھی قیامت تک ملتا رہے ۔

اس جواب پر مولوی صاحب چپ ہو گئے اور بہت دیر تک غصہ میں پیچ و تاب کھاتے رہے حسینی بیگم بلا کی ذہین واقع ہوئی تھیں سمجھ گئیں کہ امام باڑے کے نام پر یہ اُکھڑ گئے ہیں ۔ فوراً ہاتھ جوڑ کر بولیں ۔

حسینی بیگم ۔ اگر میں نے کوئی بے جا بات کہی ہو تو میری خطا معاف کرو ۔

مولوی صاحب ۔ مجھے تمہارے بدعتی خیالات سے بڑی اذیت ہوتی ہے ۔

حسینی بیگم ۔ اچھا میں اپنے بدعتی خیالات سے توبہ کرتی ہوں ۔ لو اب جا دو خدا مجھے ہر بدعتی بات سے بچائے ۔

مولوی صاحب ۔ تعجب ہے کہ تم علمی باتوں میں اتنی بڑی محقق ہو مگر خود اپنی تحقیقات پر عمل نہیں کرتیں اور بدعتی باتوں سے دوسروں کو کہاں تک روکتیں کہ خود انکو اختیار کرتی ہو ۔

حسینی بیگم ۔ تم جو چاہو کہہ لو کیونکہ اس وقت ناراض ہو گئے ہو ۔ اور میں تم کو ناخوش نہیں رکھ سکتی ۔ ہاں جب تمہارا غصہ اُتر جائیگا تو اسکے متعلق بھی میں اپنے خیالات ظاہر کر دونگی ۔

مولوی صاحب ۔ نہیں اب میں غصہ نہیں کرتا ۔ تم کو جو کہنا ہو اسی وقت کہہ سکتی ہو ۔

حسینی بیگم ۔ اس وقت مناسب نہیں معلوم ہوتا پھر شاید تم کو برا معلوم ہو ۔

مولوی صاحب ۔ نہیں عقل کی بات ہو گی تو بری کیوں معلوم ہو گی ۔ کہو تو ۔

حسینی بیگم ۔ تم ہی انصاف کرو کہ میں نے امام باڑہ بنانے کا نام لیا تو کیا برا

کیا جس سے تم اس قدر خفا ہو گئے ۔ وہ بھی ایک مکان ہی تو ہے جس میں قرآن پاک کی تفسیر بیان کیجاتی ہے ۔ خدا کے احکام ذکر کئے جاتے ہیں ۔ حضرت رسولخدا صلعم کی حدیثیں پڑھی جاتی ہیں ۔ حضرات ائمہ طاہرین کے فضائل و مصائب سُنائے جاتے ہیں ۔ رویا پیٹا جاتا ہے ۔ اب بتاؤ کہ ایسا مکان بنانا کیوں بُرا ہوگا ۔

مولوی صاحب ۔ پہلے تم بتاؤ کہ کس دلیل سے امام باڑہ بنانے کو جائز کہتی ہو ۔ اسکے بعد میں سمجھا دونگا کہ اس کا بنانا حرام اور ناجائز ہے ۔

حسینی بیگم ۔ میری دلیل یہ ہے کہ جس طرح دنیا کا ہر مکان بنانا جائز ہے اسی طرح اس کا بھی بنانا جائز ہے جب تک اسکے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں دوگے یہ ناجائز نہیں ہو سکتا ہے

مولوی صاحب ۔ مگر جب تک خدا کسی کام کی اجازت نہیں دے وہ جائز کیسے ہو سکتا ہے ۔

حسینی بیگم ۔ اسکی ضرورت نہیں ہے کہ خدا ہر چیز کا نام لے کر بتا دے کہ یہ جائز ہے ۔ اس نے کہاں کہا ہے کہ روٹی کھانی جائز ہے ۔ مٹھائی کھانی جائز ہے ۔ آم کھانا جائز ہے ۔ خربزہ کھانا جائز ہے ۔ بلکہ اس نے اصول مقرر کر دیا ہے کہ جن چیزوں کو ہم منع نہ کریں وہ سب جائز ہے ۔ یہ مسئلہ علم الاصول میں طے شدہ ہے ۔ تمہارے پیشوائے اعظم جناب مولانا صدیق حسن خانصاحب بھوپالی رحمۃ اللہ نے اسکی پوری تحقیق کر دی ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ جب تک کسی چیز کی حرمت کی دلیل نہ ملے وہ حلال ہی سمجھی جائیگی ویدل علیہ قولہ تعالیٰ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات واذا انتفت الحرمۃ ہا الکلیۃ ثبتت الاباحۃ وقولہ تعالیٰ احل لکم الطیبات یعنی میرے اس دعوی پر قرآن مجید کی یہ آیۃ دلیل ہے کہ اے رسول کہدو کون شخص اللہ کی اس زینت کو حرام کرتا ہے جس کو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے ۔

اور کون شخص پاک چیزوں کو روکتا ہے۔ اور جب حرمت نہیں معلوم ہوئی تو اس کا حلال
ہونا ثابت ہوگیا۔ دوسری آیۃ میں خدا نے فرمایا ہے۔ اے مسلمانو! تم لوگوں کے
لئے پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں (وقولہ تعالیٰ خلق لکم ما فی الارض
جمیعا یعنی خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس نے تم لوگوں کے لئے زمین کی کل چیزیں
پیدا کی ہیں۔ وقولہ تعالیٰ قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم
یطعمہ الا ان یکون میتۃ الایۃ فجعل الاصل الاباحۃ والتحریم
مستثنی یعنی خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اے رسول کہہ دو خدا نے مجھ پر جو وحی
نازل کی ہے اس میں کسی کھانے والے کے لئے کوئی چیز حرام نہیں پاتا سوا مردار
کے۔ اس میں بھی خدا نے اصول مقرر کردیا کہ ہر چیز جائز اور حلال ہے جب تک
خدا اس سے کسی چیز کو مستثنیٰ نہ کردے۔ وقولہ تعالیٰ سخر لکم ما فی السموات
وما فی الارض جمیعاً یعنی خدا نے یہ بھی فرمایا ہے جو چیزیں آسمانوں اور
زمین میں ہیں سب کو اس نے تم لوگوں کے لئے مسخر کردیا ہے ویستدل علی
ذلک ایضا بما ثبت فی الصحیحین وغیرہما من حدیث سعد بن
ابی وقاص عن النبیؐ انہ قال ان اعظم المسلمین فی المسلمین جرما
من سائل عن شئ لم یحرم علی السائل من اجل مسالتہ یعنی میرے اس
دعوی کی یہ دلیل بھی ہے جو صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں ہے کہ
حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ سب سے بڑا مجرم اور گنہگار وہ مسلمان ہے جس سے
کوئی کسی چیز کا مسئلہ پوچھے تو وہ اس چیز کو حرام کردے۔ وبما اخرج الترمذی
وابن ماجہ عن سلمان الفارسی انہ قال لما سئل رسول اللہؐ عن السمن
والجبن والفرا قال الحلال ما احلہ اللہ فی کتابہ والحرام ما حرمہ اللہ
فی کتابہ وما سکت عنہ فہو مما عفا عنہ یعنی میرے دعوی کی دلیل وہ حدیث
بھی ہے جس کو امام ترمذی اور ابن ماجہ نے سلمان فارسیؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت
رسولخدا صلعم سے کسی نے گھی۔ روٹی۔ گورخر کو پوچھا تو حضرتؐ نے فرمایا جس کو خدا نے

قرآن میں حلال کر دیا وہ حلال ہے اور جس کو حرام کر دیا وہ حرام ہے اور جسکے بارے میں کچھ نہیں کہا خاموش رہا وہ سب جائز ہے (کتاب حصول المامول مطبوعہ مصر صفحہ ۲۱۳)۔ امام شوکانی علیہ الرحمۃ نے بھی ان باتوں کو لکھا ہے (ملاحظہ ہو ارشاد الفحول مطبوعہ مصر صفحہ ۲۶۶) ان کل باتوں سے یہ تو یقینی ثابت ہوا کہ امام باڑہ بنانے کو قرآن و حدیث میں ناجائز نہیں لکھا ہے۔ اب تم کس دلیل سے اس کو ناجائز کہتے ہو ذرہ اس کو بھی تو بیان کرو۔

مولوی صاحب۔ اس وجہ سے کہ یہ بدعۃ ہے اور ہر بدعۃ گمراہی ہے۔

حسینی بیگم۔ بتاؤ کہ بدعۃ کس کو کہتے ہیں۔ اور یہ کس نے کہا کہ ہر بدعۃ گمراہی ہے۔

مولوی صاحب۔ تمہارے پاس حضرت مولانا وحید الزماں خاں صاحب رحمہ اللہ حیدر آبادی کی کتاب انوار اللغۃ موجود ہے اس کو نکال کر پڑھو۔

حسینی بیگم۔ اُٹھکر گئیں اور انوار اللغۃ اور اُسکے ساتھ دو کتابیں اور نکال لائیں پھر کہا۔ دیکھو اسمیں لکھا ہے "بدعٌ نئی چیز جسکی کوئی مثال پہلے سے نہ ہو۔ بدعۃ اُسکا مونث۔ نِعْمَتِ الْبِدْعَۃُ یہ حضرت عمرؓ نے تراویح کی ایک جماعۃ کر دینے کی نسبت کہا یعنی یہ بدعۃ اچھی ہے۔ بدعۃ دو قسم کی ہے ایک بدعۃ ضلالت جس کو بدعۃ سیئہ بھی کہتے ہیں۔ دوسری بدعۃ ہدایت جس کو بدعۃ حسنہ بھی کہتے ہیں۔ جو بدعۃ اللہ اور رسولؐ کے احکام کے خلاف میں ہو وہی بدعۃ ضلالۃ اور سیئہ ہے اور جو بدعۃ اللہ اور رسولؐ کے احکام کے موافق ہو اُسکی کوئی مثال پہلے سے نہ ہو مثلاً سخاوت کی نئی شکلیں یا عمدہ اور بہتر کاموں کی نئی صورتیں۔ جیسے کوئی یتیم خانہ۔ یا بیوہ گھر۔ یا بیت المساکین۔ یا بیت المعذورین۔ یا کتب خانہ۔ یا قرض حسنہ کا بینک۔ یا مدرسہ صنعت و حرفت و تجارت و زراعت و علوم دینیہ یا مدرسہ تعلیم طب و علاج وا دویہ قائم کرے وہ بدعۃ حسنہ ہے اور اُس پر ثواب کی امید ہے بدلیل دوسری حدیث کے مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً کَانَ لَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا وَمَنْ سَنَّ سُنَّۃً سَیِّئَۃً کَانَ عَلَیْہِ وِزْرُھَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا[۱]

[۱] یعنی جو شخص اچھی راہ نکالے اُسکو اسکا ثواب بھی ملیگا اور جو لوگ اس پر عمل کرینگے اُنکا ثواب بھی۔ اور جو شخص بری راہ نکالے اس کو اس کا بھی عذاب ہو گا۔ اور جو لوگ اس پر عمل کریں گے اُن کا عذاب بھی۔ ۱۲

اور حضرت عمر نے جو تراویح کو بدعۃ فرمایا وہ اسی معنی کر ہے یعنی بدعۃ حسنہ ہے۔
کیونکہ افعال خیر میں داخل ہے اور اللہ اور رسولؐ کے احکام کے موافق ہے۔
اور بدعۃ اوسکو اس لئے کہا کہ آنحضرتؐ نے تراویح اس انتظام کے ساتھ نہیں
پڑھی تھی جو انتظام حضرت عمر نے کیا تھا بلکہ کئی راتیں پڑھکر اس کو چھوڑ دیا تھا۔
ابو بکر صدیق کے زمانہ میں بھی ایسا ہی رہا۔ حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں سب لوگوں
کو ایک قاری کے پیچھے جمع کیا اور روزانہ تراویح پڑھنے کے لئے رغبت دلائی
اسی لئے اوسکو بدعۃ کہا۔ فی الحقیقت وہ سنت ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا
علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی اور فرمایا اقتدوا باللذین
من بعدی ابی بکر وعمر اور دوسری حدیث میں جو آیا ہے کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ
ضلالۃ اس سے یہی مراد ہے کہ جو بدعۃ سیئہ ہو اور مخالف ہو اصول شرع کے وہ
گمراہی ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۲ صـ ۱۹) اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے البدعۃ
بدعتان بدعۃ ھدی وبدعۃ ضلال فما کان فی خلاف ما امر اللہ بہ ورسولہ
فھو فی حیز الذم والانکار وما کان حدیثا واقعا تحت عموم ما ندب اللہ الیہ
وحض علیہ اور رسولہ فھو فی حیز المدح ولم یکن لہ مثال موجود کنوع من الجود
والسخاء وفعل المعروف فھو من الافعال المحمودۃ ولا یجوز ان یکون ذلک
فی خلاف ما ورد الشرع بہ لان النبیؐ قد جعل لہ فی ذلک ثوابا فقال مَنْ
سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً کَانَ لَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا وَقَالَ لہ فی ضدہ من
سن سنۃ سیئۃ کان علیہ وزرھا ووزر من عمل بھا وذلک اذا کان
فی خلاف ما امر اللہ بہ ورسولہ (نہایۃ ابن اثیر مطبوعہ ایران صـ ۲۴)
اس کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر مولانا وحید الزمان خانصاحب رحمہ اللہ نے لکھا
ہے اور جناب مولانا الشیخ محمد طاہر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے البدعۃ
ھے نوعان بدعۃ ھدی وبدعۃ ضلالۃ فمن الاول ما کان تحت عموم
ما ندب الیہ الشارع الیہ وحض علیہ فلا یذم لوعدل الاجر علیہ بحدیث

من سن سنة حسنة دنی ضلالہ من سن سنة سیئة ومن الثانی ما کان بخلاف ما امر بہ فیذم وینکو علیہ یعنی بدعة کی دو قسم ہے ایک ہدایت کی بدعة اور دوسری ضلالت کی بدعة۔ پہلی قسم میں ہر وہ کام ہے جو اس عام بات کے ماتحت ہو جسکی طرف شارع نے بلایا ہو اور جس پر عمل کرنے کی ترغیب دی ہو تو وہ بدعة بری نہیں کہی جائیگی کیونکہ شارع نے اس پر عمل کرنے والے کو ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ جیسے فرمایا ہے کہ جو شخص اچھی راہ نکالے اس کو اس کا بھی ثواب ملیگا اور اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب بھی۔ اور اسکے خلاف کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو شخص بری راہ نکالے اسپر اس کا بھی عذاب ہوگا اور اس پر عمل کرنے والوں کا عذاب بھی۔ اور دوسری قسم ضلالة کی بدعة وہ ہے جسکی طرف شارع نے بلایا نہ ہو تو وہ بری اور قابل اعتراض ہے (مجمع بحار الانوار مطبوعہ لکھنؤ جلد ۱ صفحہ ۸) - اب تم ہی بتاؤ کہ جب کتب خانہ۔ مدرسہ وغیرہ بنانا باعث ثواب ہے تو امام باڑہ بنانا کیوں ثواب کا ذریعہ نہیں ہوگا؟ کتب خانہ سے خدا اور رسولؐ کے احکام معلوم ہوتے ہیں۔ مذہبی علوم حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طرح امام باڑہ سے بھی خدا کے احکام رسولؐ کے ارشادات اور دینی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ مدرسہ سے دنیوی اور دینی تعلیم حاصل ہوتی ہے اور امام باڑہ سے دینی تعلیم بھی ہوتی ہے اور عمل بھی ہوتا ہے۔ پھر اس سے کس قدر ثواب حاصل ہوگا؟

مولوی صاحب - مگر امام باڑے میں تو رافضی اپنے بزرگوں کے فضائل بیان کرتے ہیں۔

حسینی بیگم - تو رافضیوں کے بزرگوں کے فضائل بیان کرنے میں کیا اعتراض ہے؟ انکے بزرگان دین خدا اور رسولؐ و ائمہ طاہرینؑ ہی تو ہیں اور انکے فضائل قرآن مجید اور صحاح ستہ اور کتب تفسیر و حدیث وغیرہ بھی بھرے ہوئے ہیں۔ پس جب قرآن مجید اور کتب احادیث اس وجہ سے قابل اعتراض نہیں ہیں کہ ان میں رافضیوں کے فضائل درج ہیں تو امام باڑہ کیوں قابل اعتراض ہوگا۔

مولوی صاحب۔ مگر امام باڑے میں تو رافضی تبرا بھی کہتے ہیں۔
حسینی بیگم۔ تبرا تو قرآن مجید میں بھی ہے۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ ترمذی شریف۔ مشکوۃ شریف وغیرہ کل مذہبی کتابوں میں ہے۔ پھر کیا ان سب کو بھی چھوڑ دیا جائیگا؟ تبرا لعنت کرنے ہی کو تو کہتے ہیں۔ پھر دیکھو قرآن مجید میں خدا نے کتنی جگہ لعنت کی ہے۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم وغیرہ میں پڑھو کہ حضرت رسولخدا صلعم نے کس کثرت سے لوگوں پر لعنت کی۔ تاریخ طبری۔ تاریخ کامل۔ استیعاب۔ اصابہ وغیرہ ملاحظہ کرو کہ خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم برابر لوگوں پر لعنت کرتے رہے ہیں۔ پھر کیا تمہارے اصول کے مطابق قرآن مجید وغیرہ کا پڑھنا۔ پڑھانا۔ لکھنا۔ چھاپنا چھوڑ دیا جائیگا؟ اسی طرح اگر امام باڑوں میں تبرا ہوتا ہے تو انکا بنانا۔ ان میں جانا۔ ان میں مجلس پڑھنا موقوف کر دیا جائیگا؟
مولوی صاحب۔ خیر سب کا تم جواب دو مگر اس کا تو کوئی جواب نہیں ہو سکتا کہ امام باڑوں میں حضرت علیؑ کو حضرت رسولخدا صلعم کا خلیفہ بلافصل بتایا اور کہا جاتا ہے۔ جو کتنی سخت گالی ہے۔ پھر ایسی چیز کا بنانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے جس میں ایسی گالی دی جائے اور حضرات خلفاء راشدین پر ایسا شدید سب و شتم کیا جائے
حسینی بیگم۔ اول تو میں اسی کو نہیں جانتی کہ حضرت علیؑ کو امام باڑوں میں کس موقع پر خلیفہ بلافصل کہا جاتا ہے۔ اگر علمی اور دینی تحقیقات کے موقع پر کہا جاتا ہے تو ان تحقیقات کا جواب دینا چاہئے لیکن اگر میں تمہاری بات مان بھی لوں تو یہ بتاؤ کہ مسجدوں میں بھی اذان دیتے وقت شیعہ حضرت علیؑ کو حضرت رسولخدا صلعم کا خلیفہ بلافصل کہتے ہیں یا نہیں۔
مولوی صاحب۔ ہاں ضرور کہتے ہیں۔ یہ تبرا اور گالی بکنا تو انکی عادت ہے۔ وہ اس گندگی سے اپنی زبان کب روکتے ہیں۔

حسینی بیگم ۔ پھر مسجد بنانے کو بھی کیوں منع نہیں کرتے ۔ ہمارے علماء فتویٰ دے دیں کہ دنیا میں مسجدیں بھی نہ بنائی جائیں ۔

مولوی صاحب ۔ نہیں سب مسجدوں کے بارے میں کیوں فتویٰ دیدیا جائے صرف شیعوں کی مسجدوں کو روکا جاسکتا ہے ۔

حسینی بیگم ۔ اچھا شیعوں ہی کی مسجدوں کے بارے میں آج تک کسی نے یہ فتویٰ دیا ہے ؟ اور تم بھی تو مفتی ہو ۔ کیا فتویٰ دیدو گے ۔ ذرہ فتویٰ دیکر دستخط تو کردو ۔ پھر دیکھو کیسی بوچھار ہوتی ہے ۔ بلکہ دنیا میں کون عالم اسکی جراٴت کرسکتا ہے کہ شیعوں کی مسجدوں کی تعظیم نہ کرے اور اس کو خانۂ خدا نہ جانے ۔

مولوی صاحب ۔ نہیں معاذ اللہ میں کیوں ایسے کفر کا فتویٰ دوں جس سے مسجد کا بنانا رُک جائے ۔

حسینی بیگم ۔ پھر امام باڑوں نے کیا قصور کیا ہے ۔ اسکے علاوہ یہ بتاؤ کہ شیعوں کی ہزاروں مسجدوں میں بے حد وحساب سنی بھی نماز پڑھتے ہیں یا نہیں ۔

مولوی صاحب ۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے ۔ لاکھوں سنی رافضیوں کی مسجدوں میں بھی نماز پڑھتے ہیں ۔

حسینی بیگم ۔ اور یہ معلوم ہے کہ شیعوں کی مسجدوں میں خوب چیخکر اذان کے وقت اشھد ان امیر المومنین علیاً ولی اللہ ووصی رسول اللہ وخلیفتہ بلافصل کہا جاتا ہے ۔ پھر جن مسجدوں میں ہر روز کئی مرتبہ گلے پھاڑ پھاڑ کر اعلانیہ خلیفہ بلافصل کی گالی دیجاتی اور بقول تمہارے حضرات خلفائے راشدین پر سب وشتم کیاجاتا ہے ان مسجدوں کو ہم لوگ چھوڑ کیوں نہیں دیتے اور کیوں ان میں نماز پڑھتے ہیں ۔ اور ان میں نماز پڑھنے کو ثواب بھی جانتے ہیں ۔

مولوی صاحب ۔ اس کا تو میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے

حسینی بیگم - اچھا یہ بتاؤ کہ ہماری (سنیوں کی) مسجدوں میں شیعہ بھی نماز پڑھتے ہیں یا نہیں -

مولوی صاحب - بہت پڑھتے ہیں - اسکا بھی کوئی حساب نہیں ہو سکتا -

حسینی بیگم - اور کیا کوئی شیعہ ایسا بھی ہے جو اذان میں حضرت علیؑ کو خلیفہ بلا فصل نہ کہتا ہو -

مولوی صاحب - نہیں کوئی نہیں ہے - سب ہی تو کہتے ہیں - ان کے علماء و مجتہدین بھی کہتے ہیں -

حسینی بیگم - پھر ہم لوگ اپنی مسجدوں میں شیعوں کو کیوں نماز پڑھنے دیتے اور یہ گالی کا کلمہ کیوں کہلاتے ہیں ؟ اگر ہم ان کو اپنی مسجدوں میں نماز نہ پڑھنے دیں تو وہ یہ کلمہ بھی ہماری مسجدوں میں نہ کہہ سکیں جسکو تم گالی کہتے ہو -

مولوی صاحب - ہاں یہ تو ٹھیک ہے -

حسینی بیگم - بس تو معلوم ہوا کہ ان باتوں کی وجہ سے اصل مسجد یا امام باڑہ قابل اعتراض نہیں قرار پا سکتا اور جس طرح حضرات اہلحدیث کے بلند آواز سے آمین کہنے پر اعتراض کرنا جہالت ہے اسی طرح شیعوں کے خلیفہ بلا فصل کہنے پر مسجد یا امام باڑہ کی مخالفت کرنا شدید ظلم ہے -

مولوی صاحب - مگر مسجد کا ذکر امام باڑہ کے ساتھ کیوں کرتی ہو - مسجد عبادت کی جگہ ہے - وہاں ذکر خدا ہوتا ہے اور امام باڑہ میں حضرت علی یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا جاتا ہے -

حسینی بیگم - مسجد میں خدا کا ذکر ہوتا ہے اور خدا کا ذکر عبادت ہے اس وجہ سے مسجد عبادت گاہ ہوئی* اور بقول تمہارے امام باڑہ میں حضرت علی علیہ السلام کا ذکر ہوتا ہے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ کا ذکر عبادت ہے لہذا امام باڑہ بھی عبادت گاہ ہوا جسکی عزت و تعظیم ضروری ہے -

* مسجد کا ادب اور تعظیم ضروری ہے

مولوی صاحب - واہ حضرت علیؑ کے ذکر کو عبادت کس نے کہا ہے۔

حسینی بیگم - کسی نے کہا ہو - پہلے یہ بتاؤ کہ اگر حضرت علیؑ کا ذکر ثابت ہو جائے کہ عبادۃ ہے تب تو تم امام باڑوں کو بھی عبادت گاہ مانو گے اور اس کو مسجد سے الگ نہیں کرو گے بلکہ اسکی تعظیم و عزت کو بھی ضروری کہو گے

مولوی صاحب - چپ ہو گئے - سوچنے لگے کہ اگر "ہاں" کہتا ہوں اور بیگم نے ثابت کر دیا تو امام باڑوں کو بھی مسجدوں کی طرح قابل تعظیم و عزت ماننا پڑیگا - اور اگر "نہیں" کہتا ہوں تو انکار کرنے کی کوئی وجہ ہونی چاہئے۔

حسینی بیگم - اب بولتے کیوں نہیں -

مولوی صاحب - کیا کہوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا مگر حضرت علی کا ذکر تو عبادۃ نہیں ہو سکتا۔

حسینی بیگم - (اُٹھکر گئیں اور ایک کتاب لاکر بولیں) دیکھو علامہ علی متقی نے کیا لکھا ہے کہ ذکر علی عبادۃ عن عائشہ یعنی حضرت عائشہ نے روایت کی ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم ارشاد فرماتے تھے کہ حضرت علیؑ کا ذکر عبادت ہے (کنز العمال مطبوعہ حیدر آباد جلد ۶ صہ ۱۵۲) تم خود انصاف کرو کہ جب حضرت علیؑ کا ذکر عبادت ہے اور بقول تمہارے امام باڑوں میں حضرت علیؑ کا ذکر ہوتا ہے تو حضرت رسولخدا صلعم کے ارشاد کے مطابق امام باڑہ عبادت گاہ ہوا یا نہیں۔

مولوی صاحب - مگر رافضی تو حضرت علیؑ کے ذکر میں بہت مبالغہ کرتے ہیں کہتے ہیں کہ وہ حضرات خلفائے ثلثہ سے بھی افضل تھے -

حسینی بیگم - تو کروڑوں مسلمان اسی اعتقاد پر ہیں وہ سب تفضیلیہ کہے جاتے ہیں اور حضرت رسولخدا صلعم کی تو حدیث ہے کہ حضرت علیؑ

صرف خلفائے ثلثہ ہی سے نہیں بلکہ حضرت کے بعد دنیا بھر کے لوگوں سے افضل ہیں اور جو اس کا اعتقاد نہیں رکھیگا وہ کافر ہوگا۔ چنانچہ ارشاد فرمادیا ہے علی خیر البشر فمن ابی فقد کفر یعنی حضرت علیؑ سب لوگوں سے بہتر ہیں جو اس سے انکار کریگا کافر ہوجائیگا۔ یہ بھی فرمایا ہے من لم یقل علی خیر الناس فقد کفر یعنی جو شخص اس کا اعتقاد نہیں رکھیگا کہ حضرت علیؑ بہترین ناس ہیں وہ کافر ہوجائیگا (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۹)

مولوی صاحب۔ مجھ سے کچھ کہا نہیں جاتا۔ تم ضرور امام باڑہ بنواؤ

حسینی بیگم۔ میں آخر میں ایک بڑے عالم جلیل کی عبارت بھی سناتی ہوں جنہوں نے امام باڑہ کی تعظیم کو بتصریح تحریر فرمایا ہے۔ ایک بزرگ جناب مولانا حکیم سلامت علی خانصاحب بنارسی رحمۃ اللہ گزرے ہیں۔ انھوں نے ایک کتاب تبصرۃ الایمان لکھی ہے جو کلکتہ میں سنہ ۱۲۳۶ ہجری میں چھپ گئی ہے۔ اسمیں ممدوح نے لکھا ہے "و شک نیست در آں کہ امام باڑہ و نقل تربت شریف بعد مرتب شدن لائق تعظیم است بالضرور و ادب آں شایان ایمان یعنی اسمیں شک نہیں ہے کہ امام باڑہ اور تربت شریف کی نقل مرتب ہونے کے بعد یقیناً لائق تعظیم ہے اور اس کا ادب کرنا ایمان کی شان سے ہے"۔ (تبصرۃ الایمان صفحہ ۲۲) اب تو امام باڑہ پر تم کوئی اعتراض نہیں کرسکتے۔

مولوی صاحب۔ مگر مولانا رحمۃ اللہ نے یہ کیوں لکھا کہ امام باڑہ اور تعزیہ مرتب ہونے کے بعد لائق تعظیم ہے۔ کیا مرتب ہونے کے پہلے لائق تعظیم نہیں ہے؟

حسینی بیگم۔ امام باڑہ تو اینٹ لکڑی۔ پتھر چونے سے بنایا جاتا ہے اسی طرح مسجد بھی۔ تو جب تک یہ چیزیں مسجد یا امام باڑہ میں لگائی نہیں جاتی ہیں اُس وقت تک نہ اینٹ لائق تعظیم ہوتی ہے نہ لکڑی نہ چونا پتھر۔ اور جب ان چیزوں سے امام باڑہ یا مسجد بن جاتی ہے تب ان کی تعظیم کیجاتی ہے۔ اسی طرح تعزیہ

لکڑی اور کاغذ کا بنایا جاتا ہے تو پہلے نہ وہ لکڑی لائق تعظیم ہوتی ہے نہ وہ کاغذ ہاں تعزیہ بن جانے کے بعد وہ لائق تعظیم ہو جاتا ہے۔

مولوی صاحب۔ تم ٹھیک مطلب سمجھیں میرے ہی ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی۔ خیر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تم امام باڑہ بنواؤ مگر اسکی مجلس کا خرچ کہاں سے آئیگا۔

حسینی بیگم۔ سوچتی ہوں کہ اسکے نیچے دس یا بارہ بڑی کوٹھریاں بنوا دوں جو کرایہ پر اٹھا دی جائیں۔ ایک ایک کوٹھری کا ماہوار کرایہ تین روپیہ یا ڈھائی روپیہ بھی ملیگا تو ۳۰ ماہوار کی آمدنی ہو جائیگی۔ اسی سے مجلسیں ہوا کرینگی۔ اور یہ کوٹھریاں چھوٹے دوکانداروں کو دی جائیں جو انہیں معمولی دوکانیں رکھیں۔ اس طرح کرایہ بڑھتے ہی رہنے کی امید ہے کم ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔

مولوی صاحب۔ تم کو خدا داد دماغ ملا ہے جس سے علمی تحقیقات بھی اعلیٰ درجہ کی کرتی ہو اور دنیوی انتظام بھی وہ سوچتی ہو جو بہترین ہوتا ہے خیر امام باڑہ کی تعمیر پر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ مگر ایک معمولی واقعہ شہادت کے بیان کے لئے اتنے بڑے بڑے امام باڑے بے تک سے معلوم ہوتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ ارے یہ کیا کہتے ہو۔ واقعہ شہادت معمولی ہے؟ ایسا واقعہ تو حضرت آدمؑ سے اس وقت تک کبھی اور کسی ملک میں نہیں ہوا۔ اسی وجہ سے ہزاروں علماء نے اس واقعہ کو مختلف صورتوں سے لکھا اور کسی مفسر کسی محدث۔ کسی مورخ کی کتاب اس کے ذکر سے بچی نہیں۔ اس واقعہ کا اس قدر اہتمام خدا نے کیا کہ جناب جبرئیل سے حضرت رسولخداؐ کو اس ہونے والے واقعہ پر مطلع کیا۔ زمین کربلا کی مٹی کو خونی رنگ کی بنا کر حضرت کے پاس بھیجا۔ حضرتؐ اس مصیبت کو سنکر برابر روتے رہے۔ اور جناب ام سلمہ کو وہ مٹی دیکر حفاظت سے رکھنے کی تاکید کر گئے اور مسلمانوں کو حضرت امام حسینؑ کی مدد کرنے کی وصیت فرمائی

انیسواں باب ۱۹

واقعہ شہادت کربلا کا متواتر ہونا

مولوی صاحب۔ ایک دفعہ اس سے پہلے بھی تم نے اس کو بیان کیا تھا اور اردو کی بہت سی کتابوں کا نام لیا تھا جس میں اس واقعہ کو لکھا ہے بلکہ مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کی کتاب امہات الامہ۔ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب دہلوی کے مضامین مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے اخبار اہلحدیث۔ مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی کی کتاب شہادت حسین۔ مولانا شبلی نعمانی کی کتاب المامون و موازنہ انیس و دبیر۔ مولانا وحید الزماں خانصاحب حیدر آبادی کی کتاب انوار اللغۃ۔ مولانا محی الدین خانصاحب کی تلخیص الصحاح۔ مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم کے ترجمہ اُسد الغابہ وغیرہ سے کچھ عبارتیں بھی سنائی تھیں مگر پھر بھی اس واقعہ کو متواتر کیسے کہتی ہو۔

حسینی بیگم۔ اس لئے کہ ہر زمانہ کے بڑے معتبر اور مسلم الثبوت علماء و محدثین و مورخین نے اس واقعہ کو اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ اور پہلے میں جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی دام برکاتہم کی تحقیق بھی بیان کر چکی ہوں کہ تحریر فرمایا ہے "اسلام میں جب سے تالیف و تصنیف کی بنیاد پڑی اور احادیث اور تاریخی واقعات قلم بند ہونے لگے اُس وقت سے اس وقت یعنی دوسری صدی کے آخر سے چودھویں صدی ہجری کے شروع تک جتنی کتابیں اسلامی تاریخ کہلاتی ہیں اور جن کو محدثین و مورخین نے جمع کیا ہے۔ سب کی سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام شہید کربلا ہیں ایسے تواتر کا انکار کرنا ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کوئی عاقل کیونکر تسلیم کر سکتا ہے اور متواترات کا جواب متواترات ہی سے ہونا چاہئے نہ کہ کسی قصہ کہانی سے مانہ سو برس کے محدثین و مورخین اور کافہ امت کو محض غلطی اور دھوکے پر قرار دینا خود اپنے نفس کا ایک بہت بڑا

دھو کا اور فریب ہے" (کتاب شہادت حسین صلا) اور جناب مولانا مولوی عبدالحق صاحب سہارنپوری نے لکھا ہے "تمام علمائے اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ بلاشک واقعۂ قیامت خیز کربلا اور شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام مقام کربلا میں ثابت اور واقعی بات ہے"۔ (کتاب تصدیق شہادت مطبوعہ میرٹھ صک) اور ہم اہلسنت کے عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے والحق ان رضا یزید لقتل الحسین رض واستبشارہ بذلک واہانتہ اهل بیت النبی صلعم مما تواتر معناہ یعنی حق یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے قتل پر یزید کا رضی بلکہ خوش ہونا اور رسولخدا صلعم کے اہلبیت کی توہین کرنا ان باتوں سے ہے جو معنے متواتر ہے یعنی بجز متواتر ثابت ہے (شرح عقائد نسفی صلا ۱۸۱)

مولوی صاحب۔ اچھا یہ بتاؤ کہ کوئی شخص صرف فارسی کتابوں سے واقعہ کربلا کی تحقیق کرنی چاہے تو کیا کرے۔

حسینی بیگم۔ ہزاروں کتابیں حدیث۔ تاریخ وغیرہ کی ہیں۔ انھیں سے چند کو پڑھ لے۔ جیسے تاریخ روضۃ الصفا مطبوعہ بمبئی۔ تاریخ روضۃ الاحباب قلمی تاریخ حبیب السیر مطبوعہ بمبئی۔ جامع التواریخ مطبوعہ لکھنؤ۔ مدارج النبوۃ مطبوعہ لکھنؤ۔ شواہد النبوۃ مطبوعہ لکھنؤ۔ معارج النبوۃ مطبوعہ لکھنؤ۔ روائح المصطفے مطبوعہ کانپور۔ وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنؤ۔ دلیل الطالب مصنفہ مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب مطبوعہ بھوپال۔ بغیۃ الرائد مصنفہ مولانا صدیق حسن خاں صاحب۔ تفسیر عزیزی مصنفہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی۔ فتاوی عزیزی مصنفہ شاہ صاحب موصوف مطبوعہ دہلی۔ تحفہ اثناعشریہ مصنفہ ممدوح۔ ازالۃ الخفا مصنفہ جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی علیہ الرحمہ۔ اور تم جانتے ہو کہ ہمارے مذہب کے ایک زبردست عالم جناب مولانا حیدر علی صاحب فیض آبادی رحمہ اللہ گزرے ہیں۔ وہ بڑے مناظر بھی تھے شیعوں کی رد میں کئی کتابیں لکھی تھیں۔ انھوں نے ایک بڑی ضخیم کتاب ۲۸۶ صفحہ کی شہادت امام حسین علیہ السلام کے متعلق لکھی ہے

جس کا نام ہے ازالۃ الغین عن بصارۃ العین باثبات شہادت امام حسین رضؓ۔ یہ کتاب بھی لکھنؤ میں چھپ گئی اور فارسی زبان میں ہے۔ اور جناب مولانا شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے فارسی زبان میں مشکوٰۃ کی شرح لکھی ہے۔ جس کا نام ہے اشعۃ اللمعات۔ یہ بھی چھپ گئی ہے۔ اسکی جلد چہارم ص ۲۸۶ میں بھی یہ واقعہ مرقوم ہے۔ اور ہمارے پیشوائے اعظم جناب مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی علیہ الرحمہ نے تو اپنی کئی کتاب میں اسکو تفصیل سے لکھا ہے۔ مثلاً کتاب حجج الکرامہ فی آثار القیامہ میں لکھا ہے فصل ہشتم وازاں جملہ قتل حسین بن علی علیہما السلام است۔ جسکے بعد کئی صفحہ میں اس واقعہ کو مفصل لکھا ہے (دیکھو حجج الکرامہ از صفحہ ۱۷۶ تا ۱۸۲ مطبوعہ بھوپال) غرض میں کس کس فن کی کس کس کتاب کا نام بتاؤں۔ تاریخ بسیرۃ۔ حدیث۔ ادب۔ شاعری۔ تفسیر وغیرہ کی ہزاروں کتابوں میں اس واقعہ کو لکھا ہے۔ مولانا صدیق حسن خاں صاحب علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ گویم اصح توالیف دریں باب رسالہ سرالشہادتین تالیف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ست یعنی واقعہ کربلا کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح کتاب رسالہ سرالشہادتین مصنف جناب شاہ عبدالعزیز دہلوی علیہ الرحمہ ہے (حجج الکرامہ ص ۱۷۹)

مولوی صاحب۔ مگر سرالشہادتین تو عربی زبان میں ہے۔ جو شخص صرف فارسی جانتا ہو وہ اس کو کیسے پڑھ سکتا ہے۔

حسینی بیگم۔ اس کا فارسی ترجمہ تحریر الشہادتین موجود ہے جس کو شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید جناب مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب کانپوری علیہ الرحمہ نے مفصل لکھا ہے۔ یہ رسالہ بھی چھپ گیا ہے اور قابل دید چیز ہے۔

مولوی صاحب۔ ہاں وہ خوب ہوگا۔ واقعی فارسی زبان میں بھی اس واقعہ کے متعلق بڑا ذخیرہ ہے۔ اچھا اب کچھ عربی کتابوں کے نام بھی سناؤ مگر تمہارا جی تو نہیں گھبرائیگا۔

حسینی بیگم - نہیں گھبراؤنگی کیوں - اور ابھی تو صرف پونے دس بجے ہیں - کتنی لمبی رات پڑی ہوئی ہے - عربی میں بہت سے فنون ہیں - مثلاً (الف) مناقب (ب) رجال وطبقات (ج) تاریخ (د) ادب (ہ) لغت (و) عقائد (ز) حدیث (ح) تفسیر قرآن مجید - میں ہر فن سے چند کتابوں کا پتا بتاتی ہوں - (الف) مناقب کی کتابوں میں علامہ ابن حجر مکی نے شیعوں کے خلاف ایک بڑی زبردست کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے صواعق محرقہ (جلا دینے والی بجلیاں) اسمیں صفحہ ۱۱۵ سے ۱۱۷ تک حضرت رسول خدا صلعم کی بکثرت وہ حدیثیں لکھی ہیں جن میں حضرت نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی پیشین گوئی کی ہے - پھر صفحہ ۱۱۹ تک حضرت علیہ السلام کی شہادت اور اہل بیت کی اسیری کو تفصیل سے ذکر کیا ہے - پھر صفحہ ۱۳۴ سے صفحہ ۱۳۵ تک یزید کے کفر اور اس پر لعنت کے جائز ہونے کو مفصل لکھا ہے اس وجہ سے کہ اس نے امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا - انھیں علامہ ابن حجر مکی کی دوسری کتاب تطہیر الجنان ہے جو حضرت معویہ کے فضائل میں ہے - اس میں بھی صفحہ ۱۳۶ وغیرہ پر امام حسین علیہ السلام کے کربلا میں شہید ہونے کو لکھا ہے - اور جناب سید ابوبکر بن شہاب الدین علوی نے بھی اس واقعہ کو کئی جگہ لکھا ہے (دیکھو انکی کتاب رشفۃ الصادی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۳ و ۱۶۴ و ۱۶۵ وغیرہ) اور شیخ عبداللہ بن محمد بن عامر شبراوی علیہ الرحمہ نے بھی واقعہ شہادت کو تفصیل لکھا ہے (دیکھو انکی کتاب الاتحاف مطبوعہ مصر صفحہ ۱۱ تا صفحہ ۲۵) - اور جناب علامہ الشیخ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی نے بھی اس واقعہ کو پورے طور پر لکھا ہے (دیکھو انکی کتاب الشرف المؤبد مطبوعہ مصر صفحہ ۶۴ تا صفحہ ۷۰) اور علامہ محمد بن طلحہ شافعی نے بھی اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے (دیکھو انکی کتاب مطالب السئول مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۴۳ تا صفحہ ۲۶۱) اور علامہ یوسف سبط ابن الجوزی علیہ الرحمہ نے بھی اس واقعہ کو بہت بسط سے لکھا ہے (دیکھو انکی کتاب تذکرہ خواص الامہ مطبوعہ ایران صفحہ ۱۳۳ تا صفحہ ۱۵۹) اور علامہ الشیخ سلیمان قندوزی نے بھی اس

واقعہ کو پوری شرح سے لکھا ہے (دیکھو انکی کتاب ینابیع المودۃ مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۳۳ تا صفحہ ۲۹۹) اور علامہ محمد صبان رحمہ اللہ علیہ نے بھی اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے (دیکھو انکی کتاب اسعاف الراغبین برحاشیہ نور الابصار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸۷ تا صفحہ ۱۹۹) اور علامہ شیخ شبلنجی نے بھی اس واقعہ کو شرح و بسط سے تحریر فرمایا ہے (دیکھو انکی کتاب نور الابصار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۷ تا ۱۳۳) اور جناب خاتم المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رضی اللہ عنہ نے تو اس واقعہ کے متعلق ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہے جس کا نام ہے سر الشہادتین جو لکھنؤ۔ دہلی تمام چھپی ہے۔ اسی طرح ہزاروں کتابیں ہیں۔ میں ہر فن کی دو دو چار چار کتابوں کا نام بتا دیتی ہوں۔ (ب) اب رجال اور طبقات کی کتابیں دیکھو۔ علامہ ابن عبدالبر اندلسی نے اپنی کتاب استیعاب مطبوعہ مصر و حیدر آباد دکن میں۔ علامہ ابن اثیر جزری نے اپنی کتاب اسد الغابہ میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب الاصابہ مطبوعہ مصر میں۔ علامہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب اسماء الرجال مشکوٰۃ میں۔ علامہ ابن سعد نے اپنی طبقات ابن سعد مطبوعہ یورپ میں۔ اور بھی بکثرت علماء رجال نے اپنی کتابوں میں مفصلاً ان حالات کو جمع کیا ہے۔ اور یہ وہ معتبر کتابیں ہیں جنمیں حضرات صحابہ کرام کے مفصل حالات بھی مرقوم ہیں۔ اگر واقعہ شہادت کربلا کے متعلق کوئی شک کیا جائیگا تو پھر کسی صحابی حتیٰ کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کا وجود بھی ثابت نہیں ہو سکیگا۔ (ج) اب تاریخ کی کتابوں کو دیکھو تو ان کا شمار بھی دشوار ہے۔ مثلاً علامہ ابن شحنہ نے تاریخ روضۃ المناظر مطبوعہ مصر برحاشیہ تاریخ کامل میں۔ علامہ ابوالفداء نے اپنی تاریخ میں علامہ ابن قتیبہ نے کتاب الامامۃ والسیاسۃ مطبوعہ مصر میں۔ علامہ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف مطبوعہ مصر میں۔ علامہ ابن اثیر جزری نے تاریخ کامل مطبوعہ مصر میں۔ علامہ طبری نے اپنی تاریخ مطبوعہ لیڈن و مصر میں۔ علامہ مقریزی

نے اپنی تاریخ الخطط والآثار مطبوعہ مصر میں ۔ علامہ دیار بکری نے تاریخ خمیس مطبوعہ مصر میں ۔ علامہ ابن خلکان نے تاریخ وفیات الاعیان میں ۔ علامہ مسعودی نے تاریخ مروج الذہب مطبوعہ مصر میں ۔ علامہ ابوحنیفہ دینوری نے تاریخ الاخبار الطوال مطبوعہ مصر میں ۔ علامہ طقطقی نے اپنی تاریخ الفخری مطبوعہ مصر میں ۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تاریخ الخلفاء میں ۔ علامہ ذہبی نے اپنی تاریخ دول اسلام مطبوعہ حیدرآباد میں ۔ علامہ یافعی نے اپنی تاریخ مرآۃ الجنان مطبوعہ حیدرآباد میں ۔ علامہ قرمانی نے اپنی تاریخ اخبار الدول مطبوعہ بغداد شریف میں ۔ علامہ جرجی زیدان مصری نے اپنی تاریخ تمدن اسلام مطبوعہ مصر میں ۔ علامہ ابن عبری نے تاریخ مختصر الدول میں ۔ علامہ یاقوت حموی نے کتاب معجم البلدان مطبوعہ مصر میں ۔ علامہ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب مقاتل الطالبین میں اسی طرح بے حد وحساب مورخین نے اپنی تاریخوں میں پوری جامعیت سے ان واقعات کو لکھا ہے ۔ (د) کتب ادب میں دیوان حماسہ ۔ مجانی الادب مطبوعہ بیروت ۔ حیوۃ الحیوان علامہ دمیری مطبوعہ مصر ۔ سریشی شرح مقامات حریری مطبوعہ مصر ۔ کتاب عقد الفرید لابن عبدربہ اندلسی مطبوعہ مصر ۔ کتاب مستطرف مطبوعہ مصر ۔ کتاب ثمرۃ الاوراق مطبوعہ مصر ۔ کتاب اغانی مطبوعہ مصر وغیرہ میں بھی واقعہ کربلا کو مختلف صورتوں سے لکھدیا ہے ۔ (ہ) کتب لغۃ میں بھی جس لغۃ کو چاہو دیکھ لو مثلاً صراح ۔ صحاح جوہری قاموس منتہی الارب ۔ منجد ۔ لسان العرب ۔ تاج العروس ۔ اقرب الموارد ۔ سب میں مختلف الفاظ مثلاً عاشوراء ۔ کربلا وغیرہ کے بیان میں اس واقعہ کو لکھدیا ہے یہ واقعہ اسلام میں ایسی سخت ہیبت اور شدید تلاطم پیدا کرنے والا گزرا ہے کہ بنی امیہ میں یزید کے بعد جو خلفاء گزرے وہ بھی اسکے تصور سے لرزتے رہتے تھے چنانچہ علامہ ابن عبدربہ اندلسی نے لکھا ہے کہ کتب عبدالملک بن مروان الی الحجاج بن یوسف جنبنی دماء اہل ھذا البیت فانی رائیت بنی حرب سلبوا

(۳) جناب شہزادہ بابو نعمت اللہ جان صاحب اختر از امرتسر ۱ (۴) جناب سید
نذر حسین شاہ صاحب ساکن زیارت ضلع اٹک (۵) جناب سید بڑا صاحب سید علی
نقوی ماسٹر کوڈینار ۷ (۶) جناب حاجی محمد تقی صاحب مرشد آبادی ہیڈ ٹکٹ کلکٹر
نیہٹی ۶ (۷) جناب منشی سید غازی الدین حسین صاحب اہلمد فوجداری بریلی ۵ (۸)
جناب سید سجاد حسین صاحب بمبئی ۵ (۹) جناب سید حسن علی شاہ صاحب منٹگمری ۵ (۱۰) جناب
منشی سید حشمت علی صاحب دیوبند ۴ (۱۱) جناب عبد الحسین محمد ولی صاحب زنجبار
افریقہ ۴ (۱۲) جناب مرزا اکرار حسین صاحب ہیڈ کنسٹبل میرٹھ ۳ (۱۳) جناب مرزا احمد علی
بیگ صاحب ماسٹر فرخ آباد ۳ (۱۴) جناب منشی سید الطاف حسین شاہ صاحب بخاری
منشی فاضل لالہ موسیٰ ضلع گجرات ۳ (۱۵) جناب مولوی کوثر حسین صاحب ریاست
رام پور ۲ (۱۶) جناب سید شاہد رضا صاحب جعفری سب رجسٹرار دموہ ۲ (۱۷) جناب
محمد مظفر علی صاحب ہیڈ کلرک پولیس منٹگمری ۲ (۱۸) جناب سیاہ پوش صاحب ساکن وزیر آباد
ضلع گجرانوالہ ۲ (۱۹) جناب سید احمد علی صاحب اسٹیشن ماسٹر بلاسپور ۲ (۲۰) جناب
محمد محمود علی خان صاحب رئیس کانپور ۲ (۲۱) جناب خان بہادر سید محمد بشیر حسین صاحب
ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس پنشنر کھرڑ ۲ (۲۲) جناب مرزا احسن علی صاحب پنشنر
لدھیانہ ۲ (۲۳) جناب سید فیض حسین صاحب بخاری ٹیچر سرگودھا ۲ (۲۴)
جناب سید مبارک علی صاحب نائب کورٹ انسپکٹر نارنوال ۱ (۲۵) جناب منشی افتخار حسین
صاحب ہیڈ کنسٹبل منصوری ۱ (۲۶) جناب ریاست علی خان صاحب اسلام نگر ۱
(۲۷) جناب سید محمد صادق صاحب تحصیلدار لکھوا ۱ (۲۸) جناب سید جعفر حسین
صاحب رضوی بمبئی ۱ (۲۹) جناب سیٹھ رجب علی مہر علی ساجن صاحب رنگون ۱
(۳۰) جناب مولوی حکیم سید محمد صادق صاحب مولوی فاضل و صدر الافاضل پرانی
حویلی حیدر آباد دکن ۱ (۳۱) جناب منشی سید عنایت حسین صاحب امین نہر ضلع مرزاپور
(۳۲) جناب سید محمد خلیل صاحب امروہوی محرر رجسٹری یادگیر دکن ۱ (۳۳) جناب
سید محمد حسین صاحب فورسٹ ریونیو انسپکٹر بہیڑا ۱ (۳۴) جناب سید ظفر حسین

صاحب دفتر حسابات شاہجہاں پور ا (۳۵) جناب سید تجمل حسین صاحب انسپکٹر ڈا
پنشنر کشیا ضلع الہ آباد ا (۳۶) جناب سید رضا حسین صاحب مینجر کورٹ آف
وارڈس ساکن بٹالہ ا (۳۷) جناب سید حامد حسین صاحب ایم - اے ساگر ا
(۳۸) جناب مولوی مرزا علی بہادر صاحب ناظر ہائی کورٹ حیدر آباد ا (۳۹) جناب
مرزا امجاد حسین صاحب خیکار مظفر نگر ا (۴۰) جناب جی - ایچ قادر بھائی صاحب
بی - اے ایل ایل - بی مہو ا (۴۱) جناب شیخ محمد صاحب پٹواری ۲۰۲ ضلع جالندھر
(۴۲) جناب مولوی سید زین العباد صاحب حیدر آباد دکن ا (۴۳) جناب سید
مصطفےٰ شاہ صاحب پونچھ ا (۴۴) جناب ماسٹر سید اشفاق علی صاحب مظفر نگر ا
(۴۵) جناب مولوی سید امداد حسین صاحب واعظ سیونی ا (۴۶) جناب سید کرار حسین
صاحب سب انسپکٹر تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ا (۴۷) جناب سید غلام جعفر شاہ صاحب
تلمکلا ضلع راولپنڈی ا (۴۸) جناب چودھری سید احمد عباس صاحب تعلقدار
اناؤا (۴۹) جناب سید خادم حسین شاہ صاحب گرداور قانونگو ہر دو چھنی ا

ملاحظہ فرمائیں کہ جب سے یہ کتاب چھپنے

عاشقان کتاب تصویر عزا لگی باوجود اس درجہ پسندیدہ ہونے کے کہ
اسکی مدح میں کثرت سے خطوط آچکے اس وقت تک صرف ۴۹ حضرات
نے اسکی توسیع اشاعت میں کوشش فرمائی اور اس وقت تک صرف ۱۳۶ جدید
خریدار دیئے!!! ان کل حضرات کا نہایت درجہ شکریہ ادا کرنے کے بعد ہم پوچھتے
ہیں کہ آپ کو یہ شکایت تو ہے کہ الشمس جلد جلد نہیں شایع ہوتا مگر آپ نے خود اسکی
جلد شایع ہونے اور کتاب تصویر عزا کے فوراً مکمل کرنے کا کیا سامان کیا؟ ہم صرف
مضمون لکھ سکتے ہیں مگر اسکی لکھائی چھپائی کاغذ ٹکٹ کے مصارف کو کہاں سے
لائیں؟ اب بھی وقت نہیں گیا آپ کل حضرات صرف ایک ماہ میں دو دو جدید
خریدار عنایت فرمادیں تو ملاحظہ کریں کہ کس قدر جلد کتاب تصویر عزا آپکو
مکمل مل جاتی ہے جسکے بعد سوانح عمری حضرت ابوبکر و عمر بھی ملاحظہ کیجئے گا انشاء

نمبر ۸ و ۹ — علمی و دینی ماہوار رسالہ — جلد ۱۶

ماہ شعبان و رمضان — ذیقعدہ ۱۳۵۱

الاصلاح

اغراض و مقاصد

..صفحہ میں ایک جامع کتاب تصویر عزا کا شایع کرنا جسمیں حضرت امام حسین علیہ السلام کی عزاداری (ذکر مصائب ماتم۔ نوحہ و بکا۔ مجلس۔ تعزیہ۔ دلدل۔ علم۔ تابوت و دوسری شبیہیں۔ فاتحہ۔ عاشورا) حضرت کی شہادت اور یزید کی حمایت وغیرہ کے متعلق مخالفین کے بہ کثرت اعتراضات اور ان سب کے بہت تشفی بخش مفصل اور محققانہ جوابات۔ غیر مقلد شوہر اور حنفی بیوی سے دلچسپ مباحثہ کی صورت میں درج کیے گئے ہیں تاکہ کل مسلمانوں کو عزاداری کے متعلق ہر بات کا تفصیلی علم ہو جائے۔ اور اسکی خوبی ذہن نشین ہو۔

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ اس سال ۱۳۵۱ھ میں محرم سے جمادی الاخری تک ۳۲ صفحہ۔ رجب سے ذی القعدہ تک ۴۸ صفحہ شایع کیا جائیگا (۲) اس کا سالانہ چندہ معہ محصولڈاک صرف دو روپیہ ہے۔ (۳) جو صاحب اسکے دس خریدار عنایت کریں گے اونکو ایک جلد کتاب تصویر عزا بلا قیمت حاضر کیجائیگی۔ (۴) جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ آنا ضروری ہے (۵) اجرت اشتہار خط و کتابت سے طے کیجیے (چونکہ اس رسالہ کی اشاعت انشا اللہ بہت زیادہ ہوگی۔ اس میں اشتہار دینے سے تاجروں کو بہت نفع ہوگا)

(مقام اشاعت)

دفتر اصلاح کھجوا (صوبہ بہار)

چندہ سالانہ — دو روپیہ

الشمس

نمبر ۸ و ۹ | ماہ شعبان و رمضان سنہ ۱۳۵۱ھ | جلد ۱۶

سوانح عمری حضرت ابوبکر

الحمد للہ کہ الشمس نمبر ۸ و ۹ بھی شایع ہو گئے جن سے کتاب تصویر عزا ۲۰۱ سے ۲۳۰ صفحہ تک اپنے قدردانوں کی خدمت میں پہونچتی ہے۔ اسکے بعد انشاء اللہ ۸۸ صفحہ الشمس نمبر ۱۰ و ۱۱ اور ۹۲ صفحہ الشمس نمبر ۱۲ کے ساتھ شایع کر کے پوری کتاب ۵۰۰ صفحہ میں ختم کر دیجائیگی۔ ہمارا ارادہ تھا کہ کتاب تصویر عزا ختم ہونے کے بعد الشمس میں حضرت ابوبکر کی مفصل سوانح عمری شایع کیجائے جو سال بھر میں موصوف کے مفصل حالات کی ضخیم کتاب ۵۰۰ صفحہ میں پیش کرے مگر اسکی تقطیع اتنی بڑی رکھنی ضروری ہے جس تقطیع پر شمس العلما مولوی شبلی صاحب کی کتابیں "المامون" "الفاروق" وغیرہ چھپی ہیں یعنی ۲۶×۲۰ مگر اس سائز کا کوئی پتھر اصلاح مشین پریس میں نہیں ہے۔ اور پھر اس سوانح عمری کا کاغذ بھی عمدہ لگانے کا ارادہ ہے۔ اس طرح فوراً بہت مصارف کا سامنا ہوگا۔ اور بعض تاریخی کتابوں کی بھی ضرورت ہے جو دفتر اصلاح میں ابتک نہیں آئیں۔ مثلاً اسد الغابہ۔ طبقات ابن سعد۔ تاریخ یعقوبی۔ تاریخ ابن خلدون وغیرہ۔ ہم یہ سمجھے تھے کہ کتاب تصویر عزا کے خریدار کئی ہزار ہو جائیں گے۔ انکے چندوں سے یہ کتابیں بھی آجائیں گی اور بڑے پتھر بھی منگا لئے جائیں گے۔ مگر افسوس تصویر عزا کے خریدار تو ایک ہزار بھی نہیں ہوئے۔ اب ناظرین الشمس سے درخواست ہے کہ مطلع فرمائیں الشمس جلد ۱۷ کے ساتھ سوانح عمری حضرت ابوبکر کیونکر شایع ہو۔ ناقص کتاب کا لکھا جانا اور چھوٹی تقطیع یا خراب کاغذ پر اس سوانح عمری کا چھپنا کسی طرح گوارا نہیں

ملکھم لما قتلوا الحسین یعنی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے گورنر حجاج کو لکھا کہ اس خاندان رسول ؐ کے اہلبیتؑ کے خون سے مجھے بچا رکھ کیونکہ بنی امیہ کو ہم نے دیکھا کہ امام حسینؑ کو قتل کر کے انھوں نے اپنی سلطنت کھو ڈالی (عقد فرید مطبوعہ مصر) اور اسی خاندان کے ایک اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں لکھا ہے کہ انہ قال لوکنت من قتلۃ الحسین دغفر اللہ لی وادخلنی الجنۃ لما دخلتہا حیاءً من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یعنی وہ کہتے تھے کہ اگر میں بھی امام حسینؑ کے قاتلوں سے ہوتا اور خدا میرا گناہ بخشتا پھر مجھے بہشت میں داخل بھی کر دیتا تو میں حضرت رسولخدا صلعم کے شرم سے (کہ حضرتؐ کے فرزند کو قتل کر کے حضرتؐ کو منہ کیسے دکھاؤں) بہشت میں جاتا ہی نہیں (تاریخ ابن خلکان جلد ۲ صـ۵۷)

مولوی صاحب - یہ بات تو کسی اور بزرگ نے بھی کہی تھی -

حسینی بیگم - بہت سے حضرات نے کہی ہے - حضرت ابراہیم نخعی بھی فرماتے تھے لوکنت ممن قاتل الحسین ثم ادخلت الجنۃ لاستحییت ان انظر الی وجہ المصطفے صلے اللہ علیہ وسلم یعنی اگر میں بھی امام حسینؑ کے ساتھ لڑے ہوتا پھر بہشت میں داخل بھی کر دیا جاتا تو اس بات سے شرماتا کہ حضرت رسولخدا صلعم کا سامنا کیسے کروں (اسعاف الراغبین صـ۱۹۳ وغیرہ)

حسینی بیگم - (و) اب عقائد کی کتابیں دیکھو شرح عقائد نسفی - شرح مقاصد شرح مواقف - شرح عقائد عضدیہ - شرح فقہ اکبر - لغیۃ الرائد وغیرہ اس میں زیادہ مشہور ہیں - ان سب میں یہ واقعہ موجود ہے -

مولوی صاحب - ہاں میں نے بھی عقائد کی جو کتابیں پڑھیں انمیں اس کا ذکر دیکھا ہے -

حسینی بیگم - اور حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ نے بھی لکھا ہے یوم عاشورا ان الحسین ابن علی رضی اللہ تعالی عنہما قتل فیہ یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام روز عاشورا کو شہید کیے گئے - (غنیۃ الطالبین صـ۶۸۳) - اس سے زبردست گواہی اور کس کی چاہتے ہو -

بیسواں باب ۲

مشہور کتب حدیث خصوصاً صحیح بخاری و مشکوٰۃ شریف وغیرہ میں واقعہ کربلا کا ذکر کی عظمت

مولوی صاحب - ہاں عقائد کی ان کتابوں میں یہ واقعہ مرقوم ہے مگر ہم لوگ تو حدیث شریف کی کتابوں کو زیادہ مانتے ہیں - ان میں کہاں کہاں اس کا ذکر ہے خصوصاً صحیح بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف میں ہو تو بتاؤ

حسینی بیگم - کیا تمہارا خیال ہے کہ حدیث کی کتابوں اور خاصکر بخاری شریف مشکوٰۃ شریف میں اس کا ذکر نہیں ہوگا -

مولوی صاحب - نہیں یہ دعویٰ تو میں نہیں کر سکتا -

حسینی بیگم - سنو - جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواری دام برکاتہ نے تحریر فرمایا ہے " افسوس کہ مرزا (حیرت) صاحب نے ان (جنگ جمل و صفین وغیرہ) تاریخی مسلم الثبوت واقعات سے انکار کر کے نہ صرف تمامی تواریخ و سیر سے بلکہ بہتیری صحیح اور معتبر روایات و احادیث صحاح و سنن وغیرہ سے بھی انکار کیا ہے کیونکہ قطع نظر اسکے کہ تمام کتب تواریخ و سیر ان واقعات کی صحۃ پر متفق ہیں - صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ترمذی و مسند امام احمد وغیرہ وغیرہ تمام کتب احادیث میں انکے متعلق روایات صحیحہ اور اس بارے میں آنحضرت صلعم کی پیشین گوئیاں موجود ہیں " - (رسالہ شہادت حسین صـ ۶) - مولانا ممدوح ہی نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے " مستدرک حاکم - ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ مشہور بہ حاکم جو کبار محدثین سے گزرے ہیں اور اپنے وقت میں امام اہل حدیث تھے اونکی کتاب مستدرک جو بہت ہی مشہور کتاب ہے اسمیں شہادت امام حسین علیہ السلام کے متعلق بہتیری احادیث و روایات موجود ہیں جنمیں اکثر وہی ہیں جن کا اوپر مذکور ہوا لہذا ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں " (رسالہ شہادت حسین صـ ۳۲) اور احادیث کے بڑے ذخیرہ کنز العمال میں ایک باب ہی لکھا ہے جسکی سرخی ہے قتل الحسین رضی اللہ

عنہ جس میں احادیث لکھی ہیں کہ امام حسینؑ شہید ہوئے (کنز العمال جلدے ص۱۱۱) اور مسند احمد بن حنبل جو ہمارے ہاں کے صحاح ستہ کا ماخذ ہے اسمیں اس واقعہ کی کئی روایتیں موجود ہیں مثلاً شہر بن حوشب قال سمعت ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین جاء نعی الحسین بن علی لعنت اہل العراق فقالت قتلوہ قتلہم اللہ غروہ وذلوہ لعنہم اللہ یعنی شہر بن حوشب کہتے تھے کہ جب امام حسین علیہ السلام کے شہید ہوجانیکی خبر مدینہ میں آئی تو میں نے سنا کہ جناب (رسولخدا صلعم کی زوجہ محترمہ) ام سلمہ بیان فرمانے لگیں اہل عراق نے امام حسینؑ کو قتل کردیا خدا ان سب کو قتل کرے ان لوگوں نے حسین کو دھوکا دیا اور انکی ذلت و توہین کی ان لوگوں پر خدا کی لعنت ہو۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص۲۹۸) - اس کتاب کی ایک اور حدیث سن لو عن ابن عباس انہ قال رائت النبیؐ فیما یری النائم بنصف النہار وھو قائم اشعث اغبر بیدہ قارورۃ فیہا دم فقلت بابی انت وامی یا رسول اللہ ما ھذا؟ قال ھذا دم الحسین واصحابہ لم ازل التقطہ منذ الیوم فاحصینا ذلک الیوم فوجد وہ قتل فی ذلک الیوم یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ ایک دن دوپہر کو میں نے حضرت رسولخدا صلعم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں - آپ کے بال بہت پریشان ہیں اور اس پر گرد و غبار پڑی ہے اور حضرت کے دست مبارک میں ایک شیشی ہے جسمیں خون بھرا ہے - میں نے عرض کی میرے ماں باپ حضور پر فدا ہوجائیں - اے رسولخدا صلعم یہ حضور کے ہاتھ میں کیا ہے؟ فرمایا یہ میرے فرزند حسین کا اور انکے ساتھیوں کا خون ہے جس کو میں آج برابر اٹھا رہا ہوں میں نے اس دن کو یاد رکھا (جب امام حسینؑ کی شہادت کی خبر آئی اور اس دن تاریخ سے اس کو ملایا) تو معلوم ہوا کہ واقعی حضرت اسی روز شہید ہو گئے تھے (مسند احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد ا ص۲۸۳) - اگر کہو تو اسی کتاب سے اور روایتیں پڑھوں۔ یہ روایت امام بیہقی کی دلائل النبوۃ میں بھی ہے اور مشکوۃ شریف میں بھی ہے (مشکوۃ جلد ۸ ص۱۳۰)

مولوی صاحب - نہیں آپکی یہی دو روایتیں کافی ہیں۔

حسینی بیگم - اور صحاح ستہ میں سنن ترمذی بھی ہے - اسکے متعلق جناب مولانا شاہ سلیمان صاحب نے لکھا ہے "جامع صحیح ترمذی میں واقعہ شہادت امام حسین علیہ السلام کے متعلق چند احادیث و واقعات ہیں - ایک حدیث عبداللہ بن عمر کی - کسی عراقی کے حالت احرام میں قتل ذباب (ترمذی کا لفظ بجائے قتل ذباب کے دم بعوض ہے) کے بارے میں دریافت کرنے اور اُنکے جواب دینے کی کہ اہل عراق ایک مکھی یا مچھر مارنے کی بابت سوال کرتے ہیں اور نبی صلعم کے نواسے کو قتل کر ڈالا - جسکو بخاری نے بھی روایت کیا ہے اور اس حدیث کو صاحب سنن ترمذی نے ہذا حدیث صحیح کہا ہے (ترمذی ص ۲۳۹) - دوسری روایت حضرت انس رض کی ہے کہ سر امام ابن زیاد کے دربار میں لایا گیا اور اُس نے بے ادبی کی - اور انس سے رہا نہ گیا اور بول اُٹھے کہ یہ رسولخدا سے بہت مشابہ تھے - اسے بھی بخاری نے روایت کی ہے - اور اس حدیث کو امام ترمذی نے ھذا حدیث حسن صحیح غریب لکھا ہے (ترمذی شریف ص ۲۴۰) تیسری روایت حضرت ام سلمہ رض کا خواب ہے ترمذی شریف ص ۲۳۹ باب مناقب الحسن والحسین ملاحظہ ہو حدثنا ابو سعید الاشج نا ابو خالد الاحمر نا رزین قال حدثتنی سلمی قالت دخلت علی ام سلمہ وھی تبکی فقلت ما یبکیک - قالت رأیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تعنی فی المنام وعلی راسہ ولحیتہ التراب فقلت مالک یا رسول اللہ قال شھدت قتل الحسین انفا یعنی سلمی کہتی ہیں کہ میں حضرت ام سلمہ رض کے پاس گئی تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں - میں نے پوچھا کہ آپ کیوں روتی ہیں فرمایا کہ ابھی خواب میں میں نے رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ کے سر مبارک اور ریش مبارک غبار آلود ہیں - میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیا ماجرا ہے ؟ حضور صلعم نے فرمایا کہ ابھی میں حسین کے مقتل میں گیا تھا اس حدیث پر مرزا حیرت صاحب کرزن گزٹ مطبوعہ ۵ ستمبر ۱۹۰۵ء ص ۱۲ کالم ۲ میں یوں جرح کرتے ہیں کہ" اسکے بعد ایک صحابی کا خواب بیان ہوا ہے جس نے شہادت

کے وقت مدینہ میں دیکھا تھا مگر چونکہ شریعت نے خواب کو کوئی وقعت نہیں دی اس لئے ہم اس پر بحث نہیں کرتے۔ بس چھٹی ہوئی۔" (رسالہ شہادت حسین ص۱)

مولوی صاحب۔ واقعی مرزا حیرت صاحب نے سچ لکھا تھا۔ اسلامی شریعت نے تو خواب کو کوئی وقعت نہیں دی ہے۔

حسینی بیگم۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے کیا پڑھا ہے اور اب تک کس طرح حدیث کا کام کرتے ہو۔ اسلام نے تو خواب کو اتنی وقعت دی ہے کہ بخاری شریف میں ہے باب رویا الصالحین وقولہ لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق یعنی اچھے لوگوں کے خواب کے بیان میں اور اللہ کے اس قول کے مطلب میں کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کے سچے خواب کو سچ کر دکھایا (صحیح بخاری پارہ ۲۸ ص۷۶۸)۔

اسلام نے تو خواب کو اتنی وقعت دی ہے کہ عن انس بن مالکؓ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال الرؤیا الحسنۃ عن الرجل الصالح جزء من ستۃ واربعین جزءا من النبوۃ یعنی حضرت انس بن مالک بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے کہ اچھے شخص کا اچھا خواب نبوت کے ۴۶ جزو سے ایک جزو ہے (صحیح بخاری پارہ ۲۸ ص۷۶۸)۔ جناب مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی نے تحریر فرمایا ہے " ناظرین رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب کی نسبت فرمایا ہے جزء من اجزاء النبوۃ مگر مرزا صاحب اسکو بے وقعت و بے اصل بتاتے ہیں۔ خواب اگر بالکل بے اصل و بے وقعت چیز ہوتی تو سیدنا یوسف علیہ السلام کو تعبیر کا فن کیوں عنایت ہوتا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا خواب کیوں قرآن میں مذکور ہوتا۔ اور ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال میں یہ کیوں لکھا جاتا کہ اول ما بدء بہ من الوحی الرؤیا الصادقہ۔ سبحان اللہ ام المومنین کا خواب اور خواب میں بھی سرور کائنات (علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ الف الف صلوات وتحیات) کو دیکھنا اور پھر ان کا اس خواب کے واقعہ کی تصدیق کر کے اس پر گریہ وزاری کرنا کیا یہ معمولی اور بے وقعت شے ہوسکتی ہے؟ حاشا وکلا!

مرزا (حیرت) صاحب خود فرماتے ہیں اور اپنے رویائے صادقہ کا ذکر کرتے ہیں کہ حضور انور کی پاک زیارت نے ہمارا سینہ نور خدا کے لئے کشادہ کر دیا ہے بہت سے باری تعالے کے راز ہم پر منکشف ہو گئے ہیں الخ (ملاحظہ ہو کرزن گزٹ مطبوعہ یکم ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳ کالم سوم) میرے ناظرین واخوان! آپ اندازہ کر سکتے ہونگے کہ مرزا حیرت صاحب حضرت ام المومنین بی بی ام سلمہ رضی اللہ تعالے عنہا کے خواب کو تو یوں بے وقعت ٹھہرائیں اور اپنے خواب و زیارت کو اتنا اعلےٰ بتائیں کہ نور سے انکا سینہ معمور ہو جاوے اور خدا کی طرف سے تیرہ سو برس کی غلطی کے ظاہر کرنے پر مامور ہوں۔ کیا یہ خبط اور سخت شوخی و بے باکی نہیں ہے؟ اور غرور ہے؟ واضح ہو کہ حضرت ام سلمہ رضہ اس خواب میں منفرد نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس نے بھی مکہ میں ایسا ہی خواب دیکھا تھا اور جس وقت اونھوں نے دیکھا تھا جب شہادت کی خبر آئی تو ٹھیک وہی یوم و وقت تھا جیسا کہ مسند امام احمد میں یہ حدیث منقول ہے... اب غور کرنا چاہیئے کہ جب خواب اصل واقعہ کے ساتھ منطبق ہو گیا اور جیسا کہ دیکھا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا تو پھر وہ خواب کیونکر بے وقعت ہو سکتا ہے؟ یہ خواب کوئی معمولی خواب تھا یہ ایک ایسا معتبر اور صحیح اور سچا خواب تھا کہ جب یہ واقعہ منطبق ہو گیا اور جو دیکھا تھا ظاہر ہوا تو لوگ حضرت ام سلمہ کے پاس امام حسین علیہ السلام کی تعزیت کو آنے لگے۔

چنانچہ معجم صغیر طبرانی صہ ۳۲ میں مروی ہے حدثنا احمد بن مجاهد الاصفهانی قال ثنا عبد الله بن عمر بن ابان ثنا زافر بن سليمان عن طعمة بن عمرو الجعفري عن ابی الجحاف داؤد بن ابی عوف عن شهر بن حوشب قال اتيت ام سلمة اعزيها على الحسين بن على فقالت الخ یعنی شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ جب امام حسین عم کی شہادت کی خبر ملی تو میں حضرت ام سلمہ رض کے پاس امام حسین ع کی تعزیت کے لئے گیا تو آپ نے انکے مناقب بیان فرمائے۔

تو بھلا ایسے سچے اور معتبر خواب کو بے اعتبار بتانا کون سی انسانیت اور کون سی عقل

و دانش ہے، جو شخص ایسے روحانی بزرگوں کے خواب کو بے وقعت بتائے اور
پھر اپنے خواب کو با وقعت بتائے وہ ضرور نکبت میں گرفتار ہوتا ہے جیسا کہ اسی
حدیث پر جرح کرنے میں مرزا صاحب کو نوبت آئی۔ آپ نے صحاح ستہ کی
احادیث شہادت کے متعلق یوں لکھا ہے کہ "اسکے بعد ایک صحابی کا خواب بیان
ہوا ہے جس نے شہادت مدینہ میں دیکھا تھا" حالانکہ یہ خواب کسی صحابی کا نہیں بلکہ
حضرت ام سلمہ رضؓ کا ہے اور اگر مرزا صاحب یوں کہیں کہ ہم نے ابن عباس رضؓ کا
خواب یہاں پر بیان کیا ہے تو یہ ممکن نہیں اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضؓ اس
وقت مدینہ میں نہ تھے بلکہ مکہ معظمہ میں تھے اور وہیں یہ خواب دیکھا تھا اور آپ
فرماتے ہیں کہ ایک صحابی کا خواب بیان ہوا ہے جس نے شہادت کے وقت مدینہ
میں دیکھا تھا۔ یہ ہے مرزا صاحب کی قابلیت کا اندکے از بسیار" (رسالہ شہادت
حسین صہ ۱۹)

مولوی صاحب ۔ اچھا مشکوۃ شریف کی عبارت پڑھو۔

حسینی بیگم ۔ اس سے ایک روایت تو اوپر بیان کر چکی جو مسند احمد بن حنبل
میں ہے وہ دلائل النبوۃ اور مشکوۃ شریف میں بھی ہے کہ حضرت ابن عباس رضؓ
نے حضرت رسولخدا صلعم کو خواب میں دیکھا کہ بال پریشان گئے اور چہرہ انور پر
گرد و غبار پڑا ہے ہاتھ میں ایک شیشی لئے ہیں جس میں خون ہے۔ دوسری روایت
یہ ہے عن انس قال اتی عبید اللہ بن زیاد براس الحسین فجعل فی طست
فجعل ینکت وقال فی حسنہ شیئا قال انس فقلت واللہ انہ کان اشبھھم
برسول اللہ وکان مخضوبا بالوسمۃ رواہ البخاری وفی روایۃ الترمذی قال
کنت عند ابن زیاد فجئ براس الحسین فجعل یضرب بقضیب فی انفہ و
یقول ما رأیت مثل ھذا حسنا فقلت اما انہ کان من اشبھھم برسول اللہ صلعم
وقال ھذا حدیث صحیح یعنی انس رضؓ کہتے تھے کہ ابن زیاد کے پاس امام حسین ؑ کا سر
کاٹ کر لایا گیا جو ایک طشت میں رکھا گیا تو وہ شقی اس سر مبارک کو ایک چھڑی سے

چھیڑتا تھا اور آپکی خوبصورتی کے بارے میں کچھ کہتا تھا۔ انس کہتے تھے کہ دیکھو میں نے کہا خدا کی قسم سب لوگوں سے زیادہ امام حسینؓ ہی حضرت رسولخدا صلعم کے مشابہ تھے اور آپ وسمہ کا خضاب لگاتے تھے۔ امام بخاری نے اسکی روایت کی ہے اور ترمذی کی روایت میں یوں آیا ہے کہ انس کہتے تھے کہ میں ابن زیاد کے پاس موجود تھا تو امام حسینؓ کا سر وہاں لایا گیا تو وہ شقی ایک چھڑی سے اس سر پر آپکی ناک میں مارتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے ایسا خوبصورت چہرہ تو آج تک دیکھا ہی نہیں ہے اس پر میں بول پڑا اے ابن زیاد تجھے نہیں معلوم کہ حضرت امام حسینؑ سب لوگوں سے زیادہ حضرت رسولخدا صلعم سے مشابہ تھے۔ یہ حدیث صحیح ہے (مشکوٰۃ شریف جلد ۸ ص ۱۳۹ مطبوعہ لاہور)

مولوی صاحب - ہاں ٹھیک ہے۔ اب بخاری شریف کی عبارت بھی پڑھ دو۔

حسینی بیگم - مرزا حیرت صاحب دہلوی کے جواب میں مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے اسکو کچھ توضیح سے لکھا ہے۔ میں انھیں کی کتاب سے پڑھ دیتی ہوں۔ تحریر فرمایا ہے "مرزا حیرت صاحب ایکجگہ کرزن گزٹ میں اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ صحاح ستہ اہلسنت کے نزدیک معتبر کتابیں ہیں اور بخاری سب سے زیادہ معتبر۔ پھر آپنے دعویٰ کیا کہ بخاری میں کوئی حدیث متعلق شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام نہیں ہے پھر حضرت انس کی حدیث سے جو ثبوت ملتا تھا اس لئے اس روایت کو آپ نے سراپا لغو اور بالکل مہمل بتایا۔ اور دوسری روایت جو صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کی جو مثبت و مشعر شہادت ہے اس سے قصداً اغماز کیا۔ وہ روایت یہ ہے بخاری شریف جلد اول باب مناقب الحسنؑ والحسینؑ ملاحظہ ہو حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا غندر ثنا شعبہ عن محمد بن ابی یعقوب سمعت ابن ابی نعم قال سمعت عبد اللہ بن عمر وسئلہ رجل عن المحرم قال شعبہ احسبہ یقتل الذباب فقال اھل العراق یسئلون عن قتل الذباب وقد قتلوا ابن بنت رسول اللہ وقال النبیؐ ھما ریحانتای من الدنیا یعنی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ

رضی اللہ عنہما سے کسی عراقی نے حالت احرام میں قتل ذباب کی نسبت پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اہل عراق قتل ذباب کا تو مجھ سے مسئلہ پوچھتے ہیں اور رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم کے نواسہ کو قتل کر ڈالا۔ حالانکہ رسولخدا صلعم نے فرمایا تھا یہ دونوں (حسن اور حسین) دنیا میں میرے دو پھول ہیں"۔ قتل ابن بنت رسول اللہ امام حسینؑ کی شہادت کیطرف اشارہ ہے۔ کیونکہ عراق کا واقعہ اور حدیث ھما ریحانتای من الدنیا اس بات کو صاف بتا رہی ہے .... اب میں صحیح بخاری سے اصل حدیث کو نقل کرتا ہوں بخاری شریف جلد اول مطبوعہ مجتبائی باب مناقب الحسن والحسین صنہ ۵۳۰ میں ہے ...

عن انس بن مالکؓ قال اتی عبید اللہ بن زیاد براس الحسین فجعل فی طست فجعل ینکت فقال فی حسنہ شیئاً فقال انس کان اشبھھم برسول اللہ وکان مخضوبا بالوسمۃ یعنی حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ابن زیاد کے پاس امام حسینؑ کا سر مبارک ایک طشت میں رکھ کے لایا گیا تو ابن زیاد اسکو ٹھکرانے لگا اور جناب سید الشہداء کے حسن کے بارے میں کچھ بولا۔ حضرت انس نے فرمایا۔ "رسول اللہ صلعم سے بہت مشابہ تھے اور اس سر مبارک میں وسمہ کا خضاب لگا ہوا تھا" (رسالہ شہادت حسینؑ صنہ ۱۶)۔ صحیح بخاری کی ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر سے عراق والوں نے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان لوگوں نے امام حسینؑ کو تو قتل کر دیا اور مسئلہ پوچھتے ہیں مکھی کے قتل کرنے کا۔ اور ابن زیاد کے پاس امام حسینؑ کا سر لایا گیا۔ طشت میں رکھا گیا۔ ابن زیاد اس پر چھڑی مارتا تھا اور انس اس سر کی تعریف کرتے تھے۔ کیا اب بھی کوئی شخص اس واقعہ کے بارے میں کچھ شک کر سکتا ہے؟ کیونکہ پہلی روایت میں حضرت عبد اللہ بن عمر جو صحابی بھی تھے اور واقعہ کربلا کے وقت زندہ بھی تھے خود خبر دیتے ہیں کہ عراق والوں نے امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا۔ اور دوسری روایت میں حضرت انس جو صحابی تھے انھوں نے حضرتؑ کے سر کا ابن زیاد کے پاس لا کر رکھا جانا دیکھا اور بیان کیا۔ اب باقی کون بات رہ گئی۔

اکیسواں باب ۲۱

قرآن مجید میں شہادت امام حسین کا اشارہ "ذبح عظیم" کی تحقیق

مولوی صاحب۔ واقعی تم نے اپنی حدیث دانی کا بھی پورا ثبوت دیدیا۔ تم ہر فن مولا ہو۔

حسینی بیگم۔ ابھی تو حدیث کی بہت سی کتابیں رہ گیئں۔ جیسے تیسیر الوصول جامع الاصول۔ صحیح بخاری کی شرحیں فتح الباری۔ عمدۃ القاری۔ ارشاد الساری تیسیر الباری وغیرہ اسی طرح مشکوٰۃ شریف کی شرحیں مرقاۃ۔ اشعۃ اللمعات۔ وغیرہ۔ ٹھہرو میں ان سب کی عبارتیں بھی تم کو سنا دوں۔

مولوی صاحب۔ نہیں اب کسی کتاب حدیث کی ضرورت نہیں ہے۔ جب کنز العمال مشکوٰۃ شریف۔ ترمذی شریف۔ مسند احمد بن حنبل اور خاصکر بخاری شریف میں اس تصریح سے اس کو لکھدیا ہے تو بیکار کیوں وقت ضایع کیا جائے۔ ہاں قرآن مجید سے کوئی ثبوت دے سکتی ہو تو وہ البتہ نئی چیز ہو گی۔

حسینی بیگم۔ قرآن مجید تو حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں سنہ ہجری تک جو کچھ نازل ہونا تھا ہو چکا۔ اور امام حسین علیہ السلام سنہ ۶۱ ہجری میں شہید ہوئے تو قرآن میں اس کا ذکر کیونکر آتا۔

مولوی صاحب۔ مگر اشارہ تو ہو سکتا تھا۔

حسینی بیگم۔ اشارہ کی خوب کہی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ابولولوۃ کے ہاتھ سے قتل کیے گئے اس کا ذکر یا اشارہ قرآن شریف میں کہاں ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے ہوئی اس کا اشارہ کہاں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام ابن ملجم کے ہاتھ سے شہید ہوئے اس کا اشارہ قرآن شریف نے کہاں کیا ہے۔ نہ ان باتوں کی ضرورت تھی نہ واقعہ کربلا کے

اشارہ کا کوئی ایسا کام تھا۔ مگر چند آتیں ہیں جن کے صرف الفاظ و معانی پر غور کرو اور انصاف سے دیکھو تو سوا، واقعہ کربلا کے وہ کسی پر چسپاں نہیں ہو سکتیں

مولوی صاحب ۔ اے سبحان اللہ اب آپ قرآن شریف میں بھی اجتہاد کرینگی اچھا جناب مجتہد صاحب ارشاد تو فرمائیے کہ قرآن مجید کی کن آیتوں سے آپ واقعہ کربلا کی طرف اشارہ بتاتی ہیں۔

حسینی بیگم ۔ بس رہنے دو۔ تمہاری نیت کا حال معلوم ہو گیا۔ میں اب نہیں بتانے کی تم خواہ مخواہ کی کج بحثی شروع کردو گے۔ میں اسکو پسند نہیں کرتی۔ نہیں ہے نہ سہی اس سے بگڑتا کیا ہے۔

مولوی صاحب ۔ لو تم روٹھنے لگیں۔ سچ بتاؤ تو کن آیتوں سے اشارہ نکالتی ہو۔

حسینی بیگم ۔ جی معاف کیجئے جب تم پہلے ہی ہٹ دھرمی کرنے کو طیار ہو بیٹھے تو کچھ کہنا بیکار ہے۔ کیونکہ میں نے تو پہلے ہی کہدیا ہے کہ صرف ان آیتوں کے الفاظ اور معانی پر غور کرنے سے واقعہ کربلا کی طرف اشارہ معلوم ہوسکتا ہے کسی عالم کا قول یا کسی عبارت پیش کرنے کا دعویٰ میں نے نہیں کیا۔

مولوی صاحب ۔ خیر معاف کرو۔ اب ان آیتوں کو جلد بتاؤ میں پریشان ہو رہا ہوں۔

حسینی بیگم ۔ تیسویں پارے میں سورہ الفجر ہے جس میں خدا فرماتا ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ والفجر ولیال عشر یعنی صبح کی قسم اور دس راتوں کی قسم ۔ تم ہی بتاؤ کہ وہ کون سی صبح ہے اور کون راتیں ہوسکتی ہیں۔ جنکی قسم خدا کھاتا ہے جو دنیا کی ایسی ہی بے مثل و نظیر صبح بھی ہوگی اور راتیں بھی ہونگی جن کی عزت و حرمت خدا کے ہاں اس قدر ہے کہ وہ انکی قسم کھاتا ہے

مولوی صاحب ۔ (اُٹھے ہوئے گئے اور شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم دہلوی کی مترجم حمائل شریف اٹھا لائے اور کہا) دیکھو مولانا نذیر احمد صاحب

نے لکھا ہے "دس راتوں سے بقرعید کی دس راتیں مراد ہیں یا محرم کی یا عشرہ رمضان کی جس میں شب قدر ہوتی ہے"۔ (مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۹۴۵)

حسینی بیگم۔ (فوراً بغل کے تخت پر سجدۂ شکر بجالاکر بولیں) خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس نے اس بحث کو بہت آسان کردیا۔ اللہ تمہارا بھلا کرے کہ مولانا نذیر احمد صاحب کی عبارت تم ہی نے پڑھ دی۔ یہ حق کا زور ہے کہ تم نے وہ عبارت نکالی جس سے جیدمنٹ میں فیصلہ ہوجاسکتا ہے۔

مولوی صاحب۔ اس سے کیا مطلب۔ مولانا نذیر احمد صاحب کی عبارت سے کیسے فیصلہ ہوجائیگا۔

حسینی بیگم۔ ممدوح نے دس راتوں کی تفسیر میں تین احتمال لکھے ہیں (۱) بقرعید کی دس راتیں (۲) ماہ رمضان کی دس راتیں ۳ اگر عقل سے کام لیا جائے تو پہلے دونوں احتمال بالکل باطل بلکہ مضحکہ خیز خیال ثابت ہوجائیں۔ اس جگہ خدا ایک صبح اور دس راتوں کی قسم کھاتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ ایک صبح اور دس راتیں ایسی نادر ہوں جنکی قسم کھائی جاسکے۔

مولوی صاحب۔ ہاں یہ تو ضروری ہے ورنہ قسم کھیل ہوجائیگی۔

حسینی بیگم۔ بس تو بتاؤ کہ بقرعید کی دس راتوں کو کیا خصوصیت ہے جس سے خدا انکی قسم کھاتا۔ آٹھویں۔ نویں۔ دسویں کی عزت معلوم ہے کہ حج کے کئی کام ان میں کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح بقرعید کی ۱۱-۱۲-۱۳ کی خصوصیت معلوم ہے کہ ایام تشریق ہیں مگر پہلی ذی الحجہ سے ساتویں ذی الحجہ تک میں کیا بات ہے جس سے خدا ان سب کی قسم کھاتا۔ یہ خدا کا کلام ہے۔ بچوں کا کھیل نہیں کہ بغیر کسی وجہ یا سبب کے کوئی بات کردے۔

مولوی صاحب۔ ہاں یہ بات تو صحیح ہے ان سب راتوں کی تو کوئی نمایاں خوبی معلوم نہیں ہوتی۔

حسینی بیگم۔ اور بقرعید یعنی دسویں ذی الحجہ کی فجر کی بھی کوئی خصوصیت نہیں

کیونکہ اس میں نماز عید چاشت کے وقت ہوتی ہے اور قربانی بھی اسی وقت کیجاتی ہے بلکہ زیادہ تر نماز بقرعید کے بعد قربانی کیجاتی ہے۔ پھر اس روز کی فجر کی قسم کیوں کھائی جائیگی۔ جیسی فجر ہر روز کی ہوتی ہے ویسی ہی بقرعید کی بھی۔ غرض نہ بقرعید کی فجر اس قابل ہے کہ اسکی قسم کھائی جائے نہ اسکی دس راتیں اس لائق ہیں کہ سب کو یہ عزت دیجائے اور خدا دس راتوں کی قسم کھاتا ہے تو سب میں کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔ اب دوسرے احتمال کو دیکھو کہ اس سے مراد ماہ رمضان کی آخری دس راتیں ہیں۔ مگر ان راتوں میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے خدا صرف انکی قسم کھائے اور پہلی بیس راتونکی قسم نہ کھائے۔ رہیں شب قدر تو انکی خصوصیت خدا نے علحدہ لیلۃ القدر کے ذکر میں بیان کردی۔ اور پھر ان دس راتوں میں وہ فجر کون سی کہی جائیگی جسکی قسم خدا نے کھائی۔ اسکو بھی تو بتانا چاہیئے۔

مولوی صاحب ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا پہیلی ہے۔

حسینی بیگم ۔ نہیں پہیلی دہیلی تو کچھ نہیں ہے۔ صرف عقل کا پھیر ہے۔ خدا نے صاف صاف محرم کی دسوں راتوں اور عاشورا کی صبح کی قسم کھائی ہے اور اسکے سوا کوئی احتمال چسپاں نہیں ہو سکتا کیونکہ دسوں راتیں حضرت امام حسینؑ اور آپکے اہلبیتؑ پر اس قیامت کی گزری ہیں جنکی مثال تاریخ دنیا پیش نہیں کرسکتی۔ اور پھر عاشورا کی فجر بھی ویسی ہی تھی کہ رات بھر لشکر امام حسینؑ عبادت خدا کرتا رہا اور فجر ہوتے ہی دین اسلام کی حمایت میں جان دینے پر کمربستہ ہوگیا۔ نہ ویسی کی صبح کبھی ہوئی نہ ویسی دس راتیں کبھی آئیں۔ بس جس طرح خدا نے آفتاب کی قسم کھائی کہ وہ اپنی مثال نہیں رکھتا۔ اسی طرح خدا نے ۱۰ محرم ۶۱ ہجری کی فجر اور ان راتوں کو ذکر دیا ہے۔ اب عقل والے خود طے کرلیں کہ وہ فجر اور وہ دس راتیں کون تھیں۔

مولوی صاحب ۔ کن تفسیروں میں ان دسوں راتوں سے محرم کی دسوں راتیں مراد لی ہیں۔

حسینی بیگم ۔ تم نے خود ہی مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کی عبارت پڑھی اور بڑے مفسرین نے بھی لکھا ہے۔ علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے المراد فجر المحرم

اور دسوں راتوں کی قسم بھی کھائی کہ وہ بھی بے نظیر گزری ہیں اور وہ بھی صبح عاشورا سے پہلے کی ہیں

یعنی والفجر سے خدا کی مراد محرم کی صبح ہے (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۵۵۷) علامہ سیوطی نے بھی لکھا ہے "عن ابن عباس فی قوله والفجر قال هو المحرم یعنی حضرت ابن عباس بیان کرتے تھے کہ خدا نے جس صبح کی قسم کھائی ہے وہ محرم کی صبح ہے (تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۴۴) یہ ضرور ہے کہ ان مفسرین نے خاص ۱۰ محرم سنہ ۶۱ ہجری کی صبح مراد نہیں لی ہے مگر عقل سے کام لیا جائے تو اسکے سوا کوئی صبح مراد نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح دس راتوں کو بھی مفسرین نے محرم کی لکھی ہیں۔ علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے انها عشر المحرم من اوله الی آخره وهو تنبیه علی شرف تلك الايام دینها یوم عاشوراء یعنی یہ دس راتیں محرم کے پہلے عشرہ کی ہیں پہلی سے دسویں تک اور خدا نے ان دسوں راتوں کی قسم اس لئے کھائی کہ لوگوں کو یاد رہے کہ یہ دس دن اپنے شرف و بزرگی میں خاص درجہ رکھتے ہیں کیونکہ انھیں دنوں میں عاشوراء بھی ہے (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۵۵۷) اور محرم ہی کی دس راتوں اور عاشوراء کی فجر کے مراد ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ محرم سب مہینوں سے بہتر اور سب کا سردار ہے چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے سید الاشهر المحرم یعنی کل مہینوں کا سردار ماہ محرم ہے (منتخب کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۳۲۰) المحرم شهر الله تاب الله فيه علی قوم ویتوب فيه علی قوم یعنی محرم خدا کا مہینہ ہے۔ پہلے بھی خدا اس مہینہ میں ایک قوم کی توبہ قبول کر چکا ہے اور آیندہ بھی ایک قوم کی توبہ اس میں قبول کریگا۔ (منتخب کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۳۸۱) آنحضرت صلعم نے یہ بھی فرمایا ہے افضل الشهور المحرم یعنی کل مہینوں سے افضل ماہ محرم ہے (منتخب کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۵۰)

مولوی صاحب۔ ہاں ان باتوں سے تو دل یہی کہتا ہے کہ یہ دس راتیں محرم ہی کی پہلی سے دسویں تک ہیں اور یہ فجر عاشوراء ہی کی فجر ہے۔

حسینی بیگم۔ قرآن مجید کی دوسری آیت دیکھو جسمیں واقعہ کربلا کی طرف اشارہ ہے ومن عاقب بمثل ما عوقب به ثم بغی علیه لینصرنه الله یعنی جس شخص نے دشمن کو اتنا ہی ستایا جتنا خود (اس دشمن سے) ستایا گیا تھا۔

پھر دشمن کیطرف سے اس پر زیادہ ظلم کیا گیا تو خدا (آخرت میں اس مظلوم کی) ضرور مدد کریگا (پارہ ۱۷، ارکوع ۱۵) یہ آیۃ بھی امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور واقعہ کربلا کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بنی امیہ اور حضرت رسولخدا صلعم میں جنگ ہوتی رہی تو رسولخدا صلعم نے بنی امیہ کا مقابلہ کیا اسکے بعد یزید نے حضرت رسولخدا صلعم کے فرزند امام حسینؑ کو قتل کر دیا تو خدا ضرور آپکی اولاد سے حضرت امام مہدی کی مدد کریگا۔ یہ آیت قتل امام حسین اور واقعہ کربلا کی طرف اشارہ ہے (دیکھو کتاب ینابیع المودۃ مطبوعہ بمبئی صفحہ ۳۵۶) ۔ تیسری آیت دیکھو یہی علامہ قندوزی حنفی لکھتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا۔ نزل فی الحسین والمہدی علیہما السلام یعنی خدا نے جو فرمایا ہے کہ جو شخص ظلم سے قتل کیا جائیگا تو ہم اسکے ولی کو غلبہ دینگے جکو مناسب ہے کہ بدلہ لینے میں اسراف نہ کرے یقیناً اسکی مدد خدا کی طرف سے کیجائیگی (پارہ ۱۵ ارکوع ۴) یہ آیۃ حضرت امام حسینؑ اور حضرت مہدی علیہما السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ چونکہ امام حسین علیہ السلام ظلم سے شہید کئے گئے۔ اس وجہ سے حضرتؑ کے آخری جانشین حضرت امام مہدی علیہ السلام کو ضرور ان یزیدیوں اور دشمنان خدا پر غلبہ دیگا۔ اور حضرت کی مدد کیجائیگی۔ یہ آیت بھی واقعہ کربلا ہی کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ ہم لوگوں کے امام شیخ سلیمان قندوزی نے جو قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام تھے لکھدیا ہے (ینابیع صفحہ ۳۵۶)

مولوی صاحب۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اتنے بڑے شیخ الاسلام نے ان باتوں کو اپنی کتاب میں کیسے لکھدیا۔

حسینی بیگم۔ انھوں نے ان سب کو یقینی جانا اس وجہ سے ان کا درج کرنا اپنا فریضہ سمجھے۔

مولوی صاحب۔ مجھ سے تو کچھ بولا ہی نہیں جاتا ہے۔

حسینی بیگم۔ اس چوتھی آیت کو بھی دیکھو دنا دینا ۱۸ ان یا ابراہیم قد

صدقت الرؤیا انا کذٰلک نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلاء المبین وفدینٰه بذبح عظیم۔ یعنی ہم نے حضرت ابراہیم سے پکار کر کہا کہ اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیک بندوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیتے ہیں بے شک یہ کھلا ہوا امتحان تھا اور ہم نے بڑی قربانی کو اسمٰعیل کا فدیہ دیا (پارہ ۲۳ رکوع ۷) جناب خانبہادر خلیفہ سید محمد حسن صاحب وزیر اعظم ریاست پٹیالہ نے اپنی کتاب میں قرآن مجید کی پیشینگوئیاں لکھتے ہوئے تحریر فرمایا ہے جو انصاف اور حق کے مطابق ہے "دوسری پیشین گوئی اُس امام مظلوم کی شہادت کی خبر ہے جس کو خود اُس کے نانا رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے بعض بدبخت لوگوں نے تین دن کا بھوکا پیاسا مع دوستوں اور عزیزوں اور بھائیوں اور بھتیجوں کے حق بات کہنے اور کرنے اور ناحق بات کے نہ ماننے پر شہید کیا۔ یہاں تک کہ چھ مہینہ کے شیرخوار بچہ تک کو زندہ نہ چھوڑا۔ اور عین سجدہ کی حالت میں اس کا سر مبارک کاٹ لیا۔ اور اُسکے اور تمام شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر چڑھایا اور لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا۔ مال و اسباب لوٹ لیا اور خیموں کو جلا دیا اور اُسکے حرم محترم کو قید کر کے بے مقنع و چادر ننگی پیٹھ کے اونٹوں پر بٹھا کر جنکی مہار اس کا بیمار و ناتواں فرزند (جو صرف ایک ہی زندہ باقی رہ گیا تھا) گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے کھینچتا تھا کربلا سے کوفہ و دمشق لے گئے اور اُس کی اور اوسکے دوستوں اور عزیزوں کی لاشیں خاک و خون میں غلطاں کربلا کی جلتی بلتی زمین پر کئی دن تک بے گور و کفن پڑی رہیں جن کا بجز دن کی دھوپ اور رات کی شبنم کے کوئی بھی خبرگراں نہ ہوا۔ جو ایک ایسا دردانگیز و حسرت خیز عظیم واقعہ ہے کہ جسکی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ہے۔ قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو جو اس عمر کو پہونچ گیا تھا کہ ان کے ساتھ دوڑ کر چل پھر سکے۔ کہا کہ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی۔ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ۔ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ

لِلْجَبِيْنِ وَنَادَيْنَاهُ اَنْ يَّا اِبْرَاهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ (سورہ صافات) یعنی اے فرزند میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھکو قربانی کے لئے ذبح کرتا ہوں۔ پس تو سوچ کہ تیرا دل کیا کہتا ہے؟ بولا اباجان جو کچھ آپکو حکم دیا جاتا ہے وہ کیجئے آپ دیکھ لیں گے کہ میں انشاء اللہ اس کو برداشت کروں گا۔ پس جب دونوں راضی بقضا ہو گئے اور ابراہیمؑ نے اس کو ذبح کرنے کو ماتھے کے بل لٹالیا تو ہم نے یہ کہکر اُسکو پکارا کہ بس اے ابراہیمؑ تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ بے شک ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں سچے دل سے نیکی کرنے والوں کو۔ بے شبہ یہ تو بہت ہی سخت امتحان ہے۔ اور ہم نے اُس لڑکے کو ایک بڑی قربانی کے بدلے بچالیا اور اُس کا ذکر خیر پیچھے آنے والوں میں چھوڑا۔ اس آیہ کریمہ میں جو "عظیم" کا لفظ "ذبح" یعنی ذبیح کی صفت میں وارد ہوا ہے مفسرین نے اسکی نسبت طرح طرح کی توجیہیں کی ہیں۔ کسی نے کہا ہے کہ ابراہیمؑ نے اس لڑکے کے عوض جو مینڈھا قربانی کیا تھا بڑا اور موٹا تازہ ہونے کی وجہ سے اسکو عظیم کہا گیا۔ کسی کا قول ہے کہ اس سبب سے عظیم کہا گیا کہ اُس نے تخریف کی چالیس فصلیں بہشت میں چری تھیں۔ کسی نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ وہی مینڈھا تھا جس کو ہابیل بن آدم علیہ السلام نے پہلے پہل قربانی کیا تھا اور جبرئیلؑ اسکو بہشت سے لے آئے تھے۔ کسی نے لکھا ہے کہ ابراہیمؑ کے بیٹے کا فدیہ ہونے کی وجہ سے عظیم کا اطلاق اس پر ہوا۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ سب توجیہیں نہایت رکیک ہیں کیونکہ ایک جانور خواہ وہ بہشت ہی کی گھانس سے کیوں نہ پلا ہو ایک انسان (بھر انسان بھی کیسا کہ نبی اور نبی زادہ) کا ہرگز بدلہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ناقص چیز کامل شے کا عوض نہیں ہو سکتی اور نہ قرآن مجید کی معجزانہ بلاغت کا یہ مقتضا ہے کہ ایک ناچیز جانور پر "عظیم" کا اطلاق آمیں ہو۔ اور اس لئے ضروری ہے کہ ابراہیمؑ کے بیٹے کا فدیہ کوئی ویسا ہی مقبول خدا اور عظیم المرتبہ ہو جیسا کہ وہ خود تھا۔ پس حق یہ ہے

کہ وہ بڑی قربانی جسکے بدلے خدا نے ابراہیمؑ کے بیٹے کو بچالیا وہ تھی جو ۶۱ھ کے ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو جمعہ کے روز دوپہر ڈھلنے کے بعد کربلا کے قیامت خیز میدان میں اُسی طرح وقوع میں آئی جس طرح پر کہ ابراہیمؑ کے بیٹے کی قربانی وقوع میں آنے والی تھی یعنی سجدہ کی حالت میں ٹھیک اُسی طرح پر اُس کو ذبح کیا گیا جس طرح پر کہ ابراہیمؑ نے پیٹھ کی طرف سے بیٹے کو ذبح کرنا چاہا تھا۔ ہاں اتنا فرق بے شک ہوا کہ ابراہیمؑ کا بیٹا کم سن لڑکا تھا اور باپ نے ہاتھ پاؤں باندھکر اسکو ماتھے کے بل ذبح کرنے کو لٹایا تھا مگر علیؑ کے بیٹے کی عمر ۵۵ سال سے تجاوز کر چکی تھی اور اُس نے اپنی مرضی اور اختیار سے سجدہ کے لیے اپنا ماتھا زمین پر رکھا تھا۔ ابراہیمؑ کا بیٹا تین دن کا بھوکا پیاسا نہ تھا۔ مگر علیؑ کے بیٹے کو تین دن سے پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوا تھا۔ ابراہیمؑ نے ایک مینڈھے کو قربان کیا اور بیٹے کو بچالیا مگر علیؑ کے بیٹے کے دوستوں اور عزیزوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بیٹیوں اور بھانجوں غرض بہتر سے زیادہ لوگوں نے اپنی جانیں قربان کر ڈالیں مگر پھر بھی اس کو نہ بچا سکے! ابراہیمؑ ہنستا اور خوش ہوتا ہوا بیٹے کو زندہ و سلامت اسکی غمگین اور نزاس ماں کے پاس لے گیا مگر علیؑ کے بیٹے کے سر کو دشمن اُسکی روتی پیٹتی سربرہنہ بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ ایک شقی ترین خلائق کے خوش کرنے کو اسکے تخت کے سامنے لے گئے!!!

ابراہیمؑ کے بیٹے کی قربانی کا دن اسکے جان سے بچ جانیکی خوشی منانے کے لئے عید قرار پایا مگر علیؑ کے بیٹے کی قربانی کا دن رونے پیٹنے اور سوگ منانے کا دن مقرر ہوا۔ ہمارے اس بیان کو پڑھکر ناظرین غالباً یہ خیال کرینگے کہ یہ ایک بالکل نئی بات ہے جسکو مفسرین میں سے کسی نے بھی بیان نہیں کیا (اہلسنت مفسرین نے تو نہیں مگر ملا معین الدین واعظ کاشفی نے اپنی کتاب معارج النبوۃ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی سند پر یہی لکھا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ مولف عفی عنہ) مگر ہم کہتے ہیں کہ بے شک عامہ مفسرین نے اس کو بیان نہیں کیا مگر قرآن جنکے گھر میں اُترا ہی اور جن کو احد الثقلین کہا گیا ہے انھوں نے اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے

اور یہی حق ہے۔ اگرچہ یہ امر مختلف فیہ ہے کہ وہ لڑکا جسکو حضرت ابراہیمؑ نے
قربانی کرنا چاہا تھا حضرت اسماعیل تھے یا حضرت اسحاق مگر اس سے اس پیشینگوئی
میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا کیونکہ پیشین گوئی کا مقصد صرف اولاد ابراہیمؑ میں سے
ایک بڑے شخص کا فدیہ ہونا تھا۔ اسماعیل یا اسحاق کی نسل کی کچھ تخصیص نہ تھی۔
چنانچہ وہ مقصد پورا ہوا۔ اور حضرت اسماعیل کی نسل شریف میں سے حسین بن علیؑ
علیہما السلام شہادۃ عظمیٰ کے رتبہ عالیہ پر فائز ہوئے جس کا ذکر نہایت حسرت
اور افسوس کے ساتھ تقریباً دنیا کے تمام حصوں میں ہوتا ہے اور ہوتا رہیگا جو
اُس وعدہ کی صداقت کی دلیل ہے جو خدا نے آپ کے حق میں فرمایا تھا کہ وَتَرَكْنَا
عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ اس میں شک نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے اس غایت درجہ کے
مخلصانہ وصابرانہ فعل کا کہ خدا کے لئے اپنے لخت جگر کو دریغ نہ کیا ہمیشہ تعریف
کے ساتھ ذکر ہوتا رہا اور ہوتا رہیگا۔ لیکن اس زور و شور و قیامت کی سی دھوم
دھام کے ساتھ نہیں ہوتا جیسا کہ علیؑ کے عظیم المرتبۃ فرزند کی قربانی کا ذکر خیر ہوتا
ہے اور ہوتا رہیگا ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء
یہ پیشین گوئی تو قرآنی تھی جو اپنے وقت پر ٹھیک پوری ہوئی مگر آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وحی کے ذریعہ سے اس ہولناک واقعہ کی خبر دینا بھی اُس حد
کو پہونچ گیا ہے جسمیں کسی طرح شبہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جناب مولانا شاہ
عبد العزیز صاحب دہلوی اپنی مستند کتاب سر الشہادتین میں لکھتے ہیں کہ داما
اخبار النبیؐ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھذہ الواقعۃ الھائلہ من
جھۃ الوحی بواسطۃ جبرئیل وغیرہ من الملٰئکۃ فمشھور متواتر۔ یعنی
اور خبر دینا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس واقعہ ہولناک سے بواسطہ وحی
لانے جبرئیلؑ وغیرہ فرشتوں کے سو مشہور اور متواتر ہے۔ چنانچہ اسکے ثبوت میں
انھوں نے بہت سی مستند اور صحیح حدیثیں نقل کی ہیں جنمیں بہت تفصیل کے
ساتھ اس واقعہ کے ہونے کی خبر دیگئی ہے۔ پس بقول ہمارے فخر قوم مولوی سید

امیر علی صاحب ایم۔ اے بیرسٹرایٹ لا۔ سی۔ آئی۔ ای سلمہ اللہ تعالیٰ کے "اگر معاصی عباد کا فدیہ اور تقرب خدا کا وسیلہ آدمی کو درکار ہے تو جناب سید الشہدا امام حسین بن علیؑ شہید دشت کربلا کی شہادت عظمیٰ سے اس مقصد کی تکمیل ہوگئی" اللہ اکبر واقعہ کربلا بھی عجیب دردانگیز و حسرت خیز واقعہ ہے (کتاب اعجاز التنزیل ص۴۹)

مولوی صاحب۔ واہ قرآن مجید کے ذبح عظیم سے حسین رضی اللہ عنہ کو مراد لینا بھی عجیب ڈھکوسلا ہے

حسینی بیگم۔ تم جو چاہو کہو۔ مگر عقل تو کہتی ہی کہ اسکے سوا اور کوئی مطلب ہو ہی نہیں سکتا

مولوی صاحب۔ تعجب ہے کہ تمہاری ایسی ذہین اور عقل کا پتلا بھی یہی مطلب لیتی ہے۔

حسینی بیگم۔ ذرہ تفصیل سے سنو۔ اس آیت میں خدا نے دو ذبح کا ذکر کیا ہے۔ ایک حضرت اسمٰعیلؑ کا ذبح جسکے لیے حضرت ابراہیمؑ آمادہ ہوئے۔ دوسرا اُس کا ذبح جو حضرت اسمعیلؑ کا فدیہ قرار پایا۔ حضرت اسمعیلؑ کے ذبح کو خدا نے معمولی ذبح فرمایا مگر آپ کے بدلہ جو فدیہ ہوا اسکے ذبح کو ذبح عظیم فرمایا تو ضروری ہے کہ اس فدیہ کا ذبح حضرت اسمعیل کے ذبح سے عظیم یعنی بڑھا ہوا ہو۔

مولوی صاحب۔ ہاں اسی وجہ سے تو خدا نے اس کو ذبح عظیم فرمایا۔

حسینی بیگم۔ تو بتاؤ کہ وہ فدیہ کیا ہے جس کا ذبح حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبح سے بڑھا ہوا ہے؟

مولوی صاحب۔ وہ بہشت کا دنبہ تھا جو حضرت اسمٰعیلؑ کے بدلہ ذبح کیا گیا۔

حسینی بیگم۔ تو اسکے ذبح کو خدا نے حضرت اسمعیل کے ذبح سے بڑا کیوں فرمایا۔

مولوی صاحب۔ اس لئے کہ وہ بہشت کا تھا۔

حسینی بیگم۔ بہشت کا تو دنبہ تھا جو ذبیح ہوا مگر خدا ذبیح کو تو عظیم نہیں فرماتا بلکہ ذبح کو عظیم فرماتا ہے۔ یہ تو معمولی بات ہے کہ ذبح اس کام کا نام ہے جس سے

کوئی ذی روح مارا یا قتل کیا جاتا ہے۔ اور جو ذی روح ذبح کیا جاتا ہے اسکو ذبیح کہتے ہیں جیسے قتل اور قتیل۔ قتل کا معنے ہلاک کرنا اور قتیل کا معنے وہ ذات جو ہلاک کیگئی۔ تو بتاؤ کہ اس دنبہ کے ذبح کرنے میں کون سی بات بڑی تھی جسکی وجہ سے اس کا ذبح ہونا عظیم ہوگیا۔ اور اگر حضرت اسمعیلؑ ذبح ہوتے تو آپکا ذبح اُسکے ذبح سے کم ہوتا۔ یعنی اس جگہ دو ذبیحوں اور دو ذبحوں کا ذکر ہے۔ دو ذبیح تو حضرت اسمعیل اور (تمہارے قول کے مطابق) بہشت کا دنبہ تھا۔ اور دو ذبح حضرت اسمعیل کا ذبح ہونا اور اس دنبہ کا ذبح ہونا ہوا مگر خدا ذبح کو عظیم نہیں فرماتا ہے۔ جس سے ثابت ہو کہ وہ بہشت کا دنبہ حضرت اسمعیل سے بڑھا ہوا تھا۔ بلکہ ذبح کو عظیم فرماتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس فدیہ کا ذبح ہونا حضرت اسمعیلؑ کے ذبح ہونے سے بڑھا ہوا تھا۔ بس اس کی تحقیق کرو کہ اس فدیہ کے ذبح ہونے میں کیا بات تھی جس سے وہ عظیم ہوگیا۔ اور حضرت اسمعیل کا ذبح ہونا معمولی کام رہ گیا۔

مولوی صاحب۔ میرے ذہن میں تو اسکی وجہ نہیں آتی مگر کوئی وجہ ضرور ہوتی چاہئے۔

حسینی بیگم۔ بلکہ میں کہتی ہوں کہ اگر بہشت کا دنبہ مراد لیا جائے تو خدا کا کلام جھوٹا ہوجاتا ہے کیونکہ اس صورت میں حضرت اسمعیلؑ ہی کا ذبح ہونا عظیم ثابت ہوگا اور اس دنبہ کا ذبح ہونا غیر عظیم ہوگا اس لئے کہ حضرت اسمعیلؑ جناب ابراہیمؑ کے فرزند تھے اور وہ دنبہ بہشت کا جانور تھا۔ جانور کا ذبح کرنا کسی کو شاق نہیں ہوتا ہے تو حضرت ابراہیمؑ کو بھی اس دنبہ کا ذبح کرنا کچھ معلوم نہیں ہوا۔ لہذا وہ ذبح بالکل معمولی ذبح تھا۔ برخلاف حضرت اسمعیل کے کہ آپ حضرت ابراہیمؑ کے پیارے فرزند تھے۔ اور باپ کے لئے اپنے پیارے فرزند کا ذبح کرنا ایک قیامت ہے تو حضرت اسمعیلؑ ہی کا ذبح ہونا ذبح عظیم ہونا چاہئے مگر خدا نے اسکے برعکس اس فدیہ کے ذبح ہونے کو ذبح عظیم فرمایا جس سے یقینی ہے کہ وہ فدیہ بہشت کا دنبہ نہیں تھا بلکہ کوئی ایسا تھا جسکے ذبح کی شان حضرت اسمعیل کے ذبح سے کہیں بڑھی

چڑھی تھی - اور جس کا اثر سب کے دلوں کو بے چین کر دینے والا تھا -

مولوی صاحب - یہ تقریر تو بالکل عقل کے مطابق ہے - واقعاً اس دنبہ کے ذبح کرنے میں کیا خصوصیت تھی جسکی وجہ سے اس کا ذبح کرنا عظیم ہو جاتا اور حضرت اسمعیل کا ذبح کرنا معمولی ذبح رہ جاتا - تو پھر اس سے کون ذبح مراد ہے -

حسینی بیگم - تم خود دیکھو کہ حضرت اسمعیل کے بعد دنیا کی تاریخ میں کون ذبح ایسا گزرا جو انتہائی سختیوں - حد درجہ کی مظلومیتوں - اور بے حد و حساب مصیبتوں کی تصویر نظر آتا ہے - بس وہی ذبح عظیم ہے - وہی ذبح عظیم ہو سکتا ہے جس کو سنکر سیکڑوں برس بعد کے لوگ بھی تڑپ جائیں - وہی ذبح عظیم ہو سکتا ہے جو ہزار برس کے بعد بھی لوگوں کو اپنی عظمت سے رلاتا رہے - وہی ذبح عظیم ہے جو اپنے تو اپنے غیروں بلکہ دشمنوں کو بھی اپنے غم میں ماتم دار بنا دے - وہی ذبح عظیم ہو سکتا ہے جو اس تاریخ کے آتے ہی جس روز وہ ذبح واقع ہوا تمام دنیا میں انقلاب پیدا کر دے - اور سب میں ہم دردی کا جذبہ جوش مارنے لگے -

مولوی صاحب - تمہارا مطلب واقعۂ کربلا ہے - البتہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ذبح ہونا نرالا تھا ویسا ذبح آج تک نہیں ہوا -

حسینی بیگم - بس جب حضرتؑ کے ایسا ذبح دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی تو حضرت کے سوا دوسرا کوئی ذبح عظیم بھی نہیں ہو سکتا - جو لوگ بہشت کے ایک دنبہ کو حضرت اسمعیلؑ کا فدیہ قرار دیکر اس جانور کے ذبح کو حضرت اسمعیل کے ذبح کے مقابلہ میں عظیم کہتے ہیں - انکو نہ حضرت ابراہیمؑ کی معرفت ہے نہ حضرت اسمعیلؑ کی قدر - نہ وہ نبوت کی حقیقت سے واقف ہیں - نہ خدا کو پہچانتے نہ اس کو عادل یا عاقل سمجھتے ہیں - معاذ اللہ کسی جانور کے ذبح کو خدا حضرت اسمعیلؑ کے ذبح سے بڑھا سکتا ہے؟ پھر ایسے خدا کو پاگل نہیں کہیں گے تو کیا سمجھیں گے؟ ماننا پڑیگا کہ اس سے مراد حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذبح ہے جن کا ذبح ہونا حضرت اسمعیلؑ کے ذبح ہونے سے کئی وجہوں سے بڑھا ہوا تھا (۱) حضرت اسمعیلؑ اپنے

وطن میں ذبح کئے جا رہے تھے اور حضرت امام حسین ؑ اپنے شہر بلکہ اپنے ملک سے بہت دور عالم مسافرت میں ذبح کیے گئے (۲) حضرت اسمعیل ؑ کو خدا کے حکم سے حضرت ابراہیم ؑ ذبح کرنا چاہتے تھے جو باپ تھے اور جو کوئی سختی حضرت کے ساتھ نہیں کر سکتے تھے۔ مگر امام حسین علیہ السلام کو سخت ترین دشمنوں نے نہایت بے رحمی سے ذبح کیا (۳) حضرت اسمعیل ؑ کے ذبح کا سامان یہ کیا گیا کہ آپ لٹائے گئے اور صرف چھری آپکی گردن پر پھیر دی جاتی مگر امام حسین ؑ اس طرح ذبح کئے گئے کہ آپ پر ہزاروں تلوار نیزے۔ تیر بلکہ پتھروں کے زخم پہلے لگائے گئے تب گردن کے پیچھے سے آپ کا سر جدا کیا گیا (۴) حضرت اسمعیل ؑ کے ذبح کا جب سامان ہوا تو ان پر کھانا پانی بند نہیں کر دیا گیا تھا مگر حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذبح ایسا تھا کہ حضرت ان مصائب میں بھی مبتلا کر دیئے گئے تھے (۵) حضرت اسمعیل ؑ کے ذبح کا جب ارادہ کیا گیا تو آپ کا دل و دماغ آپ کے دوستوں ساتھیوں بھتیجوں بھانجوں۔ بھائیوں و بیٹوں کے داغ سے زخمی نہیں ہوا تھا مگر امام حسین ؑ کا ذبح ایسا تھا جو یہ سب دیکھنے کے بعد انجام پایا۔ اور سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ (۶) حضرت اسمعیل ؑ ذبح ہوتے تو اس سے حضرت سید المرسلین صلعم کے کمالات کی تکمیل نہیں ہوتی مگر حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذبح ایسا تھا جس سے حضرت رسولخدا صلعم کو شہادۃ کا درجہ حاصل ہو گیا اور حضرت ؑ کے کمالات پورے ہو گئے۔ اب انصاف کرو کہ ذبح عظیم سے مراد اس دنبہ کا ذبح ہو سکتا ہے جو بہشت سے آیا تھا اور جس میں کوئی عظمت نہیں تھی یا امام حسین علیہ السلام کا ذبح جس میں اتنی خصوصیات اور اس قدر امتیازات موجود ہیں اور جسکے سبب سے حضرت سید المرسلین خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ و آلہ کے فضائل کی کمی جاتی رہی اور آپ کے کمالات پورے ہو گئے۔ آخر میں اُس دنبہ کے ذبح اور حضرت امام حسین ؑ کے ذبح کے بارے میں صرف یہ کہونگی کہ ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مولوی صاحب - تمہاری تقریر نے تو مجھ پر جادو کا اثر کیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ ذبح عظیم سے اس بہشتی دنبہ کا ذبح سمجھنا بالکل خلاف عقل ہے۔ یقیناً حضرت امام حسین علیہ السلام ہی کا ذبح مراد ہے۔ دوسرا کوئی احتمال ممکن ہی نہیں ہے۔

حسینی بیگم - اسی وجہ سے ہمارے بہت سے علمار نے اپنی کتابوں میں ذبح عظیم سے مراد حضرت امام حسین علیہ السلام ہی کو لکھا ہے۔ صرف ایک کتاب کی عبارت سُن لو۔ جناب مولانا معین کاشفی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے درجات کو عالم انوار میں دیکھکر خدا سے پوچھا خداوندا درمیان آل محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ایں درجہ کراست خطاب آمد کہ فرزند ارجمند اسمٰعیلؑ راست کہ موسوم بہ حسین است کہ دختر زادہ رسول آخر الزمان است محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم - گفت یارب من او را دوست تر از اسمٰعیلؑ می دارم۔ حق تعالےٰ فرمود کہ من او را بفدیہ اسمٰعیلؑ قبول کردم یعنی اے خدا آل محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے درمیان یہ کس کا درجہ ہے؟ خطاب آیا کہ پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرزند ارجمند اسمٰعیلؑ کا ہے جن کا اصلی نام حسینؑ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی اے خدا میں تو اپنے دل میں اپنے اسمٰعیلؑ سے بھی زیادہ انکی محبت پاتا ہوں۔ خدا نے فرمایا میں نے انھیں کو اسمٰعیلؑ کا فدیہ قبول کیا ہے۔ پھر لکھتے ہیں مراد بذبح عظیم حسین بن علی است و فدیہ اسمٰعیل اوست نہ کبش چہ آں سنتے است کہ اساس نہادہ اند۔ وگوسفند را چہ محل کہ حق تعالی او را در قرآن ذبح عظیم خواند یعنی ذبح عظیم سے مراد امام حسینؑ کا ذبح ہے اور وہی حضرت جناب اسمٰعیلؑ کے فدیہ ہیں۔ کوئی دنبہ حضرت اسمٰعیل کا فدیہ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ دنبہ جو بقر عید میں ذبح ہوتا ہے یہ تو ایک سنت ہے۔ جسکو حضرت ابراہیمؑ نے قائم کیا۔ اس کو حضرت اسمٰعیلؑ کے فدیہ ہونے سے کیا تعلق ہے۔ اور کسی دنبہ کی کیا حقیقت ہے کہ خدا اسکو قرآن مجید میں ذبح عظیم

فرمائے (معارج النبوۃ مطبوعہ لکھنؤ جلد ۱ صـ ۳۵۵)

مولوی صاحب۔ واہ واہ۔ تم اپنے دعوٰی پر عقل سے تو بہت سی دلیلیں پیش کرتی ہی ہو۔ کسی عالم کا قول بھی ضرور دکھا دیتی ہو تم تو بحث کے قابل ہو۔

حسینی بیگم۔ تمہارے (اہلحدیث بھائیوں کے) پیشوائے اعظم جناب مولانا وحید الزماں خاں صاحب نے بھی لکھا ہے الذبح العظیم الحسین۔ ذبح عظیم سے اس آیۃ میں وفدیناہ بذبح عظیم امام حسینؑ کی شہادۃ مراد ہے۔ یہ تفسیر امامیہ کی ہے (انوار اللغۃ پارہ ۹ صـ ۷)

مولوی صاحب۔ خیر انھوں نے تو لکھدیا کہ یہ تفسیر امامیہ کی ہے جو ہم لوگوں کے لئے حجۃ نہیں ہوسکتی

حسینی بیگم۔ حجۃ کیوں نہیں ہوسکتی۔ انھوں نے بھی اسکو صحیح مان لیا۔ ایسا نہ ہوتا تو اس پر اعتراض کرتے اسکو رد کردیتے یا اس کا جواب لکھتے مگر ایسا نہیں کیا۔ حالانکہ جو بات انکے خلاف ہوتی ہے اس کا جواب ضرور لکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی سے دو ہی صفحہ پہلے لکھا ہے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا "اگر میرے طرفدار ۳۰ مرد بھی ہوتے تو میں مکھی خورنی کے بیٹے کو خلافۃ سے ہٹا دیتا اونکو خلیفہ نہ بننے دیتا یہ روایت امامیہ نے اپنی کتابوں میں کی ہے اور ہمارے نزدیک یہ محض افترا ہے" (انوار اللغۃ پارہ ۹ صـ ۵) دیکھو یہاں بھی امامیہ کی روایت لکھی مگر اس سے مولانا مرحوم کو اختلاف تھا تو لکھدیا کہ یہ محض افترا ہے۔ مگر ذبح عظیم کی روایت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا تو معلوم ہوا کہ مولانا اس روایت کو صحیح جانتے ہیں جس سے واضح ہوگیا کہ وہ بھی حضرت امام حسین علیہ السلام ہی کے ذبح کو ذبح عظیم مانتے تھے۔

مولوی صاحب۔ تمہاری منطقی دلیلوں کا میرے پاس کیا کسی کے پاس جواب نہیں ہے۔ بے شک اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہی کو ذبح عظیم جانتے تھے۔

حسینی بیگم۔ قرآن مجید کی ایک اور آیۃ سن لو جس سے واقعہ کربلا کا ثبوت

۴ اور حضرت غوث اعظم نے لکھا ہے وفداہ اللہ ابنہ یوم عاشورا یعنی خدا نے عاشورا ہی ... (غنیۃ الطالبین صـ۲۵) ...

ملتا ہے۔ وہ پانچویں آیت یہ ہے۔ خداوند عالم قرآن مجید پارہ ۲۵ سورہ دخان رکوع ۱۴ میں ارشاد فرماتا ہے فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ یعنی اُن لوگوں پر نہ آسمان رویا نہ زمین اور نہ اونکو مہلت ہی ملی۔ اس آیۃ سے معلوم ہوا کہ خدا کے بندے کچھ ایسے بھی ہیں جن پر آسمان اور زمین روتے ہیں۔ اسی وجہ سے خدا نے یہاں بعض خاص بندوں کے متعلق جو قوم فرعون سے تھے فرمایا کہ وہ بندے ویسے نہیں تھے جن پر آسمان یا زمین روئے بلکہ وہ دوسرے خدا کے مقرب بندے ہیں۔ تفاسیر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آسمان و زمین خاص خاص بندوں پر گریہ کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں ذکر انهم لم يكونوا يعملوا على وجه الارض عملا صالحا يبكى عليهم ولم يصعد لهم الى السماء من كلامهم ولا من عملهم كلام طيب ولا عمل صالح فتفقدهم فتبكى عليهم۔ یعنی حضرت رسولخدؐا نے اس آیۃ کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اُن لوگوں نے روئے زمین پر کوئی ایسا اچھا کام کیا ہی نہیں تھا جو اُن لوگوں پر آسمان روتا اور ان کے کلام سے کوئی اچھی بات اور ان کے عمل سے کوئی عمدہ عمل بھی آسمان پر نہیں پہونچا جسکی وجہ سے وہ لوگ یاد آتے اور اُن پر آسمان و زمین گریہ کرتے (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۰)

علامہ فخر الدین رازی بھی اس روایۃ کو نقل کرتے ہیں اسکے بعد لکھتے ہیں هذا قول اكثر المفسرين یعنی اکثر مفسرین کا قول یہی ہے (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۴۷۱) عن ابن عباسؓ انه سئل عن قوله فما بكت عليهم السماء والارض هل تبكى السماء والارض على احد قال نعم یعنی لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اس آیۃ فما بكت عليهم السماء کو پوچھا کہ کیا کسی شخص پر آسمان و زمین بھی روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں (تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۰) اور علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں قرء رسول الله فما بكت عليهم السماء والارض ثم قال

انهما لا يبكيان على الكافر یعنی حضرت رسولخدا نے اس آیۃ فما بکت کو تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ کافر پر آسمان و زمین نہیں روتے ہیں (تفسیر ابن کثیر جلد ۹ صہ ۱۶۱)

آسمان کس طرح روتا ہے اب یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ آسمان کس طرح روتا ہے اور ہمیں اسکی خبر کیونکر ہوتی ہے۔ یہی علامہ سیوطی لکھتے ہیں عن عطاء رضی اللہ عنہ قال بکاء السماء حمرة اطرافها جناب عطا رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آسمان اس طرح روتا ہے کہ اسکے تمام کنارے سرخ ہوجاتے ہیں۔ عن الحسن رضی اللہ عنہ قال بکاء السماء حمرتھا یعنی حسن بصری رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ آسمان جب سرخ ہوجاتا ہے تو یہی اس کا رونا ہے (در منثور جلد ۶ صہ ۳۱) اور علامہ محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں ان بکاء السماء حمرة اطرافها یعنی آسمان کا رونا یہ ہے کہ اسکے کنارے سب سرخ ہوجاتے ہیں (تفسیر جامع البیان علامہ طبری مطبوعہ مصر جلد ۲۵ صہ ۶۹) اور علامہ نظام الدین نیشاپوری لکھتے ہیں وجوز کثیر من المفسرین ان یکون البکاء حقیقة و جعلوا الخسوف والکسوف والحمرة التی تحدث فی السماء وھبوب الریاح العاصفة من ذلک یعنی بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ آسمان حقیقۃً میں رو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ چاند گہن سورج گہن ہونا یا آسمان میں جو سرخی پیدا ہوجاتی ہے یا تیز تند ہوائیں یہ سب آسمان کا رونا ہے۔ (تفسیر نیشاپوری مطبوعہ مصر جلد ۲۵ صہ ۷۳)

آسمان و زمین کا امام حسینؑ پر رونا اب یہ دیکھنا چاہئے کہ دنیا کی وہ کون فردیں ہیں جن پر آسمان و زمین روتے ہیں۔ یہی علامہ سیوطی لکھتے ہیں عن ابراھیم رضی اللہ عنہ قال ما بکت السماء منذ کانت الدنیا الا علی اثنین قیل لعبید الیس السماء والارض تبکی علی المومن قال ذاک مقامه وحیث یصعد عمله قال وتدری ما بکاء السماء قال لا قال تحمر وتصیر وردة

کالد هان ان یحییٰ بن زکریا لما قتل احمرت السماء وقطرت دما وان حسین بن علی یوم قتل احمرت السماء یعنی ابراہیمؒ بیان کرتے تھے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی آج تک سوا دو بزرگوں کے آسمان وزمین کسی شخص پر نہیں روئے۔ لوگوں نے راوی سے پوچھا کیا آسمان وزمین مومن پر نہیں روتے ہیں؟ تو اس نے کہا یہ بات اس کے مقام کو اور اس جگہ کو حاصل ہے جہاں اس کا عمل خیر جاتا ہے۔ پھر پوچھا جانتے ہو آسمان کس طرح روتا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ نہیں کہا وہ سرخ اور ایسا لال ہو جاتا ہے جیسا گرم سرخ تیل ہوتا ہے۔ جب یحییٰ ابن زکریا قتل کئے گئے تو آسمان سرخ ہو گیا تھا اور اس سے خون برستا تھا اور حضرت امام حسینؑ جس روز شہید کئے گئے اس روز بھی آسمان سرخ ہو گیا تھا۔ پھر لکھتے ہیں عن زید بن زیاد رضی اللہ عنہ قال لما قتل الحسین احمرت آفاق السماء اربعۃ اشہر یعنی زید بن زیادؓ بیان کرتے تھے کہ جب امام حسینؑ شہید کئے گئے تو اسکے بعد چار مہینہ تک آسمان کے کنارے سرخ ہی رہے (در منثور جلد ۶ صہ ۳۱)

اوحی اللہ الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم انی قتلت بیحییٰ بن زکریا سبعین الفا وانی قاتل بابن ابنتکؐ سبعین الفا وسبعین الفا یعنی خدا نے رسو خداؐ صلعم کی طرف وحی کی کہ میں نے حضرت یحییٰ بن زکریا کے عوض ستر ہزار کو قتل کیا اور تمہاری پارہ جگر فاطمہ زہراؑ کے لال امام حسین علیہ السلام کے عوض ایک لاکھ چالیس ہزار کو قتل کروں گا۔ (در منثور جلد ۴ صہ ۲۶۴) اور جناب نواب مولوی صدیق حسن خانصاحب بھوپالی لکھتے ہیں قال السدی لما قتل الحسین رضی اللہ عنہ بکت علیہ السماء وبکاؤھا حمرتھا یعنی سدی نے بیان کیا کہ جب امام حسین رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے تو حضرت پر آسمان روتا رہا اور اس کا رونا اس کا سرخ ہو جانا تھا (تفسیر فتح البیان جلد ۸ صہ ۳۲۶) اور علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے ان یحییٰ بن زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام لما قتل احمرت السماء وقطرت دما وان الحسین

بن علی رضی اللہ عنہما لما قتل احمرت السماء یعنی جناب یحییٰ بن زکریا جب قتل ہوئے تو آسمان سرخ ہو گیا اور خون کی بارش ہوئی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے تب بھی آسمان سرخ ہو گیا وذکروا ایضا فی مقتل الحسین رضی اللہ عنہ ما قلب حجر یومئذ الا وجد تحتہ دم عبیط وانہ کسفت الشمس واحمر الافق وسقطت حجارۃ یعنی لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جو پتھر جہاں سے اٹھایا جاتا تھا اسکے نیچے خون تازہ جوش مارتا ہوا نکلتا تھا۔ اور آفتاب کو گہن لگ گیا۔ اور آسمان کے کنارے سرخ ہو گئے اور پتھر ساقط ہو گیا (تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مصر جلد ۹ صہ ۱۶۳)

اور علامہ محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں عن السدی لما قتل الحسین بن علی رضوان اللہ علیہما بکت السماء علیہ وبکاؤھا حمرتھا یعنی سدی بیان کرتے ہیں کہ جب امام حسین بن علی رضوان اللہ علیہما کی شہادت ہوئی تو حضرت پر آسمان روتا رہا اور اس کا رونا اس کا سرخ ہو جانا تھا (تفسیر جامع البیان جلد ۲۵ صہ ۶۵)

اور جناب مولوی عبید اللہ صاحب بسمل امرتسری لکھتے ہیں۔ "ان قدرتی آثار کا بیان کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے ناظرین کی عبرت کے لئے نمودار ہوئے۔ بصرہ ازویہ کہتی ہیں کہ جب امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے تو مینہ برسا صبح ہمارے ڈول اور ہمارے مٹکے اور ہماری ہر ایک شے خون سے لبالب تھی۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھکو یہ خبر لگی ہے کہ جناب امام حسین کی شہادت کے روز بیت المقدس کا کوئی پتھر نہیں اُٹھایا گیا کہ اوس کے نیچے خون تازہ نہ پایا گیا ہو۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میری دادی بیان کرتی تھیں کہ میں جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے دن جوان لونڈی تھی آسمان کئی دن تک ابر روتا رہا۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآب فرماتے تھے کہ آسمان یحییٰ بن زکریا کے قتل پر روتا رہا اور میرے بیٹے کے قتل سے

رو دیگا - بیٹے سے مراد حسینؑ ابن علیؑ تھے" (ارجح المطالب صـ ۳۴۷ تا ۳۴۸)

اور علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں ان السماء بکت بعد قتلہ سبعۃ ایام تری علی الحیطان کانہا ملاحف معصفرۃ وان الدنیا اظلمت ثلاثۃ ایام ثم ظہرت الحمرۃ فی السماء یعنی جناب امام حسینؑ کی شہادت پر سات دن تک برابر آسمان روتا رہا - دیواروں کو دیکھا جاتا تھا گویا کہ وہ چادریں کسم کی رنگی ہوئی ہیں اور بہ تحقیق دنیا پر تین دن تک اندھیرا چھایا رہا - پھر آسمان پر سرخی نمودار ہوگئی عن ابی سعید قال مارفع حجر من الدنیا والا تحتہ دم عبیط ولقد امطرت السماء وما بقی اثرہ فی الثیاب مدۃ حتی انقطعت یعنی ابوسعید کہتے ہیں کہ جس دن امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے دنیا کا کوئی پتھر نہیں اٹھایا گیا کہ اس کے نیچے تازہ خون نہ ملا ہو اور آسمان سے خون برستا رہا اور اس کا اثر ایک مدت تک کپڑوں میں رہا یہاں تک کہ وہ کپڑے پھٹ گئے - اخرج الثعلبی ان السماء بکت وبکاءھا حمرتہا وقال غیرہ احمرت آفاق السماء ستۃ اشہر بعد قتلہ ثم لازالت تری بعد ذلک یعنی ثعلبی بیان کرتے ہیں کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر آسمان روتا رہا اور اس کا رونا سرخی کا نمودار ہونا ہے اور ثعلبی کے سوا اور لوگوں نے لکھا ہے کہ آسمان کے کنارے آپ کے قتل کے بعد چھ مہینہ تک سرخ رہے پھر ہمیشہ وہ سرخی نمودار ہونے لگی عن ابن سیرین قال اخبرنا ان الحمرۃ التی مع شفق لم تکن حتی قتل الحسین یعنی ابن سیرین کہتے ہیں کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ یہ سرخی جو شفق کے ساتھ ہے جناب امام حسین علیہ السلام کے قتل سے پہلے نہ تھی ذکر ابن سعد ان ھذہ الحمرۃ لم تر فی السماء قبل قتلہ ابن سعد اپنی طبقات میں لکھتے ہیں کہ یہ سرخی آسمان پر جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے پہلے نہیں دیکھی گئی (صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صـ ۱۱۶)

مولوی صاحب - مگر یہاں تو خدا فرماتا ہے کہ ان لوگوں پر نہ آسمان رویا

نہ زمین یعنی صرف اُن لوگوں پر آسمان کے رونے کا انکار ہے۔ کسی اور پر رونے کا اقرار تو نہیں ہے

حسینی بیگم ۔ ایسی موٹی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آتی ۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر تم کہو کہ "میں ارحمین کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاؤں گا" تو اس کا مطلب کیا یہ ہوگا کہ تم کھانا کھاؤ گے ہی نہیں ۔ یعنی کسی اور کے ہاتھ کا بھی نہیں کھاؤ گے۔

مولوی صاحب ۔ نہیں بلکہ یہ مطلب ہو گا کہ صرف اسکے ہاتھ کا نہیں کھاؤنگا اور دوسرے کے ہاتھ کا کھاؤنگا۔

حسینی بیگم ۔ اسی طرح یہاں بھی خدا فرماتا ہے کہ آسمان زمین ان فرعون کی قوم والوں پر نہیں روئے لیکن دوسرے لوگوں پر آسمان و زمین روئیں گے۔ اگر تمہارے ہاں کوئی مہمان آئے اور کہے کہ میں آج نہیں جاؤں گا تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ کسی دوسرے روز بھی نہیں جائیگا ۔

مولوی صاحب ۔ نہیں بلکہ یہ ہوگا کہ دوسرے یا تیسرے روز جائیگا ۔

حسینی بیگم ۔ اسی طرح یہاں بھی خدا کا مطلب ہے کہ آسمان اور زمین اور لوگوں پر روئیں گے ۔ ایک جگہ خدا نے فرمایا ہے ۔ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ یعنی ہم فرشتوں کو نہیں بھیجا کرتے مگر فیصلہ کے لئے اور پھر ان لوگوں کو مہلت نہیں ملتی (پارہ ۱۴ رکوع ۱) کیا اس کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ پھر کسی کو مہلت نہیں ملتی ؟

مولوی صاحب ۔ ہاں ہو سکتا ہے۔

حسینی بیگم ۔ اے سبحان اللہ ۔ تمہارے فیصلہ کے قربان جاؤں ۔ پھر خدا نے شیطان سے کیوں فرمایا اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ یعنی تو اُن لوگوں سے ہے جن کو مہلت دیگئی (پارہ ۸ رکوع ۹) اگر کسی کو مہلت نہیں ملتی تو وہ کون لوگ ہیں جن کو مہلت ملتی ہے جن کا ذکر خدا نے فرمایا ہے۔

مولوی صاحب۔ ہاں میں غلطی پر تھا۔ بے شک مابکت علیھم السماء و الارض کا مطلب یہی ہے کہ آسمان و زمین ان (فرعون کی قوم والوں) پر نہیں روئے اور دوسروں پر روئیں گے۔ اور تم نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ پر آسمان و زمین روئے۔ میں مانتا ہوں کہ قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ نے کئی جگہ واقعہ کربلا کا اشارہ کیا ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اب رات زیادہ گئی سونا چاہیئے۔

بائیسواں باب ۲۲

واقعہ کربلا اور محققین یورپ

ایک روز مولوی صاحب اپنے کتب خانہ میں بیٹھے کتب بینی کر رہے تھے کہ چٹھی رساں نے ایک لفافہ لا کر دیا جس پر لکھا تھا "درحویلی مولوی عبدالغفار صاحب دام لطفہ" مولوی صاحب نے اس کو رکھ لیا اور اپنا کام کرتے رہے۔ شام کو جب مکان پر آئے اور کھانے کے بعد حسینی بیگم بھی وہاں پہونچیں تو مولوی صاحب نے وہ لفافہ انکے حوالہ کر کے کہا۔

مولوی صاحب۔ غالباً یہ مسٹر ابوالخیر صاحب کا خط ہے۔

حسینی بیگم۔ ہاں حرف تو انھیں کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ کہکر اسکو چاک کیا تو واقعاً ان کے ناموں ہی کا خط نکلا جس میں انھوں نے بہت سی انگریزی کتابوں کے نام لکھے تھے۔

مولوی صاحب۔ کہو کیا لکھا ہے۔ خیریت تو ہے۔

حسینی بیگم۔ ہاں شکر ہے اللہ تعالیٰ کا سب خیریت ہے۔ تم سے واقعہ کربلا کے متعلق بحث رہتی ہے۔ ان کا خط آنے پر میں نے جو جواب بھیجا تھا اسمیں

یہ بھی لکھدیا تھا کہ "اگر آپ سے ہو سکے تو چار پانچ کتابوں کے نام لکھکر مطلع فرمایئے جن میں لکھا ہو کہ ۶۱ھ میں امام حسین علیہ السلام کربلا میں شہید کیے گئے" انھیں کتابوں کا نام انھوں نے لکھا ہے۔

مولوی صاحب - تم ہر طرح بحث کا سامان طیار رکھتی ہو۔ انگریزوں کی کتابوں کا نام نہیں معلوم تھا تو اپنے ماموں کو لکھ بھیجا۔

حسینی بیگم - نہیں مجھے بھی کچھ کتابوں کے نام پہلے سے معلوم ہیں بلکہ اُنکی عبارتوں کا ترجمہ بھی دیکھ چکی ہوں۔ مگر جی چاہا کہ کچھ اور پتے معلوم کروں۔

مولوی صاحب - (اُس خط کو حسینی بیگم کے ہاتھ سے جلدی چھین کر) اچھا اس خط کو میں لے لیتا ہوں۔ اب بتاؤ کہ تم انگریزی مصنفین کے حوالہ کیونکر دے سکتی ہو۔

حسینی بیگم - اُٹھکر گئیں اور چند کتابیں لاکر بولیں۔ دیکھو مسٹر جیمس کارکرن صاحب بزبردست مورخ اور مترجم صدر دیوان عدالت العالیہ کلکتہ سے یہ تاریخ اردو زبان میں لکھی ہے جس کا نام تاریخ چین ہے جو دو جلدوں میں ہے اور ۱۸۴۸ء میں بزبان اردو طبع کرا کے موصوف نے شائع کرائی۔ انھوں نے اس کتاب کے دفتر دوم باب ۱۲ میں جہاں مغلوں اور ختائیوں کی لڑائیوں اور بہادریوں کا ذکر کیا ہے یوں تحریر فرمایا ہے "دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے۔ لیکن کئی شخص ایسے گزر گئے ہیں کہ اُن کے سامنے رستم کا نام قابل لینے کے نہیں ہے چنانچہ اول درجہ میں حسینؑ بن علیؑ کا مرتبہ بہادری میں ہے۔ کیونکہ میدان کربلا میں ریت پر تشنگی اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا کام کیا ہو اُسکے سامنے رستم کا نام وہی شخص لے سکتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں ہے۔ کس کے قلم کو قدرت ہے کہ امام حسینؑ کا حال لکھے۔ کس کی زبان میں یہ لطافت و بلاغت ہے کہ اُن بہتر بزرگواروں کی ثابت قدمی اور تہور و شجاعت اور بیس ہزار خونخوار

شامی کے جواب دینے اور ایک ایک کے ہلاک ہو جانے کے باب میں مدح جیسا کہ چاہیے کر سکے۔ کس کی نازک خیالی کی یہ رسائی ہے کہ اُن لوگوں کے دل کے حال کو تصور کرے کہ کیا کیا اُن پر گزرا۔ اُس وقت سے جب عمر سعد نے دس ہزار سوار سے اُن کو گھیر لیا۔ اُس وقت تک کہ جب شمر ملعون نے سر کاٹ لیا۔ کیونکہ ایک کی دو اور دو مثل مشہور ہے اور مبالغہ کی حد یہی ہے کہ جب کسی کے حال میں یہ کہا جاتا ہے کہ دشمن نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ لیکن حسین ؑ اور بہتر تن کو آٹھ قسم کے دشمنوں نے تنگ کیا تھا۔ اور راسپر بھی قدم نہ ہٹا چنانچہ چار طرف سے تو دس ہزار فوج یزید کی تھی۔ جن کے تیروں اور نیزوں کی بوچھار مثل آندھی کے چلتی تھی۔ اور پانچواں دشمن عرب کی دھوپ تھی جسکی مثال کسی جگہ زیر فلک نہیں ملتی اور یہی کہنا ہوتا ہے کہ عرب کی دھوپ کے مانند عرب ہی کی دھوپ ہے۔ اور چھٹا دشمن وہ ریگ کا میدان تھا جو آفتاب کی تمازت میں شعلہ زن اور تنور کی خاکستر سے زیادہ پُرسوز تھا۔ بلکہ اس کو دریائے قہر کہنا چاہیئے جسکے بلبلے بنی فاطمہ کے پاؤں کے آبلے تھے اور دو دشمن سب سے ظالم بھوک اور پیاس مثل دغا باز ہمراہی کے جسکے برابر عدو نہیں ساتھ تھے اور تشنگی سے زبان بھولکے جب پھٹ جاتی تھی تب ہی اُن دو کی خواہش اندر کے گھٹتی تھی۔ پس جنہوں نے ایسے معرکہ میں ہزار ہا کافروں کا مقابلہ کیا ہو۔ اور پر خاتمہ بہادری کا ہو چکا۔" انتہی" (تاریخ چین مصنفہ مسٹر جیمس کارکرن جلد دوم باب ۴ صفحہ ۱۱۱ مطبوعہ نولکشور پریس ۱۸۶۴ء)

(۲) مسٹر واشنگٹن ایرونگ اپنی تاریخ میں واقعات کربلا کو بہت تفصیل سے لکھتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے "حضرت حسنؑ کے انتقال کے بعد اس مقدس عہدہ پر ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسین پیغمبر اسلام کی پیشنگوئی کے موافق امام تسلیم کئے گئے۔ حالانکہ ظاہری سلطنت اس زمانہ میں جا چکی تھی مگر اپنی ذاتی لیاقت

اور پیغمبر اسلام کے حقیقی نواسے ہونے کے باعث سے مسلمین کی نظر میں بہت کچھ
عزت باقی تھی - اسی اثناء میں امیر معاویہ کا انتقال ہوا اور یزید اموی کو تقدیر
نے یا کسی کی کوشش نے سنہ ۶۰ھ میں اپنے باپ یعنی امیر مذکور کا قائم مقام بنایا
اس وقت سلطنت کے دعوی کا خیال حضرت حسینؑ کی طرف سب سے زیادہ
تھا - اس لئے اس بات پر پورا زور دیا گیا کہ حضرت ممدوح بھی یزید اموی کو باقاعدہ
پیغمبر اسلام کا جانشین تسلیم کریں - ادھر یزید اپنی شراب خواری وغیرہ ناجائز
افعال کے سبب سے عراق و حجاز کے مسلمانوں کی سوسائٹی میں کچھ وقعت کے ساتھ
نہ دیکھا جاتا تھا - خدا جانے سچے دل سے یا کسی مصلحت سے کوفہ و بصرہ وغیرہ
مقامات کے مسلمانوں نے یہ قصد کر لیا تھا کہ جس طرح ممکن ہو سکے یزید اموی کو
معزول کرنا چاہیئے - حضرت حسینؑ اس وقت مدینہ میں تھے جہاں دس گیارہ
برس پہلے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ کوفہ سے چلے گئے تھے - وہ سمجھے کہ
اگر میں نے یزید سے باقاعدہ بیعت کر لی تو یقیناً سارا عالم میرے ساتھ بیعۃ کریگا
اور تمام ناجائز افعال سنت ہو کر رواج پائیں گے - نہایت ایمانداری اور بڑی
جوانمردی سے تمام مصیبتوں کے مقابلہ میں صاف انکار کر دیا کوفہ و بصرہ کے
مسلمان جو دیکھ رہے تھے کہ حضرت ممدوح بیعۃ کرتے ہیں یا نہیں - اس انکار
کا حال سنکر واقعی یا فریب سے مدد پر آمادہ ہوئے اور بلا مبالغہ سیکڑوں
خط بھیجکر حضرت ممدوح کو طلب کیا تا کہ ان کے ہاتھ پر بیعۃ کریں - اس وقت
حضرت حسینؑ کو دو بہت بڑی دقتوں کا سامنا تھا کچھ بن نہ پڑتا تھا کہ بلانے
سے جائیں یا نہ جائیں - ایک یہ کہ دنیا کے ہر معاملہ کو دنیا کے قواعد کے موافق
کرنا چاہتے تھے - اپنی باطنی قوتوں اور روشن ضمیری سے کام لینا مقصود نہ
تھا - دیکھ رہے تھے کہ ایک بادشاہ اپنی بری مثال سے دنیا کو اس حد
سے ہٹا رہا ہے جو پیغمبر اسلام نے بڑی محنت سے مقرر کی تھی کیونکر اس کو
اسکے حال پر چھوڑتے اور کس طرح وہ خیر خواہی کی قوت ان کو اس وقت صبر کے

ساتھ بیٹھا رہنے دیتی جو بندوں کی اصلاح کے لئے پیشوایان دین کی طبیعت میں خدا پیدا کر دیتا ہے خصوصاً جبکہ ہزاروں مسلمان مدد کے لئے بھی مستعد ہوں۔ دوسری مصیبت یہ بھی کہ حضرت مرتضیٰؑ کے زمانہ سے اس وقت تک کا تجربہ بتا رہا تھا کہ یہ لوگ ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ پے در پے بیوفائی اور وعدہ خلافی کر چکے اب پھر کرینگے۔ یہ جان کر اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان ضائع کرنا بھی جائز نہ تھا۔ اب کیا کرتے اس بے انتہا تردد کی حالت میں جس نے انکی رائے کو یکسو کیا وہ خود انھیں کا یہ مقدس خیال تھا کہ جان دو اور یزید اموی کے ہاتھ سے بندگان خدا کا ایمان بچاؤ۔ جب الہام یا خود اپنی حق پسند طبیعت نے یہ فیصلہ کر دیا تو اب زمانہ کی کوئی قوت اور دنیا کی کوئی مصیبت ان کو اس ارادہ سے پھیر دینے میں کامیاب ہوئی۔ آخر شدت گرما میں مدینہ سے عراق کا سفر اختیار کیا وہ لوگ جنھوں نے متواتر خطوں کے ذریعہ سے حضرت حسینؑ کو یزید اموی کے مقابلہ پر آمادہ کیا تھا مدد سے بالکل انکار کر گئے۔ یہاں تک کہ ہزاروں آدمیوں کے مقابلہ میں فقط ۷۲ آدمی رہ گئے جنکی تعداد پورا کرنے کو ایک چھ مہینے کا بچہ بھی تھا۔ یہی لوگ درحقیقت ایک سچے مذہب کے نمونے تھے جنھوں نے قصد کر لیا تھا کہ جان دینگے مگر یہ ثابت کرکے رہیں گے کہ اگر یزید اموی کا طریقہ سچا ہوتا تو حضرت امام حسینؑ ضرور بیعت کر لیتے اور ہرگز اپنی جان نہ دیتے۔ فی الواقع اس وقت اس تدبیر سے بہتر اور کوئی تدبیر نہ تھی۔ کیونکہ سلطنت موجود نہ تھی کہ خوف و لالچ سے لوگ اس طرف نہ جاتے تقریر کا اثر کہاں تک خیالات کی اصلاح کرتا اب جان دیکر اپنا مطلب نکالنا اسکے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ محرم کی دسویں ۶۱ھ ہجری مطابق دس اکتوبر ۶۸۰ء

اس لاجواب لڑائی کی تاریخ ہے۔ کئی ہزار فوج کے ساتھ لڑنے میں بہتر آدمیوں کا زندہ رہنا محال تھا۔ زندگی کے تلف ہونیکا یقین کامل تھا۔ مگر ساری رات عبادت خدا میں بسر کی۔ کپڑے بدلے۔ ان افعال سے ثابت ہو رہا تھا کہ مرنے کا یقین اور یقین کے ساتھ خوشی ہے۔ اس لڑائی کو حصول سلطنت پر محمول کرنا ایک بڑی بے انصافی کی بات ہے۔ نہایت آسانی سے ممکن تھا کہ حضرت امام حسینؑ یزید اموی سے اس کی تمنا کے موافق بیعت کر کے اپنی جان و دل بچا لیتے مگر اس ذمہ داری کے خیال نے جو مذہبی ریفارمر کی طبیعت میں ہوتا ہے اس بات کا اثر نہ ہونے دیا اور نہایت سخت مصیبت اور تکلیف پر ایک بے مثل صبر و استقلال کے ساتھ قائم رکھا۔ اولاد کا سامنے قتل ہونا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کا مارا جانا۔ زخموں کی تکلیف۔ عرب کی دھوپ۔ پھر اس دھوپ میں زخمی کی پیاس یہ ایسی تکلیفیں نہ تھیں جو سلطنت کے شوق کے سامنے کسی آدمی کو صبر کے ساتھ اپنے ارادہ پر قائم رہنے دیتیں۔ انتہیٰ

(۳) مسٹر بنجاسن مورخ نے بھی اپنی مشہور کتاب دی ہسٹری کے صفحہ ۲۰۲ پر اس واقعہ کو بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

(۴) ڈاکٹر جوزف مورخ فرانس نے اس کتاب میں جس کا نام اس نے اسلام اور اسلامیان رکھا ہے۔ اسلامی فرقوں میں سے ہر ایک کی ترقی کا حال مدلل و مشرح لکھا ہے اسمیں نہایت تفصیل سے واقعات کربلا پر بطور پیشنگوئی رائے زنی کی ہے کہ یہ شہادت اسلام صحیح کی ترقی کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے جو دم بدم اثر دکھا رہا ہے۔ مجالس غم جو برپا ہوتی ہیں ان میں خدائی تاثیر نمایاں ہے۔ واقعات کربلا سننے سے لوگوں کی طبائع کا میلان اس طرف ہوتا ہے اور خود بخود اس واقعہ کی سچائی پر قوت ذہنی مدد دینے کو موجود ہو جاتی ہے۔ میری رائے میں ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ یہ واقعہ تمام دنیا کی طبیعت

پر اپنا قبضہ کرکے سب کو رعایا بنالیگا۔
(۵) روزنامہ مقدس اخبار حبل المتین نے جو کلکتہ کا نہایت مشہور اور وقیع فارسی زبان کا اخبار تھا اپنی اشاعۃ ۲۵ مورخہ ۱۹ محرم ۱۳۲۸ھ میں زبان فارسی ڈاکٹر میسیو ماربین کی ایک تحریر شایع کی تھی جو اوس نے اپنے رسالہ سیاسۃ اسلامیہ میں لکھی تھی۔ یہ ڈاکٹر شہر لیڈن ملک جرمنی کا ایک مشہور اور نامور مورخ ہی اس نے مذکور بالا مضمون میں واقعہ شہادت پر نہایت تفصیل سے اپنا خیال ظاہر کیا ہے اور اس نے جس غائر نظر سے شہادت امام حسینؑ کو دیکھا ہے وہ خود اسکی کمال قوت تحقیق اور منتہاے قدرت تنقید پر دال ہے۔ اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے" خاندان بنی امیہ بنی ہاشم کا قطعی دشمن تھا۔ ان لوگوں کی یہ عین تمنا تھی کہ آل ہاشم سے کوئی متنفس صفحہ عالم پر نہ رہے۔ جب محمدؐ نے مکہ پر غلبہ حاصل کرلیا تو سرکشان بنی امیہ پر بھی ان کا دبدبہ قائم ہوگیا۔ گو وہ دب کر مسلمان ہوگئے تھے مگر آتش حسد دونوں میں شعلہ زن رہتی تھی۔ وہ ہمیشہ اسی تاک میں لگے رہتے تھے کہ بنی ہاشم کا زور گھٹے تا اینکہ محمدؐ وفات پا گئے۔ اور انکی کوشش سے جانشینی ولیعہد ای کے اصول پر نہ رہی بلکہ انتخاب پر اس کا استقرار تجویز ہوا۔ اس ترکیب میں بنی امیہ کامیاب ہوئے اور بنی ہاشم مغلوب رفتہ رفتہ محمدؐ کا تیسرا خلیفہ آل امیہ سے قرار پاگیا۔ امور اسلامی میں عام طور پر انکا اقتدار بڑھتا گیا۔ یہ لوگ صرف ظاہری طور کے مسلمان تھے۔ درحقیقت اسلام انکی طبائع میں جاگزین نہ ہوئی تھی۔ جب پورا زور پکڑ گئے اور اپنے جاہ و جلال کی بنیو کو مستحکم دیکھ لیا تو اس دین کا مذاق اڑانے لگے جس نے بنی ہاشم کے گھر سے رواج پایا تھا اسی بنیاد پر یزید نے اس امر عظیم کے پورا کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا جسکے ذکر کرنے سے قلم صفحۂ کاغذ پر سر پٹکتا ہے۔ جو شخص اس زمانہ کے حالات اور بنی امیہ کے طرز معاشرت کو جانتے ہوئے ہے وہ بے تامل اس امر کی

تصدیق کرسکتا ہے کہ حسینؑ نے اپنی جان دیکر نانا کے دین کو زندہ کردیا۔ اگر یہ حادثہ پیش نہ آتا تو اسلام کبھی اس پیمانہ پر قائم نہ رہتا جو کہ محمدؐ نے تجویز کیا تھا۔ حسینؑ نے وہ کارنمایاں کیا جسکی غایت سمجھنے کے لیے خدا نے انھیں کو دماغ عنایت فرمایا تھا۔ حسین اپنی جان پر کھیل کر بازی لے گئے۔ دین کو بچالیا اور بنی امیہ کی نسل کو دنیا سے مٹادیا۔ حسین کی شہادت نے عام طبائع پر یہ اثر ڈالا کہ قوم بنی امیہ نفرت بھری نگاہوں سے دیکھی جانے لگی۔ خون ناحق نے ایسا جوش پھیلایا کہ ہر چہار طرف انتقامی جھنڈے بلند ہو گئے جس سے ان کا خاتمہ ہوگیا۔ جو لوگ غلط فہمی سے واقعہ کربلا کو ملکی جھگڑا کہتے ہیں وہ بالکل غلط راستہ پر چل رہے ہیں۔ واقعہ کربلا کا ملکی نزاع سے متعلق نہ ہونا ایسا صاف معاملہ ہے کہ جس میں کسی عقل سلیم کو نعوذ نہیں ہو سکتی۔ آپ جب مدینہ سے روانہ ہوئے تو برابر کہتے جاتے تھے کہ میں ضرور قتل کیا جاؤں گا۔ اگر کسی کو طمع دولت ہو تو وہ میرے ساتھ نہ جائے اگر وہ بقصد ملک گیری آمادۂ سفر عراق ہوئے ہوتے تو ہرگز لوگوں کو خبر قتل دیکر پریشان نہ کرتے بلکہ افزایش لشکر میں کوشش کرتے۔ کیونکہ جب کوئی بادشاہ بطمع ملک و دولت قصد جنگ کرتا ہے تو اسکی غالب توجہ سپاہ کی ترقی اور بھیڑ بھاڑ کی فراہمی میں ہوتی ہے حقیقت میں اگر بغور نظر کیجائے تو امامؑ نے تھوڑی سی فوج سے فتح عظیم حاصل کی اور اپنے نانا کے مذہب کو ہمیشہ کیلئے قائم کردیا۔ اور مخالفوں کا نام ہمیشہ کے لئے مثل حرف غلط مٹا دیا۔ اکثر لوگوں نے آپکو سفر کرنے سے منع کیا لیکن آپ سب کو یہی جواب دیتے رہے کہ میں قتل ہونے کے لئے جا رہا ہوں۔ اس وقت کہا جاتا تھا کہ پھر عورتوں کو نہ لیجائیے جواب ملتا تھا کہ خدا کی مشیت یہی ہے کہ میں قتل ہوں اور یہ اسیر ہوں۔ یہ واقعہ بتا رہا ہے کہ حسینؑ نے تمام مصائب نہ سلطنت کے لئے گوارا کئے تھے نہ

بے سمجھے بوجھے اپنے نفس کو مہلکہ میں ڈالا تھا بلکہ ایک مطلب بزرگ کی تخم ریزی
مرکوز طبیعت تھی کہ جو بلا قبول شہادت ناممکن تھی۔ آپ اپنے خاص لوگوں
کو مطلع کر چکے تھے کہ میری شہادت اور گھر بار لٹ جانے کے بعد خدا ایسی جماعت
پیدا کرے گا جو حق کو باطل سے جدا کریگی وہ میری زیارت کو آئیں گے اور
میرے مصائب پر آنسو بہائیں گے۔ وہ لوگ میرے جد بزرگوار کے دامن
امن میں ہونگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہنوز حسینؑ کے حرم دربار میں پہونچے
تھے کہ فوارۂ خون خواہی ہاتھوں اُچھلنے لگا۔ اپنی بے انتہا مظلومیت اور بنی
امیہ کی ... کی شقاوت ثابت کرنے کے لئے حسینؑ نے میدان قتال میں
وہ کام کیا کہ زمانہ کے فلاسفر کی عقول کو متحیر کردیا وہ اپنے نادان بچے کو ہاتھوں
پر اُٹھا کر لائے اور لشکر یزید نے جیسا پانی اس کو پلایا اس سے تمام عالم سمجھ گیا
کہ بنی امیہ سے زیادہ قسی القلب کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اگر اس واقعہ
پر گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ واقعہ کربلا سے پہلے اکثر
رؤسا روحانی بہ ہزار شدائد مارے گئے۔ مگر کوئی رئیس مظلوم وادی نینوا
کے سامنے کچھ وقار نہیں رکھتا۔ بنی اسرائیل میں بعض واقعات پیش آئے
جناب یحییٰ کا واقعہ عظیم الشان سمجھا گیا۔ مسیح سے جو یہود نے بدعنوانی کی قابل
بیان نہیں۔ ان مظلوم و مقتول لوگوں نے ارادتاً اپنے آپ کو قتل نہیں
کرایا بلکہ دشمنوں نے غفلت دیکر ان پر حملہ کیا۔ اور حسینؑ نے نہایت مضبوط
ارادہ سے اپنی جان ہی نہیں دی بلکہ جان سے عزیز تر چیزوں کو نذر خدا کیا
اسی واسطے ان کے غم میں قدرت نے وہ اثر پیدا کیا کہ تمام مظلوموں سے بڑھ گئے
کوئی واقعہ کوئی حادثہ جو کہ بے دردی سے پیش آیا تھا خلائق کی طبیعت میں
ایسا موثر نہیں ہوا جیسا ہے شہر میں جس محلہ میں دیکھو حسینؑ حسینؑ کی آواز آرہی

اسلام کی ترقی اسکی حقانیت و وقعت کا قوی سبب یہی ایک شہادت ہے۔ اب سے سو برس پہلے حسینؑ کے پیرو بایں قلت تھے کہ ہندوستان میں انگلیوں پر انکا شمار ہو سکتا تھا۔ اس وقت مردم شماری پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باعتبار عدد اس کثرت پر پہونچگئے کہ تیسری قوم شمار ہونے لگے۔ ہمارے مذہبی علماء یعنی پادری شبانہ روز سرگرم وعظ رہتے ہیں مگر اس ترقی کا جو دوستداران حسینؑ نے حاصل کی دسواں حصہ بھی انکو نہ ملا۔ اس روز افزوں بڑھاوے کا سبب وہی مجالس ہیں جو اس مظلوم کے غم میں برپا کیجاتی ہیں۔ طرفداران حسینؑ کی یہ ایسی اثر خیز مشنری ہے جو ہمیشہ انکو کثرت کے بلند زینے پر پہونچاتی رہیگی۔"

(۶) ہمارے طبقہ صوفیاے کرام کے مشہور رسالہ نظام المشائخ ماہ محرم ۱۳۲۸ھ ہجری میں ایک مضمون "اغیار کے آنسو" چھپا تھا۔ اسکی بعض عبارتیں سنو۔ "یہ زمین جو پانی کے اوپر ادھر کھڑی ہے جسکو سورج روشن کرتا ہے اور اندھیرا تاریک بناتی ہے۔ اسمیں شور و غل بھی ہے اور خاموشی بھی۔ آہ و بکا بھی ہے اور قہقہہ بازی بھی۔ غرض ہر طرح کا نیک و بد خشک و تر تماشہ اس وجود میں موجود ہے۔

اسی زمین کی پشت پر آسمان و زمین کے سردار حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نواسے امام حسین علیہ السلام کو بھوکا اور پیاسا ذبح کر دیا گیا اور پھر اس زمین کے رہنے والوں نے مظلوم حسینؑ کے جانکاہ حادثہ پر نالہ و زاری شروع کی۔

ہم چاہتے ہیں کہ اُن مسلمان ماتم کرنے والوں کا ذکر جو شیعہ اور سنی کے نام سے مشہور ہیں یہاں نہ کریں۔ کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ وہ لوگ جو حضرت محمد مصطفٰی صلے اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں شیعہ ہوں یا سُنی مقلد ہوں یا غیر مقلد صوفی ہوں یا وہابی سب کے سب لازمی طور سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے کچھ نہ کچھ ضرور متاثر ہوتے ہیں۔ لہذا اونکے آنسوؤں کا حال لکھنا اتنا باثر اور ضروری نہیں ہے جتنا غیر مسلم لوگوں کے آنسوؤں کا جو حسینؑ کے غم میں بہائے جاتے ہیں بیان کرنا ضروری ہے۔

ایشیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کو واقعہ کربلا کا علم نہ ہو اور جو شہادت امام حسین علیہ السلام کو بے گناہی کا قتل عام نہ مانتی ہو۔ خاص کر ہندوستان جہاں کے باشندے قدرتی طور پر نرم دل اور درد شناس پیدا ہوئے ہیں غم حسینؑ میں مسلمانوں سے بڑھکر حصہ لیتے ہیں۔ اگرچہ فلسفیانہ نگاہ رکھنے والے اسکی تاویل یہ کرینگے کہ چونکہ ہندوستان میں کئی سو برس تک مسلمانوں کی بادشاہت رہی ہے اسلیئے ماتم حسینؑ میں ہندو حکومت کے دباؤ اور اثر سے حصہ لینے لگے ورنہ انکو واقعہ کربلا سے متاثر ہونیکی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ مگر اُن لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اگر حکومت کا دباؤ مذہبی معاملات میں کام آسکتا ہے تو ہندو محض محرم داری ہی میں حصہ نہ لیتے بلکہ اُن پر اسلام کا اصلی اور پختہ رنگ چڑھ جاتا اور سرزمین ہند پر غیر مسلموں کی یہ بے شمار تعداد قائم نہ رہ سکتی۔ ہندوؤں نے ... ماتم حسینؑ کی شرکت صرف اپنے دلی میلان کے سبب سے کی۔ آج جبکہ اسلامی تاج و تخت کا ہندوستان میں نام و نشان باقی نہیں ہندو اسی جوش و خروش سے محرم کی ماتم داری میں حصہ لیتے ہیں جس طرح شاہی زمانہ میں اونکا دستور تھا۔ بلکہ روز بروز اونکا یہ میلان ترقی پر ہے آریہ سماج نے ہزاروں کوششیں کیں کہ ہندو ان اسلامی رسومات میں شریک ہونا چھوڑ دیں مگر ایک بچہ نے بھی آریہ سماج کی آواز کو نہ سُنا اور برابر حسینؑ کی ماتم داری... کر رہے ہیں۔ بدقسمتی سے ہندوستان میں شمار و اعداد کا طریقہ جاری نہیں ہے ورنہ ہم بتلاتے کہ کن کن شہروں میں ہندو مسلمانوں کے برابر یا اون سے زیادہ محرم داری کرتے ہیں۔ گزشتہ سال لکھنؤ کے تعزیوں کا شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ تین سو تعزیے صرف ہندوؤں کے تھے۔ اسی طرح اور شہروں کا قیاس ہو سکتا ہے۔ ہندوؤں کے بعض فرقوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی ایسی عقیدت پائی جاتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کا نام بھی حضرت امامؑ کے نام پر رکھتے ہیں اور بعض فرقوں میں حضرت امام کی مانتا اتنی بڑھ گئی ہے کہ اور سب دیوتاؤں کی پوجا چھوڑ دی گئی۔ ہر رنج و راحت میں حضرت امام ہی کے نام کو پکارا جاتا ہے۔ سندھ اور گجرات۔ کاٹھیاوار اور

بمبئی کے علاقہ میں جس قدر[1] پائے جاتے ہیں یہ سب ایک زمانہ میں ہندو تھے شہید امام کے داعیوں نے امام کی شہادت اور اونکی مافوق العادت بزرگیوں کا وعظ کہ کران قوموں کو مسلمان کیا۔ گویا شہادت امام کے طفیل[1] کی وہ بے شمار تعداد جس کا شمار پچاس ساٹھ لاکھ کے قریب ہوگا دائرہ اسلام میں شامل ہوئی۔

ہم نے بیان کر دیا ہے کہ ہندوستان کے باشندے قدرتی اثر سے اس قسم کے واقعات سے متاثر ہو جاتے ہیں جیسا کہ شہادت کا سانحہ ہے۔ پس انکا ماتم حسین میں شریک ہونا چنداں تعجب خیز نہیں ہے۔ دیکھنا اس بات کا ہے کہ یورپ کے باشندے جو اپنی مضبوط خیالی اور عقل پرستی کے سبب سنگدل ہوگئے ہیں وہ بھی شہادت حضرت امام پر آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکے۔ بڑے بڑے آزاد خیال اور نامور یورپین مصنفوں نے صفحہ کاغذ پر ماتم حسین علیہ السلام میں غم کے آنسو قلم کی آنکھ سے بہائے ہیں۔ اون سب کا یکجا قلم بند کرنا تو بہت دشوار ہے لیکن دو چار مشہور انگریزوں و دیگر یورپین حضرات کے اقوال ذیل میں درج کئے جاتے ہیں جن سے شہادت کے متعلق یورپ کی عام رائے کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے۔

مسٹر جیمس کارکرن چین کی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے۔ لیکن کئی شخص ایسے گزر گئے ہیں کہ اونکے سامنے رستم کا نام قابل لینے کے نہیں۔ چنانچہ اول درجہ میں حسینؑ بن علیؑ کا مرتبہ بہادری میں ہے۔ کیونکہ میدان کربلا میں ریت پر تشنگی اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا کام کیا ہو۔ اوسکے سامنے رستم کا نام وہی شخص لیتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں۔

مسٹر گبن جو بڑے نامور مصنف ہیں اپنی کتاب گبنز رومن امپائر کی نویں جلد صفحہ ۳۴۶ میں رقمطراز ہیں۔

"امام حسینؑ کا پر درد واقعہ ایک دور دراز زمانہ اور دور دراز ملک میں واقع ہوا۔

[1] راقم مضمون نے اس جگہ بعض متعدد مسلم قوموں کا ذکر کیا ہے جو صوبہ بمبئی وغیرہ میں آباد ہیں ۱۲ جامع رسالہ

یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو بیرحم اور سنگدلوں کو بھی ہلا دیتا ہے۔ اگرچہ کوئی کتنا ہی بیرحم دل ہو مگر حسینؑ کا نام سُنتے ہی اوسکے دل میں ایک جوش ہمدردی کا پیدا ہو جائیگا"۔ اسی طرح مسٹر جان لونگ نے حضرت امام علیہ السلام کا چار سو شعر میں نہایت دردناک مرثیہ لکھا ہے جسمیں آخری راے حضرت امام علیہ السلام کی نسبت ان الفاظ میں دی ہے:۔

"وہ شخص دین دار خدا پرست۔ فروتن۔ خلیق اور بے مثل بہادر تھا وہ سلطنت و حکومت کے واسطے نہیں لڑتا تھا بلکہ خدا پرستی کے جوش میں۔ وہ یزید سے اس بیزار تھا کہ یزید کے افعال اسلام اور دین احمدی کے خلاف تھے"۔

ایک شہرۂ آفاق انگریز مسٹر ارتھر این وٹسن سی۔ آئی۔ ای نے کتاب "ہاف آورز وِد محمدؐ" میں حسینؑ کا شہادت نامہ نہایت دردناک پیرایہ میں لکھا ہے حضرت علے رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ کے سیاسی تعلقات اور مابعد کے واقعات پر اس کتاب میں نہایت معقولیت اور واقفیت سے بحث کی گئی ہے۔ اگر ہم اوس کتاب کا اور مصنف کے اون محبتانہ خیالات کا جو حضرت امام علیہ السلام کی نسبت ظاہر کئے گئے ہیں اس جگہ اقتباس بھی کریں تب بھی یہ مضمون جس میں اختصار نویسی کی تاکید ہے بہت طولانی ہو جائیگا۔ لہذا انہی دو تین اقتباسات پر یہ تحریر ختم کی جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر اپنے ہی آنسو نہیں بہاتے ہیں بلکہ اس غم میں اغیار بھی چشم پُرآب ہیں"۔ انتہیٰ

(۷) اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۱ صفحہ ۵۰۵ میں لکھا ہے "پسران علےؑ بن ابیطالبؑ ابن عم وخویش محمدؐ ہیں اور وہ ہیرو ہیں جنکے غم میں ہر سال ہندوستان وایران میں شیعہ محمدی ماہ محرم میں اظہار جوش وجذبہ دلی کرتے ہیں اونکی تاریخ سمجھنے کے لئے پیغمبرؐ سے اون کے مراتب کا جاننا ضروری ہے جو ذیل کے شجرہ سے ظاہر ہے:۔

عبد مناف

عبد الشمس — امیہ (مورث اعلےٰ خلفائے بنی امیہ) — حرب — ابوسفیان — معویہ — یزید
(دمشق ۶۵۰ - ۷۵۰ء)
(کارڈوا ۷۵۵ - ۱۰۳۱ء)

ہاشم — عبد المطلب

عبداللہ — محمدؐ — فاطمہؑ

عباس مورث اعلےٰ خلفائے عباسیہ
۷۵۰ - ۱۲۵۸ عیسوی

ابو طالب — علیؑ

(بینہما برزخ لا یبغیان) مترجم
منسوب شادیہ
(مرج البحرین یلتقیان) مترجم

(یخرج منہما اللؤلؤ والمرجان) مترجم
حسنؑ و حسینؑ

(فبای آلاء ربکما تکذبان) مترجم

عہدۂ تولیت کعبہ (معبد کعبہ) و شیخ قبیلہ قریش جو عبد مناف سے متعلق تھا اون کے بڑے بیٹے عبدالشمس کو پہونچتا اگر اونکے دوسرے بیٹے ہاشم کو بصلہ چند فتوحات کے نہ دیا جاتا۔ اور یہ واقعہ دونوں گھرانوں میں سخت عداوت کا باعث ہوگیا۔ جب محمدؐ کا انتقال ہوا تو علیؑ نے منصب خلافت (نیابت یا جانشینی) کے حقدار ہونے کا دعویٰ کیا لیکن ابوبکرؓ پدر عائشہؓ (پیغمبرؐ کی چاہتی بیوی) اور عمرؓ پیغمبرؐ کے دوسرے خسر اور عثمان کو جو خاندان بنی امیہ کے اکیلے ممبر کہ جو شریک صف مسلمین ہوا تھا خوفناک حریف پایا۔ عائشہؓ نے جو علیؑ سے اس سبب سے ناراض تھی کہ اونھوں نے اوس بدعنوانی (بے عصمتی) کے اتہام کو جو عائشہؓ کے حق میں لگایا گیا تھا سماعت کیا تھا بنی امیہ سے متفق ہو کر علیؑ کی سخت مخالفت کی تھی۔ ابوبکرؓ کے انتخاب سے ذرا بات دب گئی جسکی وفات پر عمرؓ خلیفہ ہوا۔ اور جب اوسکی بھی موت کا نمبر آیا تو عثمان منتخب ہوا کیونکہ علیؑ نے اون

شرائط کے قبول کرنے سے انکار کیا جو انکے سامنے پیش کی گئی تھیں کہ وہ قدیم
رسم ورواج (سیرت شیخین) اور قرآن کے مطابق حکومت کریں سلہ عثمان نے
اپنی خلافت پر اپنے خاندان امیہ کی بیہودہ طرفداری ظاہر کی اور معویہ کو جو بنی ہاشم
کا سخت دشمن تھا شام کا حاکم مقرر کیا۔ عثمان ۶۵۵ء میں قتل کیا گیا اور
تب علیؓ بغیر کسی شرط کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ اونھوں نے فوراً معویہ سے بیعت
طلب کی جس نے اطاعت سے انکار کیا اور بے رحم (کذا) عائشہ کے اثر سے
مدد پاکر اپنے واسطے خلافت کا دعوی کیا۔ دونوں فریق میں سخت جنگ ہوئی۔
اور ابتدا میں علیؓ فتحیاب ہوئے۔ لیکن آخرکار سازش کے سبب اس بات پر
مجبور ہوئے کہ اپنے حقوق پنچایت پر چھوڑیں۔ بجائے اسکے کہ اپنی جنگی فتوحات
سے فائدہ اُٹھاتے اُنکے پیرووں کی ایک جماعت تقریباً بارہ ہزار آدمی
اس بات سے بگڑکر اون سے جدا ہوگئے اور اس طرح اونھوں نے فرقہ
خوارج کی بنیاد ڈالی جو عام مرضی کے موافق باقاعدہ قائم شدہ حکومت کے مخالف
ہیں۔ تین خارجیوں کی سازش کا نتیجہ علیؓ کا قتل ہوا۔ جو مسجد کوفہ کی محراب (در)
میں مارے گئے۔ اور اس شہر سے ۵ میل کے فاصلہ پر ایک جگہ دفن ہوئے۔
بعد ازاں اونکی قبر پر ایک شاندار عمارت بنائی گئی جہاں من بعد شہر مشہد علیؓ
(مرقد علیؓ) آباد ہوگیا جو اون بڑے مقامات میں ایک ہے جہاں شیعہ زوار
بکثرت جاتے ہیں۔ علیؓ کی وفات پر اونکے بڑے بیٹے حسنؓ خلیفہ مقرر
ہوئے۔ مگر اونھوں نے خلافت معویہ پر چھوڑ دی اس شرط پر کہ جب وہ مرجائیگا
تو پھر وہی حسنؓ خلیفہ ہونگے۔ مگر معویہ نے جو چاہتا تھا کہ اوس کا بیٹا یزید اوس کا
جانشین ہو حسنؓ کو اونھیں کی ایک بیوی سے زہر دلواکر ۸ برس بعد بری طرح
مروا ڈالا۔ معاویہ کی وفات پر یزید اپنے باپ کا جانشین ہوگیا۔ بغیر مخالفت یا
انتخاب کے۔ اور اموی خاندان اس طرح تخت پر مضبوطی سے مسلط ہوگیا۔ مگر

سلہ یہاں راقم مضمون نے بوجہ عیسائی ہونے کے اسلام پر چند پرانے اعتراض کئے ہیں جو ہماری بحث سے خارج ہیں ۱۲ - مترجم

خانوادہ علیؑ کے طرفدار مطمئن نہ تھے۔ اونھوں نے حسینؑ، علیؑ کے باقیماندہ بیٹوںکو
خفیہ طور پر کوفہ بلایا کہ وہاں اس گروہ کے سردار بنیں اور یزید پر خروج کریں۔
لیکن یزید نے جس کو اس تحریک کی خبر موقع پر لگ گئی تھی ہوشیاری سے
تدابیر کیں۔ عبید اللہ ایک زبردست افسر کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا گیا جس نے حسینؑ
کے ایلچی مسلم اور ہانی کو جس کے گھر میں وہ چھپے ہوئے تھے گرفتار کرلیا اور جب
وہاں کے باشندگان نے ہجوم کیا اور اونکی رہائی پر مصر ہوئے تو اس نے ان
دونوں کی گردن ماردی اور اون کے سر انبوہ کی طرف پھینکدیئے۔ حسینؑ کو ماریہ
(بابلونیا) کے حدود پر حُر نے مع چند سواروں کے روک لیا اور کہا "مجھے آپکو
تنہا کوفہ لیجانے کا حکم ہے"۔ لیکن پھر بھی اجازت دی کہ خواہ آپ کسی راہ سے جائیں
مگر "میری نظروں سے اوجھل نہ ہوں"۔ ایک سوار اونکو راہ میں ملا جو عبید اللہ
کی طرف سے خفیہ احکام لایا تھا کہ حسینؑ کو کھلے میدان اور غیر محفوظ جگہ میں لیجائیں
اور اس وقت تک ٹھہرے رہیں جب تک کہ عمر فوج شامی کا کمانڈر اپنی فوج لے کر
آجائے۔ یہ دوسرے دن ہوا۔ اور حسینؑ مع معتقد حواریوں کے چار ہزار سواروں میں
گھر گئے اور بعد سخت مقابلہ کے میدان کربلا میں دریائے فرات کے کنارے عجیب
دردانگیز حالات میں قتل کئے گئے۔ حتی کہ اونکا اصغر السن بچہ عبد اللہ اور اونکا
بھتیجہ قاسم ایک خوبصورت بچہ تھا دونوں اونکی آغوش میں مقتول ہوئے۔ یہ واقعہ
۱۰ محرم سنہ ۶۱ ہجری (۶۸۰ء) کو ہوا اور اس ماہ میں ہندوستان اور ایران
کے شیعہ اس یادگار کو تازہ کرتے ہیں اور نہایت معجزانہ (فوق العادۃ) طور پر
اس کا اظہار ہوتا ہے جسکے خاص سین ہر روز دکھائے جاتے ہیں۔ اور اختتام
اس طرح ہوتا ہے کہ شہداء کے تابوت یا ضریح کھلے میدان میں عموماً گورستان
یا ساحل دریا کے قریب کے مقامات کی طرف ملے جاتے ہیں۔

علیؑ اور اونکے دودمان کی حمایت اہل ایران نے نہایت سرگرمی سے اختیار
کی جنھوں نے بزور اسلام قبول کیا تھا مگر سنیوں کے مذہب سے سخت نفرت رکھتے

تھے۔ اس گروہ کا نام شیعہ (خاص فرقہ کے لوگ) ہے اور انکی اور سیوں کی عداوت نے جو یہود دیگر یہود اور سمٹک (نسل سام بن نوحؑ) اور آریہ نسلوں کی عداوت کو یاد دلاتی ہے اسلام میں ایک ناقابل اصلاح رخنہ ڈال دیا ہے"۔

(۸) اور جسٹس مسٹر ارنولڈ صاحب نے* جو بمبئی ہائیکورٹ رولنگ جلد ۱۲ صفحہ ۳۲۳ میں شایع ہوئی تھی وہ مسلمانوں کو عموماً یہ توقع تھی کہ حضرت علی علیہ السلام جو سابق الاسلام تھے اور رسول اللہ صلعم کے محبوب صحابی تھے اور انکی پیاری بیٹی کے شوہر تھے خلیفہ اول ہونگے مگر ایسا نہیں ہوا حضرت عائشہ (صدیقہ) کہ محبوب ترین ازواج رسول صلعم سے تھیں۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ علیہا السلام سے حسد و کینہ رکھتی تھیں۔ اپنے پدر بزرگوار ابو بکر (صدیق) کے خلیفہ منتخب ہونیکی باعث ہوئیں۔ اُنکے بعد حضرت عمر اور اُن کے بعد حضرت عثمان خلیفہ ہوئے جب ۶۵۵ء میں خلیفہ ثالث مارے گئے تو خلافت ظاہری حضرت علی علیہ السلام کو دیگئی مگر بنی امیہ کی مخالفت کا سلسلہ انکے خلیفہ ہونے کے بعد بھی جاری رہا اور حضرت عائشہ اور معاویہ کی اعانت و حمایت سے بنی امیہ نے انکی خلافت میں بڑا رخنہ ڈالدیا اور ہنوز وہ جھگڑا طے نہ ہوا تھا کہ ۶۶۱ء میں حضرت علیؑ مسجد کوفہ میں ایک خارجی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ کوفہ ایک بڑا شہر مسلمانوں کا ساحل غربی فرات پر تھا۔ اب وہ بالکل برباد ہے۔ اور قدیم شہر بابل کے کھنڈرات کے قریب اسکے بھی کھنڈر ہیں۔ الغرض حضرت علی علیہ السلام کی شہادت سے سب مسلمانوں میں ایک تہلکہ پڑگیا۔ حضرت علیؑ علیہ السلام کو سب عزیز رکھتے تھے۔ اور وہ اسی قابل تھے۔ اس زمانہ میں جب کہ شجاعان عرب شہرہ آفاق تھے ضرغام ابو طالب اسد اللہ الغالبؑ ان کا لقب تھا۔ اور اشجع العرب بھی ان کو کہتے تھے۔ شجاعت۔ حکمت و سخاوت۔ ہمت۔ عدالت اور زہد و تقوی میں حضرت علی علیہ السلام کا عدیل و نظیر تاریخ عالم میں کمتر نظر آتا ہے۔ علاوہ اسکے وہ

زوج بتول یعنی بضعۃ الرسول حضرت فاطمہ علیہا السلام کے شوہر تھے جو رسول اللہؐ کی اکلوتی بیٹی اور پیاری بیٹی تھیں اور ابو الحسنینؑ تھے جنکے عاشق زار خود انکے نانا رسول اللہؐ تھے اور خود رسول اللہؐ نے انکو مجمع احباب میں سردار جوانان بہشت فرمایا تھا۔ ان دونوں صاحبزادوں میں سے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؑ علیہ السلام نے عزلت گزینی اختیار کی اور اپنی خلافت موروثی کو معاویہ کے ہاتھ بمعاوضہ ایک رقم سالانہ کے فروخت کرڈالا اور باقی ایام زندگی مدینہ میں عبادت خدا اور نیک کاموں میں صرف کیا۔ سنہ ۶۶۹ء میں حسن مجتبیٰ کو ان کی زوجہ نے یزید بن معاویہ حاکم شام سے رشوت لیکر زہر سے شہید کیا۔ اب اہلبیت رسولؐ سے صرف انکے چھوٹے بھائی امام حسین علیہ السلام باقی رہ گئے جنمیں پدر عالیمقدار کی ہمت و شجاعت کوٹ کوٹ کر بھری تھی اپنے بڑے بھائی کی شہادت کے گیارہ برس بعد اہل عراق کی منت و سماجت سے مجبور ہوکر مدینہ سے کوفہ کو روانہ ہوے کہ غاصبین بنی امیہ سے اپنے حق خلافت کا دعوی کریں اور اس سفر پر خطر میں اپنے عیال و اطفال اور چند اصحاب کو بھی ہمراہ لے گئے یہاں تک کہ زمین کربلا تک پہونچے جو اس زمانہ میں ایک ریگستان دریاے فرات سے ایک روز کی راہ پر قریب کوہ تھا۔ وہاں جو پہونچے تو ایک فوج کثیر کو مقابلہ پر آمادہ پایا اسکے بعد جو واقعات غم انگیز گزرے تاریخ عالم میں کمتر نظر آتے ہیں۔ جو مصائب و شدائد معرکہ کربلا میں اہلبیتؑ پر گزرے زبان زد خلائق ہیں صرف اسنا کہدینا کافی ہے کہ اس واقعہ جانگزا نے اسلام کو تہ و بالا کرڈالا"۔

(۹) اخبار مشرق گورکھپور مورخہ ۲۸ نومبر سنہ ۱۹۱۲ء نے حسب ذیل تحریر شایع کی تھی

تو نے سر دے کے کیا دین کا سکہ جاری — اللہ اللہ چہ عجب رتبہ عالی داری

آج جبکہ دنیا میں ہوائی جہازوں تلواروں اور توپوں کی گرج سے ایشیا، یورپ افریقہ اور امریکہ تک گونج رہے ہیں۔ آج جب کہ لاکھوں آدمیوں کے خون سے

سمندر اور ہزاروں دشت و کوہسار خون کی تماشاگاہ بن رہے ہیں۔ اور جبکہ
تمام عالم میں حب الوطنی۔ جان نثاری اور قربانی کرنے کا ولولہ ہر شخص میں گرم ہے
تو یہ کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے کہ ہماری نظریں دنیا کے ایک ایسے پردے
کی طرف اُٹھیں جہاں آج کے بہت پہلے حب الوطنی۔ جان نثاری۔ قربانی اور
قومی غیرت کا مقدس و معظم نمونہ نمایاں ہو چکا ہے۔ گو کہ ہزاروں ماضیت اور
تاریخی انقلابات اُس وقت سے اِس وقت تک حائل ہیں۔ لیکن اوس کی انتہائی حمیت
و غیرت اور حق پرستی ہر قوم سے داد طلب کئے بغیر نہیں رہی۔ فطرت انسانی کا قاعدہ ہے
کہ وہ اپنے مشابہ اور ہم رنگ واقعہ کو یاد کرتی ہے۔ بہادروں کی بہادری سے بہادر یاد آتے
ہیں۔ جان نثاروں کی جان نثاری سے جان نثار یاد آتے ہیں۔ اور سر فروشوں
کی سر فروشی سے سر فروش یاد آتے ہیں۔ اسی لئے اس وقت کی جانبازانہ جنگ اور دل
ہلا دینے والی انسانی قربانی سے یہ بات تازہ ہو سکتی ہے کہ اس سے پہلے خدا کا ایک
پاک بندہ محض خدا کی راہ میں اپنے آپکو ذبح کرا چکا ہے۔ ممکن نہیں کہ جب حمیت
اور غیرت کے مست و بیخود کرنے والے ترانے چھڑے ہوئے ہوں اُنھیں سنکر
حمیت اور غیرت کے کارنامے یاد نہ آجائیں۔ خاصکر اس لئے کہ دنیا بہادری اور
سر فروشی کا فیصلہ کرنے کے لئے بہت سے خونی تماشے دیکھ رہی ہے۔ اس لئے
کہ کوئی ایسا نفس نہیں پایا جاتا جسکی سر فروشی اور بہادری پر تمام مورخوں کا اتفاق ہو
مگر وہ کربلا کے فاتح شہید کی ذات اقدس ہے جس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے دنیا
میں صرف وہی لوگ فاتح نہیں مانے جاتے جو بہت سے زیادہ آدمیوں کا خون بہا کر
کسی قوم اور ملک پر قبضہ کرتے ہیں۔ بلکہ فاتح اوسکو بھی کہتے ہیں جو اپنی جان
دیکر کسی معرفت اور اصول کے لئے ہمیشہ کے واسطے روشنی کا ایک مینار یا فولاد
کا ایک کوہ بنکر صفحہ تاریخ پر قائم ہوتا ہے۔ کامیابیاں کئی قسم کی ہوا کرتی ہیں
مگر سب سے زیادہ روشن کامیابی وہ ہوتی ہے جو کسی امر حق کی راہ میں نصیب ہوتی ہے
اس راہ میں اگر فنا بھی ہو جائے تو اُس فنا کو بقا سمجھتے ہیں۔ کربلا کے شہید اعظم کو

فاتح کہتے ہیں۔ کیونکہ اصل فتح ناحق کوشوں کے بالمقابل انہیں کو ہوئی۔ مورخین عالم اس واقعہ پر طرح طرح کے پہلو سے بحث کر چکے ہیں لیکن تازہ ترین تحقیقات ایک جرمن فاضل اجل نے کی ہے جو کتاب کی صورت میں شایع ہو چکی ہے۔ اس کا تھوڑا سا ترجمہ مولوی خدابخش خاں صلاح الدین نے انگریزی میں کیا ہے۔ جس طرح جرمن اور فنون میں دنیا میں کسی قوم سے کم نہیں ہیں اُسی طرح علم اور تحقیقات قدیم و جدید میں بھی بہت شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ جرمنی میں بڑے بڑے کتبخانہ عربی فارسی اور سنسکرت کے موجود ہیں اور وہاں ان زبانوں کے عالم بکثرت موجود ہیں جس مورخ نے مسئلہ شہادت کربلا پر محققانہ نظر ڈالی ہے۔ اُس نے عربی لاطینی اور فارسی علمی ذخیروں سے ایسے اچھے اقتباسات کئے ہیں کہ پڑھنے والا اسکی محنت کی تعریف کریگا۔ پہلا سوال اُس نے یہ کیا ہے کہ کیا حضرت امام حسین علیہ السلام میدان کربلا میں ملک گیری اور حکمرانی کے لئے لڑ رہے تھے۔ اس سوال پر اُس نے تاریخی اور قومی کارناموں کے حوالے سے دلچسپ بحث کی ہے کہ ہم اسکی مثال کسی اور دوسری جگہ نہیں پاتے وہ لکھتا ہے کہ حضرت حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام صرف بنی ہاشم کے افراد سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ اپنے عہد میں تمام عرب میں اور اُسکے نواح میں اپنی عالی نسبی اپنی ذاتی علمی قابلیت اور اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے نہایت مشہور اور ممتاز تھے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ وہ پاک نفوس کیطرف بڑھتی ہے وہ کوئی سلطنت قائم کرنا چاہتے تو بہت پہلے ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ لیکن حضرت امام حسن علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بنی ہاشم کے قدیم دشمن میری مخالفت پر تلے ہیں تو انھوں نے دشمنوں کے دل سے یہ شبہ مٹانے کے لئے کہ کسی وقت میں حسنؑ حکمراں بن بیٹھے سب سے پہلے خلافت اور حکومت وغیرہ سے دست کش ہونے کا باضابطہ معاہدہ لکھدیا افسوس ہے کہ اس پر بھی بنی ہاشم کے دشمن قانع نہ رہے اور سات بار امام مقدس کو زہر دیا اسکے علاوہ جرمن مورخ نے اس عہد کی مذہبی اور اخلاقی حالت دکھلا کر ثابت کیا ہے کہ اُس وقت مسلمانوں میں دنیا پرستی اور وجاہت پرستی

آ چلی تھی۔ اس سے اُس نے واضح کر دیا ہے کہ دونوں اماموں کے ساتھ جو کچھ
بھی بُرا سلوک نہ ہوا ہو وہ تعجب کی بات نہیں۔ اب یہ امر کہ امام حسین علیہ السلام میدان
کربلا میں ملک گیری کی ہوس میں لڑ رہے تھے یا نہیں۔ اس سے صاف ہو جاتا
ہے کہ اگر وہ اس خیال کے ہوتے تو واقعہ کربلا کے کہیں پہلے کسی نہ کسی قبیلے پر چڑھ دوڑتے
مگر کسی تاریخ سے آپکی ذات خاص کا حملہ آور ہونا ثابت نہیں ہوتا اگر ہم بلا تعصب
اس زمانہ کی حالات اور واقعات پر نظر ڈالیں گے تو معلوم ہو جائیگا کہ اُس وقت
دنیا پرست اور دولت پرست مسلمانوں میں حکومت کی بو آگئی تھی اور امام مظلوم
کی ہستی اُنکی نظروں میں کھٹک رہی تھی وہ اپنے خیال میں سمجھتے تھے کہ ہماری کوششوں
میں حریفانہ رکاوٹ ڈالنے والا حسینؑ ہے۔ اگرچہ خود اس مقدس شخص نے کبھی اپنے کسی
فعل سے ایسا خیال کرنے کا موقع نہیں دیا مگر جس طرح تاریکی کو روشنی سے خوف
رہتا ہے۔ اُسی طرح دنیا کے ظالموں اور غاصبوں کو مقدس اور معظم نفوس سے
کھٹکا لگا رہتا ہے۔ افسوس ہے کہ اس دھوکے میں بہت سے پاک خدا کے بندے
ذبح کر ڈالے گئے۔ اسی دھوکے میں یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو صلیب پر
چڑھایا تھا اور اسی دھوکے میں حضرت زکریا کو آرے پر کھینچ دیا تھا۔ دوسرا
سوال اُس نے یہ قائم کیا ہے کہ کیا حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے دشمنوں
سے ذاتی اغراض اور انتقام کے لئے لڑ رہے تھے۔ اسی بحث میں جرمن مورخ
نے نہایت دلچسپ اور فلسفیانہ بحث کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ امام مظلوم کی زندگی
کا وہ حصہ جو واقعہ کربلا کے پہلے گزرا ہے عام طور سے عرب کے حالات اور واقعات
میں محفوظ ہے اُس پر نظر ڈالنے سے یہ بات روشن ہے کہ اس قدسی نفس نے کبھی
بنی ہاشم کے دشمنوں سے بدلہ لینے کی کوشش نہیں کی۔ انتقام کی آگ صرف
اُسی شخص میں بھڑک سکتی ہے جو کسی معاملہ میں کسی سے شکست کھا چکا ہو اور اُس
شکست اور ذلت کو دفع کرنے کے لئے اُسے رہ رہ کے خیال آتا ہے مگر خود مخالفین
کا یہ قول مسلم ہے کہ آپ نے میدان کربلا میں بار بار عاجزی سے فرمایا تھا "اچھا مجھے

دنیا کے کسی سمت اپنے رفقا کے ساتھ نکل جانے دو اور اگر اس پر بھی نہیں راضی ہو
تو آؤ ہم تم مناظرہ کریں جو حق پر ہو وہ فاتح سمجھا جائے اور جو حق پر نہ ہو تو اسکی
شکست مشتہر کیجائے"۔ کیا یہ واقعہ کسی شخص کے جوش انتقام کو ظاہر کرتا ہے؟ کیا اس
سلجھی ہوئی تقریر سے کسی کے غصے اور حرارت کا پتہ چلتا ہے؟ کبھی نہیں اور ہرگز
نہیں۔ اب ہم مورخ کے اس بیان کی تعریف کرتے ہیں۔ اور اس سوال کے جواب
میں جو اُس نے آخری الفاظ لکھے ہیں اُسکو پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ امام
حسین علیہ السلام صرف ایک عابد و زاہد شخص نہیں تھے بلکہ وہ امانتیں اور ذمہ داریاں
بھی مستور تھیں جو عرب کے پیغمبر اعظم میں ودیعت کیگئی تھیں۔ جس طرح اُس اولوالعزم
نبی کو خیال تھا کہ مسلمان قبیلے اور کنبوں کے جھگڑوں سے دور رہیں۔ اسی طرح
آپ کے نواسوں میں بھی اس بات کا احساس تھا۔ اور ذمہ داری اس امر سے
نہایت درجہ ثابت ہوتی ہے کہ میدان کربلا میں امام مظلوم نے تمام تدبیروں سے تھک
کر یہ ظاہر کرنا شروع کیا کہ لوگو یاد کرو میں کون ہوں اور کس کا بیٹا ہوں اور کس کا نواسہ
ہوں اور نہ صرف اوس حسب و نسب کا ذکر کیا بلکہ اپنے علم و فضل اور آخرت کے اسرار بھی بیان
فرمائے۔ کیا اس سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ امام مظلوم کو اپنی ذمہ داریوں کا پورا لحاظ
تھا۔ کیا ان واقعات سے کہیں بھی انتقام کی بو پائی جاتی ہے۔ تیسرا سوال اور نہایت
معنی خیز سوال اس مورخ موصوف نے یہ کیا ہے کہ کیا حضرت امام حسین علیہ السلام
کسی عنوان شائستہ سے اس خونریز جنگ کو اوپر اوپر ٹال سکتے تھے۔ وہ لکھتا
ہے کہ یورپ کے بعض اہل قلم مظلوم امام پر ناتجربہ کاری اور بلا وجہ کی خونریزی کا الزام
لگاتے ہیں اور اس لزام دہی میں یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ بلا خوف تردید تمام واقعہ
کا ذمہ دار امام معظم ہی کو ٹھہرایا ہے۔ بلکہ یہاں تک آزادی سے کام لیکر لکھ گئے ہیں
کہ اگر امام مظلوم بغیر لڑے ہوئے یزید کے پاس چلے جاتے تو تمام شر و فساد رفع ہو جاتا
کیونکہ اُسکے پندار تمکنت کی اپنے خیالی حریف کے آجانے سے تسکین ہو جاتی۔ اس
اعتراض کو مورخ مذکور نے بڑی قابلیت سے رد کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ قوم عرب کے

خصائل اور عادات تمام دنیا سے نرالے تھے وہ لوگ اپنے ایام جاہلیت میں بھی اپنی مہمان نوازی حمیت و غیرت میں مشہور تھے۔ قوم عرب اس درجہ غیور تھی کہ وہ کسی حالت میں اپنے قبیلہ اور اپنے خاندان کے روایات اور حکایات کو ترک کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہاں کے ایک شاعر کا قصہ یوں کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ کسی جنگل میں ڈاکوؤں سے گھر گیا تھا اور جب وہ اپنی جان بچا کر بھاگنا چاہتا تھا کہ ڈاکوؤں میں سے ایک نے بلند آواز سے پکار کر ایک شعر پڑھا جس میں اس نے اس خیال کو نظم کیا تھا کہ میدان میں دشمن سے لڑنا ہمارے لڑکوں کا کھیل ہے اور مرنا یا مارنا ہماری بازی کا پہلا قدم ہے۔ غرض جب اس شاعر نے یہ سنا تو وہ پلٹ پڑا اور اس نے اپنی جان دیدی۔ اسی طرح کے بہت سے واقعات ہوئے ہیں۔ ایسی غیور اور بہادر قوم کے افضل ترین قبیلے سے کیا ہم امید کر سکتے ہیں کہ وہ میدان کارزار سے محض جان بچانے کے لیے بھاگ کھڑا ہوگا؟ کبھی نہیں اور ہرگز نہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے چاہا کہ مجھ لعین اور لعین یزید تک پہنچا دیں تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔ لیکن یزیدیوں نے اصرار کیا کہ بغیر یزید کے نام پر بیعت لیئے ہوئے آپ کا قدم بھی ہم لوگ اسکی جانب نہ بڑھنے دینگے۔ اس لئے آپ نے مجبور ہو کر رفقا کو سمجھایا کہ تم لوگ چلے جاؤ میں اکیلے ان لوگوں سے نبٹ لونگا۔ ہاں جیسی غیور اور باحمیت لوگوں سے امید ہو سکتی تھی ویسے ہی ظہور ہوا کہ کسی نے بھی آپ کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہیں کیا حتی کہ عورتوں نے بھی آپ کا ساتھ چھوڑنا کسی طرح منظور نہ کیا۔ اب بات اصول حق پرستی کی آگئی ہے۔ امام مظلوم دیکھ رہے ہیں کہ ایک دنیا امارت اور حکومت کی پرستش میں خدائے واحد کی بادشاہت کو اپنے جور اور ظلم سے تباہ کرنے کی فکر میں ہے اور حق و ناحق کی فتح یا شرمندگی کی گھڑی آپہونچی ہے امام مظلوم سمجھ رہے ہیں کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حق کے لئے آگ میں جانا پڑا اور حضرت عیسے علیہ السلام کو سولی پر چڑھنا پڑا اسی طرح آج مجھے بھی جان دینا ہے۔ لہذا اُنھوں نے ٹھان لی کہ میں اپنے خون سے اسلام کی کھیتی کو سینچوں گا۔ بہرحال حضرت امام حسین علیہ السلام نے

کوئی دقیقہ اس شر وفساد کے روکنے کے لئے اُٹھا نہیں رکھا۔ اگر انھوں نے بیعت
کرلی ہوتی تو رسالت ہمیشہ کیلئے ذلیل ہو جاتا اور بنی ہاشم کی بزرگی خاک میں ملجاتی
اگر مظلوم امام نے یزیدیوں کو اپنا ساتھی مان لیا ہوتا تو پھر اسلام کا ساتھی کوئی نہ
رہتا یعنی تکمیل رسالت عرب کی پیغمبر اعظم پر ہوئی۔ اور تکمیل جان بازی امام
مقدس کی ذات پر ختم ہوئی۔ اسکے بعد مورخ جرمنی نے یہ سوال کیا ہے کہ کیا حضرت
امام حسین علیہ السلام اپنی جماعۃ کو لڑنے سے نہیں روک سکتے تھے؟ اسکے جواب میں وہ
صرف یہ کہتا ہے کہ اُنکی جماعۃ بہت تھوڑی تھی وہ کسی حال میں اپنے امام کو نہ چھوڑ
سکتی تھی۔ زیادہ تر خود انھیں کے خاندان کے لوگ تھے جو پہلے ہی سے دشمنوں
کی نظر میں کھٹک رہے تھے یہاں تک کہ بعض چھوٹے بچوں کو بھی دشمنوں نے
فنا کیا ایک فرد کو بھی زندہ رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ پانچواں سوال تمام کتاب
کی جان ہے۔ وہ پوچھتا ہے کہ کیا حسینؑ کی لڑائی خدا کیلئے تھی؟ وہ کہتا ہے
کہ میں اس سوال کا جواب پوری طرح نہیں دے سکتا۔ میں بس اس قدر کہنا چاہتا
ہوں کہ اگر واقعہ شہادت اسلام کی تاریخ میں نہ ہوتا تو غیر مسلم دنیا کو اسلام کی تاریخ
اور اسلام کی حقانیت سے دلچسپی نہ ہوتی۔ ایک شخص یکہ و تنہا بالو کے چٹیل میدان
میں کھڑا ہے۔ تھوڑے سے رفقاء کے ساتھ ہیں زمین و آسمان تک اس وقت
کسی آنے والے طوفان کیلئے ساکت ہیں۔ اور تمام انسانی ہمدردی کی اعانت کا
چشمہ بند ہے۔ ایک انسان اور محض انسان ایسی حالت میں بہت آسانی سے
ایک ذراسی بات مان لینے سے اپنی جان بچا سکتا ہے۔ لیکن وہ دنیا کی ناپائدار
زندگی کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ وہ اس میدان میں مرجانے کو حیات
جاوید سے بہتر جانتا ہے۔ اسکے آگے خدا کا وہ کلام پیش ہے جسمیں خدا
برتر فرماتا ہے کہ جو لوگ ہماری راہ میں مارے جاتے ہیں وہ مرتے نہیں ہیں اور
وہ زندہ رہتے ہیں یعنی اونکی زندگی ایک دوسری شکل میں بدل جاتی ہے۔ اس
ربانی کلام پر دل و جان سے یقین کامل کرکے خدا کا مظلوم اور مجبور بندہ سرنیاز

ختم کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میرے مخالفین زیادہ سے زیادہ جان طلب کرلیں گے
اور مجھ سے اپنے خیال کے موافق بیعت لینا چاہیں گے۔ لیکن یہ جنگ کثرت افواج کی نہیں
ہے بلکہ اصول اور حق کی ہے۔ اسی حالت میں وہ شخص سمجھ رہا ہے کہ حق پرستی اور غیرت
اور حمیت کا تقاضا صرف یہی نہیں ہے کہ زبان سے اُس کا دعویٰ کیا جائے بلکہ
قول کو فعل میں بدلنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے بغیر دنیاوی طمع کے یہ شخص تسلیم و رضا
کی راہ میں اپنی جان نذر کرتا ہے تاکہ خدا کا کلام سچا ہو اور اُسکی مخلوق کے درمیان
سے سچائی اور روشنی نہ مٹنے پائے۔ جرمن کا مورخ اس جگہ نہایت جوش کے ساتھ
لکھتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اگر چاہتے تو یزید کی ماتحتی میں رہ کر کسی بڑی جگہ
کے گورنر بنجاتے۔ لیکن اُنھیں دنیا کی حکومت سے سخت نفرت تھی۔ جو روحانی
حکومت اور سلسلہ باطنی معرفت کا ان بزرگوں کی دم سے قائم تھا اُسکی بلندی
نے دنیا کی حکومت کو ہیچ کردیا تھا۔ اس وجہ سے یزید کی بیعت کرنا کسی حال
میں گوارا نہ کیا۔ اگر حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے آبا و اجداد کے کارناموں کو
مٹا کر اُس زمانہ کی دنیا پرستی میں آجاتے تو یقیناً دنیاوی لحاظ سے اُنھیں کوئی
تکلیف نہ پہونچتی لیکن جو شخص دنیا کی حقیقت سے واقف ہو اور خدا کی قدرت
و حکمت کا قائل ہو وہ کبھی دنیا کی عارضی زندگی کو عقبیٰ کی لازوال نعمت پر ترجیح نہیں
دے سکتا۔ آخر میں جس نکتہ پر تمام بحث کا خاتمہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر واقعہ
شہادت کو یہ عظمت و شہرت نہ دیجائے جو اقوام عالم میں حاصل ہے تو کیا اس سے
بنی نوع انسان پر کوئی اخلاقی جرم عائد ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں وہ کارلائل
کی کتاب ہیروز ورشپ سے انتخاب کرکے یہ دکھاتا ہے کہ بہادرانہ کارنامے محض
ایک قوم یا ایک ملک تک محدود نہیں رہتے بلکہ تمام انسانی برادری کی میراث اور
ملکیت ہو جاتے ہیں۔ انکی وجہ سے آنے والی نسلوں میں سلسلہ شجاعت اور استقامت
کا باقی رہتا ہے۔ اس لحاظ سے واقعہ شہادت پر جس درجہ غور اور فکر کیا جائیگا اُسی قدر
اُسکے اعلےٰ اور عمیق مطالب روشن ہو جائیں گے۔ دنیا میں موجودہ جنگ سے زیادہ

کوئی خونریز جنگ نہیں ہوئی۔ لیکن مظالم۔ بے رحمیاں اور ناانصافیاں جس حد تک واقعہ کربلا میں ہوئیں اُن کا عُشرِ عشیر بھی کبھی کسی معرکہ میں نہیں ہوا۔ یہ ہوتا رہا ہے کہ آدمی زیادہ مارے گئے ہیں۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ خون زیادہ بہا ہے لیکن یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ دل اور روح کے پاک اور عزیز ترین جذبات کے ساتھ ایسی بے رحمی جیسی کہ کربلا میں ہوئی واقع ہوئی ہو ہٹ دھرمی۔ ناانصافی۔ جور و ظلم اور ہر طرح کی سختی جو اس میدان میں مظلومین کے ساتھ برتی گئی اسکی دوسری مثال کہیں نہیں ملتی۔ آج قوموں اور ملکوں کے تشدد اور ظلم کا رونا رویا جاتا ہے۔ آج توپ و تلوار سے بہادروں کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ اور آج دنیا بہت جلد دیکھنے والی ہے کہ کون حق پر ہے۔ ایسی حالت میں انصاف سفارش کر رہا ہے کہ مظلومین کربلا کی بہادری اور حق پرستی کو پہلے دیکھ لے اور تب اوسکے بعد کوئی فیصلہ کرے۔ اچھا آؤ ہم دیکھیں کہ واقعہ کربلا سے ہمیں کیا سبق حاصل ہوتا ہے۔ سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ فاتحان کربلا کو خدا کا کامل یقین تھا اور وہ اپنی آنکھوں سے اس دنیا سے اچھی دنیا دیکھ رہے تھے۔ اسکے علاوہ قومی غیرت اور حمیت کا بہترین سبق ملتا ہے جو کسی اور تاریخ سے نہیں ملتا اور ایک نتیجہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جب دنیا میں معصیت اور غضب وغیرہ بہت ہو جاتا ہے۔ تو خدا کا قانون قربانی مانگتا ہے اسکے بعد تمام راہیں صاف ہو جاتی ہیں۔ غرض مورخ جرمن نے اس مسئلہ پر عجیب و غریب فلسفیانہ بحث کی ہے۔ اگر ناظرین پسند کرینگے تو ہم آیندہ بھی اسکے اقتباسات سے فائدہ پہونچانے کی کوشش کریں گے۔"

(۱۰) مشہور مورخ اڈورڈ گبن نے اپنی تاریخ روم میں اور مسٹر جان ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب اپولوجی فور محمدؐ اینڈ قرآن میں واقعہ کربلا کے متعلق جو رائے لکھی ہے اُس کا اقتباس یہ ہے۔ "تھوڑے عرصہ کے بعد ۶۷۹ء میں معاویہ نے وفات پائی اور اُس کا بیٹا یزید جانشین ہوا۔ سلسلہ ہاشمی کی حقداری اور رسول عربی کی فرزندیت کی عصمت حسینؑ کی ذات مجمع صفات میں مجتمع ہو گئی تھی اور وہ ہر طرح مستحق تھے کہ

اپنے استحقاق کے لئے بمقابلہ یزید ایسے شریر النفس اور جابر و ظالم حاکم دمشق جس کی بدکاریوں کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جسکی خلافت کو وہ ہرگز کبھی خیال میں بھی نہ لائے۔ سعی فرماتے۔

یزید نے اپنی بدکاری اور فسق و فجور سے نہ صرف اپنی رعایا ہی کو ستایا بلکہ علی العموم مسلمانوں کو ایسا بیزار کیا کہ ابھی اس کو دمشق میں خلیفہ بنے بہت زمانہ نہیں گزرا تھا کہ کوفہ سے حسینؑ کے پاس ایک لاکھ چالیس ہزار ایسے مسلمانوں کی جو حسینؑ کی طرفداری کا دم بھرتے تھے درخواست پہونچی کہ وہ انکو اس رتبہ پر تسلیم کرنا چاہتے ہیں جسکا استحقاق انکو اولاد رسولؐ ہونے سے وراثتہً حاصل تھا۔ ان درخواستوں میں یہ اظہار شوق تھا کہ وہ اس امر کے لئے بیچین ہیں کہ ادھر حسینؑ دریا فرات کے کنارے پہنچیں اور وہ تلوار کھینچ کھینچکر اونکی حمایت پر آمادہ ہو جائیں۔ باوجود اپنے عقلمند دوستوں کی نصیحتوں کے حسینؑ نے اس درخواست کو قبول کر لیا اور قصد مصمم کر لیا کہ وہ اپنی ذات اور اہل بیت کو ان بے وفاؤں کے ایمان پر چھوڑ دیں۔

وہ ایک بہت ہی قلیل جماعۃ مستورات اور اطفال کے ساتھ صحرا نوردی کرتے ہوئے جب حدود عراق کے قریب پہونچے تو اوس حصہ ملک کی بھیانک بلکہ عداوت بھری صورت سے مشتبہ ہوئے اور گمان کیا کہ اونکے طرفدار یا تو ان سے پھر گئے یا ہلاک کر دیئے گئے بدقسمتی سے اونکے اندیشے درست تھے عبید اللہ حاکم کوفہ نے کوفیوں کے حملہ کی پہلی ہی چنگاری کو خاموش کر دیا تھا۔ ادھر حسین کربلا میں (علاوہ پیادوں کے) پانچ ہزار سواروں میں محصور ہو گئے جنھوں نے شہر اور دیار کی راہیں اونپر مسدود کر دیں۔ حسینؓ کو اب بھی موقع تھا کہ اوس صحرائی قلعہ میں جا کر پناہ لیتے جس پر اگلے زمانہ میں قیصران روم اور خسروان فارس کا کچھ قابو نہ چلا تھا یا یہ ہو سکتا تھا کہ اگر قبیلہ بنی طے کی وفاداری پر بھروسہ کرتے تو وہ لوگ رسولؐ کے نواسے کی حمایت دس ہزار مسلح مردان جنگی سے کر سکتے تھے۔ لیکن ان تدبیروں سے کسی ایک کو بھی اختیار کرنے کے بجائے حسینؑ نے دشمنوں کے سردار فوج سے ایک ملاقات کر کے تین

باتیں پیش کیں اور خواہش کی کہ ان میں سے کسی ایک پر عمل کرنیکا انکو موقع دیا جائے (۱) مدینہ کی واپسی (۲) سرحدی فوج میں بمقابلہ ترک سکونت (۳) یزید کی ملاقات۔ لیکن خلیفہ یا اوسکے نائب کے احکام سخت اور قطعی تھے اسلئے حسینؑ کو اطلاع دیگئی کہ یا تو وہ اسیر و مجرم بنکر اپنے کو لشکر خلیفہ کے حوالہ کردیں یا اپنی مخالفت کی پاداش کے منتظر رہیں حسینؑ نے جواب دیا کہ "کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مجھے موت سے ڈرادوگے"۔ ایک شب کی مختصر مہلت ملی جس میں حسینؑ صبر و سکون بھری رضا کے ساتھ مقدر شدہ مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے مستعد ہوگئے۔

حسینؑ نے اپنی بہن فاطمہؑ (زینبؑ) سے جو اس خاندان کی آنے والی تباہی پر زار زار رو رہی تھیں گریہ و زاری سے باز رہنے کی تاکید کی اور کہا کہ توکلت علی اللہ (ہم صرف خدا پر تکیہ کرتے ہیں) تمام چیزیں خواہ وہ آسمان میں ہوں یا زمین میں ضرور فنا ہونے والی ہیں۔ اور اپنے خالق کی طرف عود کر جائیں گی۔ میرے پدر بزرگوار میری والدہ محترمہ اور میرے بھائی سب مجھ سے افضل تھے اور ہر مسلمان کے لئے رسولؐ کی عمدہ ترین نظیر موجود ہے۔ پھر اپنے رفیقوں سے اصرار کیا کہ اپنی اپنی جانوں کو بحفاظت لیکر کسی طرف نکل جائیں لیکن ان لوگوں نے ایک زبان ہوکر اپنے پیارے مولا کی ترک رفاقت کرنے یا اوسکے بعد زندہ رہنے سے صاف انکار کیا اور انکی جرأتیں حسینؑ کی ایک پرجوش اور موثر دعا اور حتمی وعدہ فردوس سے بڑھ گئیں۔

روز ہلاکت کی صبح کو حسینؑ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن لئے ہوئے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اونکے عالی حوصلہ اور بہادر جان نثاروں کی تعداد صرف ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادہ تھی لیکن اونکے اطراف اور جانب پشت خیمہ کی طنابوں اور ایک خندق سے جس میں حسب دستور عرب آگ روشن تھی محفوظ تھی۔

دشمن پس و پیش کرتے ہوئے آگے بڑھے اور اونکے سرداروں میں سے ایک سردار اپنے تیس یا چالیس ساتھیوں کے ساتھ اپنے لشکر کو چھوڑکر شہید ہونے والوں

میں جاملا۔ ہر دست بدست یا فرداً فرداً لڑنے میں فاطمیوں کی مایوسانہ بہادری
کسی طرح زیر نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن محاصرہ انبوہ کثیر دور سے ان پر پتھروں کا مینہ
برسا رہا تھا اور سوار و پیادہ مسلسل مارے جارہے تھے۔

نماز کے وقت تھوڑی دیر کے لئے جنگ ملتوی کی گئی اور آخر کار حسینؑ کے آخر
جان نثاروں کی شہادت کے ساتھ جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔ حسینؑ یکہ و تنہا اور بے یار و
مددگار خستہ و پریشان اور زخمی ہوکر اپنے خیمہ کے در پر جا بیٹھے۔

پھر غلبہ پیاس نے بے چین کیا اور ادھر پانی منہ تک پہونچا ادھر تیر سے دونوں
لب زخمی ہوئے اور اُنکا بیٹا اور بھتیجا دو خوبصورت بچے اونکی گود میں مارے گئے
حسینؑ نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا درآنحالیکہ دونوں خون سے
بھرے ہوئے تھے اور دیکھا کہ اون ہاتھوں سے ایسے پیارے اور لخت جگر
عزیزوں کے خون کی بھاپ اوٹھ رہی تھی۔ اسی صورت سے اونھوں نے زندہ اور
مردہ دونوں کی نماز جنازہ ادا کی۔ اور اونکی بہن ناامیدی سے از خود رفتہ ہوکر
خیمہ سے باہر نکل آئیں اور کوفیوں کے سردار کو قسمیہ غیرت دلائی کہ "حسینؑ کو اپنی
آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھتا ہے"۔ اس بیقراری پر عمر سعد بھی رو دیا۔
اور اوسکی لمبی ڈاڑھی پر آنسو بہ نکلے اور جب اس زندگی سے سیر شجاع نے حملہ کیا اور
اپنے کو اونکے درمیان میں ڈالا تو جری سے جری سپاہی بھی ہر طرف پسپا ہوگئے
مگر شمر ستمگر نے جس کے نام پر مومنین ہمیشہ لعنت کرتے ہیں اونکے بودے پن پر ملامت
کی اور اونھوں نے رسول اللہؐ کے نواسے پر از سر نو بے رحمی اور بیدردی سے
حملہ کیا اور وہ ۳۳۵ زخموں سے تلوار اور نیزوں کے چور اور بے دم ہوکر اونکے
درمیان گر پڑے۔ شہید حسینؑ کی لاش کو پامال کرنے کے بعد دشمن اونکا سر کاٹ
کر کوفہ کیطرف لے گئے۔ وہاں شقی القلب عبید اللہ نے اونکے دہن مبارک پر
بید مارا۔ ایک مسن شخص نے جو یہ نامردانہ حرکت دیکھا تو چیخا کہ ہائے ان ہونٹوں
پر میں نے بہت دفعہ پیارے رسول خداؐ دیکھے تھے۔ حسینؑ کے احوال میں کہا جاسکتا ہے

کہ اونکو صفات توکل و اطمینان قلبی نے بہت ممتاز کیا تھا جیسا کہ اونکے آباد
اجداد کو صفت شجاعت نے مشرف کیا تھا۔ بہن انکی اکثر باواز بلند آہ وزاری
کرتی تھیں۔ اور زار زار روتی تھیں اور چیختی تھیں" کاش کہ خدا میں کل ہی مرگئی ہوتی
نہ کہ آج کے لئے زندہ رہتی۔ میری ماں فاطمہؑ میرے باپ علیؑ میرے بھائی حسنؑ
سب مرگئے تباہی اوس تباہی پر جو واقع ہوچکی اور افسوس اوس باقی تباہی پر جو
ہونے والی ہے"۔

حسینؑ نے جواب دیا" اے میری پیاری بہن خدا پر بھروسہ کرو اور جانو کہ ہر شے
ہلاک ہوگی سوائے وجود اس خدا کے جس نے سب چیزوں کو خلق کیا اور جو اپنی قدرت
کاملہ سے ان سب کو اپنے پاس روز حشر راجع کریگا۔ میرے باپ علیؑ اور میرے بھائی
حسنؑ مجھ سے بہتر تھے اور ہم سب کی تاسّی کے لئے خود رسول خداؐ کی نظیر موجود ہے"۔

حسینؑ افسردہ طبع اور محزون المزاج تھے گویا اپنی مرگ بے گناہ کی اونکو پہلے
سے آگاہی تھی اور مثل اپنے باپ کے دینداری میں بے نظیر تھے اور اہل سیر کہتے
ہیں کہ وہ ہر روز ہزار مرتبہ عبادت حق تعالی کی کرتے تھے۔ ایک دفعہ اونھوں نے
اپنے باپ سے پوچھا کہ" آیا وہ ان سے محبت رکھتے ہیں" علیؑ نے جواب دیا کہ" وہ
انکو بکمال شفقت چاہتے ہیں"۔ پھر اونھوں نے پوچھا کہ" خدا سے بھی آپکو محبت
ہے"۔ علیؑ نے کہا" ہاں" اس پر حسینؑ نے کہا کہ" سچی دو محبتیں باہم ایک دل میں نہیں
رہ سکتیں"۔ اس کلام سے علیؑ ایسا متاثر ہوئے کہ آنسو ٹپک پڑے۔ حسینؑ نے اونکی
تشفی کے لئے کہا کہ" آپکو کافر بننا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میرا مرتے دیکھنا" علیؑ نے
جواب دیا کہ" میں اپنے پیارے بیٹے کو پہلے حوالہ موت کے کردوں نہ یہ کہ اپنا دین چھوڑ دوں"
تب پھر حسینؑ نے کہا کہ" اس امتحان سے آپکے معلوم ہوا کہ آپکو میری محبت ایک الفت
طبع ہے اور آپ جو خدا سے محبت رکھتے ہیں وہ سچی محبت ہے اور آپکی اصل محبت
دل سے ہے"۔

اب جہاں لاش حسینؑ کی دفن ہوئی تھی وہاں ایک عالی شان روضہ تعمیر ہوا اور اوس مقام کا

نام شہید حسینؑ ہے اور اس دن تک وہاں زوار بہت جایا کرتے ہیں۔

ہمیشہ ہر عہد اور ہر خطہ ملک میں حسینؑ کی شہادت کا یہ حسرت انگیز واقعہ پتھر سے پتھر دل میں بھی ہمدردی پیدا کر دیگا"۔

(۱۱) لندن کے ایک ہفتہ وار رسالہ موسومہ" جرنل آف دی رائل سوسائٹی آف آرٹس"

کی اشاعت نمبری ۲۲ و ۲۳ مورخہ ۱۲ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء میں ایک مضمون" محرم بمبئی" کے عنوان سے سر جارج برڈ اوڈ کے سی۔ آئی۔ ایس۔ ایم۔ ڈی۔ ایل۔ ایل ڈی کے قلم سے نکلا ہے۔ اس مضمون میں فاضل نامہ نگار نے تین جداگانہ فصلیں قائم کی ہیں۔ (۱) بنائے شیعیت (۲) واقعۂ کربلا، (۳) محرم بمبئی

ہم یہاں صرف واقعۂ کربلا کا ترجمہ پیش کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو یہ شہادت فرزند رسول خداؐ ایسی عظیم شہادت ہے کہ جس پر اقوام غیر بھی آج دور دراز مقامات سے رو رہے ہیں۔ اور تحریرات کے ذریعہ سے اوس کا اعلان ساری دنیا پر کر رہی ہیں فاضل مذکور نے لکھا ہے:۔

واقعہ صحرائے کربلاء

یزید کے خلیفہ ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد حسینؑ کے پاس خفیہ خطوط اہالیان کوفہ کی جانب سے مکرر اس التجا کے ساتھ آئے کہ اس نواح کے مسلمین کو یہاں آکر اپنی بیعت میں لیجئے لیکن یزید کو اس مخالفت کی پوری اطلاع تھی اور قبل اسکے کہ حسین کوفہ پہونچیں وہاں کا بے شرم حاکم معزول کر دیا گیا اور بجائے اسکے عبید اللہ بن زیاد حاکم بصرہ کوفہ میں مقرر کیا گیا۔ اس نے فوری تدابیر عمل میں لاکر سازش کرنے والوں کی کل تجاویز کو تہ و بالا کر دیا اور اونکے سردار[۱] مسلمؑ کو قید کر لیا مسلمؑ نے اوس تباہی پر نگاہ کر کے جو حسینؑ پر آنے والی تھی اپنے قید ہونے پر بہت گریہ کیا۔ ان کا سر قلم کر کے یزید کے پاس بھیجدیا گیا حسینؑ جب سرزمین عراق میں پہونچے تو حر جس کو

[۱] یہ غلط ہے کیونکہ حضرت مسلم سے جنگ ہوئی اور وہ شہید کئے گئے ۱۲ مترجم۔

عبیداللہ نے معہ ایک دستہ سواران راہ روکنے کے واسطے مامور کیا تھا۔ آکر پہونچا
حسینؑ نے ان لوگوں سے مخاطب ہوکر اپنا استحقاق خلافت ظاہر کیا اور حق کی
طرف انکو دعوت کی۔ حُرنے جواب دیا کہ ہم کو حکم ہے کہ جہاں آپ ہم کو ملیں ہم آپکو
براہ راست عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے جائیں۔ اس کے جواب میں حسینؑ نے کہا
کہ مجھکو اسکے مقابلہ میں مرجانا گوارا ہے۔ یہ کہکر اپنے ہمراہیوں کو آگے بڑھنے کا
حکم دیا لیکن حر نے اُسی وقت گھوم کر راستہ روک دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مجھے
آپ سے جنگ کرنے کا حکم نہیں ہے لیکن یہ حکم ہے کہ آپ سے جدا نہ ہوں جب
تک کہ آپکو کوفہ نہ پہونچا دوں۔ کوفہ جانے کا آپ کوئی راستہ اختیار کیجئے بشرطیکہ
وہ راہ مکہ کو نہ جاتی ہو۔ آپ یزید یا عبیداللہ کو لکھیے میں بھی عبیداللہ کو لکھتا
ہوں۔ شاید خدا کوئی ایسی صورت نکال دے کہ میں آپکے ساتھ کسی قسم کی سختی
کرنے سے بچ جاؤں۔ یہ کہکر اُس نے اپنی فوج کو راستہ سے ہٹا لیا کہ حسینؑ کوفہ
کی جانب روانہ ہوں۔ حسینؑ نے وہ راہ اختیار کی جو قادسیہ ہوکر گزری ہے۔
یہ واقعہ یکم محرم (جو اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے) سنہ ۶۱ ہجری مطابق سنہ ۶۸۰ء کا ہے
رات ہو جانے پر بھی حسینؑ قطع مسافت کرتے رہے۔ اثنائے راہ میں تھوڑی
دیر آپ نے آرام کیا اور بیدار ہو گئے اور فرمایا "لوگ شب میں سفر کرتے ہیں۔
اور ادنکی قسمتیں ادنکی جانب چل رہی ہیں اسکو میں پیغام موت سمجھتا ہوں"
صبح کو بعد فراغت نماز پھر رہروی شروع کی اور جب کچھ حصہ مسافت کا طے ہو چکا
تو ایک سوار آیا جس نے حسینؑ کیطرف کچھ توجہ نہ کی بلکہ ان کے پاس سے گزرتا ہوا حُر
کے پاس پہونچا اور ایک خط دیا جسمیں عبیداللہ کیطرف سے اوسکو حکم تھا کہ حسینؑ اور
اونکے ہمراہیوں کو فلاں مقام پر لے جائے جہاں نہ کوئی آبادی ہے نہ حصار
اور وہاں اونکو چھوڑ دے تاکہ افواج شام آکر اونکو گھیر لیں۔ یہ واقعہ جمعہ کے
دن ۲ محرم کو پیش آیا۔
دوسرے دن عمر بن سعد معہ چار ہزار سپاہ کے جو مہم دیلم کے واسطے تیار تھی آگیا

یہ لوگ بیرون شہر پناہ کوفہ خیمہ زن تھے۔ جب عبید اللہ نے حسینؑ کے آمد کی خبر سُنی تو اوس نے عمر کو حکم دیا کہ دیلم کی عزیمت کو ملتوی کر کے حسینؑ کے مقابلہ کو جائے لیکن ہر شخص نے اوس کو منع کیا اور سمجھایا کہ خبردار حسینؑ کے مقابلہ کو مت جانا خدا سے بغاوت مت کر اور اس طرح اوسکے رحم کو اپنے لیے منقطع مت کر کیونکہ تیرا تمام دنیا کی سلطنت سے محروم ہو جانا بہتر ہے بمقابلہ اسکے کہ اپنے خالق کے سامنے اس صورت میں حاضر ہو کہ تیرے ہاتھ خون حسینؑ سے رنگین ہوں۔

قریب تھا کہ عمر اس نصیحت کو مان لے لیکن عبید اللہ نے دوبارہ یہی حکم تہدید کے ساتھ اوسکو دیا لہذا وہ مع فوج روانہ ہو کر جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا ۳ محرم ہفتہ کے دن حسینؑ کے مقابلہ میں پہونچ گیا۔

عمر نے حسینؑ سے دریافت کرایا کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں اوھنوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اہل کوفہ نے خط بھیجکر مجھکو بلایا تھا مگر چونکہ اب وہ مجھ سے پھر گئے لہذا میں مکہ واپس جانا چاہتا ہوں عمر یہ سنکر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ خدا سے امید ہے کہ مجھسے ان سے جنگ نہ کرنی ہوگی۔ اسکی اطلاع اوس نے عبید اللہ کو کی لیکن اوس نے بہت تاکیدی حکم بھیجا کہ تو حسینؑ اور دریا کے درمیان حائل ہو جا عمر نے اس حکم کی تعمیل کی اور اُس مقام کا نام جہاں اس نے حسینؑ کو فرات سے جدا کیا کربلا تھا۔ حسینؑ نے جب اس نام کو سُنا تو فرمایا بے شک یہ مقام کرب و بلا ہے اسکے بعد حسینؑ نے عمر سے ملاقات کی۔ اور اس ملاقات میں آپ نے یزید کے پاس جانے مکہ جانے یا (جیسا کہ بعض کا قول ہے اور بعض اس سے انکار کرتے ہیں) ترکوں سے جنگ کرنے کی شرط پیش کی۔

عبید اللہ ان شرائط کو منظور کرنے کو تھا کہ شمر اوٹھ کھڑا ہوا اور قسم کھائی کہ حسینؑ کی کوئی شرط منظور نہ کیجائیگی۔ اور اسکے ساتھ ہی اشارۃً یہ بھی کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ حسینؑ اور عمر کے درمیان بہت دیر تک صحبت رہی ہے۔ اس پر عبید اللہ نے شمر کو عمر کے پاس اس حکم کے ساتھ روانہ کیا کہ اگر حسین بلا کسی شرط کے اپنے تئیں حوالہ

کیونکہ اس سوانح عمری کو سنی شیعہ ہندو۔ انگریز غرض ہر طبقہ کے تعلیم یافتہ حضرات
میں پھیلانے کا خیال ہے۔ پھر اسی شان کی اسکی ظاہری اور معنوی خوبیاں بھی ہونی ضرور
ہیں۔ ابھی دو مہینہ وقت باقی ہے اب بھی اگر سوانح عمری حضرت ابوبکر کے شائق حضرات
کوشش کر کے پانچ پانچ جدید خریدار کتاب تصویر عزا ر کے مہیا کر دیں اور ان سے پیشگی قیمت
وصول کر کے دس دس روپیہ کا منی آرڈر ہمیں بھیجدیں تو ہم فوراً بڑے پیتھر بھی منگالیں
عمدہ کاغذ کا سامان بھی کر لیں اور ان ضروری کتابوں کو بھی طلب کر لیں۔ پھر انشاء اللہ
الشمس جلد ۱۷ کے پہلے نمبر سے سوانح عمری حضرت اول شاندار طریقہ سے شایع ہونے
لگے۔ جو کچھ کرنا ہے جلد توجہ فرمائیے کیونکہ وقت کم اور کام بہت اہم اور شاندار ہے

کتاب الولی جناب مولانا حکیم سید فرمان علی صاحب مرحوم ممتاز الافاضل ہماری
قوم کے ایک جلیل القدر عالم گزرے ہیں جنھوں نے قرآن مجید کا محشی ترجمہ بہت
خوبی سے کیا اور مسلمانوں کو اس سے نفع عظیم پہونچایا۔ مرحوم کے علم و فضل کا اس قدر
ڈنکا بجا کہ اہلحدیث کے سردار جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری مولوی فاضل
اڈیٹر اخبار اہلحدیث امرتسر پنجاب سے صوبہ بہار میں آکر خاص مدرسہ سلیمانیہ میں اس غرض
سے پہونچے کہ مولانائے مرحوم سے مناظرہ کریں۔ اتنی دور دراز کی مسافت طے کر کے
مناظرہ کے لئے جانا خود بتاتا ہے کہ آپ نے مناظرہ کے لئے کس قدر زبردست
طیاری کر لی ہوگی۔ مگر مولانا مرحوم نے قرآن مجید کے آیہ کریمہ انما ولیکم اللہ سے جناب
امیر المومنینؑ کی خلافت بلا فصل اس تحقیق سے پیش کی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب سے اسکی
رد نہیں ہو سکی اور یہ کہکر وہ وہاں سے اٹھ آئے کہ اب اس مسئلہ پر تحریری مناظرہ کرینگے
مولانا مرحوم نے اسکو بھی قبول کر لیا جسکے بعد مدۃ دراز تک اخبار اہلحدیث میں مولوی ثناء اللہ
صاحب اور رسالہ اصلاح میں مولانا مرحوم کی تحریریں شایع ہوتی رہیں۔ مولانا مرحوم نے
اس جامعیت سے اسکو لکھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب مبہوت ہو کر رہ گئے۔ اب جبکہ خدا کے
فضل سے اصلاح مشین پریس جاری ہو گیا تو دل چاہتا ہے کہ اصلاح کی پرانی جلدوں سے مولانا مرحوم
کی وہ کل تحریریں ایک کتاب کی صورت میں دوبارہ چھپا کر شایع کر دیجائیں اور اس کا نام "الولی" رکھا

جائے جس کا ذکر مولانا مرحوم نے اپنے مترجم قرآن مجید کے حاشیہ میں کیا ہے۔ آپ حضرات اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔

انجمن باب العلم کجھوا (صوبہ بہار) کی قابل قدر کتابیں

۱- عوائد نظریہ۔ صلح حضرت امام حسنؑ کے اسباب و مصالح اور مسئلہ تقیہ کی خوبیوں کے متعلق نادر تحقیقات کا ذخیرہ مصنفہ جناب مولانا سید نظر حسین صاحب قبلہ قیمت فی جلد ۹ر

۲- رسالہ جلباب (پردہ) کی عقلی ضرورتوں، فطری مجبوریوں اور شرعی دلیلوں کے متعلق بہترین مباحث اور اعلےٰ معلومات و تحقیقات کی قابل قدر کتاب ہے۔ مصنفہ جناب خانبہادر سید محمد خلیل صاحب ایم۔ اے پنشنر قیمت ۸ر

۳- رسالہ ''وراثت انبیاء اور قرآن معروف بہ خلافت رسول'' عقلی دلیلوں اور قرآن مجید کی آیات اور انبیاء سلف کی سیرتوں سے ثابت کیا ہے کہ حضرت رسولخداؐ کی میراث جاری ہوئی اور حضرات ائمہ طاہرینؑ آپکے حقیقی وارث اور منصوص من اللہ و الرسول خلفاء تھے۔ اور مذہب شیعہ ہی حق ہے۔ مصنفہ جناب حاجی سید اظہار حسین صاحب بی۔ اے مجسٹریٹ پنشنر قیمت ۴ر

۴- ''دی قرآن اینڈ دی سکسیسرز آف محمدؐ'' یعنی جناب حاجی صاحب ممدوح نے اپنے مذکورہ بالا رسالہ کا ترجمہ نہایت خوبی سے انگریزی میں کر کے چھپوایا ہے۔ قیمت ۴ر

۵- ''حالات جناب امیرؑ''۔ فضائل و تاریخی حالات جناب امیرالمومنینؑ میں ایک دلچسپ رسالہ جسکے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ قیمت فی جلد ۸ر

۶- ''حدیث قرطاس'' مرزا حیرت دہلوی اور مولوی شبلی صاحب نعمانی کے اعتراضات و شکوک و تاویلات کا محققانہ جواب قیمت ۴ر

۷- ''حدیقہ خضرا''۔ حالات حضرت حجتؑ میں ایک دلچسپ مثنوی۔ قیمت ۸ر

۸- ''رسالہ جعفریہ''۔ مسئلہ خلافت پر ایک دلچسپ رسالہ مصنفہ خانبہادر مسٹر محمد جعفر صاحب بی۔ اے بیرسٹرایٹ لا قیمت ۴ر

۹- ''شیعوں کا اردو قاعدہ'' بچوں کے لئے بہت مفید۔ قیمت ۱ر

المشتھر: ناظم انجمن باب العلم کجھوا (صوبہ بہار)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۳

الحمد للہ

کہ

کتاب دلچسپ و ذخیرۂ تحقیقات

تصویر عزاء

جس میں عزاداری حضرت امام حسینؑ کے متعلق ایک فاضل اہلحدیث شوہر

اور ذی علم حنفی بیوی کی بہت مہذب محققانہ اور دلچسپ بحث لکھی گئی ہے

مصنفہ

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ مدیر رسالہ اصلاح دام برکاتہم

ابن

جناب سید المحققین فخر المتکلمین ظہیر الایمان و المومنین حجۃ الاسلام و المسلمین

آیۃ اللہ فی العالمین مولانا السید علی اظہر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ

المتوفی ۱۲ شعبان سنہ ۱۳۵۲ ہجری

پہلی دفعہ

اصلاح مشین پریس کھجوا میں چھپکر شایع ہوئی

A.H.

مختصر فہرست مضامین کتاب تصویر عزا

(بقیہ فہرست طبیل ص۳ پر ملاحظہ ہو)

کردیں تو بہتر ورنہ عمر کو لازم ہے کہ اون پر اور اونکے ہمراہیوں پر حملہ کرکے اونکو قتل کرڈالے اور ایسا کرنے میں عمر کو کچھ پس و پیش ہو تو شمر کو چاہیے کہ اوس کا سر تن سے جدا کرکے خود حسینؑ سے مقابلہ کرے - اس طریق پر یکشنبہ - دوشنبہ - سہ شنبہ - چہارشنبہ - پنجشنبہ و جمعہ یعنی ۴ و ۵ و ۶ و ۷ و ۸ و ۹ محرم کے دن گزرے ۹ کی شام کو عمر نے اپنی افواج کو خیمہ گاہ حسینؑ کے قریب صف بستہ کیا اور خود گھوڑا بڑھا کر حسینؑ کے پاس گیا جو اوس وقت نماز شام سے فراغت کرکے در خیمہ پر کرسی نشین تھے - اور عبیداللہ کے شرائط اون پر ظاہر کیے - حسینؑ نے اوس کے جواب کے واسطے ایک رات کی مہلت مانگی - شب میں آپکی خواہر آپکے بستر استراحت کے قریب گریہ کناں آئیں اور آپکو بیدار کرکے بانالہ و بکا عرض کیا "ہائے اس خاندان کی تباہی و بربادی پر علیؑ و حسنؑ یہ سب تو رحلت کرچکے واویلا اوس تباہی پر جو گزرچکی اور اوس تباہی پر جو آنیوالی ہے" حسینؑ نے فرمایا "خواہر خدا پر نظر رکھو اور انسان مرنے کے واسطے پیدا ہوا ہو یہ افلاک بھی باقی نہ رہیں گے - خدا کی ذات واحد کے سوا جس نے اپنی قدرت کاملہ سے ہر شے خلق کی اور اپنی قدرت سے اونکو فنا کرے گا کچھ باقی نہ رہیگا - میرے پدر عالی مقدار مجھ سے بہتر تھے - میری مادر گرامی اور میرے بھائی حسنؑ مجھ سے بہتر تھے اور وہ اور ہم اور کل مسلمین سب کے واسطے ذات جناب رسالت مآبؐ اعلےٰ مثال تھی"

اب آپ نے ہمراہیوں سے فرمایا کہ عبیداللہ کو میری ذات سے غرض ہے لہذا تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ - لیکن اون لوگوں نے اوسکے جواب میں عرض کیا کہ خدا ہمیں اوس ساعت کے واسطے زندہ نہ رکھے کہ جس میں ہم آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر چلے جاویں - اس پر آپنے حکم دیا کہ سب خیمے ایک دوسرے سے منسلک کردیئے جاویں تاکہ سواران غنیم خیمہ گاہ میں نہ گھس سکیں اور خندق پشت خیمہ گاہ پر کھدواکر اوس میں آگ روشن کرادی تاکہ صرف سامنے کی جانب سے حملہ

ہو سکے۔ بقیہ رات آپ نے تسبیح و تہلیل عجز و الحاح میں بسر کی اور فوج شام خیمہ گاہ کے گرد حصار کئے رہی۔

صبح کو ہر دو جانب سے سامان قتال ہونے لگا حسینؑ نے پہلے غسل کیا اور مشک سے حنوط کیا اور خاص خاص ہمراہیوں نے بھی ایسا ہی کیا اور ایک کے دریافت کرنے پر حسینؑ نے بشاشت سے جواب دیا کہ "ہمارے اور سیاہ چشم حوران بہشت کے درمیان کوئی شے حائل نہیں ہے بجز اسکے کہ یہ فوج ہم پر حملہ آور ہو اور ہم کو قتل کر ڈالے"۔ یہ کہکر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور قرآن سامنے رکھکر درگاہ احدیت میں یوں عرض کیا کہ "باری تعالےٰ! تجھ ہی پر ہر مصیبت میں میری نظر ہے اور رنج میں تجھ ہی سے میری امیدیں وابستہ ہیں"۔ بعد اسکے اس کتاب پاک کے کھلے ہوئے صفحوں پر اپنے ہمراہیوں سے اپنی بیگناہی کا تصفیہ چاہا اس پر آپ کی بہنوں اور بیٹیوں نے بیتاب ہو کر رونا شروع کیا اور یہ دیکھکر حالت رنج و غم میں آپکی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ "خدا ابن عباس کو جزائے خیر دے" یہ اشارہ تھا اس فہمایش کیطرف جو عبد اللہ بن عباس نے عورات کو مکہ میں چھوڑ جانے کے متعلق آپ کو کی تھی۔

اس وقت چند سوار فوج مخالف سے گھوڑے بھگاتے ہوئے حسینؑ کے پاس آئے جنکی نسبت یہ خیال ہوا کہ یہ لوگ لڑنے کی غرض سے آرہے ہیں لیکن یہ حُر اور اسکے ہمراہی تھے جو فوج شام سے نکلکر حسینؑ کے ساتھ شہید ہونے اور انسان اور خدا کے سامنے اپنی توبہ کا ثبوت دینے آئے تھے۔ حُر جب قریب خیمہ گاہ پہونچا تو مڑ کر فوج شام کو کہا کہ "وائے ہو تم پر" اس پر عمر نے نشان کھولدینے کا حکم دیا جب نشان فوج کے سامنے علم ہو چکے تو شمر نے خیمہ گاہ کی طرف ایک تیر چلایا اور کہا کہ شاہد رہنا کہ پہلا تیر میں نے چلایا ہے اسکے بعد جنگ شروع ہو گئی۔ یہ لڑائی فرداً فرداً سلسلہ وار دوپہر تک جاری رہی تا آنکہ جب دونوں طرف لوگ نماز میں مشغول ہوئے حسینؑ نے اس موقع پر علاوہ معمولی نماز کے نماز خوف ادا کی جو انتہائی مجبوری کی حالت میں ادا کیجاتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد پھر لڑائی شروع ہوئی

اور حسینؑ کے سر پر تلوار کا زخم پہونچا خون کے بہ جانے سے کمزور ہو کر آپ اپنے
خیمہ کے قریب بیٹھ گئے اور اپنی گود میں اپنے صغیر السن صاحبزادے کو اوٹھا لیا جو
اوسی وقت تیر سے شہید ہو گئے ۔ یہ متبرک نعش آپ نے زمین پر رکھدی اور رو کر فرمایا انا للہ
وانا الیہ راجعون ۔ بارخدایا ان امتحانات کے تحمل کی قوت مجھ میں عطا فرما ۔ پیاس کی
شدت میں آپ فرات کی طرف دوڑ گئے اور جوں ہی جھک کر پانی پینا چاہا کہ ایک تیر آپکے
منہ پر لگا اس حالت میں بھی کہ خون آپکے ہونٹوں سے جاری تھا۔ آپ نے پھر درگاہ خدا
میں دعا کی ۔ آپکا ایک نہایت حسین بھتیجا آپ سے بغلگیر ہونے کے واسطے پہونچا اور اوسی
مقام پر اوسکے دہ چھوٹے چھوٹے نازک ہاتھ تلوار سے قلم ہو گئے اس پر حسینؑ رو دیئے
اور فرمایا اے معصوم بچے تیری جزا تیرے بزرگوں کے ساتھ اونکے غیر فانی مقام اور برکات
ایزدی میں ہے ۔

اب افواج شام نے بسرکردگی شمر حسینؑ کو ہر چہار سمت سے گھیر لیا لیکن آپ نے اونکی کچھ
پروانہ کرکے اون پر مثل شیر ژیاں حملہ پر حملہ ہر جانب سے شروع کیا ۔ دوران جنگ
میں آپکی بہن آپکے اور آپکے قاتلوں کے درمیان آگئیں اور عمر سے خطاب کیا کہ "وائے
ہو تجھ پر تو کھڑا دیکھ رہا ہے اور حسینؑ قتل ہو رہے ہیں" عمر نے یہ سنکر اپنا منہ پھیر لیا در حالیکہ
آنسو ڈاڑھی سے ٹپک رہے تھے لیکن باوجود اسکے شمر نے اپنی فوج کو دھمکیاں دے کر
اور ملامت کرکے پھر حملہ کر دیا آخر کار ایک شخص نے حسینؑ کے ہاتھ پر زخم شدید پہونچایا
دوسرے نے گردن اور ایک تیسرے نے سینہ پر ایسا نیزہ لگایا کہ پشت کو توڑ کر باہر نکل گیا
جوں ہی آپ زمین پر تشریف لائے ویسے ہی مردود شمر چند سوار اپنے ساتھ لیکر اونکو
آپکی نعش پر سے دوڑائے گیا اور بار بار یوں ہی اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑاتا
رہا یہاں تک کہ اوس مقام پر سوائے خاک آلودہ گوشت اور خون کے ڈھیر کے اور کچھ نظر نہ آتا
تھا۔ اس طرح اپنے بھائی حسنؑ کی شہادت سے بارہ برس بعد حسینؑ بن علیؑ خویش میدان کربلا
میں ۱۰ محرم سنہ ۶۱ ہجری مطابق ۶۸۰ء کو فائز بہ شہادت ہوئے جو ہر سال اول عشرہ محرم میں
منائی جاتی ہے ۔ ہندوستان اور ایران کے شیعوں میں اور اس جوش کے ساتھ جو شیعوں

کے مقابلہ میں اوس زخم کو تازہ کر دیتا ہے جو ابتدا اگر زائد از ایک ہزار سال کا زمانہ ہوا کہ لگایا گیا تھا اور امام حسینؑ کے آخری زمانہ کے ان حالات کا منظر ایسے پیرایہ میں دکھلایا جاتا ہے کہ یہ دردناک واقعہ اپنی اصلی حیثیت میں پیش نظر ہوجاتا ہے۔"

(۱۲) ادکلی نے اپنی تاریخ ہسٹری آف سارا سنس میں (۱۳) سر لیوس پیلے نے ڈرامٹک پلے آف حسینؑ میں (۱۴) ادسیلون نے تاریخ اسلام میں (۱۵) ڈاکٹر اومن نے ایتھیسٹس برہمنس اینڈ محمڈنس آف انڈیا میں (۱۶) کوسن لی بریول نے اپنی کتاب میں (۱۷) ویلاسٹن نے اپنی کتاب میں (۱۸) ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں۔ (۱۹) مکولے نے اپنے لارڈ کلایو پرایسے میں (۲۰) آرتھر گلمن نے دی سارا سنس میں اور اسی طرح بکثرت مورخین نے اپنی اپنی کتابوں میں شہادت امام حسینؑ کو بڑی عظمت سے لکھا ہے۔ میں بیسؔ کتابوں کے نام گنوا چکی اب کہاں تک بکتی رہوں۔ ان انگریزی کتابوں کا نام لینے سے میں گھبراتی ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میں نے انگریزی نہیں پڑھی اردو رسالوں یا کتابوں میں یہ کچھ نام چھپ گئے ہیں انھیں کو میں نے جمع کر لیا تھا۔

مولوی صاحب۔ مگر تمہارا دماغ تو پورا کتب خانہ ہے۔ انگریزی نہیں جانتی ہو اس پر تو بیس کتابوں اور انکے لکھنے والوں کا نام بتادیا۔ اگر پڑھی ہوتیں تو کیا کرتیں۔

حسینی بیگم۔ اچھا ابا موں صاحب کا خط دوگے بھی یا ہضم ہی کر ڈالنے کا ارادہ ہے؟

مولوی صاحب۔ نہیں ہضم کیوں کرنے لگا۔ یہ کہکر خط دے دیا۔

حسینی بیگم نے خط پڑھا تو اسکے آخر میں بہت سے یوروپین مصنفین اور انکی کتابوں کے نام جو شہادت کربلا کے متعلق ہیں انگریزی میں لکھے ہوئے تھے۔

حسینی بیگم۔ تم تو کچھ انگریزی بھی پڑھ لیتے ہو۔ دیکھو اس کاغذ میں کن لوگوں اور کن کتابوں کے نام لکھے ہیں۔

مولوی صاحب۔ (خط لیکر) ہاں اسمیں تو دس آدمیوں کے نام اور انکی کتابیں بھی لکھی ہیں اور یہ سب غالباً سابق بیس مصنفین کے علاوہ ہیں۔

حسینی بیگم۔ لو پھر تو میرے قول کے موافق تیسؔ یورپ کے مورخین کی عبارتیں بھی ملگئیں

مگر افسوس یہ سب انگریزی فرانسیسی اور جرمنی زبانوں میں ہیں جن کو میں سمجھ نہیں سکتی [۱]

[۱] مسٹر ابو الخیر نے اپنے خط میں حسب ذیل کتابوں اور انکے مصنفین کے نام لکھکر بھیجے تھے۔

(1) Studies in Mohammadanism by John J. Pool Page 88 Edition of 1892 Published by Archibald Constable & Co. London. (2) A Traveller's Narrative by E. G. Brown Vol. II Page 297 Edition of 1891 Cambridge University Press. (3) Islam and its Founder by J. W. H. Stobart Page 188, Edition of 1876. (4) Half Hours with Muhammad by A. N. Wollaston Page 298 Edition of 1886 Published by W. H. Allen & Co. London. (5) Mohammad and Mohammadanism by R. Bosworth Smith Page 291 Second Edition of London 1876. (6) The Early Development of Mohammadanism by D. S. Margoliouth Page 56 London Edition of 1914. (7) Islam and the Psychology of the Mussalman by Andre Servier Translated by A. S. Moss Blundell Page 114 London Edition of 1924. (8) The Sword of Islam by A. N. Wollaston Page 119 Edition of 1905. (9) The Miracle Play of Hasan and Husain by Col. Sir Lewis Pelly Voll II Page 81 London Edition of 1879. (10) Lectures on the Religion of the Semites by W. Robertson Smith Page 321 London Edition of 1907.

مولوی صاحب۔ اگر میری تشفی ہوگئی۔ تم نے عربی فارسی انگریزی ہر کتاب سے ثابت کردیا کہ شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ اسلام کا سب سے زیادہ یقینی اور مشہور واقعہ ہے۔ جو شخص اس سے انکار کرے وہ گویا وجود آفتاب کا منکر ہے۔

تئیسواں باب ۲۳

حضرت امام حسین علیہ السلام کو یزید نے قتل کرایا یا نہیں

مولوی عبدالغفار صاحب وعظ کہنے میں روز بروز زیادہ مشہور ہوتے جاتے تھے دور دور کے لوگ بھی ان کو لے جاتے یا طلب کرتے۔ ایک دفعہ شہر کانپور کے مشہور تاجر حاجی محمد عثمان صاحب الہ آباد آئے اور مولوی صاحب سے وعظ کہنے کے لئے کانپور چلنے کو کہا۔ یہ راضی ہوگئے۔ جب اسٹیشن پر پہنچے تو جس ڈبے میں سوار ہوئے اسمیں مسٹر بنرجی ایم۔ اے پروفیسر اور مسٹر محمد عمر وکیل بنارس بھی تھے۔ مسٹر محمد عمر اور حاجی محمد عثمان میں پہلے سے ملاقات تھی۔ گاڑی میں انکے سوار ہوتے ہی وکیل صاحب السلام علیکم کہتے ہوئے بڑھے اور حاجی صاحب سے ہاتھ ملاکر اپنے بغل میں جگہ دیدی جب کچھ دیر تک مزاج پرسی وغیرہ ہوچکی تو وکیل صاحب نے مسٹر بنرجی اور حاجی صاحب میں تعارف کرایا اس طرح چاروں حضرات ایک دوسرے سے دل بہلانے لگے۔ مسٹر بنرجی بنارس میں رہنے کی وجہ سے کچھ اردو بول لیتے تھے اور اسلامی تاریخ سے بھی بالکل بے خبر نہیں تھے۔ جب الہ آباد اسٹیشن سے گاڑی کھل گئی تو اسکے کچھ دیر کے بعد اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مسٹر بنرجی۔ وکیل صاحب! آپ حاجی صاحب کا نام کیا بولا۔

مسٹر محمد عمر۔ حاجی محمد عثمان صاحب۔

مسٹر بنرجی۔ یہ تو آپ لوگ کا خلیفہ لوگ کا نام ہے؟

مسٹر محمد عمر۔ خلیفہ لوگ کا نام نہیں صرف تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام تھا۔ کسی اور خلیفہ کا نام نہیں تھا۔

مسٹر بنرجی۔ ہاں ہاں ٹھیک۔ اور آپ کا پہلا خلیفہ لوگ حضرت ابوبکر اور دوسرا خلیفہ لوگ کا نام حضرت عمر تھا نہ؟

مسٹر محمد عمر۔ ہاں۔

مسٹر بنرجی۔ اور آپ کا چوتھا خلیفہ لوگ کا نام کیا تھا؟

مسٹر محمد عمر۔ حضرت علیؑ۔

مسٹر بنرجی۔ او بابا۔ ہاں ٹھیک۔ آپ ہم کو معاف کرنا ہم بھی جانتا ہے۔ باقی اس وقت خیال نہیں رہا۔ اور پانچواں خلیفہ لوگ کا نام کیا تھا؟

مسٹر محمد عمر۔ معویہ۔

مسٹر بنرجی۔ اور چھٹا خلیفہ لوگ کا نام؟

مسٹر محمد عمر۔ یزید۔

مسٹر بنرجی۔ او۔ ہاں ہاں۔ او ہی نا جو امام حسینؑ کو قتل کیا؟

مسٹر محمد عمر۔ نہیں یہ غلط ہے۔ یزید نے قتل نہیں کیا۔

مسٹر بنرجی۔ آپ لوگ تو یہی بولتا ہے۔

مسٹر محمد عمر۔ کلکتہ یونیورسٹی کے پروفیسر مسٹر صلاح الدین خدابخش نے سنہ ۳۱ء کے اخبار اسٹیٹسمین میں بہت زبردست مضمون لکھکر ثابت کر دیا ہے کہ یہ غلط مشہور ہے یزید نے امام حسینؑ کو قتل نہیں کیا۔

مسٹر بنرجی۔ تو پھر مسلمان لوگ اپنا نام یزید پر کیوں نہیں رکھتا۔ عمر نام رکھتا ہے عثمان نام رکھتا ہے۔ علیؑ نام رکھتا ہے معویہ اور یزید نام کیوں نہیں رکھتا؟

اس سوال کا جواب مسٹر محمد عمر کے ذہن میں نہیں آیا۔ وہ چپ ہو کر رہ گئے۔ اتنے میں مولوی عبد الغفار صاحب بولے۔

مولوی صاحب۔ جناب وکیل صاحب! یہ آپ نے کیا فرمایا؟ یہ کون مسٹر صلاح الدین ہیں اور کب پیدا ہوئے۔ انھوں نے کیسے ثابت کر دیا کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا؟ کیا اسلام کی کل تاریخ اور حدیث کی کتابیں جھوٹی ہو گئیں اور وہ

چشم دید گواہ آج ظاہر ہوئے؟

مسٹر محمد عمر۔ ان باتوں کا جواب میں کیا دوں۔ آپ تو انگریزی نہیں جانتے کہ اصل مضمون پڑھ سکیں مگر ہاں اس کا اردو ترجمہ کلکتہ کے روزانہ اخبار "جمہور" میں چھپا تھا اسے منگا کر ملاحظہ فرمائیے۔

مولوی صاحب۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ غالباً کس تاریخ کے اخبار میں وہ مضمون ملیگا!

مسٹر محمد عمر۔ یہ تو مجھے بھی یاد نہیں مگر ہاں ۱۹۳۱ء میں جو محرم پڑا تھا اسی کی کسی تاریخ میں اسٹیٹسمین نے وہ مضمون شایع کیا تھا اور اسکے چند دنوں بعد اردو ترجمہ چھپا۔

اسکے بعد دوسری باتیں چھڑ گئیں مگر مولوی صاحب کو اُس مضمون کے دیکھنے کی شدید فکر لاحق ہوئی جب کانپور پہونچے تو وہیں سے ایک کارڈ کلکتہ میں اپنے دوست مولوی خلیل الحق صاحب کو لکھا کہ ۱۹۳۱ء میں جو محرم پڑا تھا اسکی کسی تاریخ کو انگریزی اخبار اسٹیٹسمین نے مسٹر صلاح الدین خدابخش کا ایک مضمون شایع کیا تھا کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا۔ اس کا اردو ترجمہ اخبار "جمہور" میں چھپا تھا براہ کرم "جمہور" کا وہ پرچہ کسی طرح حاصل کر کے مجھے الہ آباد کے پتے سے بھجدیجئے بہت ممنون ہوں گا اسکی شدید ضرورت ہے۔"

مولوی صاحب کانپور سے دو روز کے بعد واپس آگئے اور اب برابر اخبار جمہور کا انتظار کرنے لگے۔ کوئی ۱۶ روز کے بعد ڈاک سے انکے پاس اخبار جمہور مورخہ ۸ جون ۱۹۳۱ء پہونچ گیا جسے مولوی خلیل الحق صاحب نے بھیج دیا تھا۔ جلدی سے اسے کھول کر پڑھنے لگے تو "معرکہ کربلا" کی سرخی سے بہت بڑا مضمون تھا۔ ایک دفعہ پڑھ جانیکے بعد اُنھوں نے کچھ دیر تک آنکھیں بند رکھیں۔ پھر دوبارہ اس مضمون کو بہت غور سے پڑھ گئے۔ جب شب کو اخبار لئے ہوئے مکان پہونچے اور حسینی بیگم بھی کھاپی اور گھر کے تمام کاموں سے فارغ ہو کر آگئیں تو اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب۔ میں نے تم سے بیان کیا تھا کہ مسٹر محمد عمر صاحب وکیل نے اخبار جمہور کا پتا دیا تھا آج وہ اخبار آگیا۔ مضمون تو واقعاً بہت زوردار ہے۔ اور مسٹر صلاح الدین

بڑی جرأت سے کام لیکر اصلی بات ظاہر کردی۔

حسینی بیگم۔ ذرہ میں بھی تو دیکھوں۔ یہ کہکر اخبار جمہور کا وہ مضمون پڑھنے لگیں۔ جب پورا مضمون پڑھ گیئیں تو کہا "یہ تو مرزا حیرت کے شاگرد نکلے۔ یہ کون سا بڑا کام ہے۔ کل کوئی پروفیسر صاحب کہہ دینگے کہ حضرت عمر کو ابو لولو نے قتل نہیں کیا بلکہ وہ جنگ روم میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور روم ہی میں دفن کیئے گئے تو کیا تم مان لوگے؟"

مولوی صاحب۔ مگر مسٹر صلاح الدین تو صاف لکھتے ہیں کہ "جو کچھ بھی عمر بن سعد بن ابی وقاص کا اخلاقی جرم اس معاملہ میں رہا ہو لیکن ہم معتبر روایت کے ذریعہ سے یزید کو عزت کے ساتھ اس جرم سے بری کرتے ہیں"۔

حسینی بیگم۔ بس تو فیصلا آسان ہی۔ وہ معتبر روایت کون اور کس کی ہے؟ جسکے ذریعہ سے یزید اس جرم سے بری ہو سکتا ہے"۔

مولوی صاحب۔ یہ تو اس میں نہیں لکھا ہے۔

حسینی بیگم۔ پھر اس کو چانڈو خانہ کی گپ کہی جائے تو کیا خطاب دیا جائے میرا دعوی ہے اور اس دعوی پر میں دنیا بھر سے مقابلہ کر سکتی ہوں کہ جس قدر اسلامی تاریخیں لکھی گئیں کسی ایک میں بھی معتبر کیا غیر معتبر روایت بھی اس مضمون کی نہیں ہے کہ یزید اس جرم سے بری تھا یا بری ہو سکتا ہے۔ اب حسب ذیل تاریخی گواہوں کا بیان سنو۔

(۱) علامہ جمال الدین محدث نے لکھا ہے کہ "یزید از استماع این اخبار درغضب رفتہ نامۂ بولید نوشت مضمونش آں کہ دست درطلب عبد اللہ بن زبیر باز دارد کہ ہر کجا باشد اثر سخط ما باو خواہد رسید و سر حسین بن علیؑ را مصحوب جواب نامہ بفرستد یعنی ان خبروں کے سننے سے یزید غضبناک ہوا اور ولید حاکم مدینہ کو اس مضمون کا حکم لکھا کہ عبد اللہ بن زبیر کی تلاش چھوڑ دو وہ میرے غضب سے کہاں بھاگ سکیں گے۔ اور حسین فرزند علیؑ کا سر جواب خط کے ساتھ روانہ کردو"۔ (روضتہ الاحباب نسخہ قلمی)

(۲) مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب شاگرد رشید مولانا عبد العزیز صاحب دہلوی نے لکھا ہی "دریں شکے نیست کہ یزید پلید آمر و راضی و مستبشر از قتل حسین علیہ السلام بودہ ہمیں ست

مذہب مختار جمہور اہلسنت وجماعۃ چنانچہ در کتب معتمدہ مثل مفتاح النجاۃ مرزا محمد بدخشی ومناقب السادات ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی وشرح عقائد نسفی ملا سعد الدین تفتازانی وتکمیل الایمان شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیر آں از اسفار معتبرہ باشواہد ودلائل مذکورہ مسطور ست یعنی اسمیں تو شک ہی نہیں ہے کہ یزید پلید نے امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا۔ اس فعل پر راضی ہوا اور اس واقعہ سے خوش ہوا۔ جمہور اہلسنت وجماعۃ کا مختار مذہب یہی ہے جیسا کہ معتبر کتابوں میں لکھا ہے مثلاً علامہ مرزا محمد بدخشی کی کتاب مفتاح النجاۃ۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب مناقب السادات۔ علامہ تفتازانی کی شرح عقائد نسفی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تکمیل الایمان وغیرہ بہت سی معتبر کتابوں میں لکھا ہے (تحریر الشہادتین مطبوعہ لکھنؤ ص ۷) پھر لکھتے ہیں "یزید علیہ ما یستحقہ چوں از قتل حسین دل خوش کرد یعنی یزید اس پر وہی (لعنت) نازل ہو جس کا وہ مستحق تھا جب حسین کو قتل کر کے خوش ہو گیا (تحریر الشہادتین ص ۱۰۱) (۳) علامہ شبراوی نے لکھا ہے لاریب ان اللہ سبحانہ قضی علی یزید بالشقاء فقد تجھز لآل البیت الشریف بالاذی فارسل جندہ لقتل الحسین وقتلہ وسبی حریمہ واولادہ وھم اکرم اھل الارض یعنی کوئی شک نہیں کہ یزید پر بدبختی سوار تھی کہ اس نے اہلبیت پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھا دیئے۔ اپنا لشکر امام حسین کے قتل کو بھیجا۔ امام حسین کو تو قتل کیا اور آپ کے اہل وعیال کو جو زمین پر سب سے زیادہ عزت وشرف والے تھے قیدی بنایا (کتاب الاتحاف ص ۱۸) (۴) اور علامہ قسطلانی نے لکھا ہے اللعن علی یزید لما انہ کفر حین امر بقتل الحسین یعنی یزید پر لعن جائز ہے کیونکہ جب اس نے امام حسین کے قتل کا حکم دیا تب ہی کافر ہو گیا۔ والحق ان رضا یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذلک واھانتہ اھل بیت النبی مما تواتر معناہ یعنی حق یہ ہے کہ قتل امام حسین پر یزید کا راضی ہونا اور اس سے بہت خوش ہونا اور اہلبیت نبی صلعم کی اہانت کرنا متواتر واقعات سے ہے (شرح صحیح بخاری جلد ۵ ص ۸۵) (۵) بالکل یہی عبارت علامہ تفتازانی کی شرح عقائد نسفی ص ۱۸۱ میں بھی ہے

(۶) علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے فکتب یزید الی والیہ بالعراق عبید اللہ بن زیاد بقتالہ یعنی پھر یزید نے اپنے حاکم عراق عبید اللہ بن زیاد کو لکھا کہ امام حسینؑ سے قتال کرو۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۰) اور یہ مسلم ہے کہ قتال میں ہر فریق دوسرے کو قتل کرنا چاہتا ہے تو یزید ہی نے ابن زیاد کو حکم دیا کہ امام حسینؑ سے لڑ کر انکو قتل کر دو۔

(۷) علامہ جلیل اور مورخ اعظم مسعودی اپنی بے مثل و نظیر تاریخ میں لکھتے ہیں:-

جب بنی عباس نے بنی امیہ کو تباہ و برباد کر کے اُن سے سلطنت چھین لی ہے تو بنی عباس کے ایک سردار نے خلفاے بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان کی بیٹیوں کو گرفتار کر کے بنی عباس کے خلیفہ سفاح کے چچا صالح بن علی کے پاس بھیجا ہے جب وہ دربار میں داخل ہوئیں تو بڑی لڑکی نے صالح بن علی سے کہا کہ اے خلیفہ وقت کے چچا خدا آپکو سلامت رکھے۔ ہم سب بھی حضور ہی کی بیٹیاں ہیں تو آپ ہم لوگوں پر رحم فرمائیں اور ہمیں آزاد کر دیں صالح بن علی نے جواب دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ میں آج نہ کسی مرد کو زندہ چھوڑوں گا نہ کسی عورت کو۔ کیا تمہارے باپ دادا نے آج سے پہلے میرے بھتیجے ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کو قیدخانہ میں قتل نہیں کیا۔ کیا تمہارے دادا ہشام بن عبد الملک نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے فرزند حضرت زید کو قتل نہیں کیا اور پھر اُنکی لاش کو کوفہ کے محلہ کناسہ میں سولی پر نہیں چڑھا دیا؟ اور پھر اُنکی بیوی کو بھی مقام حیرہ میں نہیں قتل کرا دیا تھا؟ کیا تمہارے دادا ولید بن یزید نے اُنھیں حضرت زید کے صاحبزادے حضرت یحیٰی کو خراسان میں قتل کرا کے سُولی پر نہیں چڑھایا تھا؟ الم یقتل عبید اللہ بن زیاد الدعی مسلم بن عقیل بن ابی طالب بالکوفۃ الم یقتل یزید بن معویۃ الحسین بن علی علی یدی عمر بن سعد مع من قتل بین یدیہ من اھل بیتہ۔ الم یخرج بحرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبایا حتی وردبھم علی یزید بن معویۃ وقبل مقدمھم بعث الیہ براس الحسین ابن علیؑ قد نصب دماغہ علی راس رمح یطاف بہ کور الشام ومدائنھا حتی قدموا بہ علی یزید بدمشق کانما بعث الیہ براس

رجل من اهل الشرک ثم اوقف حرم رسول الله صلی الله علیه وسلم موقف السبی یتصفحهن جنود اهل الشام الجفاۃ الطغام ویطلبون منه ان یهب لهم حرم رسول الله صلی الله علیه وسلم استخفافا بحقه صلی الله علیه وسلم وجرأۃ علی الله عزوجل وکفرا لانعمه یعنی کیا عبید اللہ بن زیاد نے جناب مسلم بن عقیل کو قتل نہیں کیا؟ کیا یزید بن معویہ نے امام حسینؑ کو حضرتؑ کے بکثرت عزیزوں اور ساتھیوں کے ہمراہ قتل نہیں کیا؟ کیا یزید کے حکم سے عمر بن سعد رسولخدا صلعم کے حرم کو قید کر کے یزید کے پاس نہیں لایا اور اُن مخدرات عصمت وطہارت کے لانے کے پہلے حضرت امام حسینؑ کے سر مبارک کو شام کے دیہاتوں اور شہروں میں نہیں پھرایا؟ اس شان سے کہ حضرت کا سر مبارک ایک نیزہ کی نوک پر نصب کرا دیا گیا تھا یہاں تک کہ اسی طرح لوگ اس سر کو یزید کے پاس دمشق میں لائے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کسی مشرک کا سر لایا گیا ہے۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم کے حرم کو اسی طرح قیدی بنا کر وہاں کھڑا کر دیا کہ اہل شام کے بدمعاش شیطان لشکر والے ان مخدرات عصمت وطہارہ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تکتے اور گھورتے تھے اور یزید سے سوال کرتے تھے کہ حرم رسولؐ کی لڑکیاں انکو دیدے تا کہ وہ لونڈی بنائیں۔ یہ سب کارروائی حضرت رسولخدا صلعم کو ذلیل ورسوا کرنے کے لئے اور خدا سے ڈھٹائی اور اسکی نعمتوں سے کفران کر کے انجام دی گئی۔ (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد ۵ صـ ۲۱) دیکھو خود بنی عباس کے خلیفہ سفاح کے چچا صالح بن علی نے مروان کی بیٹیوں سے کہا کہ یزید ہی نے امام حسینؑ کو قتل کرایا اور حرم رسولخدا کو قیدی بنا کر دربدر پھرایا۔ اس سے بھی بڑھکر کوئی گواہی اور ہو سکتی ہے؟ یہ واقعہ سنہ ۱۳۲ ہجری یعنی واقعہ کربلا سے صرف ۷۱ سال کے بعد کا ہے جب اسکے جاننے والے لاکھوں آدمی دنیا میں موجود تھے۔

(۸) یہی علامہ مسعودی دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔ ولما شمل الناس جور یزید وعماله وعمهم ظلمه وما ظهر من فسقه من قتله ابن بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم وانصاره وما ظهر من شرب الخمور وسیرۃ فرعون بل کان فرعون اعدل

منه فی رعیته والنصف منه لخاصته وعامته اخرج اهل المدینة عامله علیهم یعنی جب لوگوں کو یزید اور اسکے عمال کے جور و ستم نے گھیر لیا اور اس کا ظلم عام ہو گیا اور اس کا فسق کھل گیا کہ اُس نے حضرت رسولخدا کے نواسے اور آپ کے انصار کو قتل کر دیا اور اسکی شراب خواری اور فرعونی روش کے واقعات ظاہر ہو گئے۔ بلکہ فرعون تو اپنی رعیت میں بمقابلہ یزید کے کہیں زیادہ عادل اور منصف مزاج تھا۔ تب مدینہ والوں نے یزید کے عامل مدینہ کو اپنے ہاں سے نکال دیا۔ (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ ص ۱۴۸)۔ (۹) یہی علامہ مسعودی پھر لکھتے ہیں:- ولیزید وغیرہ اخبار عجیبة ومثالب کثیرة من شرب الخمر وقتل ابن الرسول ولعن الوصی وھدم البیت واحراقه وسفك الدماء والفسق والفجور وغیر ذلك مما ورد فیه الوعید بالیاس من غفرانه کورودہ فیمن جحد توحیدہ وخالف رسله۔ یعنی یزید وغیرہ کے لئے عجیب خبریں اور بڑی برائیاں ہیں کہ شراب پیتا تھا۔ فرزند رسولؐ کو قتل کر دیا۔ حضرت علیؑ پر لعنت کیا کرتا تھا۔ خانہ کعبہ کو ڈھا دیا اور اسمیں آگ لگا دی۔ لوگوں کے خون بہا دیئے اور دوسرے فسق و فجور اس کثرت سے کیے جسکے متعلق خدا کا یہ وعدہ ہو چکا ہے کہ ان گناہوں کو نہیں بخشیگا۔ جس طرح خدا کا یہی وعدہ اُن لوگوں کے بارے میں بھی ہو چکا ہے جو خدا کی توحید کا انکار کریں اور اسکے رسولوں کی مخالفت کریں (غرض یزید اور کفار سب برابر ہیں) (مروج الذہب جلد ۶ ص ۱۵۲)۔ یہ بھی ملاحظہ ہو کہ مورخ مسعودی کس پایہ کا عالم ہے۔ جناب مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں:- "ابو الحسن مسعودی فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اسکے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ اسکی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی حاجت نہ ہوتی" (الفاروق ص ۸)

(۱۰) علامہ احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری المتوفی سنہ ۲۸۱ ہجری نے لکھا ہے کہ جب یزید کے مرنے پر ابن زیاد عراق سے بھاگا ہے تو اسکے ساتھی نے کہا کہ شائد تم اس بات میں پریشان ہو کہ کیوں امام حسینؑ کو قتل کیا تو ابن زیاد نے جواب دیا اما قتلی الحسینؑ

فانہ خرج علی امام وامۃ مجتمعۃ وکتب الیّ الامام یامرنی بقتلہ فان کان
ذلک خطاء کان لازما لیزید یعنی میں نے جو امام حسینؑ کو قتل کیا تو انھوں نے ایک
بادشاہ (یزید) اور اسکی رعایا پر خروج کیا۔ اور اس بادشاہ (یزید) نے مجھے حکم لکھ
بھیجا کہ امام حسینؑ کو قتل کر دوں۔ اب اگر یہ بات خطا تھی تو اس کا الزام یزید پر ہے
(اخبار الطوال مطبوعہ مصر ص ۲۷۹)۔ (۱۱) علامہ ابن اثیر جزری بھی مذکور بالا
واقعہ کو لکھتے ہیں جبیل بن زیاد نے کہا اما قتلی الحسین فانہ اشار الی یزید
بقتلہ او قتلی فاخترت قتلہ یعنی میں نے امام حسینؑ کو قتل کیا تو اس وجہ سے کہ یزید
نے مجھکو اشارہ کیا کہ حضرتؑ کو قتل کر دوں کیونکہ اگر حضرتؑ کو قتل نہیں کروں گا تو یزید
مجھ ہی کو قتل کر دیگا۔ لہذا میں نے امام حسینؑ ہی کا قتل اختیار کیا (تاریخ کامل مطبوعہ
مصر جلد ۴ ص ۵۵) اس سے معلوم ہوا کہ یزید نے ابن زیاد پر اتنی سختی کی کہ لکھا
اگر تو امام حسینؑ کو قتل نہیں کریگا تو میں تجھ ہی کو قتل کر دوں گا۔

(۱۲) خود یزید نے اپنے اشعار میں اقرار کیا ہے کہ میں نے امام حسینؑ کو قتل کیا وہ سر
امام حسینؑ کو سامنے رکھے ہوئے دانتوں کو چھڑی سے مار رہا تھا اور یہ اشعار پڑھتا
جاتا تھا ؎ لیت اشیاخی ببدر شھدوا ۔ جزع الخزرج من وقع الاسل +
لاھلوا واستھلوا فرحا ۔ ثم قالوا یا یزید لا تشل + قد قتلنا القوم من
ساداتھم ۔ وعدلنا قتل بدر فاعتدل + لست من عتبۃ ان لم انتقم
من بنی احمد ما کان فعل + لعبت ہاشم بالملک فلا ۔ ملک جاء ولا وحی
نزل + یعنی کاش آج میرے وہ بزرگ جو جنگ بدر میں مارے گئے موجود ہوتے
تو خوش ہو کر مجھکو داد دیتے کہ میں نے رسولؐ کے خاندان سے ان کا کیسا اچھا بدلہ لیا
میں نے انکے چنے ہوئے بزرگوں کو قتل کیا اور جنگ بدر کا عوض لیا تو عوض پورا ہو گیا
اگر میں رسولخداؐ کی اولاد سے اس قدر انتقام نہ لیتا تو عتبہ کے خاندان میں شمار ہی نہیں
ہوتا۔ درحقیقت بنو ہاشم نے ملک گیری کے ڈھکوسلے نکالے تھے ورنہ واقعہ تو یہ ہے
کہ انکے پاس نہ کبھی کوئی فرشتہ آیا نہ وحی نازل ہوئی (وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۹۹ الا تحاف

مطبوعہ مصر ۱۳۰۸ھ مفتاح النجاۃ - شہادۃ حسینؑ ص ۵۹ و تاریخ طبری جلد ۱ ص ۲۵۵

(۱۳) حضرت رسول خدا صلعم فرما گئے تھے کہ یزید ہی حسینؑ کو قتل کرے گا - جناب مولوی وحید الزماں خانصاحب حیدر آبادی لکھتے ہیں اَوَّہْ لِفَرَاخِ مُحَمَّدٍ مِنْ خَلِیْفَۃٍ یُسْتَخْلَفُ عِتْرِیْفٍ مُتْرَفٍ یَقْتُلُ خَلَفِیْ وَخَلَفَ الْخَلَفِ ہائے افسوس اوس خلیفہ پر جو حاکم بنایا جائیگا وہ محمدؐ کے بچوں کو قتل کرے گا وہ کم بخت خلیفہ ظالم بدکار خبیث - عیش پسند ہوگا میرے جانشین کو قتل کرے گا - پھر جانشین کے جانشین کو اس حدیث میں صریح معجزہ ہے آنحضرتؐ کا آپ نے یزید مردود و ملعون کی خبر دی کہ وہ پہلے امام حسنؑ کو ہلاک کرائیگا جو آنحضرتؐ کے سچے خلیفہ اور قائم مقام اور امام برحق تھے - پھر اونکے جانشین یعنی امام حسینؑ کو قتل کرائیگا - ایسا ہی ہوا - اس یزید پلید خبیث ناپاک ملعون نے پہلے امام حسنؑ کی بی بی جعدہ کو ملا کر آپ کو زہر دلایا - پھر اوس پر بھی قناعت نہ کی - امام حسینؑ کو مع اولاد اور اعزہ اور رفقاء بڑے ظلم اور سختی سے تشنہ اور پیاسا رکھکر قتل کرایا - لعنت خدا کی ایسے خلیفہ پر (انوار اللغۃ پارہ ۱۰ ص ۱۹)

(۱۴) جب واقعہ کربلا کے بعد ابن زبیر نے لوگوں سے اپنی بیعۃ لینی شروع کی اور جناب عبد اللہ بن عباس نے اسکے ہاتھ پر بیعۃ کرنے سے انکار کر دیا جسکی خبر یزید کو بھی ہوگئی اور اس نے خیال کیا کہ ابن عباس نے انکی بیعۃ اس وجہ سے نہیں کی کہ وہ (ابن عباس) اسی (یزید) کی بیعۃ پر ہیں اور اسی کو خلیفہ جانتے ہیں تو اس نے بڑی خوشی میں ایک خط جناب عبد اللہ بن عباس کو بھیجا ہے جسمیں لکھا اما بعد فقد بلغنی ان الملحد بن الزبیر دعاک الی بیعتہ وانک اعتصمت بیعتنا وفاء منک لنا فجزاک اللہ من ذی رحم خیر ما یجزی المواصلین لارحامہم الموفین بعہودہم فما انسی من الاشیاء فلست بناس برک وتعجیل صلتک بالذی انت لہ اہل - فانظر من طلع علیک من الآفاق ممن سحرہم ابن الزبیر بلسانہ فاعلمہم بحالہ فانہم منک اسمع الناس ولک اطوع منہم للمحل - یعنی اما بعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس ملحد عبد اللہ بن زبیر نے تم سے اپنی بیعۃ کی فرمایش کی

مگر تم اپنی وفاداری کی وجہ سے میری بیعت پر قائم رہے اور اسکی بیعت سے انکار کردیا
صلہ رحم کرنے والوں۔ اپنی قرابۃ کا لحاظ رکھنے والوں۔ اور اپنے عہد پر باقی رہنے
والوں کو خدا جو جزا عطا کرے گا اس سے بھی بہتر جزا تم کو عطا فرمائے کہ تم نے اپنی قرابۃ
کا خوب پاس کیا۔ اب دنیا کی اور باتوں کو میں بھول بھی جاؤں مگر تمہاری اس مہربانی
کے انعام کو تو میں کبھی نہیں بھول سکتا بلکہ تمہارے اس صلہ رحم کا خاطر خواہ اور
تمہاری شان کے لائق بدلہ بہت جلد تم کو دونگا (یعنی تم پر احسان عظیم کروں گا جاگیر،
عہد، حکومت، سب ہی عطا کروں گا) اس وقت دیکھو وہاں دور دور سے جو لوگ
آئیں جن پر ابن زبیر نے اپنی زبان سے جادو کردیا ہو ان سب کو اسکے کچے چٹھے کی خبر
کردو کیونکہ وہ لوگ تمہاری بات سب سے زیادہ سنیں گے اور اس موقع و محل
پر تمہاری ہی اطاعۃ سب سے زیادہ کریں گے۔

اسکے جواب میں جناب عبداللہ بن عباس نے یزید کو یہ خط لکھا:۔ اما بعد فقد
جاءنی کتابک فاماترکی بیعۃ ابن الزبیر فواللہ ما ارجو بذلک برک ولا
حمدک ولکن اللہ بالذی انوی علیم ۔ وزعمت انک لست بناس بری فاحبس
ایھا الانسان برک عنی فانی حابس عنک بری ۔ وسالت ان احبب الناس
الیک وابغضھم واخذ لھم لابن الزبیر فلا ولا سرورا ولا کرامۃ کیف
وقد قتلت حسینا وفتیان عبدالمطلب مصابیح الھدی ونجوم الاعلام
غادرتھم خیولک بامرک فی صعید واحد مرملین بالدماء مسلوبین
بالعراء مقتولین بالظماء لا مکفنین ولا مسودین ۔ تسفی علیھم الریاح
وینشی بھم عرج البطاح حتی اتاح اللہ بقوم لم یشرکوا فی دمائھم
کفنوھم واجنوھم وبی وبھم لو عززت وجلست مجلسک الذی
جلست فما انسی من الاشیاء فلست بناس اطرادک حسینا من
حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی حرم اللہ وتسییرک الخیول
الیہ فما زلت بذلک حتی اشخصتہ الی العراق فخرج خائفا یترقب فنزلت

به خیلك عداوة منك لله ولرسوله ولاهل بيته الذين اذهب الله عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا فطلب اليكم الموادعة وسالكم الرجعة فاغتنمتم قلة انصاره واستيصال اهل بيته وتعاونتم عليه كانكم قتلتم اهل بيت من الترك والكفر فلا شئ اعجب عندي من طلبتك ودى وقد قتلت ولد ابى وسيفك يقطر من دمى وانت احد ثارى ولا يعجبك ان ظفرت بنا اليوم فلنظفرن بك يوما والسلام

یعنی امابعد واضح ہو کہ مجھے تیرا خط ملا۔ میں نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت سے جو انکار کیا تو خدا کی قسم اس وجہ سے نہیں کہ اس ذریعہ سے تیری مہربانی اور انعام کی امید رکھوں یا تو میرا شکریہ ادا کرے بلکہ اس سے جو میری غرض ہے اُسکو خدا ہی خوب جانتا ہے۔ تو نے مجھے لکھا ہے کہ "تمہاری اس مہربانی کے انعام کو تو میں کبھی نہیں بھول سکتا"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اے مردک تو اپنے انعام سے مجھے معاف رکھ میں خود بھی اپنی مہربانی تجھ سے روکے رہوں گا۔ تو نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں لوگوں کو تیرا دوست اور ابن زبیر کا دشمن بنا دوں اور انکو ابن زبیر سے الگ کردوں کہ پھر وہ ان کا ساتھ نہ دیں۔ مگر یہ نہیں ہونے کا ہے۔ نہ اسکو میں پسند کرتا ہوں۔ نہ یہ شریفوں کا کام ہے۔ اور تو کس عقل سے مجھ سے ان باتوں کی امید رکھتا ہے۔ حالانکہ تو ہی نے امام حسین علیہ السلام اور خاندان بنی ہاشم کے جوانوں کو قتل کر ڈالا جو ہدایت کے روشن چراغ اور ارکان دین و ایمان کے چمکتے ہوئے ستارے تھے۔ تیرے ہی حکم سے تیری فوج نے ان سب کو ایک ہی زمین پر ذبح کر کے چھوڑ دیا کہ وہ سب اپنے خون میں لتھڑے ہوئے پڑے رہے۔ پھر ان کے سب لباس بھی لٹوائے اور انکی برہنہ لاشیں اسی طرح چٹیل میدان میں چھڑوا دیں۔ ہائے وہ حضرات پیاسے ہی مار ڈالے گئے اور پھر نہ ان کو کفن دیا گیا نہ دفن کیا گیا۔ میدان کی گرم ہوائیں ان کے بدن کو جھلساتی رہیں اور پتھریلی زمین کے موڑ ان پر گرد و غبار کے جھونکے چلاتے رہے

یہاں تک کہ خدا نے ایک ایسی قوم کو مقرر کر دیا جو ان حضرات کی خونریزی میں شریک نہیں ہوئی تھی اُنھوں نے انکو کفن پہنا کر دفن کر دیا۔ میں اپنی اور ان بزرگوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میرا بس چلے اور کسی طرح تیرے تخت پر بیٹھنے کا موقع مجھکو مل جائے تو دنیا کی اور باتوں کو میں بھول بھی جاؤں مگر تیرے اس ظلم کو کبھی نہیں بھول سکتا کہ تو نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو حضرت رسول خدا صلعم کے روضہ سے آوارہ وطن کیا اور وہاں سے نکال کر خانہ کعبہ میں پہونچایا۔ پھر برابر تو اپنے سواروں کو اونکی طرف بھیجتا گیا اور اونکے پیچھے پڑا رہا۔ یہاں تک کہ اونکو مکہ معظمہ سے بھی چھڑا کر عراق کی طرف روانہ کر دیا۔ حضرتؑ خانہ کعبہ سے ڈرتے ڈرتے جدا ہوئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تیرے دل میں خدا اور رسولؐ اور حضرتؑ کے اُن اہلبیتؑ کی جن سے خدا نے ہر برائی کو دور رکھا ہے اور جنکو اس طرح پاکیزہ کر دیا ہے جس سے زیادہ پاکیزگی ہو نہیں سکتی۔ جو دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اوسکی وجہ سے حضرتؑ پر تیری وہ فوجیں ٹوٹ پڑیں۔ لیکن اب بھی حضرتؑ تم لوگوں سے صلح و آشتی ہی سے پیش آتے رہے اور اپنے امکان بھر تم لوگوں کو جنگ و خونریزی سے بچانا ہی چاہا مگر تم لوگوں نے حضرت کے انصار کی تعداد کی کمی سے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حضرتؑ کو آپ کے اہلبیتؑ کے ساتھ مٹا کر ہی چھوڑا اور اس طرح سے اُن حضرات کے درپے ہو گئے کہ معلوم ہوتا تھا تم لوگوں نے اُن حضرات کو ترک اور دوسری کافر قومیں سمجھ لی تھیں۔ ایسی حالت میں میرے لئے اس سے زیادہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہو سکتی کہ یہ سب کرنے کے بعد بھی تو میری دوستی کا خواہاں ہے درصورتیکہ تو ہی نے میرے خاندان والوں کا خاتمہ کر دیا اور ابھی تک تیری تلوار سے ہم لوگوں کا خون ٹپک رہا ہے۔ یاد رکھ میں تو اس فکر میں ہوں کہ موقع ملے تو تیرا خون بھی پی ڈالوں یہ بھی سمجھ رکھ کہ اگر آج تو ہم لوگوں پر غالب آگیا تو اس پر مغرور نہ ہو۔ کیونکہ انشاء اللہ دوسرے روز (قیامت) میں ہم ہی لوگ تجھ پر غالب آئیں گے (تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۵۰)۔

اس زمانہ میں یزید کے جو بعض طرفدار کہنے لگے ہیں کہ یزید نے امام حسینؑ کو قتل نہیں کیا بلکہ ابن زیاد نے اپنی خودرائی سے قتل کیا وہ حضرات آنکھ کھول کر دیکھیں کہ یزید کا امام حسینؑ کو قتل کرنا ایسا بدیہی واقعہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس ایسے صحابی نے ابن زیاد کا نام تک نہیں لیا اور پورا الزام یزید کو دیا کہ تم ہی نے حضرت امام حسینؑ کو مدینہ سے نکالا۔ مکہ معظمہ سے ہٹایا اور اپنی فوجیں بھیجکر حضرت کو قتل کیا اور اسکی وجہ بھی ظاہر کردی کہ یزید کے دل میں خدا و رسولؐ اور اہلبیتؑ کی جو عداوۃ مدۃ دراز سے بھری تھی اسی سبب سے اُس نے ایسا کیا۔

(۱۵) خاندان بنی عباس کے مشہور خلیفہ معتضد باللہ نے بھی یزید ہی کو حضرت کا قاتل کہا ہے چنانچہ لکھا من اغلظ ما انتھک و اعظم ما اخترم سفکہ دم الحسین بن علیؑ و ابن فاطمۃ بنت رسول اللہ۔۔ فکانما یقتل بہ و باھل بیتہ قوما من کفار اھل الترک والدیلم یعنی پھر یزید نے سب سے زیادہ اسلام سوز اور دین کش ظلم یہ کیا کہ حضرت رسولخداؐ کے فرزند اور حضرت فاطمہؑ کے پارہ جگر امام حسینؑ کو شہید کیا۔ وہ اس بے دردی سے ان لوگوں کو قتل کرتا رہا کہ معلوم ہوتا تھا وہ کسی مسلمان کو نہیں بلکہ ترک و دیلم کے کفار کو قتل کر رہا ہے (تاریخ طبری جلد ۱۱ صفحہ ۳۵۸)

مولوی صاحب ۔ یہ تو بالکل یقینی گواہی ہے کہ اتنے بڑے خلیفہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل صاف صاف یزید ہی کو لکھا۔ اور پھر تاریخ طبری میں یہ واقعہ موجود ہے جو اسلامی تاریخ کی سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے۔

حسینی بیگم ۔ نہیں خاندان بنی امیہ کے خلیفہ بلکہ خود یزید کے بیٹے کی گواہی بھی سنو

(۱۶) جناب مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب شاگرد حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ جب یزید کا بیٹا معویہ خلیفہ ہوا تو اس نے خطبہ میں کہا جد من معویہ از راہ خلاف باعلیؑ مرتضیٰ کہ احق و الیق بخلافت بود نزاع و جدال کرد بعد او پدرم کہ ہیچ گونہ اہلبیت و استحقاق نداشت بر تخت سلطنت نشست و برائے استحکام حکومت خود ہم چو حسینؑ بن علیؑ فرزند رسولؐ را کشت یعنی میرا دادا معویہ حضرت

علیؑ سے جو خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق تھے لڑتا رہا اُسکے بعد میرا باپ جو کسی قسم کی قابلیت نہیں رکھتا تھا تخت سلطنت پر بیٹھا اور اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لیے حضرت حسینؑ بن علیؑ کو قتل کر ڈالا۔ (۱۷) علامہ ابن حجر مکی نے بھی لکھا ہے کہ یزید کے بیٹے معویہ نے کہا ان جدی معوية نازع الامر اهله ومن هو احق به منه علی بن ابیطالب ورکب بکم ما تعلمون حتی اتته منیته فصار فی قبره رهینا بذنوبه ثم تقلد ابی الامر وکان غیر اهله ونازع ابن بنت رسول اللهؐ وقد قتل عترة رسول اللهؐ یعنی میرے دادا معویہ نے خلافت کے بارے میں حضرت علیؑ سے جنگ کی جو اُس سے کہیں زیادہ خلافت کے اہل و مستحق تھے اور تم لوگوں کو اُس نے جس قدر گنہگار کیا خوب جانتے ہو جب وہ مرگیا اور اپنے گناہوں میں گرفتار ہو کر قبر کے قیدخانہ میں پہونچ گیا تو امر خلافت کا طوق میرے باپ (یزید) کی گردن میں ڈال گیا جو بالکل نااہل تھا۔ اس نے فرزند رسولؐ سے اس بارے میں جنگ کی ... اور آخر عترت رسولؐ کو قتل کر کے رہا۔ (صواعق محرقہ ص ۱۳۴) اور سب سے زیادہ قابل غور اسکے خطبہ کی وہ عبارت ہے جو علامہ دمیری نے اپنی کتاب حیوۃ الحیوان میں لکھی ہے مگر وہ کچھ طولانی ہے اس وجہ سے ترک کرتی ہوں۔

مولوی صاحب۔ نہیں نہیں اسکو بھی ضرور سنا دو۔

حسینی بیگم۔ (۱۸) علامہ دمیری نے لکھا ہے:۔ ثم قام بالامر بعده ابنه معوية وكان خيرا من ابيه فيه دين وعقل بويع له بالخلافة يوم موت ابيه ۶۴ھ فاقام فيها اربعين يوما وقيل اقام فيها خمسة اشهر واياما وخلع نفسه وذكر غير واحد ان معوية بن يزيد لما خلع نفسه صعد المنبر فجلس طويلا ثم حمد الله واثنى عليه بابلغ ما يكون من الحمد والثناء ثم ذكر النبیؐ باحسن ما يذكر به ثم قال ايها الناس ما انا بالراغب فی الائتمار عليكم لعظيم ما اكرهه منكم وانی لاعلم انكم تكرهوننا ايضا لانا بلينا بكم وبليتم بنا الا ان جدی معوية رضی قد نازع فی هذا الامر من كان اولی به منه ومن غيره لقرابته من رسول اللهؐ

خطبۂ معاویہؓ بن یزید

وعظم فضله وسابقته - اعظم المهاجرين قدرا - واشجعهم قلبا - واكثرهم
علما واولهم ايمانا واشرفهم منزلة - واقدمهم صحبة - ابن عم رسول
الله صلعم وصهره واخوه - زوجه ابنته فاطمة وجعله لها بعلا باختياره لها
وجعلها له زوجة باختيارها له - ابو سبطيه سيدی شباب اهل الجنة - وافضل
هذه الامة تربية الرسول وابنی فاطمة البتول - من الشجرة الطيبة الطاهرة
الزكية - فركب جدی معه ما تعلمون وركبتم معه مالا تجهلون حتى انتظمت
لجدی الامور - فلما جاءه القدر المحتوم - واخترمته ايدی المنون بقی مرتهنا
بعمله - فريدا فی قبره - ووجد ما قدمت يداه - ورای ما ارتكبه واعتداه - ثم
انتقلت الخلافة الی يزيد ابی - فتقلد امركم لهوی كان ابوه فيه - ولقد كان ابی
يزيد بسوء فعله واسرافه على نفسه غير خليق بالخلافة على امة محمد صلعم - فركب هواه
واستحسن خطاه - واقدم على ما اقدم من جرأته على الله وبغيه على من استحل
حرمته من اولاد رسول الله صلعم - فقلت مدته وانقطع اثره وضاجع عمله وصار
حليف حفرته - رهين خطيئته - وبقيت اوزاره وتبعاته - وحصل على
ما قدم وندم حيث لا ينفعه الندم وشغلنا الحزن له عن الحزن عليه - فليت
شعری ماذا قال وماذا قيل له - هل عوقب باساءته وجوزی بعمله - وذلك
ظنی - ثم اختنقته العبرة فبكى طويلا وعلا نحيبه - ثم قال وصرت انا ثالث
القوم والساخط علی اكثر من الراضی وما كنت لاتحمل آثامكم ولا يرانی الله
جلت قدرته متقلدا اوزاركم والقاه بتبعاتكم فشأنكم امركم فخذوه
ومن رضيتم به عليكم فولوه فلقد خلعت بيعتی من اعناقكم والسلام فقال له
مروان بن الحكم وكان تحت المنبر اسنة عمرية يا ابا ليلى - فقال اغد عنی اعن
دينی تخدعنی فوالله ما ذقت حلاوة خلافتكم واتجرع مرارتها ائتنی برجال مثل
رجال عمر رض على انه ما كان من حين جعلها شوری وصرفها عمن لا يشك فی عدالته
ظلوما - والله لئن كانت الخلافة مغنما لقد نال ابی منها مغرما ومأثما ولئن كانت

سوء حسبه منها ما اصابه - ثم نزل فدخل علیه اقاربه وامه فوجدوه
یبکی - فقالت له امه لیتك کنت حیضة ولم اسمع بخبرك - فقال وددت والله
ذلك - ثم قال ویلی ان لم یرحمنی ربی - ثم ان بنی امیة قالوا للمؤدبه عمرا المقصوص
انت علمته هذا و لقنته ایاه وصددته عن الخلافة وزینت له حب علی و اولاده
وحملته علی ما وسمناه به من الظلم وحسنت له البدع حتی نطق بما نطق وقال ما
قال فقال والله ما فعلته ولکنه مجبول ومطبوع علی حب علی فلم یقبلوا منه
ذلك واخذوه ودفنوه حیا حتی مات ۔ یہی مضمون تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۳۲ وغیرہ
میں بھی ہے - میں چاہتی ہوں اس کا ترجمہ بھی کردوں -

مولوی صاحب - نہیں ترجمہ کی کیا ضرورت ہے سب سمجھ گیا -

حسینی بیگم - یہ تو ٹھیک ہے کہ تم سب سمجھ گئے اور تم کو ترجمہ کی کیا ضرورت ہو سکتی
ہے - لیکن پہلے بھی جن عبارتوں کا میں نے ترجمہ پڑھا اور اب بھی جو ترجمہ پڑھنا چاہتی
ہوں اسکی غرض ہے کہ مجھے اس پر اطمینان نہیں ہوتا کہ جو مطلب میں سمجھی ہوں وہی صحیح ہے
اس سبب سے تم کو سنا دیتی ہوں کہ جو غلطی ہو گی اس کو درست کردو گے -

مولوی صاحب - ہاں اس خیال سے ترجمہ کر سکتی ہو - اچھا بتاؤ -

حسینی بیگم - یزید کا بیٹا معویہ جو اپنے باپ سے کہیں بہتر تھا کیونکہ اسمیں دین کی پابندی
اور عقل بھی تھی اپنے باپ کے بعد خلیفہ بنایا اور تخت سلطنت پر بٹھایا گیا اور جس روز یزید
مرا اُسی دن لوگوں نے اسکو خلیفہ مان کر اسکی بیعۃ کی - اس نے چالیس روز اور بعض
قول کے مطابق پانچ مہینہ چند دن خلافت کی اُس کے بعد خود اپنے کو خلافۃ سے علیحدہ
کر دیا اور بہت سے لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ معویہ بن یزید نے جب اپنے کو خلافۃ سے
الگ کر لیا تو منبر پر چڑھا اور وہاں دیر تک خاموش بیٹھا رہا - پھر اس طرح خطبہ
شروع کیا کہ خدا کی حمد و ثنا بہترین عنوان سے کی اور حضرت رسول خدا صلعم کا ذکر بہت خوبی
سے کیا - اسکے بعد کہا لوگو! مجھے تم لوگوں پر حکومت کرنے کی خواہش نہیں ہے کیونکہ میں
تم لوگوں کی جس بات (گمراہی اور بے ایمانی) کو ناپسند کرتا ہوں وہ معمولی درجہ کی نہیں -

(۲ تجوۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۵۵)

بلکہ بہت بڑی ہے - اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگ بھی مجھکو ناپسند کرتے ہو - اسلئے کہ میں تم لوگوں کی خلافۃ کی وجہ سے بڑے عذاب میں گرفتار رہوں اور تم لوگ میری حکومت کے سبب سے گمراہی کی سخت مصیبت میں پڑے ہو - سُن لو کہ میرے دادا معویہ رضؓ نے اس خلافۃ کے لئے اس بزرگ سے جنگ و جدال کی جو اس خلافت کے لئے اس سے کہیں زیادہ سزاوار اور مستحق تھے اور وہ حضرت (علیؓ خلافۃ کے لئے) صرف معویہ ہی سے نہیں بلکہ دوسرے لوگوں سے بھی بہت بہتر تھے - اس سبب سے کہ حضرتؑ کو حضرت رسولخدا صلعم سے قرابۃ قریبہ بھی - آپکے فضائل بہت تھے - خدا کے ہاں آپکو سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا - آپ تمام صحابہ مہاجرین سے زیادہ عظیم القدر سب سے زیادہ بہادر سب سے زیادہ صاحب علم - سب سے پہلے ایمان لانے والے - سب سے اعلےٰ اور اشرف درجہ رکھنے والے اور سب سے پہلے حضرت رسولخدا صلعم کی صحبۃ کا فخر حاصل کرنے والے تھے - علاوہ ان فضائل و مناقب کے آپ جناب رسالت مآب صلعم کے چچازاد بھائی - حضرت کے داماد اور حضرتؐ کے دینی برادر تھے - آپکا یہ درجہ تھا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ کی شادی آپ ہی سے کی کہ حضرتؐ نے آپ ہی کو اپنی پسند سے اُنکا شوہر کیا اور اپنی بیٹی فاطمہؑ کو اپنی پسند سے آپکی بیوی بنادی - حضرت رسولخدا صلعم کے دونوں نواسے (حسنؑ و حسینؑ) جو جوانان اہل بہشت کے سردار اور اس امت میں سب سے افضل اور پروردہ رسولؐ اور فاطمہؑ بتول کے دو لال یعنی پاک و پاکیزہ درخت (رسالت) کے پھول تھے ان کے پدر بزرگوار آپ ہی تھے - ایسے بزرگ سے میرا دادا جس طرح سرکشی پر آمادہ ہوا اسکو تم لوگ خوب جانتے ہو اور میرے دادا کی وجہ سے تم لوگ جس گمراہی میں پڑے اس سے بھی تم بے خبر نہیں ہو - یہاں تک کہ میرے دادا کو کامیابی ہوئی اور اسکی دنیا کے سب کام بن گئے - مگر جب اسکی اجل معلوم پہونچ گئی اور موت کے پنجوں نے اس کو اپنے شکنجے میں کس لیا تو وہ اپنے اعمال میں اس طرح گرفتار ہو کر رہ گیا کہ اپنی قبر میں اکیلا پڑا ہے اور جو ظلم کر چکا تھا ان سب کو اب اپنے سامنے پاتا اور جو شیطنت اور رعونیت اس نے کی تھی ان سب کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے - پھر یہ خلافۃ میرے باپ یزید

کے سپرد ہوئی تو جس گمراہی میں میرا دادا تھا اسی گمراہی میں پڑ کر میرا باپ بھی خلیفہ بن بیٹھا اور تم لوگوں کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی ۔ حالانکہ میرا باپ یزید بھی اپنی اسلام سوز حرکتوں اور اپنی روسیاہیوں کی وجہ سے کسی طرح اس کا اہل نہیں تھا کہ حضرت رسولخدا صلعم کی امت کا خلیفہ اور ان کا سردار بن سکے ۔ مگر وہ اپنی نفس پرستی کی وجہ سے اس گمراہی پر آمادہ ہوگیا اور اپنے غلط کاموں کو اچھا سمجھا جسکے بعد اس نے دنیا میں جو جو اندھیر کیا اس سے زمانہ واقف ہے کہ اللہ سے مقابلہ اور سرکشی کرنے پر آمادہ ہوگیا اور حضرت رسولخدا صلعم سے اتنی بغاوت کی کہ حضرتؐ کی اولاد کا خون بہانے پر کمر باندھ لی ۔ مگر اس کی مدت کم رہی اور اس کا ظلم ختم ہوگیا ۔ وہ اپنے اعمال کے مزے چکھ رہا ہے اور اپنے (قبر کے) گڑھے سے لپٹا ہوا اور اپنے گناہوں کی بلاؤں میں پھنسا ہوا پڑا ہے ۔ البتہ اسکی سفاکیوں کے نتیجے جاری ہیں اور اسکی خونریزیوں کے علامات باقی ہیں ۔ اب وہ وہاں پہونچ گیا جہاں اپنے کرتوتوں کا ذخیرہ مہیا کیا تھا اور اپنے کئے پر نادم ہو رہا ہے ۔ مگر کب؟ جب کسی ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہے ۔ وہ اس عذاب میں پڑ گیا کہ ہم لوگ اسکی موت کو بھول گئے اور اسکی جدائی پر ہمیں افسوس نہیں ہوتا بلکہ اس کا غم ہے کہ اب وہ کس آفت میں گرفتار ہے ۔ ہائے کاش مجھے معلوم ہوجاتا کہ وہاں اس نے اپنے ظلموں کا کیا عذر بیان کیا اور پھر اس سے کیا کہا گیا کیا وہ اپنے گناہوں کے عذاب میں ڈال دیا گیا اور اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہے ۔ میرا گمان تو یہی ہے ۔ اسکے بعد گریہ اسکے گلوگیر ہوگیا اور وہ دیر تک روتا اور زور زور سے چیختا رہا ۔ پھر بولا اب میں اپنے ظالم گھر کا تیسرا خلیفہ بنایا گیا حالانکہ جو لوگ مجھ پر (میرے دادا باپ کے ظلموں کی وجہ سے) غضبناک ہیں انکی تعداد ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جو مجھ سے راضی ہیں ۔ بھائیو! میں تم لوگوں کے گناہوں کا بوجھ اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا اور خدا وہ دن بھی مجھے نہ دکھائے کہ میں تمہاری گمراہیوں کا طوق پہنے ہوئے اور تمہاری برائیوں کے بار سے دبا ہوا اسکی درگاہ میں پہونچوں ۔ اب تم لوگوں کو اپنی حکومت کے بارے میں اختیار ہے مجھ سے لے لو اور جسکو پسند کرو اسکو اپنا بادشاہ بنالو کہ میں نے تم لوگوں کی گردنوں سے اپنی بیعت اُٹھالی والسلام ۔ جس منبر پر معویہ بن یزید یہ خطبہ بیان کرتا تھا اسکے نیچے

مروان بن حکم بھی موجود تھا خطبہ ختم ہونے پر وہ بولا۔ کیوں ابولیلی (معویہ کی کنیت تھی) کیا حضرت عمر کی سنت جاری کرنے کا ارادہ ہے (کہ جس طرح انھوں نے اپنے بعد خلافۃ شوری کے حوالہ کردی تھی تم بھی خلافۃ کو شوریٰ کے سپرد کردیتے ہو)۔ اس پر معویہ بولا آپ میرے پاس سے تشریف لیجائیں۔ کیا آپ مجھے بھی میرے دین میں دھوکا دینا چاہتے ہیں؟ خدا کی قسم میں نے تم لوگوں کی خلافۃ کا کوئی مزا نہیں پایا۔ البتہ اسکی تلخیاں برابر چکھ رہا ہوں (عمر کے شورے کی جو مثال تم نے ذکر کی تو) جیسے لوگ عمر کے زمانہ میں تھے ویسے لوگوں کو میرے پاس بھی لاؤ۔ علاوہ بریں کیا جس تاریخ سے کہ انھوں نے اس خلافۃ کو شوریٰ کے سپرد کیا اور جس بزرگ کی عدالت میں کسی قسم کا شک و شبہ کسی کو ہو ہی نہیں سکتا تھا ان سے (یعنی حضرت علی سے) اس کو ہٹا دیا۔ اس وقت سے وہ (حضرت عمر) بھی ظالم نہیں سمجھے گئے؟ خدا کی قسم اگر خلافۃ کوئی نفع کی چیز ہے تو میرے باپ نے اس سے نقصان ہی اُٹھایا اور گناہ ہی کا ذخیرہ مہیا کیا۔ اور اگر خلافۃ کوئی بری چیز ہے تو میرے باپ کو اس سے جس قدر برائی پہونچی وہی کافی ہے۔ یہ کہکر منبر سے اُتر آیا۔ پھر اسکی ماں اور رشتہ دار اسکے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ رو رہا ہے۔ اس کی ماں نے کہا کاش تو حیض ہی میں ختم ہوگیا ہوتا اور میں نے تیرے پیدا ہونے کی خبر بھی نہیں سُنی ہوتی معویہ بولا خدا کی قسم میں بھی یہی تمنا کرتا ہوں۔ پھر کہا اگر میرے رب نے مجھ پر رحم نہیں کیا تو میری نجات کسی طرح نہیں ہو سکتی ہے۔ اسکے بعد بنی امیہ اسکے استاد عمر مقصوص سے کہنے لگے کہ تو ہی نے معویہ کو یہ باتیں سکھائی ہیں اور اسکو خلافۃ سے الگ کیا اور علیؑ اور انکی اولاد کی محبت اسکے دل میں ڈالی ہے۔ غرض اس نے ہم لوگوں کے جو مظالم بیان کئے اس کا باعث تو ہی ہے اور تو ہی نے ان بدعتوں کو اسکی نظر میں پسندیدہ قرار دیا ہے جس پر اس نے یہ خطبہ بیان کیا اور کہا جو کہا۔ عمر مقصوص نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مجھ سے اسکو کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ معویہ فطرۃً ہی حضرت علیؑ کی محبت پر پیدا ہوا ہے مگر ان لوگوں نے اس کا کوئی عذر نہیں سُنا اور اسکو زندہ دفن کردیا جس سے وہ مرگیا۔

مولوی صاحب - ہاں مطلب یہی ہے۔ اگرچہ ایک زبان کی عبارت کا ترجمہ دوسری زبان میں کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ کل باتیں آ نہیں سکتیں۔ مگر تم نے تو مسٹر صلاح الدین خدا بخش

کے مضمون کی دھجیاں اُڑا دیں۔ کس کس کتاب سے نکال کر دکھا دیا کہ یزید ہی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور وہی حضرت کا قاتل ہے۔

حسینی بیگم ۔ نہیں ابھی تو سیکڑوں کتابوں کی عبارتیں باقی ہیں۔

چوبیسواں باب ۲۴

کیا قاتلان امام حسینؑ شیعہ تھے؟

مولوی صاحب ۔ اور یہ بھی تم نے سُنا ہے کہ مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم پاٹا نالہ لکھنؤ نے دعویٰ کیا ہے کہ قاتلان حضرت حسین رضی اللہ عنہ سُنی نہیں بلکہ شیعہ تھے۔

حسینی بیگم ۔ ہاں میں نے بھی سُنا ہے وہ بہت دنوں تک مرزا حیرت صاحب سے پڑھتے تھے یا اور کوئی کام کرتے تھے مگر دونوں نکلے ایک ہی فیشن کے کہ مرزا حیرت صاحب نے یہ دعویٰ کر دیا کہ امام حسینؑ شہید ہی نہیں ہوئے اور مولوی عبدالشکور صاحب نے یہ دعویٰ کر دیا کہ امام حسینؑ شہید ہوئے مگر دشمنوں کے ہاتھ سے نہیں بلکہ شیعوں کے ہاتھ سے۔ اب کل کوئی صاحب پیدا ہونگے جو دعویٰ کرینگے کہ امام حسینؑ دنیا میں آئے ہی نہیں اور اس نام کے کوئی بزرگ دنیا میں یا اسلام میں ہوئے ہی نہیں تم ہی بتاؤ کہ آج کوئی شخص کہدے کہ حضرت رسولخدا صلعم کو مکہ معظمہ سے کفار نے نہیں بلکہ مسلمانوں نے نکالا یا جنگ احد میں حضرت رسولخدا کا دانت کفار نے نہیں بلکہ مسلمانوں نے توڑا۔ یا حضرت حمزہ کو کافروں نے نہیں بلکہ مسلمانوں نے شہید کیا تو کوئی ایسا لکھنے والوں کا قلم پکڑے گا یا اسکی دوات کو توڑ دیگا یا اسکے کاغذ کو پھاڑ سکتا ہے؟ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی دعویٰ کر بیٹھے کہ حضرت عیسےٰ زندہ نہیں بلکہ مر چکے ہیں تو کسی نے کیا بنا لیا؟ خدا ہی سے لوگ انکار کر جاتے ہیں تم کوئی کیا کر لیتا ہے؟ اور سنو مرزا حیرت صاحب اور مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنوی کی طرح ضلع گیا (صوبہ بہار) میں ایک صاحب حمد یحییٰ خاں صاحب ہوئے ہیں انھوں نے تو عین اللہ (یعنی وہی خدا ہیں) ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنی کتاب بھی چھپوا دی ہے جس کا نام رکھا ہے فرمان۔ مولوی عبدالشکور صاحب اور انکے مذاق والوں کو چاہئے کہ یہ کتاب

ضرور دیکھیں۔ اس کتاب کے پہلے صفحہ کی عبارت "سنو لا الہ الا اللہ یحییٰ عین اللہ فرمان۔ احباب اعلیٰ حضرت احدیت مآب فرماں روا سید محمد یحییٰ خاں یحییٰ دوران نائب اللہ علی العالمین۔ دی لینڈ لارڈ آف موضع۔ یحییٰ پرگنہ اردل ضلع گیا صوبہ بہار نے بحکم جناب حضرت رب العالمین جل جلالہ وعم نوالہ سنٹرل پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوایا۔"
اور پھر پوری کتاب میں جو ۲۴ صفحہ کی ہے اسی کو ثابت کیا ہے کہ وہ خود ہی خدا ہیں۔ پس جب ہر شخص کو قلم کی آزادی ہے اور جو چاہتا ہے دعویٰ کر بیٹھتا ہے اور اس پر پوری کتاب لکھ ڈالتا ہے تو مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم کے اس دعویٰ پر کہ قاتلان امام حسینؑ شیعہ تھے کیا تعجب ہو سکتا ہے۔

مولوی صاحب۔ مگر مولوی عبدالشکور صاحب کی دلیل تو بڑی زبردست ہے۔

حسینی بیگم۔ ذرہ میں بھی تو سنوں۔

مولوی صاحب۔ وہ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کے قتل کرنے والے سب کوفہ کے تھے اور کوفہ کے رہنے والے سب کے سب شیعہ تھے۔

حسینی بیگم۔ یہ ٹھیک ہے کہ حضرتؑ کے قاتل سب کوفہ کے تھے۔ مگر یہ کس نے کہا کہ کوفہ کے رہنے والے سب شیعہ تھے؟

مولوی صاحب۔ چونکہ حضرت علیؑ کوفہ میں رہتے تھے اس وجہ سے وہاں کے باشندے شیعہ ہو گئے تھے

حسینی بیگم۔ اے سبحان اللہ۔ قربان جاؤں مولوی عبدالشکور صاحب کی عقل اور تمہاری فہم کے اگر کہیں کسی کے رہنے ہی سے وہاں والے اسکے مذہب والے ہو جائیں تو حضرت رسولخدا صلعم نے مکہ معظمہ سے ہجرت کیوں کی؟ حضرت تو وہیں رہتے تھے۔ اگر سب مکہ والے مسلمان ہو گئے ہوتے تو حضرت وہاں سے ہجرت کیوں فرماتے؟ جب حضرت رسولخدا صلعم کے مکہ معظمہ میں رہنے سے مکہ والے مسلمان نہیں ہوئے تو حضرت علیؑ کے کوفہ میں رہنے کی وجہ سے کوفہ والے کیوں شیعہ ہو جائیں گے؟

مولوی صاحب۔ تو کوفہ والے کس مذہب کے تھے؟

حسینی بیگم۔ عام مسلمان تھے سوا چند شیعوں کے جیسے مدینہ شریف میں سب ہی

ہیں سوار چند شیعوں کے۔

مولوی صاحب۔ اچھا تو ۳۶ھ ہجری میں جو لوگ کوفہ میں رہتے تھے انکے عام شیعان ہونے کی کوئی دلیل تم دے سکتی ہو۔

حسینی بیگم۔ آفتاب بھی کسی دلیل کا محتاج ہوتا ہے؟ کوفہ کی تاریخ خود اسکی سب سے بڑی دلیل ہے۔ دیکھو مولانا شبلی نعمانی نے تحریر فرمایا ہے "مدائن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد وقاص نے حضرت عمر کو خط لکھا کر یہاں رہکر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔ حضرت عمر نے جواب میں لکھا کہ۔۔۔ ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے جو بری و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو۔ چنانچہ سلمان وحذیفہ نے۔۔۔ کوفہ کی زمین انتخاب کی۔۔۔ اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔۔۔ ۱۷ھ ہجری میں اسکی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمر نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا ۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے۔۔۔ شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمر کا تحریری حکم آیا تھا۔۔۔ جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمر نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں۔۔۔ حضرت عمر کا یہ عدل وانصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو اُن ستونوں کی قیمت ادا کی گئی۔۔۔ چونکہ حضرت عمر کو ہر ہر جزئی واقعہ کی خبر پہونچتی تھی انھوں نے سعد کو لکھا کہ ایوان حکومت مسجد سے ملا دیا جائے۔۔۔ یہ شہر حضرت عمر ہی کے زمانہ میں اس عظمت وشان کو پہونچا کہ حضرت عمر اسکو راس الاسلام فرماتے تھے اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا" (الفاروق جلد ۲ صفحہ ۸۵)

بتاؤ اس عبارت سے کچھ بھی پتا چلتا ہے کہ کوفہ میں کبھی بھی کوئی شیعہ ہوا۔ کیا حضرت عمر کے بنائے اور آباد کئے ہوئے شہر میں شیعوں کی امید کسی طرح مطابق عقل ہو سکتی ہے۔ اب دوسری مشہور کتاب جو شہروں کی مفصل تاریخ ہے علامہ یاقوت حموی کی کتاب معجم البلدان اسکی جلد ۷ میں صفحہ ۲۹۵ سے ۳۰۰ تک کوفہ کے حالات لکھے ہیں۔ تو سب پڑھ جاؤ اور بتاؤ کہ اس میں اسکے آباد ہونے سے کئی صدی بعد تک کے حالات لکھے ہیں مگر کہیں بھی کسی شیعہ کا ذکر ہے؟

مولوی صاحب۔ (کتاب معجم البلدان کی پوری عبارت پڑھکر) اسمیں تو اسکی بو

بھی نہیں ملتی کہ کوفہ میں کبھی کوئی رافضی رہا ہے۔

حسینی بیگم۔ حالانکہ یہ کتاب اُس زمانہ کے کل اسلامی شہروں کی نہایت معتبر اور موثق تاریخ ہے کہ ایسی کتاب پھر لکھی ہی نہیں گئی۔

مولوی صاحب۔ مگر مولوی عبدالشکور صاحب کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے ساتھ رافضی مدینہ سے یہاں چلے آئے تھے۔

حسینی بیگم۔ تو مدینہ ہی میں رافضی کتنے تھے؟ رافضی اسی کو تو کہتے ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رحضرت عمر فاروق حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو خلیفہ نہ مانے اور حضرت علیؑ کو خلیفہ بلا فصل جانے؟

مولوی صاحب۔ ہاں رافضیوں کا عقیدہ تو یہی ہے۔

حسینی بیگم۔ تو بتاؤ کہ مدینہ میں ایسے عقائد والے کتنے تھے جو حضرت علیؑ کے ساتھ کوفہ میں آئے تو تمام کوفہ رافضی ہوگیا؟

مولوی صاحب۔ مدینہ میں تو شاید پچاس رافضی بھی نہ رہے ہوں۔

حسینی بیگم۔ تو اُن میں سے کتنے آئے ہوں گے۔

مولوی صاحب۔ ہاں بہت کم شاید بیس پچیس ہوں۔ مگر انھیں لوگوں نے اور کوفہ والوں کو رافضی بنا دیا ہوگا۔

حسینی بیگم۔ کیا خوب۔ اگر کوفہ میں کچھ لوگ بھی رافضیوں کا مذہب قبول کرتے اور حضرت علیؑ کے جان نثار ہو جاتے تو حضرت علیؑ کوفہ والوں کی اتنی مذمت کیوں بیان کرتے حضرت کے کلام سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کے سب لوگ حضرتؑ کے دشمن ہیں اور انیس پچاس ساٹھ فردوں کو بھی حضرت اپنا دوست نہیں جانتے ہیں۔ حضرتؑ کے کلام کے مجموعہ نہج البلاغ مطبوعہ مصر کے صفحہ ۴۷ و ۵۷ و ۸۲ و ۹۰ و ۹۸ و ۱۲۸ و ۲۰۳ و ۲۰۹ و ۲۲۲ و ۲۴۸ و ۲۵۰ و ۳۰۸ و ۳۵۶ و ۴۴۷ و ۴۹۷ میں پڑھو کہ جس قدر حضرت رسولخدا صلعم کو اپنے زمانہ کے منافقین سے اذیت پہونچی اس سے زیادہ حضرت علیؑ اپنے کوفہ کے مسلمانوں سے کرب میں تھے پھر وہ کیونکر حضرت کے شیعہ کہے جا سکتے ہیں؟ اللہ اکبر حضرتؑ کوفہ والوں سے خطاب کرکے

فرماتے ہیں کنت امس امیرا فاصبحت الیوم ماموراً وکنت امس ناھیا فاصبحت الیوم منھیا کل میں امیر تھا مگر آج تم ہی میرے حاکم اور میں تمہارا محکوم ہوگیا۔ کل تک میں تم کو منع کرتا تھا آج تم ہی مجھکو منع کرتے ہو (ص۲۴۸ نہج البلاغۃ) بتاؤ یہی شیعہ کی شان ہے؟

انھیں کوفہ والوں سے حضرت فرماتے ہیں ایھا الفرقۃ التی اذا امرت لم تطع واذا دعوت لم تجب یعنی اے وہ فرقہ جس کو میں کوئی حکم دیتا ہوں تو مانتا نہیں اور کسی بات کی طرف بلاتا ہوں تو آتا نہیں (ص۳۵۶) کیا یہی لوگ حضرت کے شیعہ کہے جاسکتے ہیں؟

مولوی صاحب - البتہ یہ باتیں مخالفین ہی سے کہجاتی ہیں۔

حسینی بیگم - بس بات یہی ہے کہ جو مسلمان حضرت کو چوتھا خلیفہ مانتے تھے اور جن لوگوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت ؑ سے بیعت کی تھی وہی حضرت کے ساتھ کوفہ آئے اور انھیں کے مختلف حالات سے عاجز آکر حضرت اس قسم کا کلام کرتے تھے ہاں یہ میں مانتی ہوں کہ کچھ شیعہ بھی آگئے تھے مگر وہ انگلیوں پر گننے کے قابل تھے۔ اُنکی حضرت نے کوئی شکایت نہیں کی اور وہ برابر حضرت ؑ کے فرمانبردار رہے مگر ہزاروں مسلمانوں میں ان گنے چنے شیعوں سے بن ہی کیا سکتا تھا۔ اس وجہ سے حضرت عام مسلمانوں کے محتاج تھے جو حضرت ؑ کی اطاعت نہیں کرتے اور حضرت ؑ ان سے نالاں رہتے تھے۔ ایسے نالاں کہ ان سے برابر روٹھی رہے چنانچہ فرماتے تھے قاتلکم اللہ لقد ملأتم قلبی قیحا وشحنتم صدری غیظا وجرعتمونی نغب التھام انفاسا وفسدتم علی رائی بالعصیان والخذلان یعنی اے کوفہ والو خدا تمہیں غارت کرے۔ تم نے تو میرے دل کو اس قدر زخمی کیا کہ وہ پیپ سے بھر گیا اور میرے سینہ میں آگ لگادی اور مجھے غم وغصہ کے عالم میں ڈال دیا اور میری مخالفت کرکے سب کام خراب کردیئے (نہج البلاغۃ ص۶۷) پھر ایک دفعہ فرمایا ملکتنی عینی وانا جالس فسنح لی رسول اللہ فقلت یا رسول اللہ ماذا لقیت من امتک من الاود واللدد فقال ادع علیھم فقلت ابدلنی اللہ بھم خیرا منھم وابدلھم بی شرا منی یعنی اے کوفہ والو ایک دفعہ بیٹھے بیٹھے میری آنکھ جھپک گئی تو خواب میں حضرت رسولخدا صلعم ظاہر ہوئے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ آپ کی امت (مسلمانوں) سے مجھے کس قدر پریشانی اور جھگڑے کا سامنا ہوا حضرت نے

فرمایا ان کے لئے بد دعا کرو۔ میں نے اس طرح بد دعا کی کہ اے اللہ مجھے ان لوگوں سے بہتر
مسلمان مرحمت فرما اور ان کو مجھ سے بدتر حاکم دے (ص ۱۲۸) ایک دفعہ اور فرمایا تھا اما واللہ
ما اتیتکم اختیارا ولکن جئت الیکم سوقا ولکنی بلغنی انکم تقولون علی یکذب
قاتلکم اللہ فعلی من الکذب یعنی خدا کی قسم میں تم لوگوں کے ہاں خوشی سے نہیں آیا بلکہ مجبوراً
آنا پڑا لیکن میں نے سُنا کہ تم کہتے ہو علیؑ جھوٹ بولتے ہیں۔ خدا تمہیں غارت کرے میں کس پر
جھوٹ بولوں گا (ص ۱۲۹) غرض حضرت نے ان کوفہ والے منافقین کی نہایت کثرت سے شکایت
کی ہے کہ یہ کمبخت ہمیں پریشان کرتے ہیں اور جس طرح مدینہ کے منافقین نے حضرت رسولخدا صلعم
کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیا اسی طرح یہ کوفہ والے منافقین بھی ہمیں چین نہیں لینے دیتے۔ پس
ایسے لوگ حضرتؑ کے شیعہ کہے جا سکتے ہیں یا حضرتؑ کے شدید دشمن تھے؟

مولوی صاحب ۔ جو رافضی حضرت علیؑ کے ساتھ کوفہ گئے تھے وہی حضرت حسینؑ کے
قتل کو گئے ہوں۔

حسینی بیگم ۔ خیر سے یہ بھی نہیں ہے۔ حضرت علیؑ کے بعد شیعہ بھی چُن چُن کر فنا کر دیئے گئے
تھے اور اِکّا دُکّا کے سوا کوئی بھی شیعہ وہاں نہیں رہا تھا۔ چنانچہ علامہ محمد بن عقیل نے
لکھا ہے:۔ فاستعمل علیھم زیاد بن سمیۃ وضم الیہ البصرۃ فکان یتتبع الشیعۃ
وھو بھم عارف لانہ کان منھم ایام علیؑ فقتلھم تحت کل حجر ومدر واخافھم
وقطع الایدی والارجل وسمل العیون وصلبھم علی جذوع النخل وطردھم وشردھم
عن العراق فلم یبق بھا معروف منھم یعنی معویہ نے کوفہ والوں پر زیاد بن سمیہ کو حاکم مقرر
کیا اور بصرہ کو بھی اس سے ملا دیا۔ زیاد چونکہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں کوفہ میں رہ چکا تھا وہ یہاں
کے شیعوں سے واقف تھا۔ اس نے ہر پتھر اور ڈھیلے کے نیچے سے شیعوں کو نکال کر قتل کیا انکو
دھمکیاں دیں۔ انکے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔ انکی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں انکو
درختوں پر سولی دی۔ انکو عراق سے نکال دیا اور آوارہ وطن کر دیا۔ یہاں تک کہ شیعوں کا کوئی
معروف شخص عراق میں نہیں بچا (نصائح کافیہ مطبوعہ بمبئی ص ۷)

مولوی صاحب ۔ تم کہتی تھیں کہ کوفہ میں شیعہ بہت کم تھے مگر علامہ محمد بن عقیل کی

مرتے کے بعد بھی وہ دشمن ہے

عبارت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں رافضی بہت ہو گئے تھے۔

حسینی بیگم ۔ ہاں عراق کے دوسرے شہروں میں جس قدر شیعہ تھے اس سے زیادہ کوفہ میں تھے۔ یعنی بصرہ میں، موصل میں۔ بغداد میں اتنے شیعہ بھی نہیں تھے جتنے کوفہ میں تھے۔ یہ نہیں لکھا ہے کہ کوفہ والوں میں زیادہ تعداد شیعوں کی تھی۔

مولوی صاحب ۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اور شیعوں کی تعداد زیادہ رہی بھی تو زیاد نے ان سب کو قتل کر کے ختم کر دیا تھا۔

حسینی بیگم ۔ اب فیصلہ آسان ہے کہ جب معاویہ ہی کے زمانہ میں عراق میں کوئی معروف شیعہ نہیں بچا کیونکہ زیاد نے ہر شیعہ کو ایک ایک گوشہ سے نکال کر قتل کر دیا تو پھر معاویہ کے مرتے ہی اتنے شیعہ کوفہ میں کہاں سے ہو گئے جن کو ابن زیاد نے امام حسینؑ کے قتل کے لئے کربلا بھیجا۔ ظاہر ہے کہ واقعہ کربلا سے پہلے کوفہ تقریباً کل شیعوں سے خالی ہو چکا تھا اور اب جو لوگ امام حسینؑ سے لڑنے گئے وہی عام مسلمان تھے جو حضرت علیؑ کے بھی دشمن معلوم ہوتے تھے۔ پھر وہ حضرت امام حسینؑ کو بھی کیوں نہ قتل کرتے۔

مولوی صاحب ۔ البتہ جب زیاد نے کوفہ کے کل رافضیوں کو قتل کر دیا تھا تو پھر وہاں شیعہ رہے کیونکر جو حضرت حسینؑ کو قتل کرتے۔

حسینی بیگم ۔ اس وقت کوفہ میں شیعوں کے نہ ہونے کی ایک اور دلیل سنو: جب حضرت امام حسینؑ نے مکہ سے کوفہ کی طرف آنے کا ارادہ کیا تو جناب عبداللہ بن عباسؓ نے بھی آپ کو منع کیا۔ دوسری مرتبہ جب وہ حضرتؑ کے پاس آئے ہیں تو کہا یا ابن عم انی اتصبر ولا اصبرانی اتخوف علیک فی ھذا الوجہ الھلاک والاستیصال ان اھل العراق قوم غدر فلا تقربنھم۔ اقم بھذا البلد فانک سید اھل الحجاز فان کان اھل العراق یریدونک کما زعموا فاکتب الیھم فلینفوا عدوھم ثم اقدم علیھم فان ابیت الا ان تخرج فسر الی الیمن فان بھا حصونا وشعابا وھی ارض عریضۃ طویلۃ ولابیک بھا شیعۃ وانت عن الناس فی عزلۃ یعنی اے میرے بھائی! میں صبر کرنا چاہتا ہوں مگر کیا کروں یہ مصیبت ہی اتنی بڑی ہے کہ مجھ سے صبر ہو نہیں سکتا ہے۔ مجھے آپ کے اس سفر میں آپ کے ہلاک اور برباد ہونے کا

خوف ہو رہا ہے۔ کیونکہ عراق والے دھوکہ فریب کی جماعت ہیں تو آپ انکے قریب بھی نجائیں بلکہ اسی شہر (مکہ معظمہ) میں قیام کئے رہیں۔ کیونکہ آپ حجاز والوں کے سردار ہیں۔ اب اگر عراق والے واقعاً آپ کی خلافت چاہتے ہیں جیسا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں تو آپ انھیں لکھیں کہ وہ پہلے اپنے دشمن (یزید کے حاکم اور لشکر وغیرہ) کو اپنے ہاں سے نکال دیں اسکے بعد آپ انکے پاس جائیں۔ لیکن اگر آپ کو یہاں سے جانے ہی پر اصرار ہو تو (عراق نہیں بلکہ) ملک یمن کو تشریف لیجائیے کہ وہاں بڑے بڑے قلعے اور پہاڑ کی گھاٹیاں ہیں اور وہاں آپ کے پدر بزرگوار کے شیعہ ہیں اور وہاں آپ ان لوگوں (بنی امیہ) سے کنارے رہیں گے (تاریخ طبری جلد ۶ ص ۲۱۷)

اسمیں حضرت ابن عباس ایسے تجربہ کار ہوشیار اور جہاں دیدہ بزرگ آپ سے فرماتے ہیں کہ عراق نہ جائیے وہاں کے لوگ دھوکہ فریب کے ہیں اور یمن جائیے کہ وہاں حضرت علیؑ کے شیعہ ہیں جس سے یقین ہوا کہ کوفہ میں شیعہ نہیں تھے ورنہ جناب ابن عباس یمن کی یہ خصوصیت نہ بیان کرتے۔ حضرت ابن عباس کے ان الفاظ کو پھر خوب غور سے دیکھو کہ یمن کے بارے میں کہتے ہیں کہ لابیک بہا شیعۃ یعنی حضرت ابن عباس رضؓ جناب امام حسینؑ کو یمن جانے کی رائے اس وجہ سے دیتے ہیں کہ وہاں حضرت علیؑ کے شیعہ تھے۔ پس اگر اُس وقت کوفہ میں بھی شیعہ ہوتے تو جناب ابن عباس یہ کیوں کہتے کہ یمن جائیے کہ وہاں آپکے والد کے شیعہ ہیں۔ ہر شخص انکا جواب دے دیتا کہ جس طرح یمن میں حضرت علیؑ کے شیعہ ہیں کوفہ میں بھی ہیں۔ مگر چونکہ کوفہ میں حضرت علیؑ کے شیعہ نہیں تھے اور یمن میں تھے اس وجہ سے اس جملہ کے کہنے کی ضرورت ہوئی۔ اسکے ساتھ علامہ طبری کے اس بیان کو بھی پڑھو کہ جب ابن زیاد یزید کے حکم سے حضرت مسلم کو قتل کرنے کے لئے کوفہ میں آیا ہے اور حضرت مسلمؑ کے میزبان جناب ہانی رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرا کے اپنے ہاں بلایا فقال عبید اللہ یا ھانی اما تعلم ان ابی قدم ھذا البلد فلم یترک احدا من ھذہ الشیعۃ الا قتلہ غیر ابیک وغیر حجر وکان من حجر ما قد علمت یعنی تب عبید اللہ ابن زیاد نے جناب ہانی سے کہا کہ اے ہانی! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میرا باپ (زیاد) اس شہر کا حاکم ہو کر آیا تھا تو جتنے شیعہ ملے سب کو قتل کر دیا سوا تمہارے باپ اور حجر کے کسی کو نہیں چھوڑا۔ پھر حجر بھی جس طرح قتل کیے گئے تم کو معلوم ہے

(تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۶ صہ ۲۰۲ واقعات سنہ ۶۰ ہجری) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کو کوفہ سے جن لوگوں نے بلایا انمیں کوئی شیعہ نہیں تھا سب غیر ہی غیر تھے اس لئے کہ کل شیعوں کو تو زیاد نے اس سے بہت پہلے ہی قتل کر دیا تھا تو گیا مقتول اور مردہ شیعوں نے امام حسینؑ کو خطوط لکھکر حضرت کو وہاں طلب کیا تھا؟ اور زیاد سنہ ۵۰ ہجری میں کوفہ کا حاکم ہو کر بیان آیا تھا چنانچہ یہی مورخ لکھتا ہے کان زیاد علی البصرۃ واعمالھا الی سنۃ ۵۰ فمات المغیرۃ بن شعبہ بالکوفہ وھو امیرھا فکتب معویۃ الی زیاد بعھدہ علی الکوفہ والبصرۃ یعنی زیاد صوبہ بصرہ کا حاکم سنہ ۵۰ ہجری تک رہا پھر مغیرہ حاکم کوفہ مر گیا تو معاویہ نے زیاد ہی کو حاکم بصرہ و کوفہ بنا دیا (تاریخ طبری جلد ۶ صہ ۱۳۱)

مولوی صاحب - یہ سب تو صحیح ہے مگر رافضیوں کی کتاب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاتلان حسین رضی اللہ عنہ شیعہ تھے -

حسینی بیگم - شیعوں کی بہت کتابیں میں نے بھی دیکھی ہیں - مجھے تو ایسی کوئی کتاب نہیں ملی - تم کسی کتاب کا نام مجھے بھی بتاؤ -

مولوی صاحب - انکے ایک بہت بڑے مجتہد قاضی نور اللہ شوستری تھے جو قتل کئے گئے اور انکی قبر آگرہ میں ہے - انھیں قاضی صاحب کی کتاب مجالس المومنین میں ہے "بالجملہ تشیع اہل کوفہ حاجت باقامۃ دلیل ندارد و سنی بودن کوفی الاصل خلاف اصل محتاج بدلیل است یعنی مختصر یہ کہ کوفہ والوں کا شیعہ ہونا کسی دلیل قائم کرنے کا محتاج نہیں ہے اور اصلی کوفی کا سنی ہونا خلاف اصل اور دلیل کا محتاج ہے (مجالس المومنین صہ ۱۲)

حسینی بیگم - تو اس سے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ قاتلان امام حسینؑ شیعہ تھے -

مولوی صاحب - اس لئے کہ کوفہ والوں نے حضرت حسینؑ کو قتل کیا اور وہ شیعہ تھے -

حسینی بیگم - سبحان اللہ - قاضی صاحب نے یہ عبارت کس زمانہ کے لوگوں کے بارے میں لکھی ہے -

مولوی صاحب - یہ تو اس کتاب میں نہیں ہے -

حسینی بیگم - خیر یہ بتاؤ کہ واقعہ کربلا کس سال ہوا اور کتاب مجالس المومنین کس سال میں لکھی گئی -

مولوی صاحب - حضرت حسین سنہ ۶۱ ہجری میں قتل کئے گئے اور قاضی صاحب نے سنہ ۱۰۱۹ھ

میں انتقال کیا۔ اس سے دس بارہ سال قبل لکھی ہوگی۔

حسینی بیگم۔ اچھا مان لو کہ کتاب مجالس المومنین ۱۰۱۰ھ ہجری میں لکھی گئی تو واقعہ کربلا کے کتنے دنوں کے بعد لکھی گئی؟

مولوی صاحب۔ ۹۴۰ سال کے بعد۔

حسینی بیگم۔ اور قاضی صاحب ۶۱ھ ہجری کے متعلق وہ عبارت نہیں لکھتے ہیں تو کیا ۹۴۰ سال میں سب کوفہ والوں کا شیعہ ہو جانا نہیں ممکن ہے۔ اس ہندوستان ہی میں دیکھ لو کہ دو سو برس پہلے کتنے مقام تھے جہاں ایک مسلمان نہیں تھا اور اب وہاں مسلمان ہی مسلمان نظر آتے ہیں۔ خیر اسے جانے دو۔ یہ بتاؤ کہ ۱۱ھ ہجری میں جب حضرت رسولخدا صلعم نے انتقال فرمایا مدینہ میں مسلمان تھے یا نہیں۔

مولوی صاحب۔ کتابوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً سب ہی مسلمان ہو گئے تھے۔

حسینی بیگم۔ اور گیارہ برس پہلے؛ یعنی جب حضرت مدینہ میں نہیں تشریف لے گئے تب مدینہ میں کتنے مسلمان تھے؟

مولوی صاحب۔ اُس وقت کون تھا اور کہاں سے آتا۔

حسینی بیگم۔ یعنی جس مدینہ میں ۱۱ھ ہجری میں سب مسلمان ہی نظر آتے تھے اوسی مدینہ میں گیارہ سال پہلے کافر ہی کافر تھے تو پھر کوفہ میں اگر ۶۱ھ ہجری میں کوئی شیعہ نہیں تھا اور اسکے چند سال کے بعد شیعہ بڑھتے گئے اور سب شیعہ ہو گئے تو اسمیں کیوں تعجب ہوتا ہے۔

مولوی صاحب۔ مگر واقعہ کربلا کے بعد کیوں وہاں اس قدر شیعہ ہو جائیں گے۔

حسینی بیگم۔ یہ تو بالکل واضح بات ہے کہ ۶۱ھ ہجری میں کوفہ کے مسلمانوں نے یزید کی سختی اور ابن زیاد کے ظلم سے مجبور ہو کر امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا اُس کے بعد اس پر نادم ہوئے۔ توبہ کی حضرت حسینؑ کو امام ماننے لگے اور اسکے ساتھ خلفاء ثلثہ کا اعتقاد اُٹھا کر اور ان سے بیزاری ظاہر کر کے شیعہ ہو گئے۔ تم جانتے ہو کہ دہلی ہمارے بادشاہوں کا دارالسلطنت تھا۔ وہاں کوئی رافضی ایک دن کو بھی کوئی سانس لے سکتا تھا؟ مگر جب ان بادشاہوں کا زور کم ہوا تو دفعتاً شیعہ تمام پھیل گئے۔ چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز

صاحب دہلوی رحمۃ اللہ نے اپنی مشہور کتاب تحفہ اثنا عشریہ لکھنے کی وجہ یہ تحریر فرمائی ہے کہ "غرض تحریر اس رسالے اور تسوید اس مقالے سے یہ کہ ہمارے زمانہ اور شہروں میں بالفعل مذہب شیعہ یہاں تک مروج ہوگیا اور پھیل گیا ہے کہ بہت کم گھر ہونگے جنمیں دو ایک آدمی شیعہ مذہب ہو گئے ہوں اور اس عقیدے کی طرف راغب نہ ہوں۔" (ہدیہ مجید یہ ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ ص۳) اب تم ہی انصاف کرو کہ شاہ صاحب نے ۱۲۳۹ھ میں انتقال فرمایا۔ ۱۲۲۵ھ ہجری میں کتاب تحفہ اثنا عشریہ لکھی ہوگی۔ اس وقت مغل بادشاہ موجود تھے۔ صرف انکی طاقت کم ہوگئی تھی جسکی وجہ سے چند ہی سالوں میں شیعہ گھر گھر پھیل گئے پھر سنہ ۶۱ ہجری کے بعد جب یزید اور ابن زیاد کا ظلم کوفہ والوں سے اٹھ گیا۔ وہاں شیعوں کی تعداد کیوں نہ بڑھتی؟

مولوی صاحب۔ مگر جب حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ شریف گئے تو وہاں کوفہ والوں نے اپنے کو شیعہ ہی لکھا۔ اور خود شیعوں کے بڑے مجتہد ملا محمد باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ شیعیان کوفہ کا خط اس عبارت سے حضرتؑ کے پاس گیا "ایں نامہ ایست بسوے حسینؑ بن علیؑ از جانب سلیمان بن صرد خزاعی و مسیّب بن نجبہ و رفاعہ بن شداد بجلی و حبیب بن مظاہر و سائر شیعیان او" یعنی یہ خط ہے حسینؑ بن علیؑ کی طرف سلیمان بن صرد خزاعی مسیّب بن نجبہ۔ رفاعہ بن شداد بجلی حبیب بن مظاہر اور باقی حضرت کے کل شیعوں کی جانب سے (جلاء العیون ص۱۷)۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت حسینؑ کو شیعوں ہی نے بلایا۔ اور حضرتؑ نے جو جواب بھیجا ہے وہ بھی شیعوں ہی کی طرف چنانچہ لکھا "از حسینؑ بن علیؑ بسوے گروہ مومنان و شیعیان" یعنی یہ خط ہے حسینؑ بن علیؑ کا مومنوں اور شیعوں کی طرف (جلاء العیون ص۱۷) اس سے ثابت ہوا کہ حضرت حسینؑ کو شیعوں ہی نے کوفہ میں بلایا اور پھر انھیں نے قتل کیا۔

حسینی بیگم۔ یہ صحیح ہے کہ بعض شیعوں نے حضرت امام حسینؑ کو خطوط بھیجے۔ مگر یہ کیسے معلوم ہوا کہ انھیں نے قتل بھی کیا۔

مولوی صاحب۔ بس جس نے بلایا اُسی نے قتل کیا۔

حسینی بیگم۔ کیا خوب۔ آج کسی مذہبی جلسہ کیلئے ہم مسلمان کسی عالم کو بلائیں اور

اور یہاں کے غیر مسلم لوگ ان عالم کو گرفتار کرادیں تو کیا یہ کہاجائیگا کہ مسلمانوں نے انکو گرفتار کیا یا کرایا؟ یہ تو معمولی عقل والے بھی کہدینگے کہ جو بیس پچیس شیعہ کوفہ میں چھپے چھپائے بچ گئے تھے انھوں نے امام حسینؑ کو خط لکھا حضرتؑ نے انکو جواب دیا اور اسکے مطابق چلے بھی۔ مگر یزید کو خبر ہو گئی اس نے ابن زیاد کو وہاں کا حاکم مقرر کردیا جس نے ناکہ بندی کردی۔ اور حضرت امام حسینؑ کو کوفہ میں آنے نہیں دیا۔ بلکہ باہر ہی اپنی فوجیں بھیجکر حضرتؑ کو قتل کرادیا۔ ایسی حالت میں بیچارے بلانے والے وہ بیس پچیس شیعہ کیا کرسکتے تھے؟ اور پھر بھی بہت لوگوں کو راہیں ملگئیں تو وہ کوفہ سے نکلکر حضرتؑ کی خدمت میں پہونچ گئے اور آپکے ساتھ جہاد کرکے اپنے امکان بھر حضرتؑ کی حفاظت کی اور پھر خود شہید ہو گئے۔ غرض جن شیعوں نے حضرت امام حسینؑ کو خطوط بھیجے انمیں سے ایک شخص بھی یزید یا ابن زیاد کیطرف سے لڑنے کو نہیں نکلا۔ بلکہ وہ سب یا تو کوفہ میں ہاتھ پاؤں مار کر رہ گئے کہ کیونکر حضرتؑ کی خدمت میں پہونچیں۔ اور یا حضرتؑ کے پاس پہونچکر اپنی جان نثار کردی جیسے حبیب بن مظاہر وغیرہ۔ مختصر یہ ہے کہ کوفہ میں جو بیس پچیس مخفی یا ذی اثر شیعہ باقی رہ گئے تھے انھوں نے امام حسینؑ کو بلایا حضرتؑ نے ان شیعوں کو جواب بھیجا اور ادھر روانہ ہو گئے مگر کوفہ پہونچنے سے پہلے ابن زیاد یہاں آگیا۔ اس نے تمام راہوں کو بند کردیا۔ نہ کسی کو باہر سے کوفہ میں آنے دیتا تھا اور نہ کسی کو کوفہ سے باہر جانے دیتا تھا جب اسکو حضرتؑ کے قریب پہونچنے کی خبر ملی تو خود کوفہ سے باہر جاکر مقام نخیلہ میں قیام کیا اور کوفیوں کو حضرتؑ سے لڑنے کے لئے روانہ کرتا رہا مگر کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ حضرت سے لڑنے کے لئے کوفہ کا ایک شیعہ بھی گیا۔ بلکہ صرف وہ مسلمان گئے جو یزید کو خلیفہ مان کر بیعت کرچکے تھے لیکن جو شیعہ تھے وہ تڑپتے رہے کہ کیونکر حضرتؑ کی مدد کو جائیں۔ چنانچہ علامہ طبری نے لکھا ہے۔ لما قتل الحسین بن علی ورجع ابن زیاد من معسکرہ بالنخیلہ فدخل الکوفۃ تلاقت الشیعۃ بالتلاوم والتندم ورأت انہا قد اخطأت خطأ کبیرا بدعائہم الحسین الی النصرۃ وترکہم اجابتہ ومقتلہ الی جانبہم لم ینصروہ یعنی جب امام حسینؑ قتل ہو گئے اور ابن زیاد اپنے لشکرگاہ نخیلہ سے کوفہ میں واپس آیا تو شیعہ ایک دوسرے کو ملامت اور آپس میں ندامت

کرنے لگے اور انھوں نے خیال کیا کہ ان سے بڑی غلطی ہوئی کہ انھوں نے امام حسینؑ کو مدد کے وعدہ پر بلایا اور پھر حضرتؑ کے پاس پہونچ سکے۔ یہاں تک کہ حضرت شہید ہی ہو گئے (تاریخ طبری جلد ۷ صفحہ ۱۴۲) یہ عبارت پکار کر کہتی ہے کہ قاتلان امام حسینؑ میں ایک شخص بھی شیعہ نہیں تھا بلکہ جب کوفہ میں ابن زیاد واپس گیا اور امام حسینؑ کے قتل کی خبر پھیلی تو ان چند شیعوں نے جنھوں نے حضرت امام حسینؑ کو بلایا تھا مگر حضرتؑ کے پاس پہونچ سکے افسوس کیا کہ ہائے ہم لوگ حضرتؑ کی مدد سے مجبور رہ گئے۔ کاش حضرتؑ کو بلایا ہی نہ ہوتا۔ پس جو واقعہ ہے وہ صرف اس قدر کہ ابن زیاد کی ناکہ بندی کی وجہ سے جو شیعہ کوفہ سے نہیں نکل سکے وہ بعد کو غم کھاتے رہے کہ حضرتؑ کی مدد نہیں کی جسکو امام حسین علیہ السلام نے خود بھی فرمایا کہ شیعیان ما دست از یاری ما بر داشتند یعنی میرے شیعوں نے میری مدد نہیں کی (جلاء العیون صفحہ ۱۸۶) اور یہ بالکل صحیح تھا کیونکہ اُن بیس پچیس شیعوں سے ابن زیاد کی خونخوار تلوار کے مقابلہ میں ہو کیا سکتا تھا۔ مکہ معظمہ میں تو بہت سے مسلمان ہو گئے تھے مگر وہ کفار مکہ کے ظلم و جور سے نہ اپنی حفاظت کر سکے اور نہ حضرت رسولخدا صلعم کو مدد پہونچا سکے چنانچہ بہت سے مسلمان بھی مکہ معظمہ سے ہجرت کرتے رہے اور پھر حضرت رسولخدا صلعم نے بھی ہجرت کی۔ پس جس طرح مکہ معظمہ کے کچھ مسلمان کفار مکہ کے مقابلہ میں آنحضرتؐ کی مدد نہیں کر سکے اسی طرح کوفہ کے چند شیعہ بھی یزید اور ابن زیاد کے مقابلہ میں حضرت امام حسینؑ کی مدد سے مجبور رہے۔ اگرچہ کئی بہادر ان سختیوں میں بھی نکل پڑے اور جا کر حضرت پر اپنی جان نثار کی مگر جو نہیں نکل سکے اور ہر طرح کی مدد سے مجبور رہے اُن پر اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا نے فرما دیا ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا یعنی خدا کسی کو اسکی طاقت سے زیادہ حکم دیتا ہی نہیں ہے۔ اُس وقت کوفہ کے ان چند شیعوں کی طاقت بھی نہیں تھی کہ امام حسینؑ کی مدد میں ابن زیاد ایسے قہار کا مقابلہ کر سکیں۔ ہاں جو مسلمان حضرت کے قتل کو جاتے تھے انکے اختیار میں تھا کہ کوفہ سے روانہ ہونے کے بعد ابن زیاد کے حکم کی مخالفت کرتے اور حضرتؑ کے پاس پہونچ جاتے مگر سوا حضرت حُر بن ریاحی کے کوئی ایسا ایماندار نہیں نکلا۔ حالانکہ حضرت برابر مسلمانوں سے استغاثہ کرتے رہے۔

مولوی صاحب - مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم نے اپنے رسالہ میں کئی برس

تک اس مضمون کو خوب خوب لکھا اور شایع کیا کہ قاتلان حسینؑ شیعہ تھے اور اسکے لئے مستقل کتاب لکھی اور کتنے صفحہ سیاہ کر دیئے مگر تم نے تو چند ہی منٹ میں انکی کل کوششوں پر پانی پھیر دیا اور سب دلیلوں کا ایسا تشفی بخش جواب دیدیا کہ کسی شخص کو اسکے ماننے میں عذر ہو ہی نہیں سکتا۔ میں بہت غور کر رہا ہوں کہ کسی طرح مولوی عبدالشکور صاحب کی حمایۃ میں کچھ بولوں لیکن اب کوئی بات ملتی ہی نہیں ہے

حسینی بیگم ۔ حق کے مقابلہ میں باطل کا فریب کتنا ہی پھیلایا جائے مگر اسکو استقلال نہیں ہو سکتا ہے اور مکڑی کے جالے سے زیادہ طاقۃ ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ مکانوں میں دیکھتے ہو کہ ایک مکڑی کتنے لمبے جال پھیلا دیتی ہے کہ اسکی حکمۃ و تدبیر پر انسان کو حیرت ہونے لگتی ہے۔ مگر ان تمام جالوں کی حقیقت اتنی ہی ہوتی ہے کہ دو برس کا بچہ بھی ذرہ برابر تنکا اٹھا کر اسکو چھیڑ دیتا ہے تو سب جالے درہم برہم ہو جاتے اور اس مکڑی کی کتنے دنوں کی محنت آن واحد میں ہبار منثورا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مولوی عبدالشکور صاحب کی دلیلیں بالکل بے حقیقت ہوتی ہیں۔

مولوی صاحب ۔ اب تم زیادہ تعلّی نہ کرو۔ بات یہ ہے کہ مولوی عبدالشکور صاحب نے مرزا حیرت صاحب دہلوی کی طرح بالکل ایجاد بندہ کیا کہ کہنے لگے قاتلان حسینؑ شیعہ تھے جس کا غلط ہونا ایسا ہی ہے جیسا رات کو آفتاب کا نکلنا اس وجہ سے تم کو اتنا جواب دینے کا موقع ملا۔

حسینی بیگم ۔ مگر مولوی عبدالشکور صاحب نے یزید۔ ابن زیاد۔ عمر بن سعد کے بارے میں کیا لکھا ہے؟ کیا یہ لوگ بھی شیعہ تھے؟ کیونکہ یزید کا قاتل امام حسینؑ ہونا میں پہلے ثابت کر چکی ہوں۔ اور اس نے خود بھی اپنے اس جرم کا بار بار اعتراف کیا ہے۔ مورخ طبری نے لکھا ہے:۔ لما قتل عبید الله بن زیاد الحسین بن علی و بنی ابیه بعث برؤسهم الی یزید بن معویه فسرّ بقتلهم اولاً وحسنت بذالک منزلة عبید الله عنده ثم لم یلبث الا قلیلاً حتی ندم علی قتل الحسین یعنی جب ابن زیاد نے امام حسینؑ کو قتل کیا تو پہلے یزید اُن لوگوں کے قتل سے بہت خوش ہوا اور اس وجہ سے ابن زیاد کا درجہ بھی اسکے ہاں بڑھ گیا مگر پھر یزید نادم ہوا کہ اس نے کیوں امام حسینؑ کو قتل کیا (تاریخ طبری جلد ۷ صـ ۱۷) اور یزید برابر کہتا تھا فبغضنی بقتله الی المسلمین وزرع فی قلوبهم العداوة فبغضنی البر والفاجر

بما استعظم الناس من قتلی حسینا یعنی ابن زیاد نے امام حسینؑ کو قتل کرکے مسلمانوں کی نظروں میں مجھے مبغوض کردیا اور ان کے دلوں میں میری عداوت پیدا کردی جسکی وجہ سے اچھے اور برے سب ہی میرے دشمن ہوگئے کیونکہ میں نے امام حسینؑ کو قتل کیا تو لوگوں نے اس کو میرا بڑا جرم سمجھا (تاریخ طبری جلد ۷ صفحہ ۱۹) اور ابن زیاد کہتا تھا اما قتلی الحسین فانہ خرج علی امام وامۃ مجتمعۃ وکتب الی الامام یامرنی بقتلہ فان کان ذلک خطاء کان لازما الیزید یعنی میں نے جو امام حسینؑ کو قتل کیا تو اس سبب سے کہ انھوں نے ہمارے امام (یزید) پر خروج کیا اور مجھے اس امام (یزید) نے حکم بھیجا کہ امام حسینؑ کو قتل کردو۔ اب اگر حضرت کا قتل جرم ہے تو اس کا الزام یزید ہی پر ہے (اخبار طوال صفحہ ۲۷۹) وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اما قتلی الحسین فانہ اشار الی یزید بقتلہ اوقتلی فاخترت قتلہ یعنی میں نے جو امام حسینؑ کو قتل کیا تو اس سبب سے کہ یزید نے مجھے اشارہ کیا کہ حضرتؑ کو قتل کردوں ورنہ وہ خود مجھے قتل کردیگا۔ تو میں نے حضرتؑ کا قتل اختیار کرلیا (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۵۵) ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کے قتل کا حکم یزید اور ابن زیاد نے دیا۔ اب اس حکم کی تعمیل ان لوگوں نے کی جو ابن زیاد کو اپنا حاکم اور یزید کو اپنا خلیفہ جانتے تھے۔ یہ بتاؤ کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی خلافۃ میں جن لوگوں سے لڑنے کو اپنی فوجیں بھیجیں وہ فوجیں حضرت ابوبکر کو خلیفہ مانتی تھیں یا کسی اور کو۔

مولوی صاحب۔ یہ بھی کچھ پوچھنے کی بات ہے۔ اگر اس فوج کا کوئی شخص حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ نہیں مانتا بلکہ کسی اور شخص کی خلافۃ کا قائل ہوتا تو پہلے اسی سے جنگ کیجاتی۔

حسینی بیگم۔ اور حضرت عمر فاروق نے عراق شام۔ ایران میں اپنی فوجیں بھیجیں وہ حضرت عمر کو خلیفہ جانتی تھیں یا کسی اور کو۔

مولوی صاحب۔ واہ حضرت عمر کی فوج میں کسکی مجال تھی کہ انکو خلیفہ نہ مانتا۔ پھر تو حضرت اسے اپنی تلوار یا درہ ہی سے باتیں کرتے۔ اور فوج تو صرف انھیں لوگوں کی رکھی جاتی ہے جو اپنے خاص ماننے والے ہوں اور جن پر پورا بھروسہ ہو کہ یہ کسی اور کو نہیں مانیں گے۔ نہ کسی خیال میں اپنے افسر کا ساتھ چھوڑیں گے۔

حسینی بیگم۔ اور حضرت علیؑ اور معویہ میں جو لڑائی ہوئی اسمیں دونوں صاحبوں کی فوجیں کسکو

خلیفہ جانتی تھیں۔

مولوی صاحب معویہ والے انکو اور حضرت علیؑ والے انکو خلیفہ جانتے تھے۔

حسینی بیگم ۔ تو معلوم ہو گیا کہ ہر شخص اپنے دشمن سے لڑنے کے لئے اپنے ماننے والوں ہی کو بھیجتا ہے اپنے دشمن کے ماننے والوں کو نہیں بھیجتا۔

مولوی صاحب ۔ ہاں یہ تو بدیہی بات ہے۔

حسینی بیگم ۔ پھر یزید نے امام حسینؑ سے لڑنے کے لئے جن فوجوں کو بھیجا وہ یزید کو خلیفہ مانتی تھیں یا امام حسینؑ کو؟

مولوی صاحب ۔ واہ وہ تو حضرت حسینؑ کو قتل کرتی تھیں حضرتؑ کو خلیفہ کیسے مانتیں ۔ جس طرح معویہ والے حضرت علی سے لڑتے تھے اور حضرت علی کو نہیں بلکہ معویہ کو خلیفہ جانتے تھے ۔ اسی طرح یزید کی فوج بھی امام حسینؑ کو قتل کرتی تھی اور حضرتؑ کو نہیں بلکہ یزید کو خلیفہ جانتی تھی ۔ اور اسی یزید کی تو سب نے بیعت کر لی تھی کسی اور کو وہ خلیفہ جانتی کیسے؟

حسینی بیگم ۔ تو کیا کوئی شیعہ بھی یزید کو خلیفہ مان سکتا ہے؟

مولوی صاحب ۔ نہیں بلکہ وہ لوگ تو اس سے حد درجہ بیزار رہتے اور اسکو بد ترین ناس سمجھتے ہیں بلکہ جو لوگ اسکو خلیفہ جانتے ہیں انکو گمراہ کہتے ہیں۔

حسینی بیگم ۔ پھر یہ کہنا کہ قاتلان امام حسینؑ شیعہ تھے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

مولوی صاحب ۔ بے شک قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کو شیعہ کہنا ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کو مکہ شریف سے مسلمانوں نے نکالا ۔ غزوہ احد میں حضرت حمزہ کو مسلمانوں نے شہید کیا اور حضرت رسولخدا صلعم کے دندان مبارک کو صحابہ کرام نے توڑا۔

حسینی بیگم ۔ یزیدی فوج جو یزید ہی کو اپنا خلیفہ جانتی تھی حضرت امام حسینؑ کی ایسی دشمن تھی کہ حضرتؑ کو سلام تک نہیں کرتی تھی کیا کسی شیعہ سے یہ ممکن ہے کہ ابن زیاد کے نوکر کو سلام کرے اور حضرتؑ کو نہ کرے؟ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۳۲) خود قاتلان حسینؑ نے اپنے کو کئی بار کہا ہے کہ ہم یزید کے پیرو ہیں ۔ ہمیں حسینؑ سے کوئی مطلب نہیں ہے مثلاً ایک قاتل کا یہ شعر دیکھو فابلغ عبید اللہ اما لقیتہ ۔ بانی مطیع للخلیفۃ سامع یعنی اگر تم ابن زیاد کو ملو تو اس سے کہہ دو کہ میں خلیفہ یزید ہی کا فرمانبردار اور اس کا حکم بجا لانیوالا ہوں (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۸)

پچیسواں باب ۲۵

کیا امام حسینؑ نے یزید سے بغاوت کی۔ کیا حضرت اپنے نانا کی تلوار سے قتل کئے گئے۔

مولوی صاحب ۔ یہ تو صحیح ہے کہ حضرت حسینؑ کو یزید نے قتل کرایا اور انھیں لوگوں نے قتل کیا جو یزید کو خلیفہ مانتے تھے مگر یہ ضرور مانو گی کہ ایسا کرنے میں یہ لوگ بے قصور تھے کیونکہ یزید کے خلیفہ ماننے والے اپنے خلیفہ اور پیشوا کے حکم سے مجبور تھے اور یزید اپنی سلطنت کی حفاظت کے سبب سے مجبور تھا۔ اگر حضرت حسینؑ اس سے بغاوت نہ کرتے اور اسکی بیعت کر کے سلطنت اسلام میں امن قائم رکھتے تو نہ یزید حضرتؑ کو قتل کراتا اور نہ اسکے خلیفہ ماننے والے حضرتؑ کو قتل کرتے۔

حسینی بیگم۔ ہاں یہ بہت ضروری بحث تم نے چھیڑی۔ ایسی ہی باتوں کی تحقیق میں جی لگتا ہے۔ مگر اسکے متعلق میں خود کیوں کچھ کہوں۔ اہلحدیث بھائیوں کے امام اعظم جناب مولانا وحید الزماں خانصاحب حیدر آبادی سے دریافت کروں کہ حضرت امام حسینؑ نے بغاوت کی یا نہیں۔ انکے قول کو تو تم زیادہ مانو گے۔

مولوی صاحب ۔ بے شک وہ ہمارے بلکہ تمام مسلمانوں کے بڑے پیشوا تھے اور انھوں نے صحاح ستہ کے ترجمہ وغیرہ کی بے مثل خدمات انجام دی ہیں۔

حسینی بیگم۔ ممدوح تحریر فرماتے ہیں " برخلاف معویہ کے وہ تو مرتے دم تک اہل بیت علیہم السلام کے دشمن اور مخالف رہے اور حضرت علیؑ کو گالیاں دینے کے لئے تمام خطیبوں کو حکم دیا اور اپنی آخری عمر میں مکر و فریب اور پولٹیکل چالوں سے یزید کے سے نالائق فرزند کو خلیفہ بنایا حالانکہ امام حسینؑ کے ہوتے ہوئے یزید اونکے پاخانہ کا لوٹا اوٹھانے کے بھی لائق نہ تھا۔ اور اوپر گزر چکا کہ حضرت علیؑ نے معویہ کو شیطان رویہ فرمایا اور حق بھی یہی ہے۔" (انوار اللغۃ پارہ ۱۴ صفحہ ۱) پھر لکھتے ہیں:۔ " فاضربوا عنق الاخر جب ایک امام سے حسب وصیت ایک امام کے یا بہ صلاح و مشورہ اور باتفاق اکثر ارباب حل و عقد بیعۃ ہو جائے۔ اب دوسرا کوئی شخص امام بننا چاہے تو اوسکی گردن مار دو کوئی بھی ہو کیونکہ وہ

مسلمانوں میں نااتفاقی اور لڑائی کرانا چاہتا ہے اور امام وقت کی مخالفت اور بغاوت کرتا ہے
اس حدیث کے بموجب حضرت علیؑ معویہ اور انکے طرفداروں سے لڑے۔ چونکہ وہ باغی تھے حضرت
علیؑ کی خلافت بصلاح و مشورہ و اتفاق اکثر ارباب حل و عقد ہوئی تھی اور انکی امامت صحیح اور
برحق تھی لیکن معویہ اور انکے حامیوں نے خلاف کیا اس وجہ سے باغی قرار پائے۔ اب اگر
کوئی کہے کہ یزید کی بیعت پر بھی اکثر لوگوں نے اتفاق کر لیا تھا۔ پس جناب امام حسینؑ کو اوس سے
مخالفت کرنا کیونکر روا ہوا تو اوس کا جواب یہ ہے کہ یزید کی بیعت بصلاح و مشورہ نہیں ہوئی
تھی بلکہ صرف معویہ کی دھینگا مشتی اور زور زبردستی سے ورنہ کوئی شخص دل سے اوسکو پسند
نہیں کرتا تھا۔ دوسرا اوسکی بیعت خلاف معاہدہ تھی۔ معویہ نے جناب امام حسنؑ سے عہد کیا تھا کہ
میرے بعد پھر خلافت اپنے مستحق کی طرف رجوع کریگی۔ اس بنا پر معویہ کو لازم تھا کہ اپنے مرتے وقت
امام حسینؑ کو جو سب سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے خلیفہ بناتے۔ مگر دنیا کی طمع نے اون پر ایسا
زور کیا تھا کہ نہ معاہدہ کا خیال رہا۔ نہ دینداری اور خدا ترسی کا۔ اپنے ظالم۔ نابکار۔
شرابخوار بیٹے کو خلیفہ بنایا۔ وہ بھی لوگوں کو ڈرا دھمکا کر۔ گردنوں پر تلوار رکھکر۔ مال و زر ملک
و دولت کی طمع دیکر۔ بھلا ایسی خلافت کب صحیح ہو سکتی ہے۔ اسی لئے جناب امام حسینؑ نے اوس سے
بیعت نہیں کی۔ کیونکہ اوس سے بیعت کر لینے میں دین کی خرابی متصور تھی اور جان دینا گوارا کیا۔
رضی اللہ عنہ و عن اتباعہ و احبابہ۔ اگر کوئی کہے کہ یزید کی خلافت حسب وصیت امام وقت یعنی
معویہ ہوئی تھی اسلئے اوسکی خلافت صحیح ہوگئی۔ گو اہل حل و عقد کا اوسپر اتفاق نہ ہوا ہو۔
جیسے حضرت عمرؓ کی خلافت حسب وصیت ابوبکر صدیقؓ درست اور صحیح تھی تو اوس کا جواب یہ
ہے کہ خود معویہ کی خلافت صحیح نہ تھی تو یزید کی خلافت کیونکر صحیح ہوگی۔ وہ تو بنائے فاسد علی الفاسد
ہے۔ جیسے ایک ڈاکو دوسرے ڈاکو کو اپنی جگہ بٹھا جائے (انوار اللغۃ پارہ ۱۵ صفحہ ۱۹)
پھر یہ بھی لکھا ہے "اگر قریشی خلیفہ بھی فسق و فجور اختیار کرے۔ احکام شرعی کو بدل دے۔ نماز
ترک کردے۔ اوسکی حکومت سے دین میں خلل آنے کا ڈر ہو یا استبداد اختیار کرے یعنی خودرائی
علماء و فضلاء سے مشورہ لینا چھوڑ دے۔ تو اوس سے لڑنا اور اوس کو معزول کرنا درست بلکہ
باعث اجر و ثواب ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے اول تو یزید پلید سے بیعت ہی نہیں کی تھی

دوسرے اس مردود نے استبداد براۂ اختیار کیا تھا۔ یعنی شخصی حکومت۔ تیسرے اوس مردود نے فسق و فجور شرب خمر زنا وغیرہ اختیار کیا تھا۔ چوتھے اموال بیت المال کو اپنی ذاتی خواہشات میں اوڑا رہا تھا۔ پانچویں اوس نے خلاف معاہدہ جو اوسکے باپ کے ساتھ ہوا تھا کیا مستحق خلافۃ کا حق تلف کرکے خود خلیفہ بن بیٹھا۔ چھٹے امام حسن علیہ السلام کو اونکی بی بی کی سازش کرکے ناحق زہر دلوایا اس ڈر سے کہ معویہ کے بعد از روئے معاہدہ اونکی طرف خلافۃ جانے والی تھی۔ بھلا ایسا نالائق شخص کیسے خلیفہ شرعی اور امیر المومنین ہوسکتا ہے۔ اسی لئے امام از روئے قواعد اسلام دین کی حفاظت کے لئے اوسکے مخالف ہوئے اور شہادۃ کا درجہ حاصل کیا۔ اب جو کوئی امام حسین علیہ السلام کو باغی اور طاغی قرار دیتا ہے اوس کا حشر یزید پلید ہی کے ساتھ ہوگا اور ہم منتظر ہیں کہ وہ قیامۃ کے دن آنحضرتؐ کو اپنا منہ کیسے دکھلائیگا" (پارہ ۵ صـ۱۹) "اگر خلافۃ اونکی صحیح مانی جائے تو امام حسین علیہ السلام باغی ٹھہرتے ہیں نعوذ باللہ من ہذا الاعتقاد حالانکہ یزید اور عبدالملک اور ہشام اوسکا بیٹا سب قریشی بھی تھے مگر چونکہ اونکی حکومت جابرانہ تھی اہل حل و عقد کے مشورے سے نہ تھی اس لئے وہ خلیفہ نہیں ہوسکتے اور اسی لئے امام ابوحنیفہ نے ہشام بن عبدالملک کے برخلاف حضرت زید بن علی کی امداد پر لوگوں کو برانگیختہ کیا اور ہشام کو جور متغلب قرار دیا۔" (پارہ ۱۱ صـ۳) "یا اللہ ہم گنہگاروں کو بھی اونکا طفیلی بناکر حوض کوثر سے سیراب کردیجیو جس وقت آنحضرتؐ اور حضرت علیؓ دونوں صاحب حوض کوثر پر کھڑے ہونگے اوس وقت معلوم نہیں وہ لوگ اپنا مونہ کیسے دکھائیں گے جو دنیا میں حدیث شریف کو چھوڑکر دوسرے الفضول کے قول و فعل قیاس پر چلتے رہے یا حضرت علی اور دونوں شہزادوں (امام حسن اور امام حسین علیہما السلام) سے بغض اور عداوت رکھتے رہے۔ کہتے رہے یزید خلیفہ برحق تھا اور امام حسینؑ اوس سے ناحق لڑے۔ بعضے مردود آپکو باغی قرار دیتے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ہم اہلحدیث تو دنیا اور آخرت دونوں میں حضرت علیؑ اور حسنین علیہما السلام کے ساتھ ہیں۔ اور جو اونکا دشمن ہے اوس سے لڑنے اور مرنے کو طیار ہیں۔ یا اللہ ہمارا حشر اہل بیت کے غلاموں اور کفش برداروں میں کر اور یزید اور یزیدیوں سے ہم کو دور رکھ۔ آمین یارب العالمین" (انوار اللغۃ پارہ ۹ صـ۳۱) ممدوح نے اپنی کتاب میں اس مسئلہ پر بہت تفصیل سے کئی جگہ روشنی

ڈالی ہے اور انصاف کا حق ادا کیا ہے بس دو جگہ کی عبارت اور سنو۔

ہائے افسوس اُس خلیفہ پر جو حاکم بنایا جائیگا وہ محمدؐ کے بچوں کو قتل کریگا۔ وہ کمبخت خلیفہ ظالم۔ بدکار، خبیث عیش پسند ہوگا۔ میرے جانشین کو قتل کریگا۔ پھر جانشین کے جانشین کو۔ اس حدیث میں صریح معجزہ ہے آنحضرتؐ کا۔ آپنے یزید مردود ملعون کی خبر دی کہ وہ پہلے امام حسنؓ کو ہلاک کرائیگا جو آنحضرتؐ کے سچے خلیفہ اور قائم مقام اور امام برحق تھے۔ پھر اونکے جانشین یعنی امام حسینؓ کو قتل کرائیگا۔ ایسا ہی ہوا۔ اس یزید پلید خبیث۔ ناپاک ملعون نے پہلے امام حسنؓ کی بی بی جعدہ کو ملا کر آپ کو زہر دلایا پھر اوسپر بھی قناعت نہ کی امام حسینؓ کو مع اولاد اور اعزہ اور رفقاء بڑے ظلم اور سختی سے تشنہ اور پیاسا رکھکر قتل کرایا۔ لعنت خدا کی ایسے خلیفہ پر مترجم کہتا ہے جو لوگ معویہ کی خلافۃ کو صحیح جانتے ہیں اس وجہ سے کہ امام حسنؓ نے اپنی تئیں معزول کرکے خلافۃ اونکے تفویض کردی تھی۔ اونکو یزید کی بھی خلافۃ صحیح ماننا ہوگا کسلئے کہ معویہ جب خلیفہ برحق ہوئے تو معویہ نے جسکو خلیفہ بنایا اوسکی بھی خلافۃ صحیح ہوگی جیسے حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو خلیفہ بنایا تو حضرت عمر کی خلافۃ صحیح ہوئی کیونکہ خلیفہ برحق نے اون کو خلیفہ بنایا اور جب یزید خلیفہ برحق ہوا تو لامحالہ امام حسینؓ کو معاذ اللہ باغی قرار دینا ہوگا۔ نہ شہید فی سبیل اللہ۔ اس سے بڑھکر کیا گمراہی ہوگی۔ ہم اہلحدیث لوگ کہتے ہیں کہ نہ معاویہ کی خلافۃ صحیح تھی نہ یزید کی دونوں ظلمی اور جبری حکومتیں تھیں۔ یزید کی تو ظاہر ہے کہ ایک فاسق فاجر۔ دنیا کے تعیشات کا دلدادہ۔ رنڈی باز۔ شرابخور۔ کبوتر باز۔ مرغ باز۔ زبردستی حاکم بن بیٹھا اور معویہ کی خلافۃ اس وجہ سے صحیح نہ تھی کہ امام حسنؓ نے خوشی کے ساتھ اونکو مستحق سمجھکر خلافۃ اونکے سپرد نہیں کی تھی بلکہ مجبوری سے مصلحت وقت سمجھکر۔ کیونکہ معویہ جنگ پر مستعد تھے اور امام حسنؓ کو اپنی فوج کی وفاداری پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ آپنے یہ خیال کیا اگر اس وقت میں معویہ سے جنگ کرتا ہوں تو مسلمانوں کی خرابی اور اسلام کی بربادی کے سوا اور کوئی نتیجہ نہ ہوگا اسکے علاوہ میری جان بھی محفوظ نہ رہیگی۔ اور آنحضرت کی اولاد تباہ ہوگی قطع نظر اسکے معویہ کو خلافۃ کا بالکل استحقاق نہ تھا جب وہ امام برحق سے باغی ہوچکے تھے۔ وہ تو ازروئے قانون کورٹ مارشل کے لائق تھے۔ نہ وہ مہاجرین میں سے تھے۔ نہ انصار میں سے۔ بلکہ طلقاء میں سے

اور اُس وقت عشرہ مبشرہ میں سے سعد بن ابی وقاص زندہ تھے - اونکے مقابلہ میں فرمایئے
معویہ کو جو باغی اور طاغی اور مجرم سنگین تھے خلافۃ کا کیا استحقاق تھا اور اسی لئے سعد نے
معویہ کو جب سلام کیا تو کہا السلام علیک ایہا الملک اور یہ نہیں کہا السلام علیک یا امیرالمومنین
اسکے علاوہ جو معاہدہ معویہ سے ہوا تھا معویہ نے نقض عہد کرکے اوسپر عمل نہیں کیا بلکہ یزید کو خلیفہ
بنانے اور امام حسنؑ کے جان لینے کی فکر کی - اس لئے اگر اونکی خلافۃ بالفرض ابتداءً صحیح بھی
مانی جائے تو انتہاءً باطل ٹھہرتی ہے - خطابی نے کہا حدیث میں میرے جانشین سے امام
حسینؑ اور آپکی اولاد مراد ہیں جو آپکے ساتھ شہید ہوئے اور جانشین کے جانشین سے مہاجرین
اور انصار مراد ہیں جو یوم الحرہ شہید ہوئے - غرض یزید پلید نے نہ آنحضرتؐ کے جگر گوشوں
کا لحاظ کیا نہ آپکی اولاد کو چھوڑا - نہ دوسرے مہاجرین اور انصار کو - جنہوں نے آنحضرت پر
سے اپنا جان اور مال تصدق کیا - اور اونھیں کے جوتیوں کے طفیل سے یزید اور یزید کے
باپ کو اتنی بڑی حکومت اور بادشاہت ملی ورنہ جنگل میں سوّر چراتا پھرتا اونٹ کا دودھ
اور موت اور گوڑ پھوڑ کا گوشت کھاتا رہتا - اس محسن کشی اور کور نمکی کا کوئی ٹھکانا ہے"
"دیکھو اگر مسلمان یزید پلید کو تخت سے اتار دیتے اور امام حسین علیہ السلام کو جو اُس وقت کے
موجودہ لوگوں میں سب سے اعلیٰ اور افضل اور سب سے زیادہ خلافتہ کے مستحق تھے تخت پر بٹھلاتے تو یہ
خرابی اور بربادی دین کی اور اہلبیت رسول مقبولؐ کی کیوں ہوتی جس پر مخالفین اسلام یہود
اور نصاریٰ تک تعجب کر رہے ہیں اور سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ ایسے ظالموں اور بدکاروں کو
مسلمان خلفاء رسولؐ میں شمار کرتے ہیں بلکہ بعضے جاہل تو یزید کو پیغمبر سمجھے تھے انا للہ وانا الیہ
راجعون" (انوار اللغۃ پارہ ۲۶ صفحہ ۱۱)

(انوار اللغۃ پارہ ۲۶ صفحہ ۱۰) ۔

مولوی صاحب - بعض جاہل کیا علماء تک یہی اعتقاد رکھتے تھے گو زبان سے نہ کہیں کیونکہ
اسی وجہ سے تو انھوں نے کہا کہ حضرت حسینؑ اپنے نانا کی تلوار سے قتل کئے گئے یعنی جس طرح
حضرت رسولخداؐ پیغمبر تھے اسی طرح یزید بھی پیغمبر تھا تو یزید کی تلوار بالکل حضرت رسولخدا صلعم کی
تلوار ہوئی لہٰذا اس نے جو حضرت حسینؑ کو قتل کیا درحقیقت حضرت رسولخداؐ ہی کی تلوار سے
قتل کیا - علامہ شیخ ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام شیخ ابوبکر ابن عربی مالکی علیہ الرحمہ کہتے تھے لقد قتل

یزید الحسین الا بسیف جدہ یعنی یزید نے حسینؑ کو انکے نانا کی تلوار سے قتل کیا۔ پھر اس کا مطلب بھی واضح کردیا ہے وقول بعضھم لاملام علی قتلۃ الحسین لانھم انما قتلوہ بسیف جدہ الآمر بسلہ علی البغاۃ وقتالھم یعنی اے مسلمانو! تم ان لوگوں کی برائی اور ملامت نہ کرو جنہوں نے حسینؑ کو قتل کر دیا۔ اس لئے کہ حسینؑ کو لوگوں نے انکے نانا ہی کی تلوار سے قتل کیا ہے کیونکہ آپکے نانا حضرت رسولخدا صلعم ہی نے تو حکم دیا تھا کہ جو بادشاہ وقت کی بغاوۃ اور جنگ کرے وہی قتل کردیا جائے (منح مکیہ مطبوعہ مصر صـــ ۲۲۳)

حسینی بیگم۔ مگر مولانا وحیدالزمان خانصاحب کی مذکورہ بالا عبارتوں سے تو ثابت ہو چکا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے بغاوۃ کی ہی نہیں اس لئے کہ یزید خلیفہ ہی نہیں تھا تو اسکی مخالفت بغاوۃ کیسے کہی جائیگی۔ مولانا ممدوح نے اس قول کو بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ تحریر فرمایا ہے۔

اُن ابنی ھذا سید یہ میرا بیٹا (امام حسنؑ کی طرف اشارہ کیا) سردار ہے (یعنی بڑا شریف النفس کریم الطبع۔ ہمت والا۔ دنیا پر لات مارنے والا) اللہ تعالی اوسکے وجہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کو ملادیگا (اونمیں صلح ہو جائیگی لاکھوں آدمیوں کی جان اوسکی وجہ سے بچ جائیگی) اس حدیث کا ظہور ہوا امام صاحب نے دنیا کی حکومت اور دولت پر لات ماری اور معاویہ کو دیدی مگر افسوس کہ معاویہ نے اپنا عہد پورا نہ کیا اور امام حسنؑ کی جان لینے کے درپے ہوا۔ اور اپنی بیٹے یزید پلید سے بیعت کرنے کے لئے سب کو مجبور کیا۔ حالانکہ یزید کا کوئی حق نہ تھا کہ اوس کو مسلمانوں پر حکومت ملے بھلا جب فرشتے موجود ہوں تو کوئی شیطان کی حکومت منظور کریگا۔ مگر معلوم نہیں کہ اہل شام کس قبیل کے مسلمان تھے۔ امام حسینؑ کی کفش برداری کی بھی یزید لیاقت نہیں رکھتا تھا۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ کجا عیسٰے کجا دجال ناپاک۔ مگر امام صاحب کے موجود ہوتے ہوئے بھلے مانسوں نے یزید سے بیعت کرلی۔ اور اوسپر بھی اکتفا نہ کی۔ امام صاحب کے جان کے درپے ہو گئے۔ آخر کس ظلم اور شقاوۃ سے آپکو بچوں اور عزیزوں سمیت قتل کرایا۔ اگر اسلام ہمین ست کہ اینہا دارند وا گردرپے امروز بود فردائے۔ پھر لطف یہ کہ اب تک ان اہل شام کے چیلے چاپڑوں سے جہان پاک نہیں ہوتا۔ کوئی تو یزید کو پیغمبری تک پہونچا دیتا ہے کوئی اس کو خلیفہ برحق کہتا ہے۔ امام صاحب کو باغی قرار دیتا ہے۔ کوئی کہتا ہے اگر یزید امام صاحب کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتا

تب بھی میں اوس پر لعنت نہ کرتا۔ کیونکہ وہ اولو الامر میں سے تھا۔ کوئی کہتا ہے امام حسینؑ اوسی تلوار سے مارے گئے جو اونکے نانا کی تھی۔ اللہ اون لوگوں سے سمجھے معلوم نہیں قیامۃ کے دن آنحضرتؐ کے سامنے یہ لوگ اپنا منہ کیسے بتائیں گے۔ ہم تو یزید کو مع اوسکے معاونین جیسے شمر لعین۔ ابن زیاد۔ عمر بن سعد۔ خولی وسنان وغیرہم کو ملعون اور مطرود اور اشقی الخلق والخلیقہ جانتے ہیں۔ یزید سے بیعۃ تو کجا اگر ہم اوسکو پالیں تو اوسکے گوشت پوست کے ٹکرے کرکے چیل کوؤں کو کھلائیں اوس وقت ہمارے دل کی کچھ تشفی ہوگی اور ہمارا غیظ قلب کسی قدر کم ہوگا۔ الف الف لعنت یزید پر اور الف الف یزید کے طرفداروں اور حامیوں اور تعریف کرنے والوں پر جو اوسکو خلیفہ یا اولو الامر میں سے سمجھتے ہیں اون لوگوں کو اتنا وقوف نہیں کہ خلافۃ شرعی کوئی خالہ جی کا گھر ہے کہ جو زبردست ہوا اوس نے دبالیا اور خلیفہ بن بیٹھا ارے یارو خلافۃ صلحا اور عمائدین اور علماء اور فضلائے امت کے اتفاق اور مشورے سے منعقد ہوتی ہے یعنی یہ لوگ جسکو اہل قریش میں سے اس منصب علیٰ کے لائق پاتے ہیں اپنی خوشی سے نہ جبر واکراہ سے اوسکو خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔ پھر اگر وہ شریعۃ کے خلاف عمل کرنے لگے یا عمائدین امت سے مشورہ لینا چھوڑے۔ خودرائی اور استبداد اختیار کرے تو اوسی وقت اوس کو معزول کر دیتے ہیں ایسا شخص جو قرشی ہو اور باتفاق وصلاح ومشورہ عمائدین اور سلحاء امت مقرر ہوا ہو اوسکو خلیفہ کہہ سکتے ہیں نہ ہر آیرے غیرے نتھو خیرے تیخ کلیان قاچار۔ یا مغل افغان کو یہ لوگ کبھی خلیفہ شرعی نہیں ہوسکتے بلکہ قزل ارسلان کی طرح اگر شریعت کے تابع ہوں تو بادشاہ اسلام اور دنیاوی بادشاہ کہلائے جاسکتے ہیں۔ (انوار اللغۃ پارہ ۱۲ صہ ۱۵۴)

مولوی صاحب ۔ مولانا وحید الزماں خاں صاحب نے تو بعاوۃ کے مسئلہ کی پوری تحقیق کردی۔

حسینی بیگم ۔ اور یہ بھی تم نے سنا کہ ابن عربی صاحب کو خود بڑے بڑے علماء نے کافر کہا ہے۔ بلکہ تمہارے مولانا ابن تیمیہ بھی ابن عربی صاحب کو کافر کہتے تھے۔ جناب مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی نے تحریر فرمایا ہے "وشیخ الاسلام ابن تیمیہؒ تکفیر ابن عربی می کند یعنی شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ مثلاً ابن عربی کو کافر کہتے تھے"۔

(دلیل الطالب ص ۱۵۹)

اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مصنف تحفہ اثنا عشریہ نے تحریر فرمایا ہے

سوال:- باوصف صحۃ حدیث خلافۃ الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ و ترک خلافۃ حضرت امام حسن رض بجہت استماع ہمیں حدیث پس حضرت امام حسین رض بر کدام دعوے از مکہ معظمہ برآمدہ در کربلا شہید شدند۔ وعلاوہ حدیث متواتر در مشکوٰۃ وغیرہ موجود است کہ اکثر بادشاہان ظالم خواہند بود و بسیار ظلم خواہند کرد صحابہ عرض نمودند کہ در آں وقت مسلمانان تعرض از بادشاہان نہ خواہند کرد حضرت علیہ السلام فرمودند کہ مسلمانان را نمی رسد کہ از بادشاہ وقت کہ بہ تسلط سلطنت گرفتہ باشد تعرض نمایند ورنہ آں مسلمانان خود ظالم و باغی خواہند گردید پس حضرت امام حسین رض چرا مقابلہ کردند و سلطنت یزید از روئے تسلط ظاہر و ثابت است۔ جواب:- خروج حضرت امام حسین علیہ السلام بنا بر دعوےٰ خلافۃ راشدہ پیغامبر کہ بر در سی سال منقضی گشت نبود بلکہ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود۔ واعانۃ المظلوم علی الظالم من الواجبات۔ وانچہ در مشکوٰۃ ثابت است کہ حضرت از بغی و خروج بر بادشاہ وقت اگرچہ ظالم باشد منع فرمودہ اند پس در آں وقت است کہ آں بادشاہ ظالم بلا منازع و مزاحم تسلط تام پیدا کردہ باشد۔ وہنوز اہل مدینہ و اہل مکہ و اہل کوفہ بہ تسلط یزید پلید راضی نہ شدہ بودند و مثل حضرت امام حسین و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بیعۃ نہ کردہ۔ بالجملہ خروج حضرت امام حسین رض برائے دفع تسلط او بود نہ برائے رفع تسلط وانچہ در حدیث ممنوع است آں خروج است کہ برائے رفع تسلط سلطان جائر باشد والفرق بین الدفع والرفع ظاہر مشہور فی المسائل الفقہیۃ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:-

سوال:- باوجودیکہ آنحضرت صلعم کی یہ حدیث کہ میرے بعد خلافۃ صرف تیس سال رہیگی صحیح ہے اور باوجودیکہ حضرت امام حسن رض نے اسی حدیث کو سنکر خلافۃ کو ترک کر دیا تھا پھر حضرت امام حسین رض کس دعوی کی بنا پر مکہ معظمہ سے تشریف لاکر کربلا میں شہید ہوگئے۔ اور علاوہ حدیث متواتر کے مشکوٰۃ شریف وغیرہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اکثر بادشاہ ظالم ہی ہونگے اور وہ بہت ظلم کرتے رہیں گے۔ اس پر صحابہ نے عرض کی کہ اُس وقت کے مسلمان اُن بادشاہوں سے مقابلہ یا اونکی مخالفۃ کریں یا نہیں؟ حضرت صلعم نے

فرمایا کہ مسلمانوں کو مناسب نہیں ہے کہ اس بادشاہ سے جس نے اپنے تسلط سے سلطنت کو
حاصل کر لیا ہو مقابلہ یا اسکی مخالفت کریں۔ اگر اس وقت کے مسلمان ان ظالم بادشاہوں
سے مقابلہ کرینگے تو خود ہی ظالم اور باغی ہو جائیں گے۔ پس باوجود اس حدیث کے حضرت
امام حسین رض نے کیوں مقابلہ کیا اس لئے کہ یزید کی سلطنت تو اسکے تسلط کی وجہ سے قائم اور
ثابت ہو چکی تھی۔ جواب: حضرت امام حسین علیہ السلام نے خلافتہ راشدہ کے دعوے
کے مطابق یزید سے مقابلہ نہیں کیا کیونکہ خلافتہ راشدہ تو آنحضرت صلعم کی حدیث کے مطابق
تیس سال گزرنے پر ختم ہو چکی تھی۔ بلکہ حضرت نے یزید کی مخالفتہ اس غرض سے کی کہ مسلمان
رعایا کو ظالم (یزید) کے پنجہ سے نجات دلائیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ مظلوم کو ظالم کے ظلم سے
بچانا اور اسمیں مظلوم کی ہر طرح مدد کرنا واجب ہے اور مشکوٰۃ شریف میں جو یہ حدیث ہے
کہ آنحضرت صلعم نے ہر بادشاہ وقت سے اگرچہ وہ ظالم ہو مقابلہ یا بغاوۃ اور مخالفتہ کرنے
کو منع فرمایا ہے تو یہ اس وقت کے لئے ہے جب وہ بادشاہ بغیر کسی روکنے یا اعتراض یا
مقابلہ کرنے والے کی مخالفتہ کئے ہوئے پورا تسلط پیدا کرلے مگر یزید پلید کو تو ایسا تسلط ہوا
نہیں تھا کیونکہ ابھی مدینہ مکہ اور کوفہ والے اس کے تسلط سے راضی نہیں تھے اور حضرت امام
حسین و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن زبیر رض ایسے لوگوں نے اسکی بیعۃ
نہیں کی تھی۔ مختصر یہ کہ حضرت امام حسین رض نے جو یزید سے مقابلہ اور اسکی مخالفتہ کی وہ صرف اسلئے
کہ ظالم یزید کا تسلط نہ ہونے دیں نہ اس لئے کہ اس کا تسلط ہو چکا تھا اسکے اُٹھانے کے
لئے حضرت آمادہ ہوئے۔ اور حدیث میں جو بات منع کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ جس بادشاہ
ظالم کا تسلط ہو چکا ہو اسکو نہ اُٹھاؤ۔ یہ منع نہیں ہے کہ کسی ظالم کا تسلط ہی نہ ہونے دو
اور اس بات میں کہ کسی ظالم بادشاہ کا تسلط ہونے ہی نہ دیا جائے اور اسمیں کہ اس کا جو تسلط
ہو چکا اسکو اٹھا دیا جائے بہت فرق ہے۔ جو فقہ کے مسائل میں مشہور ہے (فتاویٰ عزیزی
جلد ۱ صـ۲۱)

مولوی صاحب۔ واہ۔ واہ۔ واہ۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی علیہ الرحمہ
نے کیسی باریک بات پیدا کی ہے۔

حسینی بیگم۔ بے شک انکا کیا کہنا ہے۔ اس سے حضرت نے بالکل واضح کردیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر واجب تھا کہ یزید سے مقابلہ اور اُس سے مخالفت کریں تاکہ مسلمان اسکے ظلم سے بچیں۔ اور حضرت علامہ جناب مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی لکھنوی رحمۃ اللہ نے بھی اس بات کو سمجھا کر لکھا ہے چنانچہ تحریر فرمایا ہے "بعضے در شان وے براہ افراط مولا رفتہ می گویند کہ وے بعد از آں کہ بہ اتفاق مسلمانان امیر شد اطاعتش بر امام حسین واجب شد۔ و نہ دانستند کہ وے باوجود امام حسین امیر شود؟ اتفاق مسلمانان کے شد؟ جماعتے از صحابہ و اولاد صحابہ و اولاد صحابہ خارج از اطاعۃ او بودند۔ و برخے کہ حلقۂ اطاعۃ او بہ گردن انداختند چوں حال او از شرب خمر و ترک صلوٰۃ و زنا و استحلال محارم معائنہ کردند بمدینہ منورہ باز آمدند و خلع بیعۃ کردند یعنی بعض لوگ یزید کے بارے میں افراط اور محبت کی راہ سے کہتے ہیں کہ جب یزید مسلمانوں کے اتفاق سے امیر ہوگیا تو امام حسینؑ پر بھی اسکی اطاعۃ واجب ہوئی حالانکہ وہ نہیں سمجھتے کہ امام حسینؑ کے رہتے ہوئے کیا یزید خلیفہ ہو بھی سکتا تھا؟ اس مسلمانوں کا اتفاق کب ہوا؟ صحابہ اور اولاد صحابہ سے ایک جماعۃ اوسکی اطاعۃ سے تو خارج ہی تھی۔ اور کچھ لوگوں نے جو اوسکی بیعۃ کرلی تھی جب اوسکی شرابخواری۔ نماز چھوڑے رہنے۔ زنا کرنے ماں بہنوں سے منہ کالا کرنے کو دیکھا تو مدینہ منورہ میں واپس آئے اور اسکی بیعۃ اپنی اپنی گردن سے نکال دی (مجموعہ فتاوے جلد ۳ صـ)۔ اب تم ہی بتاؤ کہ جب یزید حاکم ہی نہ تھا تو پھر کوئی شخص اسکے خلاف ہو کر اور اس کا مقابلہ کرکے اس کا باغی کیونکر کہا جاسکتا ہے؟ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر حضرت امام حسینؑ باغی ہوتے تو خود حضرت رسولخدا صلعم کی روح آپ سے ناراض ہوتی اور آپ کے قتل کو آپکی بغاوۃ کی سزا سمجھتی مگر تمام کتابوں میں بھرا ہوا ہے کہ حضرتؑ کی شہادت کے بعد جناب ام سلمہ اور جناب ابن عباس نے جناب رسولخداؐ کو خواب میں دیکھا کہ بہت مصیبت زدہ اور غمناک ہیں۔ جب ان لوگوں نے اسکی وجہ دریافت کی تو حضرتؐ نے فرمایا کہ ابھی میرا حسین قتل کیا گیا۔ بلکہ اگر حضرت باغی ہوتے تو خدا بھی حضرتؑ کے قاتلین سے غضبناک نہیں ہوتا حالانکہ اس کے غضب کے ذکر سے کتابیں بھری ہیں (دیکھو سر الشہادتین و صواعق محرقہ)

چھبیسواں باب ۲۶

یزید کے فضائل کی بحث - یزید کی نبوت

مولوی صاحب - مولانا وحید الزماں خانصاحب اور مولانا عبدالحی صاحب وغیرہ یزید میں ہر برائی دکھاتے ہیں مگر حضرت علامہ مولانا ابن تیمیہ علیہ الرحمہ نے تو یزید کی فضیلت لکھی ہے - ذرہ منہاج السنۃ نکال لاؤ (انکے یہ کہنے پر حسینی بیگم نے منہاج السنۃ لاکر دیدی تو مولوی صاحب نے کہا) دیکھو اسمیں تحریر فرمایا ہے الناس فی یزید طرفان ووسط قوم یعتقدون انہ من الصحابہ او من الخلفاء الراشدین المھدیین او من الانبیاء یعنی یزید کے بارے میں مسلمانوں کے تین گروہ ہیں - بہت سے مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ وہ صحابہ سے تھا بلکہ خلفاء راشدین میں داخل تھا بلکہ پیغمبر تھا (منہاج السنۃ جلد ۲ طبع ۲۴۶ وصفحہ ۲۳۹)

حسینی بیگم - جی ہاں ایسے ایمان والے بھی تھے جو معاذاللہ یزید کو نبی اور پیغمبر جانتے تھے - علامہ ممدوح نے اپنی ایک دوسری کتاب میں بھی لکھا ہے اقوام یعتقدون انہ کان اماما عادلا ھادیا مھدیا وانہ کان من الصحابۃ او اکابر الصحابۃ وانہ کان من اولیاء اللہ تعالیٰ وربما اعتقد بعضھم انہ کان من الانبیاء وانہ کان من اولیاء اللہ ویقولون من وقف فی یزید وقفہ اللہ علی نار جھنم یعنی مسلمانوں کی بہت سی قوموں کا اعتقاد ہے کہ یزید امام - عادل - ہادی - مہدی تھا وہ صحابہ بلکہ صحابہ کرام سے تھا - اور یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید اولیاء اللہ سے تھا - اور بہت سے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ یزید نبی تھا اور اولیاء خدا سے تھا اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو شخص یزید کو خدا کا ولی اور پیغمبر نہ مانیگا اسکو اللہ جہنم کی آگ میں جھونک دیگا (وصیۃ کبریٰ از علامہ ابن تیمیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۳۰) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یزید کی نسبت مسلمانوں کا یہ اعتقاد بوجہ جلالت دربار نہیں تھا اور نہ بوجہ اسکی ظاہری شان وشوکت کے بلکہ اسکے مرنے کے بہت مدت کے بعد مسلمانوں میں یہ اعتقاد پیدا ہوا جو برابر قائم رہا اور اس اعتقاد کے

مسلمان حضرت مولانا ابن تیمیہ کے زمانہ تک کثرت سے تمام پھیلے ہوئے تھے۔

مولوی صاحب - سخت تعجب ہے کہ مسلمانوں نے یزید کا درجہ حضرت رسولخدا صلعم کے برابر کردیا اور اسکو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق سے بھی بڑھادیا۔

حسینی بیگم - اگر حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم امام حسینؑ کو قتل کئے ہوتے تو انکا درجہ بھی زیادہ بڑھادیا گیا ہوتا۔

مولوی صاحب - مگر مولانا ابن تیمیہ نے یزید کی فضیلت کی ایک ایسی بات لکھی ہے جس سے مولانا وحید الزماں خان صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب کی بیان کردہ برائیاں جو اسکی لکھی ہیں حرف غلط ثابت ہوجاتی ہیں۔

حسینی بیگم - ذرہ پڑھو وہ کونسی بات ہے۔

مولوی صاحب - دیکھو لکھتے ہیں:- كان الصحابة رضي الله عنهم يغزون مع يزيد وغيره فانه غزا القسطنطنية في حياة ابيه معويةؓ وكان معه في الجيش ابو ايوب الانصاري رضي الله عنه وذلك الجيش اول جيش غزا القسطنطنية وفي صحيح البخاري عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبيؐ انه قال اول جيش يغزوا القسطنطنية مغفور لهم یعنی صحابہ رضی اللہ عنہما یزید کی ماتحتی میں جاکر جہاد کرتے تھے۔ چنانچہ معویہ کی زندگی میں یزید نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تو جو لشکر اسکی ماتحتی میں تھا اسمیں حضرت ابوایوب انصاری بھی تھے۔ اور یہی وہ پہلا لشکر ہے جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔ اور صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ قسطنطنیہ پر جو لشکر پہلے پہلے حملہ کریگا خدا اس کو بخش دیگا (منہاج السنۃ جلد ۲ صـ ۲۴۵ و ۲۵۲ وغیرہ)۔ اب تم ہی بتاؤ کہ جب حضرت رسولخدا صلعم نے ہی یزید کی مغفرت کی پیشین گوئی کردی تھی تو وہ جو چاہے کرے خدا اسکو ضرور بہشت میں داخل کرے گا۔ اسلئے کہ حضرت رسولخدا صلعم کی پیشین گوئی تو غلط نہیں ہوسکتی ہے۔

حسینی بیگم - ہاں یہ تو محال ہے کہ حضرت صلعم کی خبر غلط ہوجائے۔ مگر صحیح بخاری شریف میں یزید کا ذکر کہاں ہے جس سے یہ ثابت ہوسکے۔ مجھے تو یہ بھی یاد نہیں پڑتا

کہ بخاری شریف میں قسطنطنیہ کا ذکر ہو۔ تم تو اس کتاب سے بہت کام لیتے ہو۔ تمہیں یاد ہوگا۔ بتاؤ تو قسطنطنیہ کا ذکر کس پارے یا کس باب میں ہے۔

مولوی صاحب۔ مجھے بھی یاد نہیں پڑتا کہ یہ لفظ بخاری شریف میں آیا ہے۔ مگر ممکن ہے کہ اسمیں ہو اور ہم لوگوں کو خیال نہ ہو۔

حسینی بیگم۔ اگر بخاری شریف میں یہ لفظ نہیں ہے تو مولانا ابن تیمیہ سے سخت تعجب ہے کہ ایسی اجرت کر دی کہ جس چیز کا نام ہی صحیح بخاری میں ہو اس کے بارے میں ایک مستقل روایت وضع کر دیں اور اُس پر عالی شان عمارت قائم کر لیں

مولوی صاحب۔ ہاں یہ بات تو نہایت درجہ قابل نفرت ہے۔

حسینی بیگم۔ مجھے صحیح بخاری شریف کی جو حدیث خیال پڑتی ہے یہ ہے قال النبیؐ اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم یعنی فرمایا حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اول جیش (پہلا لشکر) میری امت کا جو قیصر کے شہر پر چڑھائی کریگا وہ مغفور ہے (صحیح بخاری جلد اول کتاب الجہاد باب ما قیل فی قتال روم ص ۱۱۴ مطبوعہ دہلی) اس حدیث میں قسطنطنیہ کا ذکر نہیں بلکہ قیصر کے شہر کا ذکر ہے

مولوی صاحب۔ تو یہی شہر قسطنطنیہ ہوگا۔

حسینی بیگم۔ نہیں یہ ضروری نہیں کہ قیصر کا ہر شہر قسطنطنیہ ہی ہو جائے۔ اسکی سلطنت کا ہر شہر اسی کا شہر کہا جائیگا۔ میں اس حدیث کے متعلق جو سمجھی ہوں اسکو بیان کروں تب تم میری غلطی کو بتا دینا۔

مولوی صاحب۔ اچھا بیان کرو۔

حسینی بیگم۔ سب سے پہلا شخص جس نے اس حدیث سے فضیلت یزید پر استدلال کیا مہلب ہے جو معاویہ کے وقت سے عبدالملک کے زمانہ تک عراق وغیرہ کا گورنر رہا ہے اور حجاج کے مخصوص مصاحبین میں تھا۔ پھر اس شخص کی محبت بنی امیہ اور ہوا خواہی وطرفداری یزید کا کیا کہنا ہے مگر الحمد للہ کہ ہمارے علماء مثلاً علامہ ابن حجر عسقلانی و علامہ عینی و علامہ قسطلانی وغیرہم نے شروح بخاری مثلاً فتح الباری و عمدۃ القاری و ارشاد الساری وغیرہا

میں اس حدیث کی شرح میں مہلب کا قول اور ابن التین اور ابن المنیر کے جوابوں کو نقل کیا اور خود بھی اکی رد کی اور جوابات دیئے ہیں جو یہ ہے کہ لایلزم من دخوله فی ذلک العموم ان لایخرج بدلیل خاص اذ لایختلف اهل العلم ان قوله مغفور لهم مشروط بان یکون من اهل المغفرة حتی لو ارتد واحد من غزاها بعد ذلک لم یدخل فی ذلک العموم اتفاقا فدل علی ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فیه منهم (فتح الباری جلد ۱۱ صـ ۹۲ و قسطلانی جلد ۵ صـ ۱۰۴ و عینی جلد ۶ صـ ۲۷۵)

یعنی اس عام حکم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی دلیل خاص سے بھی اس حکم سے خارج نہ ہو کیونکہ باتفاق اہل علم یہ مغفوریت مشروط ہے۔ اس امر کے ساتھ کہ اس شخص میں مغفور ہونے کی صلاحیت اور اہلیت بھی موجود ہو۔ یہاں تک کہ اگر ان غازیوں سے کوئی شخص بعد میں مرتد ہوجائے تو وہ باتفاق اس حکم عموم میں داخل نہ ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ مغفوریت اسکے لئے ہوگی جسمیں شرط مغفوریت پائی جائے۔ انتہی مطلب یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہوگیا تو اس حدیث کی رو سے یزید کا مغفور ہونا لازم نہیں آسکتا کیونکہ وہ مغفرت کا اہل ہی نہ تھا اور اسمیں شرط مغفوریت وصلاحیت مغفرت موجود ہی نہیں تھی۔ پس وہ اس عموم حکم سے خاص اور اس سے خارج ہے اور اس کا اس حکم سے خارج ہونا اور اسمیں داخل نہ ہونا بدلائل کثیرہ ثابت ہے منجملہ اونکے قتل امام حسینؑ ہے جسکی تصریح قسطلانی نے بھی کردی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔ وقد اطلق بعضهم فی ما نقله المولی سعد الدین اللعن علی یزید لما انه کفر حین امر بقتل الحسینؑ واتفقوا علی جواز اللعن علی من قتله او امر به او اجازه او رضی به والحق ان رضا یزید بقتل الحسینؑ واستبشاره بذلک واهانته اهل بیت النبیؐ مما تواتر معناه وان کان تفاصیلها احادا یعنی بعضوں نے مطلقاً کہا ہے جیسا کہ مولی سعد الدین تفتازانی بعض محققین سے نقل فرماتے ہیں کہ یزید اسی وقت کافر ہوگیا جب اس نے قتل امام حسینؑ کا حکم دیا اور علما اہلسنت کا اتفاق ہے اس امر پر کہ جس شخص نے امام حسینؑ کو قتل کیا یا اوس کا حکم دیا یا اوسکی اجازت دی یا اوس سے

راضی ہوا ان سب پر لعنت کرنا جائز ہے۔ اب علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ
یزید کا قتل امام حسینؑ سے راضی اور خوش و مسرور ہونا اور اہلبیت نبوی صلعم کی اہانت کرنا
بتواتر معنوی ثابت ہے اگرچہ اسکی تفاصیل احادسے ملی ہیں انتہی۔ اب زیادہ تحقیق
وتفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ علامہ ابن تیمیہ یزید کی بخشش کی دلیل یہی دیتے ہیں کہ
معلوم ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس فوج نے قسطنطنیہ پر لڑائی کی اس کا سپہ سالار
یزید ہی تھا " تو آؤ تاریخ اسلام سے دریافت کریں کہ جس فوج نے قسطنطنیہ پر لڑائی
کی اوس کا سپہ سالار کون تھا۔ اسلام کی سب سے بڑی اور مشہور جامع تاریخ کامل ابن اثیر کی
ہے اوسکی جلد ۳ صفحہ ۱۸۱ مطبوعہ مصر میں یہ عبارت ہے فی ھذہ السنۃ وقیل سنۃ
خمسین سیر معویۃ جیشا کثیفا الی بلاد الروم للغزاۃ وجعل علیھم سفیان
ابن عوف اور تاریخ ابن خلدون مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۹ میں ہے ثم بعث معویۃ
سنۃ خمسین جیشاً کثیفا الی بلاد الروم مع سفیان بن عوف یعنی معویہ نے سنہ ۵۰ھ
میں ایک فوج کثیر ملک روم کیطرف سفیان بن عوف کی سرداری میں روانہ کی۔ ان عبارتوں
سے ثابت ہوا کہ اس لشکر کا سردار یزید نہیں بلکہ سفیان بن عوف تھا۔ لہذا ابن تیمیہ صاحب
کی عمارت پوری منہدم ہو گئی۔ ہاں ان کتابوں میں یہ ضرور ہے کہ معویہ نے اپنے بیٹے یزید کو
بھی اس فوج کے ساتھ جانے کو کہا تو یزید ٹال مٹول کرنے لگا۔ معویہ نے چھوڑ دیا زیادہ
اصرار نہیں کیا۔ پھر جب فوج کی پریشان حالی کی خبر مشہور ہوئی اور معویہ کو معلوم ہوا کہ یزید نے
اس بارے میں چند شعر بھی کہے ہیں تو اس نے قسم کھائی کہ ضرور یزید کو وہاں جاکر اس فوج
سے ملنا ہوگا۔ تب یزید دوسری فوج کے ساتھ جو معویہ نے بعد کو جمع کیا تھا روانہ ہوا۔
اوسمیں حضرت ابن عباس اور ابن عمر و ابن زبیر و ابو ایوب انصاری بھی تھے۔ اور
علامہ عینی عمدۃ القاری جلد ۶ صفحہ ۴۹ میں اس لشکر کے متعلق لکھتے ہیں کہ غالباً یہ صحابہ کرام
(ابن عباس وغیرہ) اصل لشکر میں سفیان بن عوف کے ساتھ تھے نہ یزید پلید کے ہمراہ
کیونکہ وہ نالائق اس کا اہل نہ تھا کہ یہ جلیل القدر اصحاب اسکے ماتحت ہوں۔ ان تمام عبارتوں
کا نتیجہ یہ نکلا کہ یزید نہ تو اصل لشکر کا امیر جیش تھا نہ افسر نہ سپہ سالار بلکہ وہ تو اس اول جیش

میں شریک بھی نہیں ہوا۔ پھر دوسری مرتبہ معویہ نے زبردستی قسمیں دیکر مجبور واکراہ ادھر روانہ کیا۔ ایسی صورت میں وہ کیونکر مغفور ہوسکتا ہے اور اول لشکر میں اس کا شمول کس طرح ہوگا۔ کیونکہ سب سے پہلی فوج تو وہ تھی جسکے سپہ سالار سفیان بن عوف تھے اور اسمیں یزید گیا ہی نہیں۔ الفاظ حدیث کو پھر پڑھو" سب سے پہلے قسطنطنیہ پر جو فوج لڑے گی اسکی بخشش ہوگی"۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلی فوج کے بعد جو فوج لڑے گی اسکی بخشش کا ذکر نہیں ہے اور تاریخ کامل و ابن خلدون سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلی فوج سفیان بن عوف کے ساتھ گئی اور لڑی اور یزید کو معویہ نے جانے کو کہا مگر وہ نہیں گیا۔ بعد کو دوسری فوج معویہ نے بھیجی تب گیا لہذا بخشش کا وعدہ جو کچھ ہے وہ پہلی فوج والوں کے لئے۔ اور یزید اس فوج میں گیا ہی نہیں تو اسکی بخشش کا وعدہ بھی نہیں ہوا۔ گویا قدرت نے یزید کو پہلی فوج کے ساتھ جانے سے روک لیا تاکہ حدیث صحیح بخاری کے مطابق وہ مغفور نہ ہوجائے اور تاریخ ابوالفدا سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یزید قسطنطنیہ گیا ہی نہیں۔ نہ پہلی فوج کے ساتھ نہ دوسری فوج کے ہمراہ چنانچہ جلد ا صفحہ ۱۸۶ میں ہے:۔ سیر معویۃ جیشا کثیفا مع سفیان بن عوف الی القسطنطنیہ فاوغلوا فی بلاد الروم وحاصروا القسطنطنیہ وکان فی ذلک الجیش ابن عباس وعمر وابن الزبیر وابوایوب الانصاری وتوفی فی مدۃ الحصار ابوایوب الانصاری یعنی معویہ نے قسطنطنیہ کی طرف ایک بڑی فوج سفیان بن عوف کے ساتھ بھیجی وہ روم کے شہروں میں گھس گئے اور قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا۔ اور اس فوج میں ابن عباس۔ ابن زبیر ابوایوب انصاری بھی تھے۔ اور زمانہ محاصرہ میں ابوایوب انصاری نے وہیں وفات پائی۔ انتہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس برات کا سامان ابن تیمیہ صاحب کر رہے ہیں اسکے نوشاہ (یزید) کا پتہ ہی نہیں ہے۔

ایک اور بات خیال کرنے کی ہے کہ یزید کی محبت میں ابن تیمیہ صاحب نے حدیث صحیح بخاری کے الفاظ میں تحریف کردی ہے جس سے مطلب کچھ کا کچھ ہوگیا۔ اصل حدیث صحیح بخاری مطبوعہ دہلی کتاب الجہاد صفحہ ۴۱۰ میں یوں ہے قال النبی اول جیش من امتی یغزون

مدینۃ قیصر مغفور لھم یعنی رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ میری امت سے سب سے پہلی فوج جو قیصر کے شہر پر حملہ کریگی بخشی جائیگی۔ اس حدیث میں کہیں قسطنطنیہ کا لفظ نہیں ہے نہ معویہ کا نہ یزید کا۔ بلکہ صرف اوس فوج کا ذکر ہے جو سب سے پہلے قیصر کے شہر پر چڑھائی کریگی۔ پس اسی کی تحقیق کر لینے سے کہ آنحضرت صلعم کی امت سے سب سے پہلی کس فوج نے قیصر کے شہر پر چڑھائی کی اس حدیث کا فیصلہ ہو جائیگا۔ اگرچہ ہمارے بعض علماء اسکے متعلق لکھتے ہیں "کہ قرینہ غالب ہے کہ اس سے مراد شہر حمص ہو اس لئے کہ شام میں قیصر کا دارالسلطنت وہیں تھا۔ چنانچہ رسول خدا صلعم کا نامہ مبارک بھی ایلیا میں ملا تھا اسکے بعد وہ حمص میں مقیم ہوا اور وہیں اسکی فوج اور علماء روم بھی رہتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری سے خود یہ ظاہر ہے۔ اور یہ شہر حمص اور ایلیا وغیرہ سنہ ۱۶ھ میں بزمانہ خلافت شیخین فتح ہوا تھا۔ اس وقت یزید رحم مادر میں بھی نہ تھا پھر کہاں کا غزوہ اور کس کی مغفرت" چنانچہ فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۹۲ میں ہے وجوز بعضھم ان المراد بمدینۃ قیصر المدینۃ التی کان بھا یوم قال النبی تلک المقالۃ وھی حمص وکانت دار مملکتہ اذ ذاک یعنی بعضوں نے کہا ہے کہ قیصر کے شہر سے مراد اس کا وہ شہر ہے جسمیں وہ اُس وقت تھا جب آنحضرت صلعم نے یہ حدیث بیان فرمائی تھی اور وہ شہر حمص ہے کیونکہ یہی اس وقت اس کا دارالسلطنت تھا۔ اور شیخ الاسلام شرح فارسی صحیح بخاری میں فرماتے ہیں "وبعضے تجویز کنند کہ مراد بمدینہ قیصر مدینہ باشد کہ قیصر در آں جا بود روزے کہ فرمود ایں حدیث را آنحضرت صلعم و آں حمص است کہ در آں وقت دار المملکت او بود" (حاشیہ تیسیر القاری جلد ۴ صفحہ ۶۶۹) اس سے یہ تو صاف ہو گیا کہ اول جیش سے مراد وہ لشکر نہیں ہے جس نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کی تھی اور نہ اس حدیث سے یزید کی مغفرت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی ہمارے علماء کو ذرہ اشتباہ رہ گیا کیونکہ وہ حضرات مدینۃ قیصر سے خاص اس کا دارالسلطنت مراد لیتے ہیں جس سے کوئی قسطنطنیہ سمجھتا ہے اور کوئی حمص۔ لیکن الفاظ حدیث میں نہ دارالسلطنۃ کا ذکر ہے اور نہ دارالمملکۃ کا بلکہ صرف مدینۃ قیصر ہے اور اس سے ہر وہ شہر مراد ہے جو قیصر کی بادشاہت میں ہو لہذا اسکی تعیین اس لشکر سے ہوگی جو سب سے پہلے قیصر کے شہر میں گیا اور

یہ وہ لشکر ہے جو شہ ہجری میں غزوہ موتہ کے لئے گیا ہے کیونکہ وہ حضرت کی امۃ کا لشکر تھا اور سب سے پہلا لشکر تھا جو قیصر کے شہر کیطرف نکلا ہے۔ زمانہ حال کے مشہور مورخ و علامہ اہل سنت مولوی شبلی صاحب اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۴۲۷ میں لکھتے ہیں "موتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جو بلقا سے اس طرف ہے.. سلاطین اور رؤسار کو دعوت اسلام کے جو خطوط بھیجے گئے انمیں ایک خط شرجیل بن عمرو کے نام تھا جو بصری (حوران) کا بادشاہ اور قیصر کا ماتحت تھا۔ یہ عربی خاندان ایک مدۃ سے عیسائی تھا اور شام کے سرحدی مقامات میں حکمران تھا۔ یہ خط حارث بن عمیر لے کر گئے تھے۔ شرجیل نے انکو قتل کر دیا اسکے قصاص کے لئے آنحضرت صلعم نے تین ہزار فوج طیار کر کے شام کی طرف روانہ کی۔ زید بن حارثہ کو جو آنحضرت کے آزاد کردہ غلام تھے سپہ سالاری ملی"۔ اس سے معلوم ہوا کہ موتہ قیصر کی سلطنت کا شہر تھا اور آنحضرت صلعم نے وہاں زید بن حارثہ کی ماتحتی میں فوج بھیجی لہذا اگر اس سے پہلے کوئی فوج آپکی امت کی ملک شام میں نہیں گئی تو اس حدیث صحیح بخاری کا مصداق یہی غزوہ موتہ ہوگا۔ اور تمام تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ سے پہلے کوئی فوج مسلمانوں کی شام میں چڑھائی کے لئے نہیں گئی۔ چنانچہ تاریخ ابوالفدار جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۲ میں ہے:۔ ثم کانت غزوہ موتہ وھی اول الغزوات بین المسلمین والروم یعنی پھر غزوہ موتہ ہوا اور مسلمانوں اور رومیوں (قیصر والوں) کے درمیان یہی پہلا غزوہ تھا۔ لہذا قطعاً پہلی فوج قیصر کے شہر پر چڑھائی کرنے والی اسی غزوہ موتہ کی تھی نہ کوئی اور۔ اسکو مختصر لفظوں میں یوں سمجھو کہ عدن انگریزوں کا شہر ہے۔ کوئی شخص کسی عرب سے پوچھے کہ یہ کس کا شہر ہے تو فوراً کہدیگا کہ "ھذا مدینۃ انکلس یہ انگریزوں کا شہر ہے"۔ اور جدہ کو پوچھے تو فوراً کہدیگا "ھذہ مدینۃ العرب یہ عربوں کا شہر ہے"۔ جس کا مطلب یہی ہوگا کہ عدن انگریزوں کے قبضہ کا اور جدہ عربوں کے قبضہ کا شہر ہے۔ اس کا مطلب کوئی شخص یہ نہیں سمجھے گا کہ عدن انگریزوں کا دارالسلطنت اور جدہ عربوں کا پایہ تخت ہے۔ اسی طرح حضرت کی حدیث میں مدینۃ قیصر کا مطلب ہے کہ وہ شہر جو قیصر کے قبضہ میں ہو نہ وہ شہر جسمیں وہ

رہتا ہو۔ اگر پایہ تخت یا دار السلطنۃ کہنا ہوتا تو آنحضرت مدینۃ قیصر نہیں فرماتے بلکہ دار ملک قیصر یا دار مملکۃ قیصر یا دار امارۃ الروم یا دار ملک الروم فرماتے۔ چنانچہ علامہ علی بہجت وکیل دار الآثار العربیۃ کی کتاب قاموس الامکنۃ والبقاع مطبوعہ مصر ۱۶۷ میں ہے القسطنطنیۃ اسمھا بیزنطیۃ فنزلھا قسطنطنین الاکبر وبنی علیھا سورا وسماھا باسمہ۔ وصارت دار ملک الروم یعنی شہر قسطنطنیہ میں قسطنطین اکبر نے قیام کیا تو اسکو اپنے نام سے موسوم کیا اور وہ رومیوں کا دار السلطنۃ ہو گیا" دیکھا تم نے قسطنطنیہ کو مدینۃ قیصر نہیں کہتے بلکہ دار ملک الروم کہتے تھے۔ اسی طرح ص۱۴۰ میں مدائن کے متعلق "صارت دار الامارۃ یعنی مدائن حکومت کی جگہ ہو گیا" غرض کسی طرح مدینۃ قیصر سے مراد اس کا پایہ تخت نہیں ہے بلکہ اس کا معنی صرف "قیصر کا شہر" ہے اور پہلا لشکر جو قیصر کے شہر میں گیا وہ غزوہ موتہ کے مجاہدین تھے جو زید بن حارثہ اور جناب جعفر بن ابیطالب کے ہمراہ گئے تھے لہذا اس حدیث سے یزید کی مغفرت پر کسی طرح استدلال صحیح نہیں ہو سکتا وہ اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔

مولوی صاحب۔ تم نے تو ایسی توضیح سے اس مسئلہ کی تحقیق کی کہ اسکے متعلق میں کچھ بول ہی نہیں سکتا ہوں۔

حسینی بیگم۔ اب یزید کی مذمت بھی دیکھو کہ حضرت رسولخدا صلعم نے کس کس طرح فرمائی تھی۔ علامہ عینی محدث حنفی نے تحریر فرمایا ہے:۔ وای منقبۃ کانت لیزید وحالہ مشہور یعنی یزید کی کون سی فضیلت ہو سکتی ہے جب کہ اُس کا حال (فسق و فجور۔ ظلم و ستم۔ اہانۃ اہلبیت قتل سید الشہداءؑ استحلال مدینہ و بے حرمتی حرمین شریفین وغیرہ) مشہور اور تمام جہان پر روشن ہے (عمدۃ القاری جلد ۶ ص۴۹) اور مولانا سیوطیؒ نے تحریر فرمایا ہے عن ابی ذر سمعت رسول اللہ یقول اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیۃ قال البیھقی یشبہ ان یکون ھو یزید بن معویۃ یعنی جناب ابوذر صحابی بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت رسولخدا صلعم سے سنا کہ فرماتے تھے پہلا آدمی جو میری سنت کو بدل دیگا وہ بنی امیہ کا ایک شخص ہوگا امام بیہقی نے کہا کہ غالباً وہ شخص یزید بن معویہ تھا (خصائص کبری جلد ۲ ص ۱۳۹) حضرت

صلعم نے یہ بھی فرمایا کانی انظر الی کلب ابقع یلغ فی دماء اھل بیتی یعنی گویا میں اس چتلے کتے کو دیکھ رہا ہوں جو میرے اہل بیت کے خون کو چاٹیگا (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۱۰)

یہ بھی فرمایا یزید لا بارک اللہ فی یزید الطعان اللعان اما انہ نعی الی حبیبی وسخیلی حسین اتیت بتربتہ ورائیت قاتلہ اما انہ لا یقتل بین ظھرانی قوم فلا ینصرونہ الا عمھم اللہ بعقاب یعنی یزید - خدا یزید کے بارے میں اپنی برکت کو نہ استعمال کرے جو دین اسلام کو اس طرح زخمی کردیگا جس طرح نیزوں کی مار سے جانور مجروح ہوجاتے ہیں جو ہم لوگوں تک پر لعنت کرے گا - سنو - مجھے خبر دی گئی کہ میرا پیارا اور میری جان حسین (اسی یزید کے حکم سے) قتل کیا جائیگا میرے پاس اسکے قتل گاہ کی مٹی بھی لائی گئی اور مجھے اس کا قاتل بھی دکھایا گیا - سن رکھو جس قوم کے درمیان میں وہ قتل کیا جائیگا - اس قوم کے جو لوگ اس (حسینؑ) کی مدد نہیں کرینگے اُن سب پر خدا کا عذاب نازل ہوگا (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۲۳) اور علامہ ابن حجر مکی نے تحریر فرمایا ہے قال رسول اللہ صلعم لا یزال امر امتی قائما بالقسط حتی یکون اول من یثلمہ رجل من بنی امیہ یقال لہ یزید - یعنی حضرت رسولخدا صلعم فرمایا کرتے تھے کہ میری امت کا حال اُس وقت تک درست رہیگا کہ بنی امیہ سے ایک شخص جس کا نام یزید ہوگا ظاہر ہوگا اور وہ اس دین کو برباد کردیگا - عن ابی الدرداء قال سمعت النبیؐ یقول اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیۃ یقال لہ یزید جناب ابو درداء نے سنا کہ حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے پہلے جو شخص میری سنت کو بدل دیگا وہ بنی امیہ کا ایک آدمی یزید ہوگا - وکان مع ابی ھریرۃ رض علم من النبیؐ بما عندہ فی یزید فانہ کان یدعوا اللھم انی اعوذ بک من راس الستین وامارۃ الصبیان فاستجاب اللہ لہ فتوفاہ سنۃ تسع واربعین وکانت وفاۃ معویۃ وولایۃ ابنہ سنۃ ستین فعلم ابو ھریرۃ بولایۃ یزید فی ھذہ السنۃ فاستعاذ منھا لما علمہ من قبیح احوالہ بواسطۃ اعلام الصادق المصدوق صلعم - یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے یزید کی مذمت میں جو حدیثیں فرمائی تھیں ان سے حضرت ابو ہریرہ کو یزید کے فسادات کا یقین ہوگیا تھا اسی وجہ سے وہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ میں سنہ ۶۰ھ

اور لونڈوں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں تو خدا نے انکی دعا قبول کرلی اور انکو ۵۹ھ میں ہی دنیا سے اٹھالیا اور معویہ کی موت اور اسکے بیٹے یزید کی خلافت سنہ ۶۰ ہجری میں شروع ہوئی۔ غرض حضرت ابوہریرہ کو معلوم ہوگیا تھا کہ سنہ ۶۰ ہجری میں یزید کی حکومت شروع ہوگی اس وجہ سے وہ اس سال ہی سے پناہ مانگا کرتے تھے کیونکہ حضرت مخبر صادق ص کی خبروں سے جناب ابوہریرہ کو یزید کے برے حالات اور خرابیوں کا پورا یقین ہوچکا تھا۔ وقال نوفل بن ابی الفرات کنت عند عمر بن عبد العزیز فذکر رجل یزید فقال قال امیر المومنین یزید بن معویۃ فقال تقول امیر المومنین فامر بہ فضرب عشرین سوطا یعنی نوفل بیان کرتے تھے کہ میں خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے کہا کہ امیر المومنین یزید نے یہ بات کہی تھی۔ اس پر خلیفہ عمر بن عبد العزیز بگڑ گئے اور اس سے کہا تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے! پھر حکم دیا کہ اس کو بیس کوڑے مارے جائیں کہ اس نے یزید کو امیر المومنین کیوں کہا (صواعق محرقہ ص ۱۳۲) اور علامہ جلال الدین سیوطی نے تحریر فرمایا ہے ان عبد اللہ بن حنظلہ بن الغسیل قال واللہ ما خرجنا علی یزید حتی خفنا ان نرمی بالحجارۃ من السماء ان رجلا ینکح امہات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوۃ یعنی عبد اللہ بن حنظلہ بن غسیل بیان کرتے تھے کہ خدا کی قسم ہم نے یزید پر اس وقت خروج کیا جب ڈرے کہ اب چپ رہنے میں ہم لوگوں پر آسمان سے عذاب کے پتھر پھینکے جائیں گے۔ اللہ اکبر یہ شخص یزید الیسا تھا کہ اپنی ماؤں اور بیٹیوں اور بہنوں سے جماع کرتا۔ شراب پیتا اور نماز چھوڑے رہتا تھا (تاریخ الخلفا ص ۱۴۲)

مولوی صاحب ۔ ہاں یزید کی مذمت کہاں تک بیان کروگی بہت ہے۔ مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے ازانجملہ است حلت واباحت منہیات شرعیہ از قبیل زنا و لواطت و شرب خمر و تزویج برادر با خواہر یعنی منجملہ ان برائیوں کے یہ ہے کہ اس نے خدا کی حرام کی ہوئی باتوں جیسے زنا۔ لواطہ۔ شراب پینے اور بھائی کو بہن سے بیاہنے کو حلال کردیا (تحریر الشہادتین ص ۱۰۲)

ستائیسواں باب ۲۷

یزید کے کفر اور خلافۃ کی بحث - اُسپر لعنت کرنا جائز ہی یا نہیں

حسینی بیگم - اسی وجہ سے علماء اعلام نے یزید کو کافر کہا ہے۔

مولوی صاحب - مگر یہ تو بڑی زیادتی ہے۔ یزید خلیفہ کا فرزند تھا۔ خود خلیفہ تھا مسلمانوں کا حاکم تھا وہ کافر کیسے ہوسکتا ہے۔ تم جانتی ہو کہ ہم لوگ اس کو خلیفہ مانتے ہیں۔ اگر اسکو خلیفہ نہ مانیں تو خلافۃ کا سلسلہ ہی نہیں ٹھیک ہوگا۔ اسی وجہ سے مولانا جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں یزید کو بھی خلیفہ لکھا ہے اور اسکے حالات درج کیئے ہیں۔ پس اگر وہ خلیفہ نہیں ہوتا تو مولانا ے ممدوح اپنی کتاب میں اس کا ذکر نہیں کرتے۔ اور جو خلیفہ ہو اوسکو مسلمان ماننا ضروری ہے۔

حسینی بیگم - ہاں لوگ تو یزید کو خلیفہ ضرور مانتے ہیں۔ حضرت رسولخدا صلعم نے جو فرمایا تھا کہ میرے بعد ۱۲ خلیفہ ہونگے ان بارہ کی فہرست پوری کرنے کے لیئے علماء نے جن خلفاء کا نام ذکر کیا وہ یہ ہیں: حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان غنی۔ حضرت علی امیر المومنین۔ معویہ۔ یزید۔ عبدالملک۔ ولید۔ سلیمان۔ یزید بن عبد الملک۔ ہشام۔ ولید بن یزید بن عبدالملک (کتاب شفاء از مولانا قاضی عیاض ص۔ فتح الباری از علامہ ابن حجر عسقلانی جلد ۷ ص ۶۲۹ تاریخ الخلفاء ص ۷ شرح فقہ اکبر ص۔ ازالۃ الخفاء ص ۳۰ وغیرہ)

مولوی صاحب - پھر یزید کو کافر کیسے کہہ سکتے ہیں؟

حسینی بیگم - تم ہی انصاف کرو اور عقل سے بتاؤ کہ حضرت رسولخدا صلعم کی بات مانوگے یا علماء کی۔

مولوی صاحب - حضرت رسولخدا صلعم کے مقابلہ میں صحابہ اور خلفاء تو کوئی چیز ہی نہیں ہوسکتے۔ علماء و محدثین کی کیا حقیقت ہے۔

حسینی بیگم - تو حضرت رسولخدا صلعم نے یزید کے بارے میں جو فرمایا پہلے بیان کر چکی کہ یزید دین اسلام کو تباہ و برباد کر دے گا - اب تم ہی بتاؤ کہ خدا و رسولؐ کے دین کو تباہ و برباد کرنا رسولخداؐ کے خلیفہ کا کام ہو سکتا ہے یا کافروں کا؟

مولوی صاحب - چپ ہو گئے کچھ جواب نہیں دے سکے - کچھ دیر تک انتظار کرنے کے بعد حسینی بیگم نے پوچھا

حسینی بیگم - کچھ کہتے کیوں نہیں کہ جو شخص خدا و رسولؐ کا دین ہی مٹانا چاہے وہ مسلمان رہ سکتا ہے -

مولوی صاحب - نہیں میری عقل تو نہیں کہتی -

حسینی بیگم - پھر جن لوگوں نے یزید کو خلیفہ رسولؐ مانا انھوں نے خدا و رسولؐ کو جھٹلایا یا نہیں -

مولوی صاحب - مگر علمائے کرام تو اس کو خلیفہ لکھتے ہیں -

حسینی بیگم - پھر علمائے کرام تو اسکو نبی بھی لکھتے ہیں - پھر نبی بھی مان لو گے؟

مولوی صاحب - لاحول ولاقوۃ - ایسا شیطان نبی کیسے ہو سکتا ہے -

حسینی بیگم - (زور سے قہقہہ لگاکر) ہاں اور ایسا شیطان خلیفہ رسولؐ ہو سکتا ہے!

مولوی صاحب - مگر یزید کو کافر کسی نے کہا بھی ہے -

حسینی بیگم - بہت سے انصاف پسند علمائے محققین نے لکھا ہے چنانچہ جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے تحریر فرمایا ہے " اکثر اکابر محدثین و بزرگان دین مثل امام احمد بن حنبل و علامہ ابن جوزی و جلال الدین سیوطی و علامہ سعد الدین تفتازانی و سید آلوسی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ یزید کے کفر کے قائل ہیں اور سرے سے اُسے مسلمان ہی نہیں جانتے ... پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ یزید بے شک قاتل حسینؑ و مہین اہل بیتؑ اور دشمن آل نبیؐ ہے تو یہی بڑی دلیل اسکے کفر کی ہے - اہل بیتؑ اطہار کی اہانت و بے حرمتی - اُن کو ستانا اور سید شباب اہل الجنۃ لخت دل مصطفےٰ جگر گوشہ مرتضےٰؑ - راحت جان زہراؑ محبوب خالق ارض و سما لقول جل علیہ الصلوۃ والسلام

اللھم انی احبہ فاحبہ) شاہ کونین سیدنا و مولانا حضرت امام ہمام جناب امام حسین صلوات اللہ و سلامہ علی جدہ و ابیہ و امہ و اخیہ و علیہ و علی محبیہ و متبعیہ اجمعین الی یوم الدین کو اس ظلم و جفا اور اس بے حرمتی سے قتل کرنا خود کفر ہے حسینؑ رسو لخداؐ کے لاڈلے نواسے تھے۔ اونکے ذرہ سا رونے سے آنحضرتؐ کو روحی تکلیف ہوتی تھی۔ اب غور کیا جاسکتا ہے کہ حسینؑ مظلوم کے اس بیکسی و مصیبت میں ایسی بے رحمی سے قتل کئے جانے سے روح رسولؐ کو کیسی کچھ اذیت پہونچی ہوگی جس کا ایک شمہ ابن عباسؓ و ام سلمہؓ کا خواب ہے۔ بس حسینؑ کی ایذا دہی و بے حرمتی و اہانتہ اور اُنکے اہلبیت پر ظلم عین رسو لخداؐ پر ظلم و جفا اور آپ کی اہانتہ و ایذا دہی ہے۔ اور کون کہسکتا ہے کہ رسو لخداؐ کی دشمنی و ایذا رسانی و اہانتہ بہت ہی بڑا کفر و بے دینی نہیں ہے؟ نعوذ باللہ من ذلک۔ اسی لئے اکثر محققین کہتے ہیں کہ انہ کفر حین امر بقتل الحسینؑ۔ یعنی یزید بے شک اُسی وقت کافر ہو گیا جب کہ اُس نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا...... صاحبو! رسو لخدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مسلمانو! میں دو بڑی چیزیں چھوڑ جاتا ہوں۔ میرے بعد انھیں کے ساتھ تمسک کرنا۔ اگر تم ان کا خیال رکھوگے۔ قدر کروگے اور انکے ساتھ متمسک رہوگے تو گمراہی و ضالت سے بچو گے۔ وہ دو چیزیں کیا ہیں۔ کلام اللہ و عترتی قرآن پاک اور میری عترت و اولاد اطہار۔ گویا آپ نے تمسک و عظمت کے لئے قرآن و اہل بیت کو برابر کیا تھا۔ تو اگر کوئی قرآن کی توہین کرے۔ اُسے پامال کرے۔ اُس کے اوراق کو بے حرمتی سے۔ اسکی تذلیل کیلئے منتشر کرے اور خوب جان بوجھکر علانیہ اسکی اہانتہ کرے۔ یا ان امور پر وہ راضی و خوش ہو تو وہ مسلمان رہ سکتا ہے؟ اور کیا کلام اللہ کی اہانتہ کفر نہیں ہے؟ ضرور ہے۔ بس اسی طرح سمجھو کہ اہل بیت اطہار قرآن ناطق شان نزول آیۃ تطہیر کی اہانتہ بھی بلا ریب کفر ہے۔ اور جس نے اہلبیت اطہار خصوصاً سیدنا امام حسینؑ کی بے حرمتی کی۔ انکی نعش کو پامال کیا۔ اُنکو حد سے زیادہ ستایا۔ اور جو اونکی بے حرمتی و قتل سے خوش و راضی یا اسمیں شریک ہوا یا اُسے گوارا کیا وہ ہرگز مسلمان نہیں ہے بلکہ فی الدرک الاسفل من النار.....

صاحب تفسیر روح المعانی یہ لکھکر فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعۃ نے یزید کے کفر کا یقین کیا.....

اور علامہ تفتازانی کہتے ہیں کہ ہم لوگ اس پر لعنت کرنے کے بارے میں بلکہ اسکے کفر کے بارے
میں بھی کچھ توقف نہیں کرتے۔۔۔سید آلوسی بغدادی نے اسکے بعد تاریخ ابن وردی وکتاب
الوافی بالوفیات سے نقل کیا ہے کہ جب اسیران اہلبیت دمشق سے قریب ہوئے اور مقام جیرون
کے ٹیلے پر چڑھے تو شہیدوں کے سر بلند ہوئے اور کوے دیکھکر ٹائیں ٹائیں کرنے لگے۔
اُس وقت یزید نے دو شعر پڑھے جس کا آخری مصرع یہ ہے کہ ع

"فقد اقتضیتا من الرسول دیونی"

یعنی میں نے رسولؐ سے اپنا بدلہ لیا (روح المعانی جلد ہشتم ص۱۲۶)
پھر اُن اشعار کا ذکر کیا ہے جو اتحاف لحب الاشراف ووسیلۃ النجاۃ ومفتاح النجاۃ وغیرہ
دیگر کتب میں بھی منقول ہیں کہ لیت اشیاخی ببدر الخ جس کا یہ مطلب ہے کہ رسولخدا نے
جنگ بدر میں میرے آبار کو قتل کیا تھا اُس کا بدلہ ہم نے آج اونکی اولاد کو قتل کیا اور خوب
ہی بدلہ لیا۔ کاش میرے وہ اشیاخ جو بدر میں قتل کئے گئے زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ ہم نے
کیسا بدلہ لیا اور اخیر میں دو شعر اور بھی ہیں جو اتحاف ص۵۵ وغیرہ میں منقول ہیں جس کا
مطلب یہ ہے کہ محمدؐ صاحب کے پاس نہ کوئی وحی نازل ہوئی نہ فرشتہ آیا۔ یہ سب بنی ہاشم نے
ملک گیری کے ڈھنگ نکالے تھے۔ یہ پُر از کفر اشعار اگر اس کی زبان سے نکلے ہیں جیسا
کہ علماء نے لکھا ہے تو بے شک اسکے کافر مردود ہونے میں ذرہ برابر بھی کوئی ادنیٰ شبہ باقی
نہیں رہتا جیسا کہ صاحب روح المعانی وصاحب اتحاف لحب الاشراف وصاحب تاریخ
بن وردی وصاحب کتاب الوافی بالوفیات وغیرہم من العلماء نے فرمایا ہے۔ اپنی تفسیر جلد ۸
ص۱۲۶ میں علامہ سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اسکے بارے میں علماء کا اختلاف بیان فرماکر
فرماتے ہیں کہ میرے گمان غالب میں بھی یہی ہے کہ وہ خبیث ہرگز مسلمان ومصدق رسالت نہ
تھا جبکہ اُسکے تمام افعال وحرکات پر نظر کرتے ہیں اور دیگر قرائن ودلائل سے واضح ہوتا ہے
(رسالہ شہادۃ حسین از ص۵۴ تا ۶۰)

مولوی صاحب ۔ یہ تو بہت بڑے علماء کی فہرست ہوگئی جو یزید کو کافر کہتے ہیں۔
حسینی بیگم ۔ اور ہمارے تمہارے عقائد کی کس قدر مشہور کتاب شرح عقائد نسفی ہے جو کل

عربی مدرسوں میں ہمارے فاضل طلباء کو پڑھائی جاتی ہے۔ اسمیں بھی یزید کے ذکر میں صاف لکھا ہے:۔ انہ کفر حین امر بقتل الحسین یعنی یقیناً یزید اسی وقت کافر ہوگیا۔ جب اُس نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا (شرح عقائد نسفی مطبوعہ مصر ص۱۸۱) یہ بھی لکھا ہے فنحن لانتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ یعنی ہم اسکے حال میں کوئی تردد بلکہ اس کے کافر ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں کرتے (ایضاً ص۱۸۱) اور حضرات اہلحدیث کے بہت بڑے علامہ مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب نے بھی لکھا ہے:۔ مثل امام احمد و امثال اوشان و ابن جوزی لعن وے از سلف نقل نمودہ زیرا کہ وے وقت امر بقتل حسینؑ کافر شد یعنی امام احمد بن حنبل اور انکے امثال اور ابن جوزی نے بزرگوں کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ یزید پر لعنت کرتے تھے کیونکہ اس نے جس وقت امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا اُسی وقت کافر ہوگیا (بغیۃ الرائد ص۹) اور جناب مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی لکھنوی کے بارے میں مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب نے تحریر فرمایا ہے "حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ فرنگی محلی کے مجموعہ فتاوی میں بھی موجود ہے جناب مولانا نے پاسداران یزید کی خوب خبر لی ہے اور صاف لکھدیا ہے کہ از روئے تحقیق و انصاف کفریت و ملعونیت سے بھی اُس خبیث مردود کا درجہ بڑھا چڑھا ہے۔ دیکھو مجموعہ فتاوی جلد سوم ص۷ فرماتے ہیں ... و بعضے گویند کہ وے امر بقتل امام حسینؑ نکردہ و نہ بداں راضی بود و نہ بعد از قتل وے و اہل بیتؑ وے مستبشر شد۔ و ایں سخن نیز باطل است قال العلامۃ التفتازانی فی شرح العقائد النسفیۃ والحق ان رضا یزید بقتل الحسینؑ الی قولہ مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احادا و بعضے دیگر گویند کہ قتل امام حسینؑ گناہ کبیرہ است نہ کفر و لعنت مخصوص بکفار است و نازم بر فطانت الشیان نہ دانستند کہ کفر یک طرف خود ایذائے رسول الثقلین چہ ثمرہ دارد و قال اللہ تعالی ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والاخرۃ الآیۃ یعنی بعض کہتے ہیں کہ یزید نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم نہیں دیا اور نہ اس پر راضی ہوا اور نہ حضرت کے اور آپکے اہل بیت کے قتل سے خوش ہوا مگر یہ بات بھی بالکل غلط اور باطل ہے۔

چنانچہ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ یزید کا امام حسینؑ کے قتل سے راضی ہونا اور اُس پر دلی خوشی کا اظہار کرنا اور حضرت رسولخداؐ کے اہل بیت کی اہانت کرنا ان باتوں سے ہے جو متواتر ہیں۔ اگرچہ اسکی تفصیلیں احاد ہیں۔ کچھ اور لوگ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کا قتل گناہ کبیرہ تو ہے مگر کفر نہیں ہے اور لعنت کافروں کے لئے خاص ہے ان لوگوں کی عقل و فہم پر قربان ہو جاؤں۔ انکو یہ بھی خبر نہیں کہ یزید کا کفر تو الگ رہا۔ خود حضرت رسولخداؐ کو اذیت پہونچانے کا کیا نتیجہ ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اسکے رسولؐ کو اذیت پہونچاتے ہیں خدا اُن پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا رہیگا"۔ (رسالہ شہادۃ حسینؑ ص ۵۲)

مولوی صاحب۔ مگر یزید پر لعنت تو نہیں کرنی چاہئے۔ حضرت مولانا غزالی علیہ الرحمہ نے بھی احیاء العلوم میں اس سے منع کیا ہے اور شاید یزید نے توبہ بھی کرلی ہو۔

حسینی بیگم۔ جناب مولانا عبدالحی صاحب نے اسکے متعلق بھی تحریر فرمایا ہے لکھتے ہیں "مخفی مباد کہ احتمال توبہ و رجوع از معاصی احتمالے است و الا آں بے سعادت آنچہ در امت کردہ ہیچ کس نہ کردہ باشد و پسرش معویہ بر سر منبر زشتی حال پدر خود بیان کرد و بعضے بے باکانہ بلعن آں شقی تجویز می سازند و از سلف و اعلام امت امام احمد و امثال ایشاں بروے لعنت کردہ اند۔۔۔ و ابن جوزی کہ کمال عصبیت در حفظ سنت و شریعۃ می دارد در کتاب خود لعن وے را از سلف منقول کردہ علامہ تفتازانی بکمال جوش و خروش بروے و بر انصار و اعوان وے لعنت کردہ اند۔ یعنی پوشیدہ نہ رہے کہ یزید کے توبہ اور اپنے گناہوں سے رجوع کرنے کا خیال محض احتمال ہی احتمال ہے ورنہ اُس کمبخت نے اسلامت میں جو کیا کسی نے بھی نہ کیا ہوگا۔ اور اسکے بیٹے معویہ نے بر سر منبر اپنے باپ کی برائیاں بیان کی ہیں اور بعض تو بہت بیباکی سے اس شقی پر لعنت کو تجویز کرتے ہیں۔ سابق بزرگوں اور امت کے ارکان و اعلام مثلاً امام احمد بن حنبل اور انکے امثال نے اس پر برابر لعنت کی ہے۔۔۔ اور علامہ ابن جوزی نے جو سنت و شریعہ اسلام کی حفاظت میں نہایت متعصب واقع ہوئے ہیں اپنی کتاب میں ان علماء د

محدثین کا ذکر کیا ہے جو یزید پر لعنت کیا کرتے تھے۔ اور علامہ تفتازانی نے کمال جوش و
خروش سے یزید اور اوسکے اعوان و انصار پر لعنت کی ہے" (مجموعہ فتاوی جلد ۱ ص ۷)
اور جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے لکھا ہے "یزید کی لعنت کی بحث
بالتفصیل تفسیر روح المعانی جلد ہشتم و صواعق محرقہ و وسیلۃ النجاۃ و اتحاف لحب الاشراف
و شرح عقائد نسفی وغیرہ وغیرہ میں دیکھنا چاہیے۔ ہم یہاں پر یزید پر لعنت بھیجنے
کی مختصر بحث لکھتے ہیں... واضح ہو کہ بلا تخصیص اسم، قاتلین امام حسینؑ پر یا جس نے
اونکے قتل کا حکم دیا یا اس امر سے راضی ہوا اس پر لعنت بھیجنے کے بارے میں کوئی اختلاف
نہیں۔ چنانچہ اتحاف لحب الاشراف ص ۶۳ میں ہے:- قال السید السمہودی
فی جواھر العقدین اتفق العلماء علی جواز لعن من قتل الحسینؑ او امر بقتلہ
او اجازہ او رضی بہ من غیر تعیین یعنی سید سمہودی جواہر العقدین میں فرماتے
ہیں کہ علماء کا اتفاق ہے اس شخص پر لعنت بھیجنے کے جواز میں جس نے حسینؑ کو قتل کیا
یا اونکے قتل کا حکم دیا یا اس کو جائز رکھا۔ یا اس سے راضی ہوا بلا کسی کے نام کی تعیین کے
اور ایسا ہی علامہ تفتازانی شرح عقائد نسفی ص ۱۱۷ میں فرماتے ہیں واتفقوا علی
جواز اللعن علی من قتلہ او امر بہ او اجازہ او رضی بہ۔ کہ لوگوں کا اس پر
لعنت بھیجنے میں جس نے حسینؑ کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا یا اُسے جائز رکھا یا اسکی اجازت
دی یا اس سے راضی ہوا اتفاق ہے۔ اب اختلاف اسمیں ہے کہ آیا خاص کر یزید کا نام
لے کر اس پر لعنت بھیجنا درست ہے یا نہیں... اوس پر بہ تخصیص اسم لعنت بھیجنے میں
کوئی کلام نہیں۔ لیکن اکثر علماء کا خیال ہے کہ وہ مسلم ہے مگر فاسق ہے اور کوئی صریح
دلیل اسکے کفر کی معلوم نہیں۔ اور کسی مسلمان پر اگرچہ وہ فاسق و فاجر ہو لعنت کرنا
درست نہیں لہذا یزید پر بہ تخصیص اسم لعنت بھیجنا نادرست ہے۔ اور بعض لوگوں کا
گمان ہے کہ یزید کا امام حسینؑ کا قاتل ہونا قطعی و یقینی طور سے ثابت نہیں۔ لہذا اس پر لعنت
کرنا روا نہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ بات مسلم اور پایہ ثبوت کو پہونچ گئی ہے اور
بتواتر ثابت ہے کہ یزید ہی نے امام حسینؑ کو شہید کرایا۔ اسی نے ابن زیاد وغیرہ کو اس کا حکم

دیا اور آپکی شہادت اُس کا عین مطلوب تھا۔ اور آپ کے قتل سے اُسے کمال مسرت وخوشی حاصل ہوئی جس پر عامہ کتب شاہد ہیں۔ اتحاف میں ہے ولا شک عاقل ان یزید بن معویۃ ہو القاتل للحسین لانہ الذی ندب عبید اللہ بن زیاد لقتل الحسین (اتحاف بحب الاشراف صـ۶۶) کہ کوئی عاقل اسمیں شک کریگا کہ یزید بن معویہ ہی قاتل حسین ہے کیونکہ اسی نے ابن زیاد کو آپکے قتل کا حکم دیا اور اس پر مستعد کیا اور ایسا ہی سید آلوسی بغدادی تفسیر روح المعانی جلد ہشتم صـ۱۲۵ میں فرماتے ہیں کہ ورضاہ لقتل الحسین علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام واستبشارہ بذلک واہانتہ لاہل بیتہ مما تواتر معناہ وان کانت تفاصیلہ احادا (ترجمہ وہی ہے جو اوپر گزرا)....

اب ناظرین خود انصاف فرمالیں کہ یزید اور یزیدیوں پر لعنت بھیجنا جائز ہے یا ناجائز جب ایمان ہی ندارد ہے تو پھر لعنت کیوں ناجائز ہوگی؟ بزرگان وعلماء متورعین واسلاف نے یزید پر اور یزیدیوں پر لعنت بھیجی اور اس کو مطابق حکم خدا اور رسولؐ فرمایا اور قرآن وحدیث سے اس پر استدلال کیا ہے۔ تفسیر روح المعانی جلد ہشتم صـ۱۵۲ میں زیر تفسیر آیہ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَفْسِدُوْا الآیۃ ہے واستدل بہا ایضا علی جواز لعن یزید علیہ من اللہ تعالیٰ ما یستحقہ۔ نقل البرزنجی فی اشاعتہ والھیتمی فی الصواعق ان الامام احمد لما سالہ ولدہ عبد اللہ عن لعن یزید قال کیف لا یلعن من لعنہ اللہ تعالیٰ فی کتابہ فقال عبد اللہ قد قرأت کتاب اللہ عز وجل فلم اجد فیہ لعن یزید فقال الامام ان اللہ تعالیٰ یقول فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنہم اللہ الآیۃ وای فساد وقطیعۃ اشد مما فعلہ یزید انتہی (تفسیر روح المعانی لسید الآلوسی البغدادی رحمۃ اللہ علیہ)

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے لعن یزید پر استدلال کیا گیا ہے۔ برزنجی نے اشاعۃ میں اور ابن حجر ہیثمی مکی نے صواعق محرقہ میں نقل کیا ہے کہ امام احمد سے انکے صاحبزادے عبد اللہ نے پوچھا یزید پر لعنت کرنے کے بارے میں۔ تو امام احمد نے فرمایا جس پر خدا نے قرآن میں لعنت کی ہو اس پر کیونکر نہ لعنت کی جائیگی۔ عبد اللہ نے کہا کہ میں نے قرآن میں یزید کی

لعنت نہیں پائی۔ آپ نے فرمایا خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے فھل عسیتم الآیۃ یعنی کیا اگر تم پیٹھ پھیر لوگے[1] تو زمین پر فساد پھیلاؤ گے (معاصی و کفر سے) اور قطع رحمی کروگے۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے۔ اور کون سا فساد اور قطع رحم اس سے بڑھکر ہے کہ جو کہ یزید نے کیا۔ اور صواعق محرقہ ص۱۹۵ چھاپہ مصر میں ابن حجر فرماتے ہیں... یعنی یزید کے فاسق ہونے پر اتفاق علماء ہونے کے بعد اختلاف اس پر بہ تخصیص لعنت کرنے میں ہوا تو ایک گروہ نے اس کو جائز بتایا۔ ان مجوزین میں سے ایک ابن جوزی ہیں۔ انھوں نے جواز لعن کو امام احمد وغیرہ سے نقل کیا ہے اور اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ مجھ سے کسی نے جواز لعن یزید کے متعلق سوال کیا۔ میں نے کہا یزید پر لعنت کرنے کو علماء متورعین نے جائز رکھا ہے۔ انہیں سے امام احمد بھی ہیں۔ انھوں نے یزید کے حق میں لعنت سے بڑھکر کہا ہے اور ایسا ہی اتحاف وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔ اور الاتحاف بحب الاشراف ص۶۳ و ۶۴ میں ہے کہ علامہ ابن جوزی رح نے قاضی ابو یعلیٰ سے بالاسناد روایت کی ہے کہ صالح بن امام احمد نے فرمایا میں نے والد ماجد سے لعن یزید کو پوچھا۔ فرمایا جس پر خدا نے لعنت کی ہو اس پر کیونکر نہ لعنت کیجاوے۔ دیکھو خدائے عزوجل نے فرمایا ہے فھل عسیتم الآیۃ... پس (جان پدر) قتل حسینؑ سے بڑھکر روئے زمین پر کون سا فساد ہوگا اور اس سے زیادہ کیا قطع رحم ہوگا۔ اور سنو خدا نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ یعنی جو لوگ خدا اور رسول کو ایذا دیتے ہیں بے شک ان پر خدا نے دونوں جہان میں لعنت کی ہے اور حسینؑ جگر گوشۂ رسول قرۃ عین بتولؑ کے قتل سے بڑھکر رسول خداؐ کی کون سی ایذا رسانی ہے۔ تفسیر روح المعانی کے اسی صفحہ میں ہے... یعنی بنا برین قول لعن یزید میں کوئی توقف نہیں۔ بسبب اس کے کثرت

---

[1] میں کہتی ہوں کہ رسالہ شہادۃ حسینؑ میں اسی طرح لکھا ہے مگر یہ ترجمہ غلط ہے کوئی شخص پیٹھ پھیر کر کیسے فساد پھیلائیگا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اگر تم حاکم اور بادشاہ ہوگے تو زمین پر فساد پھیلاؤ گے ۱۲ منہا

اوصاف خبیثہ اور ارتکاب کبائر کے اور اسکی لعنت کے لئے کافی ہیں وہ مظالم جو جو اُس نے اپنے غلبہ کے زمانہ میں اہل مکہ و اہل مدینہ پر کئے ۔ کیونکہ طبرانی نے بہ سند حسن روایت کی ہے کہ رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدایا ! جو اہل مدینہ پر ظلم کرے اور اُن کو خوف زدہ کرے اوسکو تو خوف زدہ کر اور اُس پر خدا کی اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو ۔ اور اس شخص سے نہ صرف اور نہ عدل (کوئی نیکی) قبول نہ ہو گی ۔ اور بڑی قیامت اُس نے یہ برپا کی کہ اہل بیت کے ساتھ سخت سے سخت ظلم وستم سے پیش آیا (اور اونھیں ایذا دی اور سیدنا امام حسینؑ کو قتل کیا جو بتواتر معنوی ثابت ہے) ۔ او حدیث شریف میں وارد ہے کہ چھ شخص ہیں جن پر میں نے لعنت کی اور ایک روایت میں ہے کہ ان پر خدا نے لعنت کی اور ہر نبی مستجاب الدعوا نے ۔ وہ چھ شخص یہ ہیں خدا کی کتاب میں تحریف اور اسمیں کمی بیشی کرنے والا اور قضا وقدر کا منکر و مکذب اور وہ شخص جو لوگوں پر متسلط ہو ۔ اس لئے کہ جسے خدا نے ذلت دی ہے اُسے وہ عزت دے اور جس کو خدا نے عزت دی ہے اوسکو وہ ذلیل کرے ۔ اور میری عترت واولاد کی بے حرمتی کرنے والا ۔ اور خدا کے حرم کی بے حرمتی کرنے والا ۔ اور میری روش کو چھوڑ دینے والا (یہ دو حدیثیں یزید پر لعنت بھیجنے کی پوری موید ہیں کیونکہ اہل مدینہ پر اُس نے سخت ظلم کیا اور خوف زدہ کیا اور وہ متسلط بالجبروت بھی تھا ۔ خدا کے معزز بندوں کو ذلیل اور ذلیلوں کو معزز بنایا اور حرم بلکہ حرمین کی سخت بے حرمتی وا ہانت کی اور کرائی اور اہل بیت وعترت رسولؐ کی بھی سخت سے سخت توہین وبے حرمتی کی فعلیہ لعنۃ اللہ والنبیین والملائکۃ والناس اجمعین) ..... اور اس کو بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ کافر نہیں ہوا تو اسمیں کوئی شبہہ اور اختلاف نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک ایسا مسلم ہے جس نے بے شمار فواحش اور کبائر غیر محیط کو جمع کیا ہو اور ایسا ہی علامہ ابن حجر صواعق میں فرماتے ہیں ۔ ملاحظہ ہو صواعق صٓ ۱۹۴ وعلی القول بانہ مسلم فھو فاسق شریر سکیر جائر یعنی اس قول کی رو سے کہ وہ مسلم ہے یہ مسلم فاسق ، شریر ، سکیر ، بدمعاش ، نشہ باز ظالم ہے

پھر سید آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ ہم اسکی لعنت کے جواز میں تامل نہیں کرتے۔ اور نیز ابن زیاد
وابن سعد اور اسکی جماعت پر لعنت کرنے میں ہمیں توقف نہیں۔ یہ لوگ بھی یزید سے ملحق
ہیں۔ فلعنۃ اللہ عزوجل علیہم اجمعین وعلی انصارھم واعوانھم و
شیعتھم ومن مال الیھم الی یوم الدین۔ مادمعت عین علی ابی عبد اللہ
الحسین یعنی خدا کی لعنت ہو یزید وابن زیاد وابن سعد اور اسکی جماعت پر اور انکو گوں
کے اعوان والصار اور انکے پاسداروں اور جو ان لوگوں کی طرف مائل ہو قیامت تک۔
جب تک کہ آنکھیں امام حسینؑ کو روئیں۔ اور آخیر میں لکھتے ہیں کہ جو اس طرح یزید اور یزیدیوں
پر بوجہ احتیاط لعنت کرنے میں مضائقہ کرے وہ یوں کہے کہ خدا اس شخص پر لعنت کرے
جو قتل امام حسینؑ سے راضی ہوا۔ اور جس نے اہلبیت رسولؐ کو ایذا دی ستایا۔ بلا قصور
اور جس نے انکا حق غصب کر لیا اس پر لعنت کرے۔ کیونکہ اس طرح لعنت کرنے کا کوئی
بھی مخالف نہیں ہے سوائے ابن عربی مالکی اور اسکے دو چار ہم خیالوں کے کیونکہ ان کے
خیال میں شاید اس شخص پر لعنت کرنا بھی جو قتل حسینؑ سے راضی وخوش ہوا ہو جائز
نہیں ہے۔ وذلک لعمری ھو الضلال البعید الذی یکاد یزید علی ضلال یزید
(تفسیر روح المعانی جلد ۵ ص ۱۳۹) اور واقعی یہ سخت ضلال بعید ہے جو یزید مرید کی
ضلالت سے بھی بڑھا چڑھا ہے۔ اب ناظرین انصاف فرماویں کہ کتنے بڑے بڑے
علماء اسلاف وائمہ نے یزید پر لعنت کی ہے... سب سے پہلے.. حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی
ہوئیں کیونکہ اوپر مسند امام احمد کی یہ صحیح حدیث مذکور ہو چکی کہ ام سلمہؓ نے قاتلین امام
حسینؑ پر لعنت بھیجی ہے کہ قتلوہ قتلھم اللہ عزوجل وذلوہ لعنھم اللہ۔ انکے بعد حضرت
امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام مالکؒ بروایتے۔ اور حضرت امام اعظم
ابوحنیفہؒ بروایتے اور علامہ کیا ہراسی ثانی غزالی اور قاضی ابویعلی اور علامہ ابن جوزی
اور علامہ سفارینی اور سید سمہودی اور علامہ سعد الدین تفتازانی اور علامہ جلال الدین
سیوطی۔ اور علامہ سید آلوسیؒ وغیرہم وغیرہم من العلماء المحققین والمتورعین رحمۃ اللہ
تعالی علیہم اجمعینؒ (رسالہ شہادت حسینؑ ص ۶۱)

مولوی صاحب ۔ اب کہاں تک اسکے حوالے دیتی جاؤگی میں بھی مانتا ہوں کہ ہمارے ہزاروں علماء اور پیشوایان دین نے یزید پر لعنت کی ہے اور اس کا حکم دیا ہے مگر ہمارے بہت بڑے امام علاّ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے "لیکن کسی فاسق کو معین کر کے لعنت کرنا سنت نبوی میں موجود نہیں ۔ البتہ عام لعنت وارد ہے ۔ مثلاً نبی صلعم نے فرمایا چور پر خدا کی لعنت کہ ایک انڈے پر اپنا ہاتھ کٹوا دیتا ہے ۔ یا فرمایا جو بدعۃ نکالے یا بدعتی کو پناہ دے اس پر خدا کی لعنت (منہاج السنۃ جلد ٢ صفحہ ٢٥١)"

حسینی بیگم ۔ نہ معلوم علامہ ابن تیمیہ صاحب کیا لکھتے ہیں اور کس اصول سے لکھتے ہیں میں اوپر اونکی غلطی بتا چکی کہ حدیث میں تو مدینہ قیصر لکھا تھا جس کو علامہ موصوف نے قسطنطنیہ بنا دیا ۔ اب یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ کسی فاسق کو معین کر کے لعنت کرنا سنت نبوی میں موجود نہیں " بہت اچھا علامہ موصوف تو اب موجود ہیں نہیں ۔ البتہ تم اون کے قول کی سچائی جانچو ۔ حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے لکھا ہے قول النبیؐ لعن اللہ الیہود یعنی آنحضرتؐ کا ارشاد کہ خدا یہودیوں پر لعنت کرے (صحیح بخاری پارہ ٢ صفحہ ٢٦) اور معلوم ہو کہ یہود ایک معین فرقہ ہے ۔ ایک دفعہ حضرتؐ نے فرمایا کہ اے اللہ اپنے اوپر عمرو بن ہشام اور عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ اور امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کی ہلاکی کو لازم فرمالے ۔ پھر یہ لوگ کنوئیں میں ڈالدیئے گئے تو حضرتؐ نے فرمایا اس کنوئیں والوں پر لعنت کیگئی ہے (صحیح بخاری پارہ ٢ صفحہ ٢٩٥) دیکھو اس کنوئیں میں وہی معین لوگ تھے جن پر آنحضرتؐ پہلے بددعا کرتے تھے ۔ جب وہ معین لوگ اس میں بھر دیئے گئے تو آنحضرتؐ نے اون پر لعنت کی ۔ حضرتؐ نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا اللھم العن شیبۃ بن ربیعۃ وعتبۃ بن ربیعۃ و امیۃ بن خلف یعنی اے اللہ تو لعنت کر بارہ شیبہ بن ربیعہ ۔ عقبہ بن ربیعہ ۔ اور امیہ بن خلف پر (صحیح بخاری پارہ ٧ صفحہ ٢٣٧) نام کی تعیین کے ساتھ لعنت کرنا کیا اس سے زیادہ ممکن ہے؟ اچھا اور سنو علامہ سیوطی نے لکھا ہے قال رسول اللہ یوم احد اللھم العن ابا سفیان اللھم العن سہیل بن عمرو اللھم العن صفوان بن امیہ یعنی حضرت رسو لخداؐ غزوہ احد میں فرماتے تھے اے خدا تو ابو سفیان

حرث بن ہشام۔ سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ پر لعنت نازل کرتے رہنا (تفسیر درمنثور جلد ۲ صہ ۷۱)، کہو آنحضرتؐ نے نام لیکر اور شخص کی تعیین کرکے لعنت بھیجی یا نہیں؟

اور سنو علامہ ابن حجر لکھتے ہیں ان رصلی اللہ علیہ وسلم لعن الحکم وما یخرج من صلبہ کہ حضرت رسولخدا صلعم نے حکم پر اور اسکی کل اولاد (بنی امیہ) پر لعنت کی ہے۔ (تطہیر الجنان صہ ۶۲)۔ اور جب امام حسنؑ خلافۃ سے علیحدہ ہو گئے تو ایک موقع پر جہاں حضرت بھی تھے اور معویہ بھی تھا عمرو عاص نے حضرت علیؑ کو برا کہا۔ پھر مغیرہ نے بھی ویسا ہی کیا۔ اسکے بعد امام حسنؑ سے کہا گیا کہ آپ منبر پر جاکر ان دونوں کا جواب دیجئے تو حضرتؑ نے جاکر فرمایا اے عمرو عاص اور مغیرہ بتاؤ کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ابوسفیان اور معویہ پر لعنت نہیں کی تھی؟ دونوں نے کہا ہاں لعنت کی ہے (تطہیر الجنان صہ ۱۲۰ و نصائح کافیہ صہ ۹ وغیرہ)۔ اب بولتے کیوں نہیں۔ بتاؤ کہ تمہارے امام ابن تیمیہ صاحب نے صحیح لکھا یا غلط۔

مولوی صاحب۔ کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا تم نے تو علامہ موصوف کا بھی پورا جواب دے دیا۔

حسینی بیگم۔ حضرت رسولخدا صلعم کے بعد حضرتؐ کے صحابہ کرام بھی معین لوگوں پر ان کا نام لیکر لعنت کرتے تھے۔ جنکے ہزاروں واقعات ہیں۔ صرف ایک واقعہ بیان کرتی ہوں۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے ثم عزلہ معویۃ فقال سمرۃ لعن اللہ معویۃ واللہ لو اطعت اللہ کما اطعتہ ما عذبنی ابدا یعنی جب معویہ نے سمرہ کو بصرہ کی گورنری سے معزول کر دیا تو اس نے کہا خدا معویہ پر لعنت کرے اگر میں خدا کی اطاعۃ اس قدر کئے ہوتا جتنی معویہ کی کی ہے تو وہ مجھ پر کبھی عذاب نہیں کرتا (تاریخ کامل جلد ۳ صہ ۱۹۵)

مولوی صاحب۔ علامہ ابن تیمیہ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ "دو باتیں ثابت کرنی چاہیئں اول یہ کہ یزید ایسے فاسقوں اور ظالموں سے تھا جن پر لعنت کرنا مباح ہے اور اپنی اس حالت پر موت تک قائم رہا۔ دوسرے یہ کہ ایسے ظالموں فاسقوں

میں سے کسی ایک کو معین کر کے لعنت کرنا جائز ہے" (منہاج السنۃ جلد ۲ ص۲۵۲)

حسینی بیگم - مگر میرے سابق بیانات سے دونوں باتیں ثابت ہو گئی ہیں - یزید کا اپنی حالت پر موت تک قائم رہنا سب علمائے کرام لکھتے آئے ہیں - اسی وجہ سے آج تک لوگ اس پر لعنت کرتے ہیں - اگر اس نے کبھی توبہ کی ہو تو کوئی صاحب ثبوت دیں ورنہ اصل جرم ثابت رہیگا - اور وہ کافر ہی سمجھا جائیگا - معلوم ہوتا ہے کہ اگر علامہ ابن تیمیہ صاحب آج زندہ ہوتے تو کل مسلمانوں کو حکم دیتے کہ جس قدر کافر مر اکریں وہ ان سب پر نماز پڑھا کریں - اور جب کوئی مسلمان پوچھتا کہ مولانا یہ تو کافر ہے - اس پر نماز کیسے پڑھیں تو غالباً وہ یہی جواب دیتے کہ "ثابت کرو کہ یہ کافر اپنی اس حالت پر موت تک قائم رہا" مگر تم معاف کرنا اگر میں کہوں کہ ہمارے یا تمہارے دوسرے علماء و پیشوایان دین جناب ابن تیمیہ کے خیال کے نہیں ہیں - وہ تو جب تک یزید کی توبہ کا ثبوت نہیں پالیں گے اس وقت تک اسکو کافر ہی سمجھتے اور اس پر لعنت ہی کرتے رہیں گے - ہمارے مشہور پیشوا مولانا شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی بھی جو یزید سے تقریباً ہزار سال کے بعد ہوئے یزید پر لعنت کرتے تھے - چنانچہ تحریر فرمایا ہے -

وجی براسہ فی طشت حتی وضع بین یدی ابن زیاد لعن اللہ قاتلہ وابن زیاد معہ ویزید ایضاً یعنی امام حسینؑ کا سر مبارک ایک طشت میں ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا خدا حضرتؑ کے قاتل اور ابن زیاد اور یزید پر لعنت کرے" (کتاب ماثبت بالسنۃ ص۱۵) - مولانا عبدالحق صاحب کا کیا ذکر ہے خود حضرت عائشہ رضہ بھی ایک طرح یزید پر لعنت ہی کرتی تھیں - چنانچہ اسی کتاب میں ہے :- عن عائشۃ رضہ یزید لا بارک اللہ فی یزید الطعان اللعان یعنی حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ یزید خدا یزید کے کسی کام میں برکت نہ دے جو طعان لعان تھا (ماثبت بالسنۃ ص۱۲) رہا یزید کو معین کر کے اس پر لعنت کرنا تو اسکو میں بھی ثابت کر چکی ہوں - اور مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کی عبارت بھی سنا چکی ہوں جنھوں نے لکھا ہی کہ اسکے توبہ کا خیال بس احتمال ہی احتمال ہے - ورنہ اسکے واقعات کفر سے زمانہ واقف ہے -

مولوی صاحب - علامہ ابن تیمیہ رح نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے "اگر لعنت کا دروازہ اس طرح کھول دیا جائے تو مسلمانوں کے اکثر مُردے لعنت کا شکار ہو جائیں گے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مردہ پر نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے نہ لعنت کرنے کا ......

(منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۵۲)

حسینی بیگم - اب تم ہی فیصلہ کرو کہ علامہ ممدوح کے ارشاد پر عمل کیا جائے یا قرآن شریف کے بیان پر جو مرنے کے بعد لعنت کرنے کا کیا ذکر ہے آخرت اور قیامت میں بھی لوگوں پر لعنت کرتا ہے - چنانچہ فرمایا ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المومنات لعنوا فی الدنیا والاخرۃ یعنی جو لوگ پارسا مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت کی جاتی ہے (سورہ نور) یہ بھی فرمایا ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والاخرۃ۔ یعنی جو لوگ اللہ اور اسکے رسول ص کو اذیت پہونچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ لعنت کرتا ہے (سورہ احزاب) اور پہلے میں بیان کر چکی ہوں کہ شہادت امام حسین ع سے خدا اور رسول ص کو خاص اذیت ہوئی لہذا اس اذیت پہونچانے والوں پر خدا اور رسول ص کی برابر لعنت ہوتی رہیگی - یہ بھی فرمایا ہے ومن یقتل مومنا متعمدا فجزائہ جہنم خالدا فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما یعنی جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے اوسکی جزاء جہنم ہے جسمیں وہ ہمیشہ رہیگا اور خدا اس پر غضبناک رہیگا اور اس پر لعنت بھی کرتا رہیگا اور اسکے لئے عذاب عظیم بھی مہیا رکھیگا (سورہ نساء) اور علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے ارشاد فرمایا من آذانی فی عترتی فعلیہ لعنۃ اللہ یعنی جو شخص مجھے میری عترت کے بارے میں اذیت پہونچائے اس پر خدا کی لعنت ہے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۴۳) اور پہلے تفصیل سے کہہ چکی ہوں کہ حضرت رسولخدا صلعم اور دوسرے بزرگان دین مستحق لعنت پر برابر لعنت کرتے رہے ہیں بلکہ جو لعنت کا مستحق ہو اس پر لعنت کرنا اس قدر مناسب ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے آخر وقت تک اس کو نہیں چھوڑا - جب حضرت نے اسامہ کی ماتحتی میں

اپنے صحابہ کو بھیجا اور ان لوگوں نے جانے میں پہلو تہی کی تو حضرتؐ نے غضبناک ہو کر فرمایا لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامہ یعنی جو شخص اسامہ کے لشکر میں نہ جائے اُس پر خدا کی لعنت ہے (ملل و نحل شہرستانی مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۲۰)

اٹھائیسواں باب ۲۸

قاتلان امام حسینؑ کا عذاب

مولوی صاحب۔ علامہ ابن تیمیہ نے ان لوگوں کی بھی خبر لی ہے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا عجیب و غریب عذاب بیان کرتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ علامہ صاحب نے کیا لکھا ہے ذرہ مجھے بھی سُنا دو۔

مولوی صاحب۔ ممدوح نے تحریر فرمایا ہے کہ "وہ حدیث جو قاتلین حسینؑ کے حق میں روایت کی جاتی ہے کہ رسول صلعم نے فرمایا حسینؑ کا قاتل آگ کے تابوت میں ہوگا اس اکیلے پر آدھی دوزخ کا عذاب کیا جائیگا الخ تو یہ حدیث بالکل جھوٹی ہے۔ کہاں آدھی دوزخ اور کہاں ایک حقیر آدمی۔ فرعون اور دوسرے کفار و منافقین قاتلین انبیا اور قاتلین مومنین اولیں کا عذاب قاتلین حسینؑ سے کہیں زیادہ سخت ہوگا بلکہ حضرت عثمان کے قاتلوں کا گناہ بھی حسینؑ کے قاتلوں سے زیادہ ہے۔" (منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۵۶)

حسینی بیگم۔ قلم اور کاغذ انکے اختیار میں تھا جو چاہتے لکھدیتے۔ جس حدیث کو چاہیں جھوٹی کہدیں اور جس کو پسند کریں موضوع بنادیں۔ میں تو انکے بارے میں کچھ بول نہیں سکتی مگر ہمارے علماء دائمہ دین نے جو فرمایا اسکو تو عرض کر سکتی ہوں۔ علامہ آمدی نے انکے بارے میں لکھا ہے کہ آپکا علم تو اچھا مگر عقل کم تھی۔ اور علامہ صفوی نے لکھا ہے عقلہ ناقص یورطہ فی المہالک ویوقعہ فی المضایق یعنی ابن تیمیہ کی عقل ناقص تھی جو انھیں ہلکوں میں مبتلا کرتی اور پریشانیوں میں پھنساتی تھی۔ اور علامہ ابن حجر نے درر کامنہ میں لکھا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ نے احادیث موجودہ کو رد کر دیا اور موضوع کہا بہت سی مستند و معتمد حدیثوں کو غلط بتایا۔ اور علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں

لکھا ہے کہ ابن تیمیہ نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا۔ انکی یہ حالت ہے کہ جب ان سے
کسی بات کا جواب بن نہیں پڑتا تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث ہی جھوٹی یا موضوع ہے اور
علامہ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ ابن تیمیہ کی عقل میں فتور ہے۔
ایک جمعہ کو اونھوں نے وعظ میں بیان کیا کہ خدا عرش سے آسمان دنیا پر اس طرح
اُترتا ہے جیسے ہم اُترتے ہیں یہ کہکر اوپر کے زینے سے اُترکر دوسرے زینے پر چلے آئے
اسی طرح اُنکے بارے میں بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ کوئی صاحب کہتے ہیں کہ وہ تو
جسمیت خدا کے قائل تھے۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ زندیق تھے۔ کسی کا خیال
ہے کہ منافق تھے۔ اور مولانا عبدالحلیم صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ابن تیمیہ صاحب
اگرچہ حنبلی فرقہ سے تھے مگر خدا کی جہت اور جسمیت کے قائل ہوئے اور بہت سی بیہودہ
سرائیاں کیں۔ انھیں بُرے عقائد کی وجہ سے بار بار وہ قید کئے گئے اور آخرکار
قید ہی میں وہ مرے۔ انکی تحقیقات پر تم کب تک ناز کروگے۔ معاف کرنا۔ انھوں نے
خدا ہی کو اپنے ایسا بنا دیا تو اور باتوں کو کیا کچھ نہ لکھا ہوگا۔

مولوی صاحب خیر انکے بارے میں جو لکھا ہو مگر انھوں نے قاتلان حضرت
حسینؑ کے عذاب کے متعلق جو لکھا وہ تو صحیح ہے۔

حسینی بیگم۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اگر خدا قاتلان
حسینؑ پر سب سے زیادہ عذاب کرے تو خلاف عقل و نقل کس طرح ہو سکتا ہے خدا
نے حضرت رسولخدا صلعم سے فرمایا ہے لولاک لما خلقت الافلاک۔ اے رسولؐ
اگر تم نہ ہوتے تو میں افلاک تک کو پیدا نہ کرتا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا حسین منی و انا
من الحسین کہ حسین مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں (صواعق محرقہ ص ۱۱۴) لہذا
امام حسینؑ کا قتل بعینہ حضرت رسولخدا کا قتل ہے۔ تو جو عذاب آنحضرت صلعم کے قاتل
کو ہوتا وہی امام حسینؑ کے قاتل کو ہوگا۔ دنیا ہی میں قاتلان امام حسینؑ کے اس
عذاب کو خدا نے دکھا دیا جو نہ فرعون کو ہوا نہ ہامان کو نہ قاتلان انبیاء و قاتلان
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو۔ تم ہی زحمت کرو اگر کسی کافر یا ملحد یا قاتل انبیاء کو

ایسا عذاب ہوا ہو تو مجھے بتا دو۔ علامہ عبداللہ شبراوی نے لکھا ہے "جو لوگ امام حسینؑ کے قتل میں شریک تھے ان سے ایک شخص نے کہا کہ اہل عراق بھی کس قدر جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کے قتل میں جو بھی شریک ہوا اس پر کوئی عذاب ضرور نازل ہوا۔ خود میں آپ کے قتل میں شریک تھا مگر کوئی عذاب نہیں ہوا۔ یہ کہنے کے بعد وہ شخص چراغ درست کرنے کو اٹھا تو اسکے بدن میں اس چراغ کی لو لگ گئی اور مشتعل ہوگئی لوگوں نے اس کے بجھانے میں بڑی کوشش کی مگر بیکار رہی۔ وہ شخص اسی سے جل کر مر گیا اور دنیا میں بھی جلنے کا عذاب پا لیا۔" (کتاب الاتحاف مطبوعہ مصر ص ۲۴) بتاؤ دنیا میں کسی اور کو ایسا عذاب ملا ہے؟ اور سنو علامہ ابوبکر بن شہاب الدین نے لکھا ہے "علامہ سبط ابن الجوزی نے واقدی سے بیان کیا ہے کہ کوفہ میں ایک نابینا شخص تھا جو قتل امام حسینؑ میں شریک تھا۔ ہم نے اس نابینا ہونے کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا میں صرف لشکر یزید میں موجود تھا۔ اسکے سوا کوئی کام نہیں کیا۔ نہ کوئی تلوار ماری نہ نیزہ لگایا۔ پھر حضرتؑ کے شہید ہو جانے کے بعد صحیح و سالم اپنے مکان پر آیا تو شب کو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص نے کہا رسول خدا صلعم کے پاس چل۔ میں حضرت کے پاس حاضر ہوا اور سلام کیا تو حضرتؐ نے فرمایا اے دشمن خدا! او ملعون!! تجھ پر کبھی سلامتی نہ ہو۔ اور نہ خدا تجھے خوش رکھے۔ تو نے میرے حق کا کوئی خیال نہیں کیا اور میری ہتک حرمت کی؟ میں نے عرض کی یا حضرتؐ میں لڑا تو نہیں تھا۔ فرمایا ہاں لیکن تو نے لشکر یزید کی تعداد تو بڑھائی تھی!!! ناگاہ حضرت کے داہنی طرف ایک طشت دکھائی دیا جس میں امام حسینؑ کا خون بھرا تھا۔ حضرت رسول خدا صلعم نے ایک سلائی لیکر اور گرم کرکے میری آنکھ میں پھیر دی۔ پھر میں جگا تو اپنے کو اندھا پایا اور جب سے اسی حال میں ہوں" (رشفۃ الصادی ص ۱۶۳) بتاؤ قاتلین انبیاء اور قاتلین حضرت عثمان کے لئے بھی ایسا کوئی عذاب تم بتا سکتے ہو؟ ایک اور بوڑھا شخص لشکر یزید میں تھا اس نے بھی نہ کسی کو قتل کیا نہ اور کوئی کام کیا مگر صرف وہاں رہنے کی یہ سزا ملی کہ اندھا ہو گیا۔ لوگوں نے

اس سے پوچھا کہ کیا ہوا۔ اس نے کہا میں نے خواب میں حضرت رسولخدا صلعم کو دیکھا کہ بڑے غصہ کے اپنی آستین اُلٹے ہوئے اور ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے ہیں حضرتؐ کے سامنے ایک چمڑے کا بچھونا بڑا ہے۔ اُس پر دس آدمی جنھوں نے امام حسینؑ کو شہید کیا تھا ذبح کئے ہوئے پڑے ہیں۔ پھر حضرتؐ نے مجھ پر لعنت کی۔ مجھے برا کہا اور ایک سلائی جسمیں امام حسینؑ کا خون لگا تھا میری آنکھوں میں پھیر دی۔ صبح کو میں اُٹھا تو بالکل اندھا تھا جب سے اسی طرح اندھا ہوں (اسعاف الراغبین ص۱۴۵) ہمارے بہت بڑے عالم زہری علیہ الرحمہ کہتے تھے کہ جو لوگ امام حسینؑ سے لڑنے گئے تھے اُن سے ہر شخص نے قیامت کے پہلے دنیا میں بھی اپنی سزا ضرور پائی۔ بغیر سزا کوئی نہیں بچا۔ یا تو وہ بھی بُری طرح قتل کیا گیا۔ یا اس کے منہ میں ایسی سیاہی لگادی گئی کہ وہ ہمیشہ کیلئے روسیاہ ہو گیا۔ یا اس کا بدن اور کسی طرح خراب ہو گیا یا اسکی بادشاہت تھوڑے دنوں میں مٹ گئی۔ ایک شخص نے حضرتؑ کے سر مبارک کو گھوڑے کی گردن میں لٹکا دیا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ کوئلہ سے بھی زیادہ سیاہ ہو گیا تھا۔ لوگوں کو اس سے بڑا تعجب ہوا۔ اُس سے پوچھا کہ تم تو عرب میں بڑے گورے اور چمکتے چہرے والے تھے۔ اب سیاہ آبنوس کیسے ہو گئے۔ اس نے کہا جب سے میں نے امام حسینؑ کے سر کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا کوئی رات ایسی نہیں ہوتی جبمیں دو فرشتے خواب میں آکر میرے دونوں بازو نہ پکڑتے اور آگ میں لیجا کر نہ ڈال دیتے ہوں جو خوب بھڑکتی رہتی ہے۔ میں اس سے بھاگتا ہوں مگر وہ میرا چہرہ سیاہ ہی کرتی جاتی ہے۔ اسی حال میں وہ شخص بُری موت مرا (اسعاف الراغبین ص۱۴۶) رہا قاتل امام حسینؑ پر آدھی دنیا کا عذاب ہونا" تو علامہ سید علی ہمدانی نے بھی لکھا ہے حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ قاتل حسینؑ آگ کے تابوت میں ہوگا اس پر آدھی دوزخ کا عذاب کیا جائیگا۔ اسکے ہاتھ پاؤں آگ کی زنجیروں سے جکڑے ہونگے اور اسمیں اتنی سخت بدبو ہوگی کہ دوزخی تک خدا سے پناہ مانگیں گے۔ وہ ہمیشہ دوزخ میں پڑا جلتا رہیگا اور کھولتا ہوا پانی پلا جائیگا (کتاب مودۃ القربیٰ

صہ مطبوعہ بمبئی) اور علامہ صبان نے بھی لکھا ہے عن المصطفیٰ[۲۱] ان قال قاتل الحسین فی تابوت من نار علیہ نصف عذاب اھل الدنیا یعنی حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ حسینؑ کا قاتل آگ کے ایک تابوت میں رکھا جائیگا اس اکیلے پر آدھی دنیا والوں کا عذاب ہوگا" (اسعاف الراغبین برحاشیہ مشارق الانوار مطبوعہ مصر صہ ۱۴۳) اور خدا نے دنیا میں ایسا عذاب دکھا کر لوگوں کو سمجھا بھی دیا ہے کہ یہ کل حدیثیں ضرور صحیح ہیں چنانچہ ترمذی شریف میں جو صحاح ستہ میں داخل ہے یہ واقعہ مرقوم ہے کہ جب ابن زیاد کا سر رحبہ کی مسجد میں لاکر رکھا گیا تو لوگ تھیھے کر آگیا۔ آگیا۔ ناگاہ ایک سانپ آیا ابن زیاد کی ناک میں گھسا اور پھر نکل گیا۔ اسی طرح کئی مرتبہ آیا گھسا اور نکل گیا۔ (جامع ترمذی مطبوعہ لکھنؤ صہ ۴۶۵ وغیرہ)۔ تم ہی غور کرو دنیا میں کسی اور شخص کی یہ ذلت خدا کی طرف سے کیگئی کہ اسکے مرنے کے بعد سانپ آکر اسکے نتھنوں کے دراز سے اسکے جسم میں گھستا اور نکلتا رہے۔ پھر قاتل امام حسینؑ پر تمام دنیا کا آدھا عذاب ہونے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ جب خدا نے حضرت امام حسینؑ کے بدلے ایک لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کے قتل کا وعدہ کیا تھا (سر الشہادتین صہ ۹۱ و کنز العمال جلد ۶ صہ ۲۲۳ وغیرہ) تو پھر آخرت میں حضرتؑ کے قاتل کو تمام دنیا کا نصف عذاب دے تو کیوں حیرت ہوگی۔

انتیسواں باب ۲۹

وہ قدرتی آثار جو واقعہ کربلا کے بعد ظاہر ہوئے

حسینی بیگم۔ بلکہ خدا کا غضب ان واقعات سے بھی ثابت ہے جو واقعہ کربلا کے بعد ظاہر ہوئے۔

مولوی صاحب۔ وہ کیا ہیں۔

حسینی بیگم۔ لو اور سنو۔ تم تو سب باتیں جان کر بھی انجان بنتے رہتے ہو۔ کیا تم نے بھی کتابوں میں ان واقعات کو نہیں پڑھا۔ جیسے علامہ ابن اثیر

جزری نے لکھا ہے کہ واقعہ شہادت کربلا کے بعد دو تین مہینے تک طلوع آفتاب کے وقت سے کچھ دن چڑھے تک لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مکانوں کی دیواریں خون آلود ہو رہی ہیں (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۳۷) اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے لما قتل الحسین مطرت السماء دما فاصبحنا وحبابنا وجرارنا وکل شئ لنا ملأت دما یعنی جب امام حسینؑ قتل ہوئے تو خدا نے آسمان سے خون برسایا اور لوگ صبح کو اُٹھے تو دیکھا کہ اُنکے مشکوں اور برتنوں میں خون بھرا تھا۔ یوم قتل الحسین لم یقلب حجر من احجار من بیت المقدس الا وجد تحتہ دم عبیط۔ یعنی جب امام حسینؑ قتل کیے گئے تو بیت المقدس میں یہ حالت ہوئی کہ جو پتھر اٹھایا جاتا اسکے نیچے سے تازہ خون جوش مارتا ہوا نکلتا تھا۔ یوم قتل الحسین اظلمت الدنیا ثلاثا ولم یمس منا احد من زعفرانہم شیئا یجعلہ علی وجہہ الا احترق یعنی جس روز امام حسینؑ شہید ہوئے اُس روز سے تین روز تک دنیا بالکل تاریک رہی اور جو شخص اپنے چہرے پر زعفران ملتا تھا اس کا چہرہ جل جاتا تھا۔ علی ابن مسہر قال حدثتنی جدتی قالت کنت ایام قتل الحسین جاریۃ شابۃ فکانت السماء ایاما تبکی لہ۔ علی بن مسہر کی دادی کہتی تھیں کہ جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو میں جوان لڑکی تھی کئی روز تک حضرتؑ پر آسمان روتا رہا۔ اصابوا ابلا فی عسکر الحسین یوم قتلہ فنحروہا فصارت مثل العلقم فما استطاعوا ان یسیغوا منہا شیئا یعنی جس روز امام حسینؑ شہید ہوئے لوگوں نے ایک اونٹ پکڑ کر ذبح کیا تو اس کا گوشت حنظل ایسا کڑوا ہو گیا کوئی شخص اس کو نہ کھا سکا (سر الشہادتین در تحریر الشہادتین صفحہ ۹۵) اور علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ "حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے روز جو عجائب و غرائب ظاہر ہوئے ان میں یہ ہے کہ آفتاب میں گہن لگ گیا اور دنیا اس قدر اندھیری ہو گئی کہ دن کو ستارے نظر آنے لگے اور جو پتھر اُٹھایا جاتا اسکے نیچے سے تازہ خون اُبلتا تھا۔ دشمنوں کے

لشکر میں جو ماش کی دال تھی وہ راکھ ہوگئی۔ آسمان سرخ ہوگیا۔ لوگ خیال کرنے لگے کہ اب قیامت آگئی۔ اور عثمان بن ابی شیبہ بیان کرتے تھے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد سات روز تک آسمان کی یہ حالت رہی کہ دیواروں پر معلوم ہوتا تھا سرخ چادریں پھیلادی گئی ہیں۔ اور برابر ستارے ٹوٹتے رہے۔ اور علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ دنیا تین روز تک اندھیری پڑی رہی پھر آسمان میں سرخی نمودار ہوئی اور آسمان سے خون برستا رہا جس کا اثر کپڑوں پر ایسا گہرا ہوا کہ کسی طرح نہیں چھوٹا یہاں تک کپڑے پھٹ گئے مگر وہ رنگ نہیں گیا۔ اور جب امام حسینؑ کا سر دربار ابن زیاد میں لایا گیا تو وہاں کی دیواروں سے خون بہنے لگا۔ اور ثعلبی بیان کرتے تھے کہ شہادت امام حسینؑ پر آسمان روتا رہا اور اس کا رونا وہ سرخی ہے جو اس پر شام کو ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آسمان کے کنارے چھ مہینہ تک سرخ رہے اسکے بعد یہ سرخی آسمان پر مستقل ہوگئی جو شام کو دکھائی دیتی ہے۔ اور ابن سیرین کہتے تھے کہ شام کو آسمان پر جو سرخی دکھائی دیتی ہے یہ شہادت امام حسینؑ سے پہلے نہیں تھی اور علامہ ابن سعد نے بھی یہی لکھا ہے کہ آسمان کی سرخی (جو شام کو ہوتی ہے) شہادت امام حسینؑ سے پہلے نہیں تھی۔ علامہ ابن جوزی کہتے تھے کہ اس سرخی کی حکمت یہ ہے کہ ہم لوگوں کو غصہ ہوتا ہے تو ہمارا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ مگر خدا کے تو چہرہ ہی نہیں ہے اس وجہ سے اس نے اپنے غصہ کو جو اسکو امام حسینؑ کے قتل سے ہوا اسطرح ظاہر کیا کہ آسمان کے کناروں کو سرخ کردیا تاکہ دنیا والوں کو معلوم ہوجائے کہ واقعہ کربلا کس قدر عظیم الشان حادثہ گزرا ہے۔ اور علامہ بیہقی نے لکھا ہے کہ جس روز حضرت علیؑ شہید کیے گئے اس روز بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا اس کے نیچے تازہ خون ابلتا تھا اور جس روز امام حسینؑ شہید ہوئے اس روز بھی یہی حال رہا۔ ایک دفعہ کچھ لوگ ذکر کرتے تھے کہ جو شخص امام حسینؑ سے لڑنے گیا وہ کسی نہ کسی عذاب میں ضرور پڑا۔ ایک بڈھے نے کہا میں بھی تو گیا مگر کچھ نہیں ہوا۔ پھر وہ چراغ

جلانے اوٹھا تو اس کو آگ لگ گئی وہ چیخنے لگا۔ آگ۔ آگ۔ مگر کسی طرح نہیں بجھی پھر تو وہ فرات میں ڈوب گیا اسمیں بھی وہ جلتا ہی مرگیا۔ اور کتنے ایسے ہو کہ پیاس کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ پانی پیتے جاتے تھے مگر کسی طرح سیر نہیں ہوتے تھے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۶) میں کہاں تک بیان کروں۔ ایسے ہزاروں واقعات ہیں۔ جن سب کے بیان کرنے کو ایک مدت دراز چاہیے۔

تیسواں باب ۳۰

کیا امام حسنؑ نے معویہ کی بیعۃ کی تھی؟ امام حسینؑ نے بھی یزید کی بیعۃ کیوں نہیں کی؟ حضرت نے تقیہ کیوں نہیں کیا؟ لوگوں نے حضرت کو سمجھایا اور عراق جانے منع کیا تو آپ کیوں نہیں مانے؟

مولوی صاحب۔ البتہ ان سبھوں کا جرم ہی اتنا بڑا تھا کہ انکو دنیا میں بھی جو سزا ملی وہ کم ہی تھی مگر جس طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معویہ کی بیعۃ کرلی تھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی یزید کی بیعۃ کرلیتے تو نہ خود وہ شہید ہوتے نہ اسلام میں اتنا بڑا حادثہ پیش آتا۔

حسینی بیگم۔ حضرت امام حسنؑ نے بھی تو معویہ کی بیعۃ نہیں کی تھی۔ بلکہ صرف صلح کی تھی۔ تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۸۲۔ تاریخ الخلفا صفحہ ۱۳۰۔ تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۶۰ تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۹۲ وغیرہ میں صلح کا ذکر ہے مگر بیعۃ کا کسی نے نام بھی نہیں لیا۔

مولوی صاحب۔ تاریخوں میں نہیں ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ حدیث کی کتابوں میں ہوگا کہ حضرت حسنؑ نے معویہ کی بیعۃ کی تھی۔

حسینی بیگم۔ حدیث کی کتابوں میں صحیح بخاری شریف سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے اسکے پارہ ۲۰ کتاب الصلح (مطبوعہ دہلی صفحہ ۵۸۱) میں صلح امام حسنؑ کی پوری تفصیل درج

درج ہے۔ اسمیں تو کہیں بیعۃ کا ذکر نہیں ہے۔ جناب مرزا حیرت صاحب دہلوی نے
صحیح بخاری شریف کا اردو ترجمہ بھی چھپوا دیا ہے اس سے اس کا ترجمہ پڑھتی ہوں
"حسن بصری کہتے ہیں کہ خدا کی قسم حسنؑ بن علیؑ حضرت معویہ کے مقابلہ پر پہاڑوں
کے مثل لشکر لے گئے تھے تو حضرت عمرو بن عاص نے حضرت معویہ سے کہا میں حسنؑ
بن علیؑ کے ہمراہ ایسے جنگی لشکر دیکھ رہا ہوں کہ وہ جب تک اپنے حریفوں کو قتل نہ کریں
پیٹھ نہ پھیریں گے تو اُن سے حضرت معویہ نے کہا اور خدا کی قسم وہ ان دونوں یعنی
معویہ اور عمرو بن عاص میں اچھے تھے کہ اے عمروؓ اگر اُن لوگوں نے اِن لوگوں کو قتل کر ڈالا
اور اِن لوگوں نے اُن لوگوں کو قتل کر ڈالا تو پھر میرے پاس رعایا کا انتظام کرنے کو
کون رہ جائیگا۔ اُنکی عورتوں کے انتظام کے لئے میرے پاس کون ہوگا۔ اُن کے مال کا
انتظام کرنے کے لئے میرے پاس کون ہو گا۔ پھر حضرت معویہ نے حضرت امام حسنؑ
کے پاس دو قریشی مرد قبیلۂ بنی عبد شمس کے یعنی عبدالرحمن بن سمرہ اور عبداللہ
بن عامر کو بھیجا اُن سے کہا کہ اس شخص یعنی حضرت امام حسنؑ کے پاس جاؤ اور اسکے
صلح کی بات چیت پیش کرو اور اُس سے خوب اچھی طرح کہنا اور اُس کو صلح کی طرف
بلانا۔ چنانچہ وہ دونوں حضرت امام حسنؑ کے پاس گئے اور اُن کے سامنے پہونچے۔
اور دونوں نے ان سے گفتگو کی اور اُن سے کہا اور صلح کیطرف انھیں بلایا تو ان سے
حسنؑ بن علیؑ نے کہا کہ ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں ہم نے بہت کچھ مال جنگ کی تیاری میں
خرچ کیا ہے اور یہ لوگ اپنے خونوں میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اب ہم اگر خلافت سے
دست بردار ہو جائیں تو ان لوگوں کی عافیت میں خلل پڑ جائیگا۔ ان دونوں نے کہا
کہ معویہ تو آپ سے صلح چاہتے ہیں اور یہی آپ سے درخواست اور خواہش کرتے ہیں حضرت
امام حسنؑ نے کہا کہ پھر اس بات کا ذمہ دار کون ہوگا کہ ان لوگوں کی عافیت اور معاش
کا انتظام عمدہ طور پر رہے۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم آپ کے سامنے اسکے ذمہ دار
ہیں۔ پس جو بات اُن سے حضرت امام حسنؑ نے کہی اُنھوں نے یہی جواب دیا کہ ہم
اسکے ذمہ دار ہیں۔ لہٰذا حضرت امام حسنؑ نے حضرت معویہ سے صلح کرلی۔" (ترجمہ صحیح بخاری

از مرزا حیرت دہلوی جلد ۱ ص ۳۷۶) اس پوری عبارت میں کہیں بھی بیعت کا ذکر ہے؟ بلکہ خود معویہ نے دو آدمی بھیجے ۔ درخواست کی خوشامد کی اور حضرت سے صلح کی حضرت امام حسنؑ حضرت رحمۃ للعالمین کے نواسے تھے اُن مسلمانوں پر بھی آپکو رحم آگیا اور صلح منظور کرلی ۔ بخاری شریف کی جلد ۳ ص ۲۴۲ و ۳۱۶ و ۳۴۸ و ۳۴۹ و ۳۹۷ اور جلد ۶ کے ص ۵۵ و ۴۸۸ و ۵۳۶ اور جلد ۷ ص ۵۵۱ وغیرہ میں بھی حضرت امام حسنؑ کا ذکر ہے مگر کہیں بیعت کا نام تک نہیں ۔

مولوی صاحب ۔ مگر صلح تو کرلی تھی ۔ اسکی کیا ضرورت تھی معویہ سے جنگ ہی کرلی ہوتی ۔

حسینی بیگم ۔ ہاں صلح کی وجہ یہ کہ حضرت رسولخدا صلعم نے پیشین گوئی کردی تھی کہ میرا یہ بیٹا مسلمانوں کے دو بڑے گروہ میں صلح کرادے گا ۔ امام بخاری صاحب ہی نے لکھا ہے "حسن بصری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکرہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسولخداؐ کو منبر پر دیکھا اور حسنؑ بن علیؑ آپ کے پہلو میں تھے آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور کبھی انکی طرف متوجہ ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ میرا بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ اسکے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرادیگا (ترجمہ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۳۷۶) غرض حضرت امام حسنؑ اسکو کسی طرح پسند نہیں کرسکتے تھے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے ارشاد کے خلاف کریں اور جب حضرتؑ سے صلح کی درخواست پیش کی جائے تو اس سے انکار کردیں ۔

مولوی صاحب ۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی یزید سے صلح کیوں نہیں کرلی

حسینی بیگم ۔ اسکی وجہ بھی کچھ پوچھنے کی ضرورت ہے ۔ پہلے یہ کہ حضرتؑ سے صلح کی درخواست ہی نہیں کیگئی ۔ حضرت تو مدینہ میں اپنے گھر کے اندر بیٹھے تھے وہاں آپ پر بیعت کے لئے دباؤ دیا گیا ۔ دوسرے یہ کہ آپکے بارے میں حضرت رسولخداؐ کی ایسی پیشین گوئی نہیں تھی جسکے مطابق حضرتؑ سے صلح کی درخواست کی بھی جاتی تو آپ اسے منظور کرنے کے پابند ہوتے ۔ بلکہ جس طرح حضرت رسولخداؐ مکہ معظمہ میں کفار

سے صلح وامن کے ساتھ بنا ہنے کے پابند تھے اسی طرح آپکے بڑے نواسے حضرت امام حسنؑ معویہ والوں کے ساتھ صلح کرنے کے پابند تھے اور جس طرح وہی حضرت رسولخدا صلعم مدینہ میں آنے کے بعد انھیں مکہ والوں سے جنگ کرنے کے لئے مامور ہوئے اسی طرح آپکے چھوٹے نواسے یزید کی حکومت میں انھیں معویہ والوں سے جنگ کرنے کے لئے مجبور ہوئے مختصر یہ کہ امام حسنؑ و امام حسینؑ حضرت رسولخدا صلعم کی دونوں (مکہ اور مدینہ) کی زندگی کے آئینہ تھے جو وجہ اسکی قرار دی جاسکتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے مکہ میں کفار مکہ سے جنگ کیوں نہیں کی اور کیوں صلح وامن سے رہے وہی وجہ امام حسنؑ سے صلح کرنے کی قرار پائیگی اور جو وجہ اسکی قرار دی جاسکتی ہے کہ آنحضرتؐ نے مدینہ میں آکر کفار مکہ سے کیوں جہاد کیا وہی وجہ امام حسینؑ کے یزید سے جہاد کرنے کی قرار پائیگی۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

مولوی صاحب ۔ تو حضرت رسولخدا صلعم نے مکہ میں کیوں صلح وامن سے بسر کیا اور مدینہ میں کیوں جہاد کیا۔

حسینی بیگم ۔ اتمام حجت کے لئے کہ پہلے ان لوگوں کو صلح کا موقع دیا گیا کہ شاید اس طرح ہدایت پر آجائیں۔ جب اس تدبیر سے بھی لوگوں نے اپنی بیدینی نہیں چھوڑی اور ظلم کرتے رہے تو مجبوراً مدینہ میں آکر حضرتؐ نے ان کے حملوں کا مقابلہ کیا۔ بالکل اسی طرح امام حسنؑ نے بھی اتمام حجت کے لئے معویہ والوں سے صلح کی کہ شاید اس طرح یہ لوگ ہدایت پر آجائیں اور دنیا میں فساد کو موقوف کریں۔ جب اس تدبیر سے بھی ان لوگوں نے اپنی بیدینی نہیں چھوڑی اور اسلام کو مٹاتے ہی رہے تو حضرت امام حسینؑ نے یزید والوں کے حملوں کا مقابلہ کرکے اُن سے جہاد کیا۔ مختصر یہ کہ حضرت رسولخدا نے خود یہ کام پہلے صلح پھر جہاد کیا انھیں دونوں کاموں کو امام حسنؑ و امام حسینؑ نے ملکر کیا کہ پہلے نواسے نے صلح کی اور دوسرے نے جہاد۔ جس طرح سابق انبیاء کے زمانہ میں بھی ہوتا رہا کہ پہلے خدا کفار کو سمجھاتا اور فہمائش کرتا رہا جب وہ کسی طرح نہیں مانتے تھے تو اُن پر عذاب نازل کر دیتا تھا۔ خدا کا یہی اصول برابر رہا۔ حدیث میں یہ بھی ہے:۔ کان الحسن اشبہ الناس

رسول اللہ ما بین الصدر الی الراس - والحسین اشبہ الناس بالنبی
ما کان اسفل من ذلک یعنی امام حسنؑ حضرت رسولخدا صلعم کے سر سے سینہ تک اور امام
حسینؑ حضرتؐ کے سینہ سے پاؤں تک بے حد مشابہ تھے (استیعاب جلد ۱ صفحہ ۱۴۳) اسکی
وجہ بھی شاید یہی ہو کہ امام حسنؑ سے وہ کام (صلح) ظاہر ہونے والا تھا جو (صلح) حضرت
رسولخدا صلعم کی ابتدائی زندگی میں ہوا - اور حضرت امام حسینؑ سے وہ کام (جہاد) ظاہر
ہونے والا تھا جو (جہاد) حضرت رسولخدا صلعم کی آخری زندگی میں ہوا -

مولوی صاحب - واہ یہ نکتہ تم نے بہت ہی قابل قدر پیدا کیا - پھڑکا دیا -
البتہ ہو سکتا ہے کہ اسی مناسبت سے امام حسنؑ آنحضرتؐ کے سر سے سینہ تک اور امام
حسینؑ حضرتؐ کے سینہ سے نیچے تک مشابہ ہوئے - یعنی حضرتؐ کی (مکہ کی) زندگی
حضرت کے سر سے سینہ تک قرار دیگئی اور آخری (مدینہ کی) زندگی سینہ سے پاؤں
تک قرار دیگئی - مگر پھر بھی امام حسینؑ سے یہ الزام تو نہیں اٹھ سکتا کہ آپکو آپکے خاص
اعزہ جناب محمد بن حنفیہ و حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ سمجھاتے رہے کہ عراق نہ جائیے
مگر حضرت اپنی ضد سے باز نہیں آئے اور عراق جا کر ہی رہے جس سے قتل کئے گئے -

حسینی بیگم - ضد تو اس وقت کہی جاتی جب حضرت صرف اپنے دل سے یزید کی
مخالفت پر آمادہ ہوتے اور ان اعزہ و احباب کے مشورے کو ٹھکرا دیتے - لیکن جب
حضرت کو ایسی طاقت کا حکم ہو جسکی مخالفت کسی کو جائز نہیں ہے تو حضرت کیونکر اس حکم
کی تعمیل نہیں کرتے -

مولوی صاحب - وہ کون طاقت تھی جس نے حضرت حسینؓ کو حکم دیا تھا کہ یزید
سے صلح نہ کریں - اس کے مطیع نہ ہوں اور اسکی بیعت نہ کریں -

حسینی بیگم - خود حضرت رسولخدا صلعم کا حکم تھا -

مولوی صاحب - واہ تم بھی کیا باتیں بناتی ہو جن کا نہ سر نہ پاؤں -

حسینی بیگم - تم قرآن و حدیث سب کو چھوڑ دو تو کیا علاج ہے - جس طرح حضرت

رسولخدا صلعم نے حضرت امام حسنؑ کے بارے میں پشینگوئی کی تھی کہ خدا ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادیگا اسی طرح حضرت امام حسینؑ کے بارے میں پیشینگوئی فرمادی تھی کہ یہ مظلوم قتل کئے جائیں گے اور شہادۃ کے درجہ پر پہونچیں گے حضرت امام حسینؑ ان ارشادات نبوی سے واقف تھے۔ پھر کیونکر اعزہ کی بات مان کر حضرت کی پشینگوئی کو جھوٹی ہونے دیتے۔ میں پہلے بہت سی حدیثوں کو بیان کرچکی ہوں انکو غور کرلو[لہ] حضرتؑ سے تو ممکن ہی نہیں تھا کہ ان پشینگوئیوں کو جھوٹی ہونے دیں کیونکہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کو اسلام کے لئے اس قدر ضروری سمجھا تھا کہ اپنے صحابہ کرام کو بھی امام حسینؑ کے ساتھ عراق جاکر شہادۃ کا درجہ حاصل کرنے کی تاکید کی تھی۔ چنانچہ جناب مولانا شیخ عبدالحق صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا ان ابنی ھذا یعنی الحسین یقتل بارض من ارض العراق یقال لہا کربلا فمن شھد ذلک منکم فلینصرہ یعنی میرا فرزند حسینؑ عراق کی زمین کربلا میں شہید کیا جائیگا۔ تم میں سے اس وقت جو لوگ موجود ہوں انھیں چاہیئے کہ حسینؑ کی مدد کو ضرور جائیں (ماثبت من السنۃ صـ ۱۱)۔ پھر حضرت امام حسینؑ اس موقع کو کیوں چھوڑ دیتے جسکے لئے آنحضرت صلعم نے اس قدر اہتمام فرمایا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت امام حسینؑ اس سے نہایت خوش ہوتے تھے کہ آنحضرت صلعم کی کل باتیں درست اور صحیح ثابت ہورہی ہیں۔ یہاں تک کہ جب حضرتؑ ذبح ہورہے تھے اس وقت بھی اس پر خوشی ظاہر فرمائی کہ حضرت رسولخدا صلعم کے قول کی تصدیق ہوگئی چنانچہ عن محمد بن عمر بن حسین قال کنا مع الحسین بنھر کربلاء فنظر الی شمر ذی الجوشن۔ فقال صدق اللہ ورسولہ۔ قال رسول اللہؐ کانی انظر الی کلب ابقع یلغ فی دماء اھلبیتی وکان شمر ابرص یعنی محمد بن عمر بن حسین کہتے ہیں کہ ہم لوگ کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ تھے۔ آپ نے شمر ذی الجوشن کیطرف دیکھکر فرمایا سچ فرمایا تھا اللہ اور اسکے رسولؐ نے حضرت رسولخدا صلعم نے فرمادیا تھا

[لہ] ملاحظہ ہو اس کتاب تصویر عزا کا باب ۱۵ - ۱۲

کہ میں ایک ابقع (جسکے جسم میں جابجا سفید داغ ہوں) کتے کو دیکھتا ہوں کہ وہ میرے اہلبیت کے خون میں منہ ڈالتا اور ان کا لہو چاٹتا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ شمر ابرص تھا اسکے جسم میں جابجا سفید داغ تھے۔ پس بیشک حضرت رسولخدا صلعم کا یہ قول بہت صحیح ہوا (کنز العمال جلد ۷ ص۱۱۱ وغیرہ)

مولوی صاحب - خیر حضرت امام حسین رض یزید کی بیعۃ نہیں کرتے مگر مکہ شریف ہی میں بیٹھے رہتے۔ جیسا حضرت ابن عباس وغیرہ ان سے اصرار کرتے تھے۔ غرض عراق نہ جاتے جسکی وجہ سے آپ شہید کئے گئے۔

حسینی بیگم - تاریخوں کو پڑھو جس سے خود معلوم ہو جائیگا کہ جس وقت حضرت امام حسین ع روانہ ہونے لگے اور اعزہ نے آپکو روکا تب بھی حضرت کو جناب رسولخدا صلعم نے یہی حکم دیا کہ عراق کیطرف ضرور جاؤ تاکہ تمہاری شہادۃ سے دین اسلام کی حفاظت کا سامان ہو جائے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری ایسے مشہور مورخ نے لکھا ہے "جب حضرت معویہ کی وفاۃ ہوئی تب بھی حضرت حسین نے (یزید کی) بیعۃ نہیں کی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ مکہ ہی میں اہل کوفہ کے خطوط ان کے پاس پہونچے لہذا انھوں نے سفر کا سامان تیار کر لیا۔ بہت لوگوں نے انھیں منع کیا ان منع کرنے والوں میں انکے بھائی محمد بن حنفیہ اور ابن عمر اور ابن عباس وغیرہ تھے مگر حضرت حسین نے فرمایا کہ میں نے رسولخدا صلعم کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ نے مجھے جس بات کا حکم دیا ہے اس کو میں ضرور کروں گا۔ چنانچہ وہ عراق چلے گئے" (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۳ ص۲۷) اور علامہ دیار بکری نے بھی یہی لکھا ہے (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۳۳۲)۔ یہ مضمون بہت سی کتابوں میں ہے۔ چنانچہ تاریخ طبری وکامل میں اس طرح ہے۔ قال انی رایت رؤیا رایت فیہا رسول اللہ وامرت فیہا بامر انا ماض لہ علی کان اولی۔ فقال ما تلک الرؤیا۔ قال ما حدثت بہا احداً وما انا محدث بہا احداً حتی القی ربی یعنی حضرت نے ان لوگوں کی نصیحت نہ قبول کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں نے حضرت رسولخدا کو خواب میں دیکھا جسمیں آپ نے مجھے اس بات

کا حکم دیا ہے جس کو میں ترک نہیں کر سکتا۔ خواہ اس سے میرا نقصان ہو یا نفع۔ لوگوں نے پوچھا وہ خواب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے ابتک یہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا اور نہ آئندہ بیان کروں گا۔ یہاں تک کہ اپنے پروردگار کی خدمت میں پہونچ جاؤں (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۱۹ و کامل جلد ۴ صفحہ ۱۷)۔ آخری جملہ حتی القی ربی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؑ نے خواب میں یہی دیکھا کہ اے حسین! دین اسلام مٹ رہا ہے اور وہ بغیر تمہارے شہید ہوئے بچ نہیں سکتا۔ تم یزید کی اطاعت نہ کرنا ورنہ ہماری سب ریاضت مٹی میں ملجائیگی۔ بلکہ عراق جاؤ اور وہ لوگ تمہیں قتل کریں تو اس کو قبول کر کے اپنے پروردگار کی خدمت میں پہونچ جاؤ۔

مولوی صاحب ۔ مگر خواب کی باتوں پر حضرتؑ کو توجہ نہیں کرنا چاہئے تھی۔

حسینی بیگم ۔ معاذ اللہ یہ کیا کہتے ہو۔ حضرت رسولخدا صلعم کو خواب میں دیکھنا ویسا ہی ہے جیسا جاگتے میں۔ اور کسی شخص کو حضرتؐ خواب میں کوئی حکم دیں تو اسکی تعمیل ویسی ہی ضروری ہے جیسی حضرتؐ کے اس حکم کی جو جاگتے میں دیں۔ چنانچہ حضرتؐ نے خود فرمایا ہے من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل صورتی یعنی جو شخص مجھے خواب میں دیکھیگا وہ درحقیقت مجھ ہی کو دیکھیگا اس سبب سے کہ شیطان میری صورت نہیں اختیار کر سکتا ہے (صحیح بخاری پارہ ۲۵ صفحہ ۶۱۳ مطبوعہ دہلی)۔ اسکے متعلق میں اس سے پہلے بھی بحث کر چکی ہوں سلہ

مولوی صاحب ۔ ہاں سچ ہے اس مضمون کی حدیثیں بہت کثرت سے ہیں واقعاً جو شخص حضرتؐ کو خواب میں دیکھے اور اسکو حضرتؐ کوئی حکم دیں تو اسکی تعمیل واجب ہے۔

حسینی بیگم ۔ حضرت امام حسینؑ کو حضرت رسولخدا صلعم کی اس حدیث کی بھی خبر تھی کہ مکہ معظمہ میں ایک شخص قتل و خونریزی کا بازار گرم کر کے خانہ کعبہ کی حرمت زائل کرے گا۔ اس سبب سے حضرتؑ نے اپنے نانا کی اس حدیث کو سچ جانکر مکہ معظمہ چھوڑ دیا تا کہ آپکی شہادت مکہ شریف میں نہ واقع ہو اور آپ اس حدیث کے مصداق نہ بنیں چنانچہ جب حضرتؑ کے

سلہ ملاحظہ ہو اسی کتاب تصویر عزا ۱ کا باب ۲۰

اعزہ و احباب نے مکہ معظمہ چھوڑنے سے آپکو منع کیا ہے تو حضرت ؑ نے فرمایا ان ابی حدثنی ان بہا کبشا یستحل حرمتہا فما احب ان اکون انا ذلک الکبش یعنی میرے جد بزرگوار نے مجھ سے فرمایا تھا کہ مکہ معظمہ میں ایک مینڈھا ہوگا جو مکہ معظمہ کی حرمت کو ضائع اور اسکی عزت کو مٹا دیگا تو میں اسکو پسند نہیں کرسکتا کہ وہ مینڈھا میں بنوں (تاریخ طبری جلد ۶ ص ۲۱۷ و تاریخ کامل جلد ۴ ص ۱۶) ۔ اسی خوف سے یہ بھی فرماتے تھے واللہ لان اقتل خارجا منہا بشبر احب الی من اقتل داخلا منہا بشبر یعنی خدا کی قسم اگر مکہ معظمہ سے ایک ہی بالشت باہر میں قتل کیا جاؤں تو مجھے یہ پسند ہوگا مگر یہ کسی طرح گوارا نہیں ہے کہ مکہ معظمہ کے اندر قتل کیا جاؤں اگرچہ وہ ایک ہی بالشت اندر ہو (طبری جلد ۶ ص ۲۱۷ و کامل جلد ۴ ص ۱۶ و مروج الذہب جلد ۶ ص ۱۳۳)

مولوی صاحب ۔ مگر حضرت مکہ معظمہ میں رہ جاتے تو ممکن تھا کہ قتل ہی نہیں ہوتے لوگ اس شہر کے خیال سے آپکو چھوڑ دیتے ۔ کیونکہ مکہ معظمہ دار امن و امان ہے ۔

حسینی بیگم ۔ نہیں اس کا تو یقین تھا کہ لوگ حضرت ؑ کو چھوڑنیکے نہیں ۔ اور حضرت امام حسین ؑ بھی اس کو یقینی طور پر جانتے تھے ۔ چنانچہ اسی موقع پر حضرت ؑ نے یہ بھی فرمایا تھا وایم اللہ لو کنت فی جحر ھامۃ من ھذہ الھوام لاستخرجونی حتی یقضوا فی حاجتہم یعنی خدا کی قسم اگر میں ان چھوٹے چھوٹے حشرات الارض کے سوراخ میں جا چھپوں جب بھی یہ لوگ مجھے اس سے نکال کر قتل کر کے رہیں گے (طبری جلد ۶ ص ۲۱۷ و کامل جلد ۴ ص ۱۶) ۔ اور یہ جو کہا کہ لوگ مکہ معظمہ کے خیال سے حضرت کو چھوڑ دیتے تو حضرت ؑ کی شہادت کے بعد جب اسی یزید کے لشکر سے حضرت عبداللہ بن زبیر کی لڑائی ہوئی تو ان کو لوگوں نے کیوں نہیں چھوڑ دیا اور کیوں خاص مسجد کعبہ کے اندر انکو قتل کر دیا ۔

مولوی صاحب ۔ مگر رافضی کہتے ہیں کہ انسان کو جب جان کا خطرہ ہو تو وہ تقیہ کرلے ۔ پھر امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی کیوں تقیہ نہیں کرلیا ۔ جس سے آپکی جان بچ جاتی

حسینی بیگم ۔ تقیہ کا حکم شیعوں کے لئے خاص تو ہے نہیں بلکہ ہر شخص کے لئے ہے

قرآن مجید میں خدا نے فرمادیا ہے الا ان تتقوا منھم تقیۃ یعنی سوا اس صورت کے کہ تم ان لوگوں سے تقیہ کرکے بچ رہو (پارہ ۳ ع ۱۱)۔ اور علامہ سیوطی نے اسکی تفسیر میں لکھا ہے عن ابن عباس فی قولہ الا ان تتقوا منھم تقیۃ فالتقیۃ باللسان من حمل علی امر تیکلم بہ وھو معصیۃ للہ فیتکلم بہ مخافۃ الناس وقلبہ مطمئن بالایمان فان ذلک لا یضرہ انما التقیۃ باللسان ۔ یعنی حضرت ابن عباس آیہ الا ان تتقوا منھم تقیۃ کی تفسیر میں کہتے تھے کہ تقیہ صرف زبان سے ہے ۔ جو شخص ایسی بات بولنے پر مجبور کیا جائے جو خدا کے نزدیک گناہ ہو اور وہ لوگوں کے ڈر سے وہ بات بول دے مگر اسکے دل میں پورا ایمان ہو تو اسکو زبان سے وہ گناہ کی بات کہ دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ تقیہ کا حکم صرف زبان سے ہے ۔ (تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۱۶)۔ خدا نے یہ بھی فرمایا ہے من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان (پارہ ۱۴ ع ۲۰) اس کا ترجمہ جناب مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی نے اس طرح کیا ہے "جو شخص کفر پر مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کیطرف سے مطمئن ہو اس سے کچھ مواخذہ نہیں" (حمائل مترجمہ نذیر احمد صاحب دہلوی صفحہ ۴۴۴)۔ اسی طرح بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں۔ رہا یہ سوال کہ حضرت امام حسینؑ نے تقیہ کیوں نہیں کیا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرتؑ اسلام کے زندہ کرنے اور ایمان کے محفوظ رکھنے کے لئے مقرر کئے گئے تھے ۔ اگر آپ تقیہ کر لیتے تو یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا ۔ اسلام پامال ہو جاتا ۔ دین حق مٹ جاتا ۔ کفر پھیل جاتا ۔ اور لوگ خدا کی سیدھی راہ کو بھول جاتے ۔ غرض خدا نے حضرتؑ کے ذمہ جو فرض کیا تھا اور آنحضرت صلعم نے آپ سے جس حفاظت اسلام کی امید کی تھی وہ سب ضائع و برباد ہو جاتی۔ آپ تقیہ کرکے یہی تو کرتے کہ یزید کی بیعت کریں ۔ اس کا حکم مانیں اور اسکی ہر بات کو پسند کریں ۔ اور سب جانتے ہیں کہ وہ کل امور خلاف مرضی خدا و رسولؐ اور مخالف احکام دین و ایمان کرتا تھا ۔ تو حضرتؑ کے تقیہ کا نتیجہ یہی ہوتا کہ اسلام بالکل رخصت ہو جائے اور کفر پلٹ آئے ۔ دینداری کا خاتمہ اور دنیا پرستی کا عہد شروع ہو جائے تو حضرت اس کو کیونکر

پسند فرماتے۔ عوام کا حکم دوسرا ہے اور پیشوایان دین کے فرائض علیحدہ۔ دیکھو جب کفار مکہ نے حضرت عمار صحابی پر ظلم کیا تو انھوں نے حضرت رسولخدا صلعم کو گالیاں دیدیں اور لات وعزیٰ کی تعریف کردی۔ لوگوں نے آنحضرت صلعم سے یہ واقعہ بیان کردیا۔ حضرتؐ نے جناب عمار سے پوچھا تم اپنا دل کیسا پاتے ہو۔ عرض کی میں دل میں تو ایمان کو پورا پورا پاتا ہوں تو حضرتؐ نے فرمایا پھر کوئی مضائقہ نہیں بلکہ اگر وہ پھر تم کو مجبور کرکے ایمان کے خلاف باتیں کہلائیں تو کہہ دینا (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۲۴)۔ حضرتؐ نے جناب عمار کو اجازت دیدی مگر خود آنحضرتؐ نے تقیہ نہیں کیا نہ ان کفار کے موافق کوئی بات کہی جس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمار کے لئے تقیہ جائز تھا مگر حضرت رسولخدا صلعم تقیہ نہیں کرسکتے تھے ورنہ دین اسلام ہی رخصت ہوجاتا۔ اسی طرح حضرت امام حسینؑ بھی تقیہ نہیں کرسکتے تھے ورنہ کفر پلٹ آتا اور دین اسلام ہمیشہ کے لئے رخصت ہوجاتا۔

اکتیسواں باب ۳۱

امام حسینؑ کی شجاعت

مولوی صاحب۔ خیر تقیہ نہیں کیا تو مقابلہ کرنا چاہئے تھا۔ یہ کیا کہ ساتھیوں کو لڑنے کے لئے آگے کردیا اور خود بیٹھ رہے۔

حسینی بیگم۔ معاذ اللہ ایک یا تم کہنے لگے۔

مولوی صاحب۔ دیکھو اسی اخبار جمہور میں مسٹر صلاح الدین خدا بخش پروفیسر کلکتہ نے یہ بھی لکھا ہے۔ "حسینؑ کے انکار کردینے پر عمر سعد نے حسینؑ کے خیموں کا محاصرہ کرلیا حسینؑ کے ساتھیوں نے مقابلہ کیا لیکن حسینؑ نے خود اپنی جگہ سے قطعی جنبش نہ کی حسینؑ کے ساتھیوں کے بعد خود حسینؑ سے مقابلہ ہوا اور بہت جلد زخمی ہوکر حسینؑ گر پڑے۔ حسینؑ نے کوئی بھی ایسا کام بہادری کا نہیں کیا جیسا کہ شیعہ انکی جانب منسوب کرتے ہیں۔ ایک زبانی خبر جو یزید تک پہونچائی گئی وہ یہ تھی کہ حسینؑ کے قتل میں صرف

اتنا ہی وقفہ گزرا جس قدر کہ ایک اونٹ کے ذبح کرنے یا پلک مارنے میں عرصہ گزرتا ہے۔
(اخبار جمہور کلکتہ مورخہ ۱۸ جون سنہ ۱۹۳۱ء)

حسینی بیگم - مسٹر صلاح الدین خدابخش نے کسی کتاب کا حوالہ بھی دیا ہے۔

مولوی صاحب - نہیں حوالہ تو نہیں ہے۔

حسینی بیگم - پھر کیا کہا جائے - اب انکی بات مانوگے یا اسلام کے مسلم الثبوت علماء و مورخین کی تحقیقات

مولوی صاحب - نہیں علماء کے مقابلہ میں مسٹر صلاح الدین کیا چیز ہوسکتے ہیں۔

حسینی بیگم - اب علماء اسلام کی تحقیقات سنو۔ (۱) جناب مولوی عطا محمد صاحب نے لکھا ہے "اب بر سر مصاف حسین بن علی کی ذوالفقار ہوئی ... آثار قیامۃ نظر آئے امام نے قبضہ پر ذوالفقار حیدر کرار کے ہاتھ رکھا ... بجلی کی طرح جا پڑے - گویا مثل حیدر کرار در خیبر پر جا پڑے ... تلوار تھی یا صاعقہ قہر خالق جبار تھی - خود سروں کے انبار - ہزاروں تن تنہا بے کار و نگار ہوئے ... چار سو دس پیادے آنجناب کے ہاتھ سے مارے گئے" (کتاب الشہادتین مطبوعہ گورکھپور ص ۱۷۹) (۲) جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے لکھا ہے "پھر امام بھی حملہ آور ہوئے اور لشکر مخالف کو درہم و برہم کرنے لگے ... لڑتے لڑتے آپ کو پیاس کی شدت ہوئی تو فرات کیطرف قصد کیا - ظالمین بیچ میں آ گئے مگر آپ انھیں مارتے کاٹتے لب دریا پہونچ گئے .... ظالموں نے دیکھا کہ امام بڑی بہادری سے لڑ رہے ہیں اور ہمارا لشکر تباہ ہوا جاتا ہے (رسالہ غم حسین ص ۲۹) (۳) جناب مولوی احسان اللہ صاحب گورکھپوری نے لکھا ہے "امام حسینؑ کے ساتھیوں نے دکھا دیا کہ بنی ہاشم کے بازوؤں میں کتنی قوۃ تھی - امام حسینؑ کو تو کبھی لڑنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا - آج ہی معلوم ہوا کہ الولد سر لابیہ علی علیہ السلام کی طرح انکی لڑائی بھی بہت سخت تھی - یہ جدھر پہونچ جاتے تھے میدان صاف کر دیتے تھے (تاریخ اسلام ص) (۴) صاحب روضۃ الشہداء نے لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے "امرائے شام میں سے تمیم بن قحطبہ نے امام حسینؑ کے روبرو آ کر کہا

کہ اے پسر علی۔ تمہارے لڑکے۔ بھائی۔ عزیز۔ رفیق سب قتل ہو چکے ، در تم تن تنہا رہ گئے۔ پھر بھی جنگ کا حوصلہ رکھتے ہو۔ بھلا تم اکیلے بیس ہزار جنگ جو سپاہیوں کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہو۔ امام حسینؑ نے فرمایا میں لڑنے نہیں آیا تم خود مجھ سے لڑتے ہو۔ اچھا اب لڑائی کے جوہر دکھا۔ یہ کہ کر امام حسینؑ نے ایسا نعرہ کیا کہ اکثر سپاہیوں کے پتے پانی ہو گئے۔ اور امام حسینؑ نے تلوار کھینچکر ایسی ضرب لگائی کہ تمیم کا سر کٹ کر دور جا گرا۔ یہ حال دیکھکر ابن سعد کے ہوش و حواس جاتے رہے (روضۃ الشہداء قلمی)

(۵) محدث جمال الدین لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے " پھر امام حسینؑ نے دریا کا قصد کیا شمر نے لشکر کو پکار کر حکم دیا کہ دیکھو حسینؑ پانی نہ پینے پائیں۔ اگر وہ تھوڑا پانی بھی پی لیں گے تو تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ یہ سنتے ہی لشکر یزید امام حسینؑ اور فرات کے درمیان حائل ہو گیا مگر امام حسینؑ نے گھوڑے کو جولاں کر کے ایسی شمشیر زنی فرمائی کہ تین چار بار صف اعدا کو درہم برہم کر دیا اور لب آب پہونچ گئے۔ گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا" (روضۃ الاحباب نسخہ قلمی) (۶) امام حسینؑ نے فرات سے خیمہ گاہ تک واپس آتے آتے بھی بہت سے آدمیوں کو قتل کر ڈالا (روضۃ الشہداء) (۷) امام حسینؑ پیاس کی شدت میں لب فرات پہونچ گئے اور ابن سعد کا اتنا بڑا لشکر حضرتؑ کو کچھ بھی نہیں روک سکا (تاریخ کامل جلد ۴ صہ ۳۲) (۸) علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے ولوما کادوا بہ من انہم حالوا بینہ وبین الماء لم یقدروا علیہ وھو الشجاع القرم الذی لا یزدل ولا یتحول یعنی اگر یزیدی لشکر یہ فریب کرتا کہ امام حسینؑ اور نہر کے درمیان حائل ہو گیا تو کبھی امام حسینؑ پر قابو نہ پاتا کیونکہ آپؑ وہ بہادر اور دلاور سردار تھے جو نہ کبھی اپنی جگہ سے ہٹتے اور نہ ٹلتے تھے۔۔۔ فلما فنی اصحابہ وبقی بمفردہ حمل علیہم وقتل کثیرا من شجعانہم فحمل علیہ کثیرون یعنی جب حضرتؑ کے ساتھی ختم ہو گئے اور آپ تنہا رہ گئے تو لشکر یزید پر اس زور کا حملہ کیا کہ اسکے بہت سے بہادروں

کو قتل کر ڈالا۔ تب بہت سی جماعتوں نے ملکر حضرتؑ پر حملہ کیا (صواعق محرقہ مطبوعہ مصر
صـ۱۱۸) (۹) اور علامہ مومن شبلنجی نے لکھا ہے فلما فنی اصحاب الحسین وقتلوا جمیعھم
وبقی وحدہ حمل علیھم فقتل کثیرا من الرجال والابطال ودرجع سالما الی موقفہ
عند الحریم۔ ثم حمل علیھم حملۃ اخری واراد الکر راجعا الی موقفہ یعنی جب اصحاب
امام حسینؑ سب قتل ہو گئے اور آپ تنہا رہ گئے تو لشکر یزید کے بہت سے آدمیوں اور
بڑے بڑے بہادروں کو قتل کر ڈالا۔ پھر بالکل محفوظ اپنے خیمہ گاہ کے پاس واپس آکر
ٹھہرے پھر ان لوگوں پر دوبارہ حملہ کیا اور اس حملہ سے اپنی جگہ واپس آتے وقت بھی ان
لوگوں پر تیسرا حملہ کرنا چاہا (نور الابصار صـ۱۳۰) (۱۰) علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے
لکھا ہے قالوا لوم الطف ما رأینا مکثورا قد افترق منہ اخوتہ واھلہ والنصارہ
اشجع منہ کان کاللیث المحرب یحطم الفرسان حطما یعنی یزید کے لشکر والے
کہتے تھے کہ ہم نے امام حسینؑ سے زیادہ بہادر کسی کو نہیں دیکھا کہ باوجود اسکے کہ شکستہ
خاطر اور زخمی تھے اور بھائی اور اصحاب سب قتل کئے گئے تھے لیکن جب حملہ فرماتے
تھے تو مثل تجربہ کار شیر کے لشکر شام پر ٹوٹ پڑتے تھے (شرح نہج البلاغۃ از علامہ
ابن ابی الحدید جلد ۳ صـ۲۸۲ مطبوعہ مصر) (۱۱) علامہ قسطلانی شارح صحیح بخاری لکھتے
ہیں قتل الحسینؑ من عسکر ابن زیاد قتلی کثیرۃ یعنی خود حضرت امام حسینؑ نے ابن زیاد
کے لشکر سے بکثرت بہادروں کو قتل کر ڈالا (ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۶
صـ۱۲۹) (۱۲) علامہ مسعودی نے لکھا ہے فلم یزل یقاتل حتی قتل رضوان اللہ علیہ
یعنی امام حسینؑ برابر لڑتے ہی رہے یہاں تک کہ آخر میں قتل ہو گئے (مروج الذہب
بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ صـ۱۴۰) (۱۳) علامہ ابن اثیر جزری نے حضرت کی وہ حالت
جو آخر وقت میں ہو گئی تھی لکھی ہے وقاتل راجلا قتال الفارس الشجاع یتقی
الرمیۃ ویفترص العورۃ ویشد علی الخیل وھو یقول اعلی قتلی تجتمعون اما
واللہ لا تقتلون بعدی عبدا من عباد اللہ اللہ اسخط علیکم لقتلہ منی یعنی حضرت

امام حسینؑ پیدل ہو کر بھی بڑے بہادر سوار کی طرح لڑتے تھے اور تیروں کی بوچھار سے بچتے ہوئے اور خالی مقام میں گھس گھس کر سواروں پر بہت سخت حملے کرتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کیا تم میرے قتل پر اکٹھے ہو رہے ہو؟ خدا کی قسم میرے بعد کوئی بندۂ خدا ایسا نہیں ہوگا جس کے قتل پر خدا میرے قتل سے زیادہ غضبناک ہو (تاریخ کامل جلد ۴ صـ۳۲) (۱۴) علامہ طبری اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے وحمل الناس علیہ عن یمینہ وشمالہ فحمل علی الذین عن یمینہ فتفرقوا ثم حمل علی الذین عن یسارہ فتفرقوا فو اللہ ما رؤی مکثور قط قد قتل ولدہ واہل بیتہ واصحابہ اربط جاشا منہ ولا امضی جنانا منہ ولا اجرء مقدما واللہ ما رایت قبلہ ولا بعدہ مثلہ واللہ ان کانت الرجالۃ لتنکشف عن یمینہ وشمالہ انکشاف المعزی اذا شد فیہا الذئب یعنی دشمن دونوں جانب سے امام حسینؑ پر حملہ کرنے لگے۔ تو امام حسینؑ بھی ان پر ٹوٹ پڑے اب یہ حالت ہوگئی کہ جب آپ داہنی جانب والوں پر حملہ کرتے تھے تو اس پوری جماعۃ کو تتر بتر کر دیتے تھے۔ اور جب بائیں طرف والوں پر حملہ آور ہوتے تھے تو ان سب کو بدحواس کر ڈالتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں نے امام حسینؑ سے زیادہ ثابت قدم بہادر اور قوی دل کسی شخص کو بھی نہیں پایا اور نہ آگے بڑھنے میں آپ سے زیادہ جری دیکھا بلکہ خدا کی قسم میں نے تو آپ کا مثل بھی نہیں دیکھا نہ آپ سے پہلے کسی شخص کو اور نہ آپکے بعد کسی بہادر کو۔ حالانکہ آپ ہر طرح مغلوب ہو چکے تھے۔ کیونکہ آپ کے بھائی بھتیجے۔ بیٹے۔ عزیز اور رفیق سب قتل ہو گئے تھے۔ بخدا یزید کی فوج آپ کے حملوں سے داہنے بائیں اس طرح بھاگتی تھی جس طرح بھیڑیئے کے حملہ کرنے سے بکریاں بدحواس ہو کر بھاگتی ہیں (تاریخ طبری جلد ۶ صـ۲۵۹ و تاریخ کامل جلد صـ۲۲) (۱۵) یوروپین مورخ مسٹر جیمس کارکرن نے بھی حضرت کی بہادری کو جن زوردار الفاظ میں لکھا ہے پہلے بیان کر چکی ہوں لہ۔ کیا ان عبارتوں کے بعد بھی کوئی شخص حضرت امام حسینؑ کی شجاعۃ کا

لہ ملاحظہ ہو صـ۲۸۹

اندازہ کرسکتا ہے ۔ تم ہی بتاؤ ۔ اکیلے بھوکے پیاسے کا اس طرح جہاد کرنا کہ جس طرح بھیڑیئے کے حملہ سے بکریاں بھاگتی ہیں اسی طرح حضرتؑ کے حملہ سے ابن زیاد کے بیس تیس ہزار بہادر بھاگتے تھے کسی اور ملک اور قوم کی تاریخ میں بھی مل سکتا ہے؟

بتیسواں باب ۳۲

یزیدی لشکر کی تعداد اور لشکر امام حسینؑ کی شجاعت

مولوی صاحب ۔ بیس تیس ہزار بہادر کہنا تو صریح مبالغہ ہے ۔ اتنی فوج کربلا میں کس غرض سے بھیجی جائیگی ۔

حسینی بیگم ۔ مبالغہ کی خوب کہی ۔ تاریخوں میں دیکھو کہ ابن زیاد نے کوفہ سے کتنی فوجیں روانہ کی تھیں (۱) مولانا محمد مبین صاحب فرنگی محلی نے تحریر فرمایا ہے ۔ " و عبید اللہ بن زیاد از بصرہ آمد چہار ہزار کس کہ رئیس آنہا عمر و بن سعد را مقرر نمود بجانب کربلا رواں ساخت و از پس آنہا فوج دیگر فرستاد بست و دو ہزار و در بعضے روایت سی ہزار رسیدہ روز ہشتم محرم جنود بدبختان بکربلا جمع شدند" یعنی عبید اللہ بن زیاد بصرہ سے آیا اور چار ہزار فوج کو جس کا سردار عمر بن سعد کو مقرر کیا تھا کربلا کی طرف روانہ کیا اور اسکے بعد دوسری فوج ۲۲ ہزار کی اور بعض روایت کے مطابق تیس ہزار کی روانہ کی ۔ آٹھویں محرم کو یہ بدبخت لشکر کربلا میں جمع ہو گئے (وسیلۃ النجاۃ صہ ۲۸۹) (۲) علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے "وکان لما شارف الکوفہ سمع بہ امیرھا عبید اللہ بن زیاد فجھز الیہ عشرین الف مقاتل" یعنی جب حضرت امام حسینؑ کوفہ کے قریب پہونچے اور ابن زیاد کو حضرتؑ کے آنے کی خبر ہوئی تو بیس ہزار لڑنے والوں کو حضرتؑ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا (صواعق محرقہ صہ ۱۲۳) (۳) جامع التواریخ میں ہے "روز دیگر عمر و سعد با چہار ہزار تفر بعزم جنگ امام در آں جا فرود آمد و بعدہ بدفعات ابن زیاد بمدد او لشکر فرستاد تا ایں کہ عدد سپاہ بہ بست و دو ہزار رسید" یعنی دوسرے روز عمر سعد چار ہزار فوج کے ساتھ حضرت امام حسینؑ سے لڑنے کے لئے

پہونچ گیا اور اسکے بعد بھی کئی دفعہ ابن زیاد نے اسکی مدد میں فوجیں روانہ کیں۔ یہاں تک کہ یزیدی فوج کی تعداد ۲۲ ہزار تک پہونچ گئی (جامع التواریخ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۴۶) اسی طرح یزیدی فوج کی تعداد جو کربلا میں آئی تھی مورخ اعثم کوفی نے ۲۰ ہزار۔ علامہ طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں اور علامہ یافعی نے ۲۲ ہزار اور صاحب شرح شافیہ نے ۵۰ ہزار اور ابو مخنف نے اسّی ہزار بتائی ہے اور حضرت امام حسینؑ کی طرف صرف ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے تھے مگر شجاعت کے وہ کارنامے چھوڑ گئے جو تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے وقاتل اصحاب الحسین قتالا شدیدا وھم اثنان وثلاثون فارسا فلم یحمل علی جانب من خیل الکوفۃ الا کشفتہ فلما رای ذلک عروۃ بن قیس وھو علی خیل الکوفۃ بعث الی عمر فقال الا تری ما تلقی خیلی ھذا الیوم من ھذہ العدۃ الیسیرۃ ابعث الیھم الرجال والرماۃ۔ یعنی امام حسینؑ کے اصحاب میں کل ۳۲ سوار تھے مگر ان لوگوں نے ایسا سخت مقاتلہ کیا کہ جدھر حملہ کیا اُدھر کی فوج کو بھگا دیا۔ آخر کار یزیدی فوج کے سردار عروہ بن قیس نے عمر بن سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس قلیل لشکر نے ہم لوگوں کا کیا حال کر دیا۔ اب جلد اور تیر اندازوں اور پیادوں کو بھیجو (تاریخ کامل جلد ۲۸) پھر لکھا ہے وجاء عابس بن ابی شبیب الشاکری وشوذب مولی شاکر الی الحسینؑ فسلما علیہ وتقدما فقاتلا فقتل شوذب واما عابس فطلب البراز فتحاماہ الناس لشجاعتہ فقال لھم عمر ارموہ بالحجارۃ فرموہ من کل جانب فلما رای ذلک القی درعہ ومغفرہ وحمل علی الناس فھزمھم بین یدیہ یعنی پھر جناب عابس بن ابو شبیب شاکری اور شوذب جو شاکر کے آزاد کردہ تھے دونوں امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر حضرتؑ کو سلام کر کے جہاد کو روانہ ہو گئے اور لڑنا شروع کیا۔ جناب شوذب تو لڑتے لڑتے شہید کئے گئے مگر عابس کی شجاعت نے ابن سعد کے لشکر کو ایسا بدحواس کیا کہ یہ اُن لوگوں کو اپنے مقابلہ پر لڑنے کو بلاتے تھے مگر کوئی بھی آپکے سامنے آنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ آخر عمر بن سعد نے حکم دیا کہ ان پر پتھر

برساؤ۔ پھر کیا تھا ہر طرف سے پتھر پڑنے لگے۔ جب اُنھوں نے یہ دیکھا تو اپنے بدن سے زرہ اور سر سے خود اُتار دیا اور یزیدی فوج پر حملہ کردیا۔ پھر کیا تھا سب بھاگ گئے (تاریخ کامل جلد ۴ صہ ۳۰) ایک اور بزرگ کا حال سن لو۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے واما سوید بن المطاع فکان قد صرع فوقع بین القتلی مثخنا بالجراحات فسمعھم یقولون قتل الحسین فوجد خفۃ فوثب ومعہ سکین وکان سیفہ قد اخذ فقاتلھم بسکینہ ساعۃ یعنی حضرت امام حسینؑ کے ساتھی سوید بن مطاع زخموں سے چور ہوکر شہداء میں پڑے تھے۔ انھوں نے سنا کہ لوگ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ تو قتل کردیئے گئے۔ یہ سنتے ہی انمیں پھر جوش پیدا ہوگیا اور وہ اس حالت میں بھی اچھل پڑے۔ مگر کرتے کیا۔ انکی تلوار تو پہلے ہی چھن چکی تھی۔ البتہ انکے پاس ایک چاقو بچا رہ گیا تھا۔ اسی چاقو سے انھوں نے لڑنا شروع کیا اور ایک گھنٹہ تک اُن لوگوں کو مارتے رہے (تاریخ کامل جلد ۴ صہ ۳۲)

اب تم ہی انصاف کرو کہ دنیا کسی اور جماعۃ کو پیش کرسکتی ہے جو زخمی ہوکر اور موت کے قریب پہونچنے کے بعد بھی شجاعۃ کے ایسے جوہر دکھائے؟

تینتیسواں باب ۳۳

کیا امام حسین علیہ السلام سید الشہداء نہیں تھے؟

مولوی صاحب۔ ہاں ان تاریخی تحقیقات کو کون جھٹلا سکتا ہے۔ مگر لوگ امام حسینؑ اور انکے ساتھیوں کے بارے میں مبالغہ سے ضرور کام لیتے ہیں۔ حضرت حمزہؓ سید الشہداء ہیں جو جنگ احد میں شہید کئے گئے مگر اب جاہل امام حسین رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کہتے ہیں۔

حسینی بیگم۔ تو کیا برا کرتے ہیں۔ حضرت حمزہ اپنے زمانہ تک کے شہیدوں سے بڑھے ہوئے تھے اس وجہ سے وہی اُس وقت سید الشہداء تھے۔ مگر حضرت امام حسینؑ انکے

بعد خصوصیات شہادت میں حضرت حمزہ سے بھی بڑھ گئے تو اب حضرتؑ ہی سید الشہداء کہے جانیکے مستحق ہیں۔ اسی وجہ سے جاہلوں نے نہیں بلکہ علماء اسلام نے حضرتؑ کو سید الشہداء کہا اور بالکل بجا کہا۔

مولوی صاحب ۔ حضرت حسین رضؓ کس وجہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ جائیں گے ۔ بھلا وہ تو حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ ۔ غزوہ احد میں جہاد کیا شہید ہوئے ۔ اس وجہ سے سید الشہداء کہے گئے ۔ امام حسین علیہ السلام تو حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ جہاد نہیں کیا ۔ نہ حضرتؐ کے زمانہ میں شہید ہوئے ۔ پھر ان کو سید الشہداء کہنا زبردستی نہیں تو کیا ہے ؟

حسینی بیگم ۔ اگر حضرت حمزہ اس وجہ سے سید الشہدا ہیں کہ آنحضرت صلعم کے ساتھ لڑے اور قتل ہوئے تو یقیناً حضرت امام حسینؑ ان سے بڑھ گئے ۔

مولوی صاحب ۔ کیا خوب ۔ کس عقل سے تم ایسی باتیں کرتی ہو ۔

حسینی بیگم ۔ یہ بتاؤ کہ جس بزرگ کی شہادت سے حضرت رسولخدا صلعم کو درجہ شہادۃ حاصل ہو وہ افضل ہونگے یا وہ جن کی شہادت سے حضرت رسولخدا صلعم کو کوئی درجہ نہ حاصل ہو ۔

مولوی صاحب ۔ یہ بھی کچھ پوچھنے کی بات ہے ۔ جسکی شہادۃ سے آنحضرتؐ کو شہادۃ کا درجہ حاصل ہوگا وہ ضرور افضل ہونگے ۔

حسینی بیگم ۔ اچھا جس بزرگ کی شہادۃ کے بغیر حضرت رسولخدا صلعم کے کمالات ناقص رہیں اور جسکی شہادت سے حضرت رسولخدا صلعم کے کمالات پورے ہو جائیں وہ بہتر ہیں یا وہ بزرگ جنکی شہادت سے حضرت رسولخداؐ کے کمالات پر کوئی اثر نہ پڑے ۔

مولوی صاحب ۔ یقیناً وہی بزرگ بہتر ہیں جن کی شہادۃ سے آنحضرت صلعم کے کمالات پورے ہو جائیں ۔

حسینی بیگم ۔ اب جناب مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ کی وہ تحقیق

دیکھو جسمیں انھوں نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت سے آنحضرتؐ کو درجہ شہادت حاصل ہوا۔ اور آپکے کمالات نبوت پورے ہو گئے (دیکھو سر الشہادتین)

مولوی صاحب ۔ ہاں اسکی عبارت ہم پہلے سنا چکی ہو[1]

حسینی بیگم ۔ اب کیا کہتے ہو جس بزرگ کی شہادت کا یہ درجہ ہو کہ اس سے حضرت رسولخدا صلعم کو شہادۃ کا مرتبہ حاصل ہو گیا اور حضرت کے کمالات نبوت کی کمی زائل ہو گئی اور آپ کے فضائل پورے ہو گئے وہ بزرگ سید الشہدا ہو سکتے ہیں۔ یا وہ جن کی شہادت سے اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی۔

مولوی صاحب ۔ مگر حضرت رسولخدا صلعم نے تو حضرت حمزہ کو سید الشہداء فرمایا ہے ۔ تو ہم لوگوں کو چاہیئے کہ یہ لفظ صرف جناب حمزہ کے لیئے بولیں کہ وہی اسکے مستحق ہیں لہذا حضرت کے قول کے مطابق ہم لوگ دوسرے کو سید الشہداء کیسے کہہ سکتے ہیں۔

حسینی بیگم ۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم نے تو جرجیس کو بھی سید الشہداء کہا ہے۔

مولوی صاحب ۔ ارے یہ تم کیا کہنے لگیں ۔ معاذ اللہ آنحضرت صلعم نے حضرت حمزہ کے سوا اور کسی کو کب اس لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔

حسینی بیگم ۔ (اٹھیں اور تفسیر درمنثور لاکر بولیں) دیکھو علامہ سیوطی نے کیا لکھا ہے اخرج احمد فی الزھد عن وھب بن منبہ قال نادی مناد من السماء ان یحیی بن ذکریا سید من ولدت النساء وان جرجیس سید الشہداء یعنی حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان سے ایک منادی نے پکار کر کہا کہ حضرت یحیی سب آدمیوں کے سردار اور جرجیس سید الشہدا ہیں۔ (تفسیر درمنثور جلد ۲ صـ ۲۲)

مولوی صاحب (نے حسینی بیگم کے ہاتھ سے کتاب لیلی اور کئی مرتبہ پڑھکر کہا) تم

[1] ملاحظہ ہو یہ کتاب تصویر عزا صـ ۱۴۸

تو عجیب بات دکھادی۔ اب اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔

حسینی بیگم۔ انکار کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو جس اپنے زمانہ میں سید الشہدار تھے اور جناب حمزہ اپنے زمانہ میں مگر حضرت امام حسینؑ ابتدائے خلقت عالم سے قیامت تک کے شہیدوں کے سردار ہیں۔ اس وجہ سے اب حضرتؑ ہی سید الشہدار ہیں۔

مولوی صاحب۔ مگر حضرتؐ نے تو امام حسینؓ کو سید الشہدار نہیں فرمایا۔

حسینی بیگم۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں امام حسینؑ شہید ہی نہیں ہوئے تو آنحضرتؐ فرماتے کیسے۔ ہاں حضرتؐ کے سامنے یہ واقعہ ہوتا تو ضرور فرماتے۔

مولوی صاحب۔ مگر آنحضرتؐ نے نہیں فرمایا تو ہم کیوں کہیں۔

حسینی بیگم۔ ہم لوگ حضرت رسولخدا صلعم کو سید الانبیاء والمرسلین کیوں کہتے ہیں۔

مولوی صاحب۔ اس سبب سے کہ حضرتؐ ہی کل انبیاء و مرسلین کے سردار تھے۔

حسینی بیگم۔ مگر آنحضرتؐ نے بھی کبھی اپنے کو سید المرسلین فرمایا ہے۔

مولوی صاحب۔ (بہت دیر تک غور کرتے رہے۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد بولے) نہیں مجھے تو کسی کتاب میں حضرت کا اپنے کو سید المرسلین فرمانا خیال نہیں پڑتا۔

حسینی بیگم۔ تو پھر حضرتؐ کو بھی سید المرسلین نہیں کہنا چاہئے۔ بلکہ اوپر ہی کی عبارت میں ہم نے سنا کہ آنحضرتؐ نے حضرت یحییٰ کو سید من ولدت النساء (یعنی عورتوں نے جن بچوں کو پیدا کیا ان سب کے سردار حضرت یحییٰ تھے) فرمایا۔ تو حضرت یحییٰ ہی کو سید المرسلین کہا کرو۔

مولوی صاحب۔ ہاں مگر آنحضرت صلعم نے اپنے بارے میں یہ تو فرمایا ہے کہ انا سید ولد آدم یعنی میں کل بنی آدم کا سردار ہوں (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵۷) اور بنی آدم میں مرسلین بھی ہیں۔

حسینی بیگم۔ تو آنحضرتؐ کے کس قول کو مانو گے۔ ایک جگہ حضرتؐ نے فرمایا کہ

حضرت یحییٰ سب لوگوں کے سردار تھے اور ایک جگہ فرمایا کہ میں کل بنی آدم کا سردار ہوں۔

مولوی صاحب - مگر امام حسینؑ کے بارے میں تو کوئی بات نہیں فرمائی جس سے معلوم ہو کہ وہ سید الشہدا ر تھے۔

حسینی بیگم - نہیں حضرتؐ کی مشہور حدیث ہے الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ پس جس طرح بنی آدم میں انبیاء و مرسلین بھی ہیں اسیطرح شباب اہل الجنۃ میں شہدا ر بھی ہیں ؎

مولوی صاحب - مگر تم کہتی ہو کہ صرف جاہل ہی نہیں علماء بھی امام حسین رضی اللہ عنہ کو سید الشہدا ر لکھتے اور کہتے ہیں - کیا تم کسی مستند عالم کا نام بتا سکتی ہو جس نے حضرت کو سید الشہدا ر لکھا ہے۔

حسینی بیگم - سیکڑوں ہیں (۱) مثلاً جناب استاذ العلماء مولانا محمد عبد الحق صاحب سہارنپوری نواسہ استاذ کل حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تصدیق شہادت میں متعدد مقام پر سید الشہدا ر امام حسینؑ لکھا ہے اور (۲) جناب مولانا مولوی اختر شاہ صاحب مدرس مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ نے بھی حضرت کو سید الشہدا ر لکھا ہے (تصدیق شہادت صہ ۹۲) (۳) جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے اپنی کتابوں میں ہر جگہ حضرتؑ کو سید الشہدا ر لکھا ہے (دیکھو رسالہ شہادۃ حسینؑ و رسالہ غم حسینؑ) (۴) جناب مولانا ابو الکلام صاحب آزاد دہلوی بھی برابر حضرتؑ کو سید الشہدا ر لکھتے ہیں - مثلاً دیکھو انکا مضمون فلسفہ شہادۃ در اخبار حقیقت لکھنؤ ۱۵ و ۱۶ محرم ۱۳۵۱ ھجری

(۵) جناب مولانا محمد مبین صاحب عالم جلیل فرنگی محل لکھنؤ نے حضرتؑ کو اپنی کتاب میں سید الشہدا ر لکھا ہے (دیکھو وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنؤ) میں کہاں تک کتابوں کا نام لوں - بس ایک ایسے بزرگ کا نام بتا دیتی ہوں جن کے بعد تم کچھ بول ہی نہیں سکتے۔

مولوی صاحب - وہ کون۔

؎ کیونکہ جو شہدا ر بوڑھے ہونگے وہ بھی بہشت میں جوان ہی ہو کر جائیں گے۔

حسینی بیگم ۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ

مولوی صاحب ۔ ہاں ہاں وہ تو ہزار علماء کے مقابلہ میں تنہا کافی ہیں۔ انکے لکھنے کے بعد تو کسی شخص کو عذر ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

حسینی بیگم ۔ دیکھو ممدوح لکھتے ہیں "چوں حضرت امام حسینؓ سید الشہداء از دست اشقیاء شام و عراق منصب با شہادت یافت" یعنی جب حضرت امام حسین سید الشہداء نے دشمنوں کے ہاتھ سے شہادت کا درجہ پایا (تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ فخر المطابع سنہ ۱۲۶۸ ہجری صفحہ ۲۸)

مولوی صاحب ۔ بس اب کسی اور کا نام لینے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یقیناً حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سید الشہداء تھے۔

حسینی بیگم ۔ مختصر سمجھ لو کہ جس طرح حضرت رسولخدا صلعم نے رسالت کا کام سب رسولوں سے بہتر ادا کیا اس وجہ سے خدا نے تمام مسلمانوں کی زبان پر حضرتؐ کا نام سید المرسلین جاری کر دیا۔ اسی طرح حضرت امام حسینؑ نے شہادۃ کا درجہ سب شہداء سے بہتر حاصل کیا۔ اس وجہ سے خدا نے تمام مسلمانوں کی زبان پر حضرتؑ کا نام بھی سید الشہداء جاری کر دیا۔

چونتیسواں باب ۳۴

کیا شہادت امام حسینؑ پر رونا منع یا مکروہ ہی اور کیا حضرتؑ پر رونے سے خدا خوش نہیں ہوگا

مولوی صاحب ۔ جو لوگ مرجاتے ہیں یا راہ خدا میں شہید ہوتے ہیں ان پر رونے کو عقل بھی منع کرتی ہے اور شریعت بھی بلکہ صبر کرنا چاہیئے کہ ہم لوگوں کو اسیکا حکم ہی مگر لوگوں میں جہالت

کتنی بڑھتی جاتی ہے کہ ادھر حضرتؓ کا نام آیا اور لوگ رونا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ رونا
اور نوحہ و ماتم کرنا منع ہے۔ کیونکہ آپکو رونا۔ آپ کے غم میں آنسو بہانا۔ آپ کے مصائب
پر گریہ و بکا کرنا یا غایۃ صدمہ سے آہ یا ہائے وائے کرنا بے صبری اور حرام و ممنوع ہے۔

حسینی بیگم - اس جگہ میں پہلے جناب مولانا حسن میاں صاحب ابن جناب مولانا شاہ
محمد سلیمان صاحب پھلواروی کے رسالہ گریہ و بکا مطبوعہ سے کچھ عبارتیں سناتی ہوں
ممدوح تحریر فرماتے ہیں "حضرت امام حسینؓ کے واقعہ کو یاد کر کے رونے اور اُن کے غم
میں آنسو بہانے کو شاید آج تک کسی نے حرام و ناجائز نہیں بتایا تھا بلکہ علماء کرام و
صوفیاء عظام و اکابر ملت و محققین اہلسنت برابر اس واقعہ پر روتے چلے آئے ہیں۔
اور اس کو سعادت و ثواب سمجھا کئے ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ مظلوم سید الشہداء جگر گوشۂ
رسول الثقلین حضرت امام ہمام سیدنا امام حسین علی جدہ و علیہ الصلوۃ والسلام کی مصیبت
پر آنسو بہانا۔ اُن کے غم میں گریہ و بکا کرنا یا دلی صدمہ کی وجہ سے ہائے وائے کرنا کیونکر
اور کس وجہ سے حرام و ممنوع ہوگا۔ جبکہ اپنی بیوی اور بال بچوں کے لیے رونا اور بے
قرار ہونا حرام و ممنوع نہیں ہے۔ یوسف و یعقوب علیہما السلام کا واقعہ ذرہ قرآن
میں پڑھو۔ دیکھو حضرت یعقوبؑ مدت ہائے دراز تک یوسفؑ کی جدائی سے کیسا
ہائے وائے کرتے رہے اور کیسا کچھ محزون و مغموم رہے۔ نور چشم کے فراق میں نور بصر بھی
کھو بیٹھے تھے وقال یا اسفا علی یوسف وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم
قالوا تاللہ تفتؤ تذکر یوسف حتی تکون حرضا او تکون من الھالکین۔ قال انما
اشکو بثی وحزنی الی اللہ واعلم من اللہ ما لا تعلمون یعنی حضرت یعقوبؑ جناب
یوسفؑ کو یاد کر کے لگے کہنے ہائے یوسف اور ہر چند ضبط کرتے تھے۔ مگر مارے غم کے
ان کی دونوں آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں اور وہ جی ہی جی میں گھٹا کرتے تھے۔ باپ کا حال
دیکھ کر بیٹے لگے کہنے کہ بخدا تم تو سدا یوسف ہی کی یادگاری میں لگے رہو گے یہاں تک
کہ جھر جھر کر یا تو از کار رفتہ ہو جاؤ گے یا ہلاک ہی ہو جاؤ گے۔ یعقوبؑ نے کہا میں تم سے

تو کچھ کہتا نہیں جو پریشانی اور رنج مجھکو ہے اسکی فریاد خدا ہی سے کرتا ہوں اور خدا ہی کی طرف سے مجھکو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں (پارہ ۱۳ رکوع ۴) اور بریرہ حضرت عائشہ کی لونڈی کا قصہ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ انھوں نے اپنے آزاد ہونے پر حسب مسئلہ خیار اپنے زوج مغیث سے (جو غلام تھے) علیحدگی اختیار کی تو وہ مدینہ کی گلیوں میں بریرہ کے پیچھے پیچھے دوڑتا تھا اور اس قدر روتا تھا اور گریہ وبکا کرتا تھا کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی حضور انور رسول اللہ نے نہ اسکو منع کیا اور نہ اسکے اس گریہ وزاری پر نفرین کی نہ اسکو حرام و ناجائز و ممنوع بتایا بلکہ آپ کو اس حال پر افسوس ہوا اور بریرہ سے اسکی سفارش فرمائی چنانچہ صحیح بخاری جلد ثانی ص۷۹۵ ملاحظہ ہو۔ ان زوج بریرۃ کان عبدا یقال لہ مغیث کانی انظر الیہ یطوف خلفہا یبکی ودموعہ تسیل علی لحیتہ فقال النبی صلعم لعباس یا عباس الا تعجب من حب مغیث بریرۃ ومن بغض بریرۃ مغیثا فقال النبی صلعم لو راجعتیہ قالت یا رسول اللہ تامرنی قال انما اشفع قالت فلا حاجۃ لی فیہ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اپنی بیویوں کے لئے رونا گریہ وبکا کرنا حرام و نادرست نہیں پس جب یہ ممنوع نہیں تو مظلوم سبط رسول خدا سیدنا امام حسین شہید دشت کربلا کو رونا اُنکے غم میں آنسو بہانا گریہ وبکا کرنا کیوں حرام و ممنوع و ناروا ہو گا؟ احادیث صحاح وسنن اور کتب سیر میں آنحضرت رسول اللہ کی وفات شریف کے بعد اصحاب کرام و اہلبیت اطہار کے گریہ وبکا وزاری کا حال دیکھو اگر یہ حرام و ممنوع ہوتا تو صحابہ عظام و اہلبیت کرام اسکے کیوں مرتکب ہوتے؟ مدارج النبوۃ ص۸۸۶ ملاحظہ ہو وبصحت رسیدہ کہ چون آنحضرت صلعم رحلت کرد فاطمہ زہرا ندبہ کرد وزاری نمود و گفت یا ابتاہ دعوت حق را اجابت فرمودی۔ وا ابتاہ بجنت الفردوس نزول نمودی (صحیح طریقہ سے ثابت ہے کہ جب حضرت رسول خدا صلعم نے انتقال فرمایا تو حضرت فاطمہ زہرا نوحہ و ماتم کرنے لگیں اور گریہ وبکا میں مشغول ہوئیں۔ کہتی تھیں ہائے بابا آپ نے دعوت حق کو قبول کر لیا

ہائے بابا آپ جنت الفردوس میں تشریف لے گئے)۔ ماثبت بالسنۃ میں ہے :-
فقعدت تندب علی رسول اللہ ؐ وتقول یا ابتاہ وارسول اللہ یعنی حضرت فاطمہؓ
حضرت رسولخدا صلعم پر نوحہ وزاری کرنے لگیں اور کہتی تھیں اے بابا۔ اے رسول اللہ
اور صحیح بخاری جلد ثانی صا ۶۴۱ ملاحظہ ہو فلما مات قالت یا ابتاہ من جنۃ الفردوس
ما واہ یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ (جب آنحضرتؐ کا انتقال ہوگیا تو جناب سیدہؑ
کہنے لگیں ہائے بابا جنکی منزل اب جنت الفردوس میں ہے۔ ہائے بابا میں جبرئیلؑ
کو آپ کے موت کی خبر سناتی ہوں) یا ابتاہ۔ وا ابتاہ کے ٹھیک معنی ہائے
ابا۔ آہ اے پدر بزرگوار۔ وائے اے ابا ہیں۔ نہیں معلوم مضمون نگار۔ ہائے
ہائے کرنے کو حرام وممنوع بتلا کر نعوذ باللہ کیسے کیسے بزرگان دین ومقبولان و
مقربان بارگاہ حق کو حرام وممنوع کا مرتکب بنائیگا۔ شیخ الاسلام سیدی حضرت
مولانا بابا فرید گنج شکر رح قدس سرہ العزیز کے متعلق لکھاہے کہ اس واقعہ
شہادت کو یاد کرکے ہائے ہائے کرنے لگتے اور بے ہوش ہوجاتے تھے ...... یہ
غم واندوہ اور گریہ وبکا تمام صحابہ اور ہر کس وناکس کو تھا جیسا کہ کتب احادیث وسیر میں
موجود ہے۔ کسی کے ہوش جاتے رہے۔ کسی کے ہوش جاتے رہے۔ کسی کے حواس باختہ
ہوگئے۔ کسی کو سکتہ ہوگیا وغیر ذلک دیکھو ماثبت بالسنۃ اور مدارج النبوۃ وغیرہ۔ اور
ماثبت بالسنۃ صـ ۵۴ میں حضرت ابوبکر کے گریہ وبکا کا حال یوں منقول ہے عن عائشہ
رضؓ ان ابابکرؓ دخل علی النبی بعد وفاتہ فوضع فاہ بین عینیہ ووضع یدیہ علی
صدغیہ فقال وا نبیاہ وا خلیلاہ وا صفیاہ (یعنی حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کے
انتقال کے بعد حضرت کے پاس پہونچے اور اپنا منہ حضرت کی پیشانی پر اور اپنے
دونوں ہاتھ حضرت کی کن پٹی پر رکھکر فرمانے لگے۔ ہائے ہمارے نبی۔ ہائے ہمارے
دوست۔ ہائے ہمارے صفی) اور شواہد الحق صـ ۸۰ میں علامہ نبہانی لکھتے ہیں وفی
روایۃ للامام احمد فقبل جبھتہ ثم قال وا نبیاہ (یعنی ایک روایۃ میں امام احمد کے

ہے کہ پھر حضرت ابو بکر نے حضرت رسولخدا صلعم کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہنے لگے ہائے ہمارے نبی) پس جس طرح سیدہ زہرا علیہا السلام حضرت رسولخدا صلعم کو ہائے اے پدر بزرگوار اور حضرت صدیق اکبر رض ہائے اے نبی اور آہ اے رسول اللہ کہہ کر روتے تھے۔ اسی طرح اگر حضرت بادا فرید گنج شکر رح سید الشہداء کو روئے اور اس غم میں ہائے ہائے کیا تو کیوں نادرست وحرام ہوگا... اور سنئے صحیح بخاری جلد اول صہ ۴۲۹ میں مروی ہے عن ابن عباس انہ قال یوم الخمیس وما یوم الخمیس ثم بکی حتی خضب دمعہ الحصباء فقال اشتد برسول اللہ وجعہ یوم الخمیس یعنی حضرت ابن عباس رض نے جمعرات کے دن کو یاد فرمایا کہ جمعرات کا دن (ہائے) کون سا دن ہے۔ پھر رونے لگے اور اس قدر روئے اور بکا کیا کہ زمین آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر فرمایا جمعرات ہی کے دن رسول اللہ کا مرض (موت) شدید ہوا تھا۔ انصاف شرط ہے کہ جس طرح حضرت ابن عباس رض جمعرات کو یاد کرکے گریہ وبکا کرتے تھے اگر اسی طرح بادا فرید گنج شکر یا کوئی شخص عاشورہ کے دن کو یاد کرکے سید الشہداء کی مصیبت اور انکے غم میں آنسو بہائے روئے اور گریہ وبکا کرے تو کیا قباحت ہے۔ ہم نے غم حسین میں ایک بزرگ کی حکایۃ جو بادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے نقل کی ہے کہ انکے سامنے واقعہ شہادت کا ذکر ہوا۔ وہ اس قدر روئے اور فرط غم میں اس قدر بے قرار ہوئے کہ زمین پر سر دے مارا سر پھٹ گیا اور انتقال فرما گئے۔ مضمون نگار لکھتا ہے کہ یہ خودکشی ہوئی۔ نعوذ باللہ۔ ایک تو اضطرار وبے قراری وبے خودی کی حالت میں اور پھر اہلبیت اطہار علیہم السلام کی محبت میں جاں بحق ہونا۔ خودکشی بتائی جاتی ہے۔ خودکشی تو جب ہوتی کہ وہ قصداً اپنے کو ہلاک کرتے۔ زہر کھالیتے۔ دریا میں ڈوب مرتے یا اپنا گلا گھونٹ دیتے وغیرہ۔ بیقراری وبے خودی کی بات خودکشی کس طرح ہوئی۔ مع ہذا۔ آؤ میں تبلاؤں کہ یہ خودکشی کا الزام اسی بزرگ پر نہیں ہے۔ بلکہ اصحاب رسول اللہ نے بھی آنحضرت صلعم کی محبت اور

اور حضور کے غم میں جان دیکر آپ کے خیال میں الٹا خودکشی بنکر معاذ اللہ بہت بڑے مجرم ہوئے۔ مدارج النبوۃ ص۸۸۹ ملاحظہ ہو۔ آوردہ اند کہ صحابہ بعد از فوت آں حضرتؐ سراسیمہ و حیران گشتند الی قولہ و بعضے مریض و لاغر شدہ و کاہیدہ کاہیدہ از عالم رفتند و بعضے دعا کردند کہ خداوند عالم مارا کور ساز کہ طاقت نظر بروئے دیگراں نداریم (یعنی راویوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کی وفات کے بعد صحابہ بدحواس اور حیران ہو گئے... اور بعض صحابہ بیمار اور دُبلے ہو گئے اور گھُلتے گھُلتے دنیا سے انتقال کر گئے اور بعضے صحابہ نے دعا کی کہ اے خدا تو ہمیں اندھا کر دے کیونکہ ہم میں اس کی طاقت نہیں ہے کہ ان آنکھوں سے دوسروں کے چہرے دیکھیں) اور ماثبت بالسنۃ ص۱۱۹ میں ہے واضنی عبد اللہ بن انیس فمات کمداً (یعنی عبداللہ بن انیس گھُلتے گئے یہاں تک کہ اسی حزن و اندوہ میں مر گئے) شاید یہ بھی مضمون نگار کے خیال میں خودکشی ہوگی۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ اب میں ان ... خارجیوں کو جو ذکر امام حسینؑ اور انکے غم میں رونے کو حرام و ممنوع سمجھتے ہیں ایک حدیث سناتا ہوں جسکے جواب میں ان کو سوائے ہائے وائے کرنے اور سر پیٹ کر رہ جانے کے اور کچھ نہ بن پڑیگی۔ صحاح کی روایۃ ہے اور صحیح بخاری جلد ثانی ص۵۷ میں بھی (نیز صحیح بخاری میں کئی جگہ) مروی ہے بنت معوذ قالت دخل علیّ النبیؐ غداۃ بنی علیّ فجلس علی فراشی کمجلسک منی وجویریات یضربن بالدف یندبن من قتل من آبائھن یوم بدر حتی قالت جاریۃ وفینا نبی یعلم ما فی غد فقال النبیؐ لا تقولی ھکذا وقولی ما کنت تقولین۔ ذرہ یندبن کے معنی بھی ملاحظہ ہوں صراح میں ہے۔ بر مردہ گریستن و برشمردن محاسن او۔ اور خود صحیح بخاری کے حاشیہ پر موجود ہے قولہ یندبن ای یذکرن باحسن اوصافھم بما یھیج البکاء والشوق۔ اب غور کرو انصار کی چھوکریوں نے خدا جانے کتنی مدت کے بعد حضور سید نا و مولانا محمد رسول اللہ کے سامنے اپنے آباء کا جو بدر میں مقتول ہوئے تھے ندبہ کیا اور حضور بھی سنتے رہے

آپ نے انکو منع نہ کیا۔ بلکہ ایک دوسرے امر پر انکو روک کر فرمایا کہ تم جو جملے کہہ رہی تھیں اسے کہو۔ پس جب انصار کی لڑکیوں کا اپنے مقتولوں کا ندبہ کرنا (اُن کو یاد کر کے انکے محاسن و اوصاف ذکر کر کے اُن پر افسوس کرنا رقت آمیز جملے کہنا اور اُن کو رونا) منع نہیں بلکہ جائز و درست ہو تو پھر سید اشباب اہل الجنۃ جگر گوشۂ نبی الرحمۃ سید الشہداء امام ہمام حضرت سیدنا جناب امام حسین علیٰ جدہ و علیہ الصلوۃ والسلام کا ندبہ کرنا۔ اُنکو یاد کر کے رونا۔ اُنکے غم میں آنسو بہانا اور اُن کا مرثیہ سننا سنانا کیوں حرام و نادرست اور منع ہوگا؟ افسوس ... خدا جانے کیوں خاندان نبوت سے ایسی دل کشیدگی پیدا ہوگئی ہے کہ اُن کا ذکر تک اُن لوگوں کو ناگوار گزرتا ہے اور ان کو رونا اُن کے غم میں آنسو بہانا اور انکی مصیبت کو یاد کرنا تو ان لوگوں کے گمان فاسد میں بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ خود مرزا حیرت نے بھی شہادت کے انکار کے بعد سنہ ۱۹۰۵ء میں ایسا ہی لکھا تھا۔ امام حسینؑ کی مصیبت کو یاد کر کے آنسو بہانے اور اُن کے غم میں رونے کو ناجائز بتایا اور ثبوت میں مولانا اسمعیل شہید مرحوم یا اور کسی کی عبارت پیش کی تھی۔ بھلا ان روایات صحیحہ و احادیث معتبرہ کے مقابل میں (جو ہم نے اوپر بیان کیں) ہم ایسے لوگوں کے اقوال کب تسلیم کر سکتے ہیں۔ ان حدیثوں اور روایتوں کے موجود رہتے ہم متشددین کے قول کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اگر کسی نے ایسا فتوے دیا ہے اور فی الواقع امام حسینؑ کی مصیبت کو یاد کر کے اُس پر رونے اور اُن کے غم میں آنسو بہانے کو منع کیا ہے تو اُس کا فتویٰ اُسی کو مبارک۔ کالائے بد بریش خاوندش۔ ما بجوے نمی خریم۔ جمہور علماء اہلسنت والجماعۃ نے کبھی ایسا فتویٰ نہیں دیا بلکہ وہ ہمیشہ اس مصیبت پر روتے اور رُلاتے رہے ہیں خود مرزا حیرت آج سے کئی سال پیشتر بڑے زور شور سے امام حسینؑ کی شہادت کا مضمون لکھ چکے ہیں اور مظلوم سید الشہداء کا بڑا ماتم کیا ہے۔ چنانچہ کرزن گزٹ جلد ۴ ہ‍ ۹ مورخہ ۱۵ اپریل سنہ ۱۹۰۳ء ملاحظہ ہو جسکی عبارت حسب ذیل ہے:-

"تمام دنیا کی قوم میں صرف مسلمانوں کی قوم میں حضرت حسینؑ کی شہادت ہی ایک ایسا واقعہ ہے کہ صدیوں سے جس کا ماتم ہو رہا ہے اور مسلمانوں کا ہر گروہ کم و بیش اس مظلومانہ شہادت پر ہر سال ماتم کرتا ہے۔ ہر قوم میں نہ صرف بادشاہ یا سردار بلکہ پیغمبر اور رہنما نہایت بے بسی کی حالت میں قتل ہوئے۔ جلا وطن کئے گئے لیکن آج تک انمیں سے کسی کا ماتم کسی نے نہ کیا۔ بہت سے پیغمبروں کے قتل کی خبر قرآن شریف میں دی گئی ہے۔ کلام پاک کے علاوہ عیسائیوں اور یہودیوں کی الہامی کتابیں ان درد انگیز بیانوں سے پُر ہیں۔ تمام قومی مستند تاریخیں ایسے حالات سے بھری ہوئی ہیں مگر وہ اثر اور خونی اثر جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا اسلامی دنیا پر ہوا آج تک کسی قوم پر اسکے رہنما کا نہیں بڑا۔ یہ ایک راز ہے جسکی تہ تک پہونچنا محال عقلی ہے۔ یہ ایک ایسا بھید ہے جواب تک نہیں کھلا۔ اسلامی دنیا سے علیحدہ ہوکر اگر ہم یورپ کے مورخوں کے بیانات دیکھتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ ہمارے ماتم نے نہ صرف ہمیں ہی افسردہ کیا بلکہ نصرانیوں کی ٹھنڈی فطرت پر بھی ویسا ہی خونی اثر ڈالا۔ مورخ اعظم گبن نے سب سے پہلے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا ماتم کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ یہ مظلومانہ شہادت وطن سے دور ایک بے آب و گیاہ صحرا میں ایک سرد دل کو بھی رلا دیتی ہے۔ اس شہادت کے متعلق جو کچھ واقعات بیان ہوتے ہیں وہ ایسے عجیب و غریب ہیں کہ انھیں دیکھکر آدمی یکایک سناٹے میں رہ جاتا ہے۔ صدہا کتابیں شہادت کے بیان سے پُر ہیں۔ شیعی اور سنی علما متفق طور پر اس مظلومانہ شہادت پر آنسو بہاتے ہیں۔ طرفین کے علما کی کتابیں بہت سے خونی بیان سے بھری ہیں۔ غرض دنیا میں ابھی تک اسلام کا کوئی فریق نہیں جس نے اس بے کسانہ شہادت پر ماتم نہ کیا ہو الخ (مرزا حیرت دہلوی کا مضمون یہاں پر ختم کر دیا گیا)

غور کرو! کس زور شور سے اس مضمون میں امام حسینؑ کے ماتم کو لکھا گیا ہے۔ خصوصاً یہ آخری دو جملے (جو بخط جلی لکھے ہیں) صاف بتا رہے ہیں کہ سید الشہداء کی شہادت پر ماتم نہ کرنا اور ان پر رونے اور انکی مصیبت اور غم میں آنسو بہانے کو برا کہنا یا ناجائز بتانا اسلام کے جمہور علماء کے متفقہ امر سے اختلاف کرنا اور اسلام کے اندر مسلمانوں کے باہم تفرقہ ڈالنا اور اسلام میں ایک جدید فرقہ پیدا کرنا ہے اور یہ جملہ کہ "دونوں شیعی اور سنی علماء متفق طور پر اس مظلومانہ شہادت پر آنسو بہاتے ہیں" صاف بتا رہا ہے کہ اس اتفاق کے خلاف کرنا من شذّ شذّ فی النار (جو اکیلا ہو گا وہ اکیلا جہنم میں رہیگا) کا مصداق بننا ہے ... اب میں خاتمہ پر جناب حضرت امام بوصیریؒ کے قصیدہ ہمزیہ کے چند اشعار نقل کرتا ہوں جہاں انھوں نے حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور انکے بڑے بھائی امیر المومنین جناب امام حسن علیہ السلام کا ماتم کیا ہے اور حضرات حسنینؑ کو خود دل کھول کر روئے اور دوسروں کو رلایا ہے امام بوصیریؒ اکابر علماء دین سے گزرے ہیں انکے احوال جسکو دیکھنا ہوں وہ تتمہ ابن خلکان وغیرہ ملاحظہ کرے۔ آپ کا قصیدہ ہمزیہ مدحیہ وہ اعلیٰ و ابلغ قصیدہ ہے جسکی علماء نے بہتیری شرحیں کی ہیں۔ چنانچہ دو شرحیں جنمیں سے ایک علامہ ابن حجر مکیؒ کی ہے میرے ہاں کتب خانہ میں موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت امام بوصیریؒ فرماتے ہیں اور یوں حضرات حسنین علیہما السلام (اور خصوصاً سیدنا حسین علیہ السلام کو) روتے اور اُن کا ماتم کرتے ہیں۔

(۱) وبریحانتین طیبهما منك — الذی اودعتهما الزهراء

اور میں (یا رسول اللہ صلعم آپکو) واسطہ دیتا ہوں (آپکے) اُن دونوں صاحبزادوں کا جو باغ عالم میں آپکے دو پھول تھے اور جن کی خوشبو آپ سے تھی جو حضرت زہراؑ کو تفویض ہوئے تھے

(۲) کنت تؤویهما الیك کما آ — وت من الخط نقطتیهما الیاء

آپ اُن دونوں کو اپنے سے لگائے رہتے تھے جیسے حرف یاء کا خط کشیدہ اپنے دونوں

نقطوں کو پناہ میں رکھتا ہے۔

(۳) من شاہدین لیس ینسینی الطف مصابیھما و لا کربلاء
وہ دونوں ایسے شہید ہیں کہ طف اور کربلا اُن دونوں مصیبت زدوں کو
مجھے بھولنے نہیں دیتے۔

(۴) ما رعی فیھما ذمامک مرؤ س وقد خان عھدک الرؤساء
آپ کے ذمہ داریوں کی رعایت۔ رعایا نے نہ کی اور طرفہ یہ کہ رئیسوں نے
بھی آپ کے عہد میں خیانۃ کی۔

(۵) ابدلوا الود و الحفیظۃ فی القربیٰ و ابدت ضبابھا النافقاء
(لوگوں نے) محبت اور حفظ و حمیت کو جو آپ کے قرابت مندوں کے لیے چاہیئے تھی
بدل دیا اور سوراخ نے اپنے سوسماروں کو ظاہر کر دیا۔

(۶) وقست منھم قلوب علی من بکت الارض فقدھم و السماء
اور ان لوگوں کے دل سخت ہو گئے۔ اُن لوگوں کے لیے جن کے کھو جانے پر
زمین اور آسمان رویا۔

(۷) فابکھم ما استطعت ان قلیلا فی عظیم من المصاب بکاء
پس (اے لوگو!) روؤ اُن لوگوں کو جتنا ہو سکے کیونکہ (گریہ د) بکا ایسے
عظیم الشان مصیبت زدوں کے لیے تھوڑا ہے۔

(۸) کل یوم و کل ارض لکربی منھم کربلاء و عاشوراء
ہر روز اور ہر زمین (ہر جگہ) انکی مصیبت کی وجہ سے میرے لئے کربلا و عاشورا ہے

(۹) آل بیت النبی ان فوادی لیس یسلیہ عنکم الباساء
اے اہلبیت رسولخدا! میرے دل کو تمہاری مصیبتیں چین نہیں لینے دیتیں

(۱۰) غیر انی فوضت امری الی اللہ و تفویضی الامور براء
بجز اسکے کہ میں نے اپنے امر کو خدا کے سپرد کیا اور اسی تفویض میں میری براءت ہے۔

(۱۱) رب ارض بکربلاء مسیئی خففت بعض وزرها الزوراء[1]

چند دن کربلا میں بڑھتے جسکی بعض برائیوں کو زوراء نے ہلکا کردیا

(۱۲) والاعادی کان کل طریح منهم الزق حل عندالوکاء

اور اُس دن دشمنان مرے پڑے تھے مشک کیطرح کہ جسکا منہ کھلا ہوا ہو۔

(۱۳) آل بیت النبی طبتم فطاب المدح لی فیکم وطاب الرثاء

اے اہلبیت رسول اللہ! تم لوگ پاک ہو۔ بدیں وجہ ہماری مدح سرائی بھی پاکیزہ اور میری مرثیہ خوانی بھی پاکیزہ۔

(۱۴) انا حسان مدحکم فاذا نحت علیکم فانی الخنساء[2]

میں تمہاری مدح میں مثل حسان کے ہوں اور پھر جب تمہارا ماتم کرتا ہوں تو خنساء ہوں۔

(۱۵) سُدتم الناس بالتقی وسواکم سودته البیضاء والصفراء

بوجہ تقوی و پرہیزگاری کے تم لوگ سب کے سید و سردار ہو اور تمہارے سوا اوروں کی سرداری بسبب سونا اور چاندی کے ہے۔ اللھم صل وسلم وبارک علی سیدنا و مولانا محمد وآلہ واھل بیتہ واصحابہ ومتبعیہ اجمعین۔

راقم خاکسار حسن پھلواروی غفر اللہ (رسالہ گریہ و بکا کا بیان ختم ہوگیا)

مولوی صاحب۔ البتہ مولانا ممدوح نے تشفی بخش دلیلیں دی ہیں اور خصوصاً حضرت یعقوب کے حضرت یوسف پر رونے سے تو کسی طرح انکار نہیں ہوسکتا۔ جو فعل نبی تھا۔

حسینی بیگم۔ ہم لوگوں کو حضرت یعقوب کے علاوہ حضرت رسولخدا صلعم کی سیرت بھی تو دیکھنی چاہیے کہ حضرت اپنی مصیبت پر روتے تھے یا نہیں اگر حضرت نہ روئے ہوں

---

[1] زوراء ایک مقام کا نام ہے جہاں سفاح نے بہت سے دشمنان اہلبیت کو تہ تیغ کیا تھا جس کا ذکر آگے شعر میں ہے [2] خنساء ایک عورت تھی جو مرثیہ و ماتم وغیرہ میں مشہور تھی ۱۲

تو ہم لوگ بھی نہ روئیں لیکن اگر حضرت نے گریہ وبکا کیا ہو تو ہم لوگوں کو حضرت ہی کی
پیروی کرنی چاہئے۔ بخاری شریف کی اس روایۃ کو غور سے سنو فاخذ رسول اللہ ص
ابراھیم فقبلہ وشمہ ثم دخلنا علیہ بعد ذلک وابراھیم یجود بنفسہ
فجعلت عینا رسول اللہ ص تذرفان فقال لہ عبدالرحمن بن عوف وانت
یارسول اللہ فقال یابن عوف انہا رحمۃ ثم اتبعہا باخری فقال
ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا مایرضی ربنا وانا بفراقک
یاابراھیم لمحزونون۔ یعنی پھر حضرت رسولخدا صلعم نے اپنے صاحبزادے ابراہیم
کو لے کر بوسہ دیا اور سونگھا۔ پھر اسکے بعد ہم لوگ آنحضرت ص کے پاس اس وقت پہونچے
جب ابراہیم ختم ہوتے تھے اس وقت حضرت رسولخدا صلعم نے زار وقطار رونا شروع
کیا۔ عبدالرحمن بن عوف نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ بھی روتے ہیں ؟ حضرت
نے فرمایا اے ابن عوف یہ گریہ تو رحمت ہے۔ یہ فرماکر پھر رونے لگے اور فرمایا آنکھ روتی
ہے اور دل غمگین ہے مگر ہم کہتے وہی ہیں جو مرضی خدا کے مطابق ہے اور اے ابراہیم
ہم لوگ تمہاری جدائی سے غمگین ہیں (صحیح بخاری پارہ ۵ ص ۶۷۵) یہ تو فرزند
پر گریہ کا ثبوت ہوا۔ اب شہیدان راہ خدا پر گریہ کا اہتمام سنو کہ جب غزوہ احد
میں جناب حمزہ شہید ہو گئے اور آنحضرت صلعم مدینہ میں واپس آگئے اس وقت
کی حالت لکھی ہے۔ مر رسول اللہ بدور من دور الانصار فسمع البکاء والنواح
علی قتلاھم فذرفت عینا رسول اللہ ص ثم قال لکن حمزۃ لا بواکی لہ یعنی
آنحضرت صلعم نے سنا کہ لوگ اپنے مقتولین پر نوحہ وزاری کر رہے ہیں تو فرمایا ہائے
میرے چچا حمزہ پر کوئی نہیں روتا۔ یہ خبر مدینہ والوں کو ہوگئی تو ان لوگوں نے اپنی
عورتوں کو حکم دیا کہ حضرت حمزہ پر جاکر روؤ۔ وہ نوحہ وماتم کرنے لگیں فلما سمع رسول اللہ
بکاءھن علی حمزۃ خرج علیھن وھن علی باب مسجدہ یبکین علیہ فقال ارجعن
رحمکن اللہ فقد واسیتن بانفسکن یعنی جب حضرت ص نے سنا کہ انصار کی عورتیں جناب

حمزہ پر رو رہی ہیں تو ان سب کے پاس جو آنحضرتؐ کی مسجد کے پاس ہی نوحہ و ماتم کرتی تھیں تشریف لے گئے اور فرمایا۔ اب اپنے گھروں کو جاؤ خدا تم پر رحم کرے کہ تم نے حق اخوت ادا کر دیا۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صـ ۶۴ و تاریخ خمیس جلد ۱ صـ ۴۹۹ وغیرہ) اور بعض کتابوں میں ہے کہ ان سے فرمایا رضی اللہ تعالیٰ عنکن وعن اولادکن واولاد اولادکن یعنی خدا تم سے اور تمہاری اولاد اور تمہاری اولاد کی اولاد سے بھی راضی رہے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ ۱۶۶) اب تو واضح ہو گیا کہ حمزہ شہید پر رونا اور نوحہ و ماتم کرنا اتنا ضروری ہے کہ آنحضرت صلعم نے اسکے نہ ہونے پر افسوس کیا اور جن لوگوں نے اس ضروری کام کو انجام دیا انہیں دعا دی۔ کیا اب بھی کہو گے کہ شہید پر رونا ممنوع یا مکروہ ہے؟ خود حضرت رسولخدا صلعم بھی جناب حمزہ کو روئے ہیں۔ جناب شیخ عبدالحق صاحب نے لکھا ہے۔ آخر صفیہ بر سر حمزہ آمد و وے و فاطمہ می گریستند و بگریہ ایشاں آنحضرتؐ نیز بہ گریہ در آمد یعنی آخر جناب صفیہ جناب حمزہ کے سرہانے پہونچ گئیں اور وہ اور جناب فاطمہ ان پر روتی تھیں ان کے رونے سے حضرت رسولخدا صلعم بھی رونے لگے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ ۱۵۲) اور جنگ موتہ میں جب اہل اسلام اور کفار میں جنگ شروع ہوئی تو آنحضرت صلعم مسجد مدینہ میں تشریف لائے آپ کے سامنے سے حجاب کے پردے ہٹا دیئے گئے تو حضرت جنگ کی حالت وہیں سے دیکھکر فرماتے جاتے تھے کہ زید بن حارثہ جعفر اور ابن رواحہ نے علم اٹھایا اور شہید ہوئے۔ یہ فرماتے تھے اور روتے جاتے تھے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ ۳۳۵ وغیرہ) اسکے بعد کا واقعہ بھی سنو جناب جعفر طیار کی بیوی اسماء بنت عمیس بیان کرتی تھیں کہ جب آنحضرت صلعم کو میرے شوہر جعفر کی شہادت معلوم ہوئی تو میرے گھر تشریف لائے۔ بچوں کو گود میں لے کر پیار کرنے لگے اور روتے جاتے تھے۔ میں نے کہا یا حضرت شاید جعفر شہید ہو گئے۔ فرمایا ہاں۔ یہ سنکر میں کھڑی ہو گئی اور نوحہ و فریاد کرنے لگی۔ میرے رونے پیٹنے سے عورتیں جمع ہو گئیں۔ آنحضرتؐ آنکھوں میں آنسو

بھرے ہوئے جناب فاطمہ کے گھر تشریف لیگئے، دیکھا کہ وہ یا عماہ یا عماہ کہکر رو رہی ہیں۔ اس وقت حضرت نے فرمایا علی مثل جعفر فلتبک الباکیۃ یعنی جعفر ایسے شہید پر لوگوں کو ضرور گریہ و بکا کرنا چاہیئے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صہ ۳۳۹) اسی طرح جب جناب ابوطالب کا انتقال ہوا ہے تو اگرچہ آپ شہید نہیں ہوئے مگر حضرت رسولخدا صلعم بہت روئے۔ قال علیؑ لما توفی ابوطالب اخبرت رسول اللہ فبکی بکاءً شدیدا یعنی حضرت علیؑ نے آنحضرت صلعم کو مطلع کیا کہ جناب ابوطالب کا انتقال ہوگیا تو حضرتؐ یہ سنکر بشدت روئے (تذکرہ خواص الامہ صہ ۶ و تاریخ خمیس جلد ۱ صہ ۳۳۹)۔ خود صحیح بخاری میں حضرت رسولخدا صلعم کا جناب جعفر پر رونا مرقوم ہے۔ عن انس بن مالک ان النبیؐ نعی جعفر او زید اقبل ان یجئی خبرھما و عیناہ تذرفان یعنی انس بیان کرتے تھے کہ رسولخداؐ نے قبل اسکے کہ حضرت جعفر اور زید بن حارثہ کی خبر آئے انکی شہادت کا واقعہ بیان کردیا اور حضرت اس وقت روتے جاتے تھے (صحیح بخاری علامات البنوۃ فی الاسلام جلد ۱ صہ ۵۱۲ و جلد ۲ صہ ۶۱۱ باب غزوہ موتہ)۔ تم کو تعجب ہوگا مگر یہ واقعہ ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم شہیدوں پر صرف روتے ہی نہیں تھے بلکہ روتے روتے بیہوش ہوجاتے تھے۔ جناب شاہ عبدالحق صاحب لکھتے ہیں۔ و منقول است از ابن مسعود کہ گفت نہ دیدیم ما آں حضرت را صلعم گریہ کنندہ تر از گریہ وے بر حمزہ بن عبدالمطلب۔ ایستاد بر جنازہ وے و گریہ کرد و برداشت آواز تا بیہوش شد و فرمود یا حمزہ یا عم رسول اللہ یا اسد اللہ و اسد رسولہ یا حمزہ یا فاعل الخیرات یا حمزہ یا کاشف الکربات یا حمزہ یا ذاب عن وجہ رسول اللہ و از ینجا معلوم می شود کہ در ندبہ و بے طاقتی فریاد و آہ و نالہ نیز بوجود آمدہ است یعنی جناب ابن مسعود سے منقول ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت رسولخدا صلعم کو کبھی اتنا روتے نہیں دیکھا جس قدر حضرت رسولخدا صلعم اپنے چچا جناب حمزہ پر روتے تھے۔ حضرت ان کے جنازہ پر کھڑے ہوئے اور رونے لگے اور اس قدر چیخے کہ بیہوش ہوگئے

فرماتے تھے ہائے اے رسولخدا کے چچا۔ہائے اے خدا کے شیر۔اے رسول کے شیر۔ ہائے اے حمزہ۔ہائے اے اچھے کاموں والے۔ہائے اے حمزہ۔اے مصیبتوں کے دفع کرنے والے۔ہائے اے حمزہ اے رسولخدا سے دشمنوں کو ہٹانے والے!!!

اور یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ گریہ وزاری اور نوحہ و ماتم اور بےطاقتی میں فریاد اور آہ و نالہ وجود میں آیا ہے۔(مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۷۶ و سیرۃ حلبیہ صفحہ ۲۴۹) یہ بھی لکھا ہے وچوں دید آنحضرت حمزہ را کشتہ شدہ و مثلہ کردہ شد صیحہ کرد۔یعنی جب آنحضرت صلعم نے جناب حمزہ کو مقتول اور مثلہ کیا ہوا پایا تو خوب زور سے چیخ مار کر رونے لگے۔ (صفحہ ۵۷۵) جنگ احد میں جب حضرت رسولخدا صلعم زخمی ہوگئے اور جناب سیدہ کو خبر ہوگئی فاتت فاطمۃ وجعلت تعانقہ وتبکی یعنی فاطمہ فوراً آنحضرت کے پاس آئیں اور حضرت سے لپٹ کر رونے لگیں (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۵۹) صرف جناب سیدہ یا حضرت رسولخدا صلعم ہی مصیبتوں پر نہیں روئے ہیں بلکہ ہمارے دوسرے ارکان اسلام بھی برابر روتے رہے ہیں حضرت عائشہ کا حال سنو قالت فلما قبض وضعت راسہ علی وسادۃ وقمت التدم مع النساء واضرب وجہی مع النساء فرماتی تھیں کہ جب آنحضرت کا انتقال ہوگیا تو میں نے حضرت کا سر تکیہ پر رکھدیا اور عورتوں کے ساتھ کھڑی ہوکر گئی ماتم کرنے اور منہ پیٹنے (تاریخ ابوالفدا جلد ا صفحہ ۱۵۲ و تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۳)۔ جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو اپنے بیٹے عبداللہ کو حضرت عائشہ کے پاس بھیجا وہ پہونچے تو دیکھا حضرت عائشہ بیٹھی رو رہی تھیں (شرح نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۷۹) اپنے بھائی پر بھی بہت روئیں اور جزع و فزع کیا فلما بلغ ذلک عائشۃ جزعت علیہ جزعا شدیدا وقنتت فی دبر الصلوۃ وتدعو علی معویہ وعمرو یعنی جب حضرت عائشہ کو اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کی شہادت کی خبر ملی تو بہت روئیں اور جزع و فزع کیا اور اس دن سے ہر نماز کے بعد معویہ و عمرو پر بد دعا کرنے لگیں (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۴۳) وخرجت عائشۃ باکیۃ تقول قتل عثمان مظلوما فقال لھا عمار انت

یحرضین علیہ والیوم تبکین علیہ یعنی حضرت عثمان کے قتل ہونے پر حضرت عائشہ روتی ہوئی نکل پڑیں کہتی تھیں کہ ہائے عثمان مظلوم قتل کئے گئے جناب عمار نے کہا تم ہی تو اسکے قتل پر لوگوں کو آمادہ کرتی تھیں اور اب اسپر رونے بیٹھ گئیں (عقد فرید جلد ۲ صـ۶) حضرت ابوبکر کا رونا سنو کہ حضرت حمزہ کی شہادت پر انکی بیٹی فاطمہ نے ان سے پوچھا پدر من کجا است کہ او را در لشکر نمی بینم دل صدیق سوخت و آب در دیدہ گردانید یعنی میرے بابا کہاں ہیں؟ اس سوال پر حضرت ابوبکر کا دل جلنے لگا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ۱۶۶) حضرت عمر کا رونا بھی سنو۔ ولما استشہد زید بن الخطاب وکان صحبہ رجل من بنی عدی فرجع الی المدینۃ فلما راٰہ عمر دمعت عیناہ وقال وخلفت زیدا ثاویا واتیتنی یعنی جب انکے بھائی زید شہید ہوئے تو انکے ساتھ بنی عدی کا ایک شخص تھا۔ وہ مدینہ واپس آیا اسکو دیکھکر حضرت عمر رونے لگے اور کہا تو نے زید کو قبر میں چھپا دیا اور میرے پاس خبر غم لیکے آیا (عقد فرید جلد ۲ صـ۵) لما توفی خالد بن الولید ایام عمر وکان بینہما ھجرۃ فامتنع النساء من البکاء علیہ فلما انتھی ذلک الی عمر قال وما علی نساء بنی المغیرۃ ان یریقن من دمعھن علی ابی سلیمان یعنی جب خالد بن ولید فوت ہو گئے تو عمر کے لحاظ سے عورتیں ان پر گریہ کرنے سے رک گئیں کیونکہ حضرت عمر اور خالد میں عداوت تھی وہ حضرت عمر سے ڈریں مگر حضرت عمر نے سنا تو بگڑ گئے اور فرمایا کہ بنی مغیرہ کی عورتوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ خالد پر نہیں روتیں (عقد فرید جلد ۲ صـ۵) جب لوگوں نے حضرت عثمان کا سر کاٹنا چاہا تو انکی بی بیاں ان پر گر پڑیں اور چیخنے چلانے اور منہ پیٹنے لگیں۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صـ۹۷) حضرت عثمان کا رونا سنو کان عثمان اذا وقف علی قبر بکی حتی یبل لحیتہ جب حضرت عثمان کسی قبر پر ٹھہرتے تو اتنا روتے تھے کہ انکی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر بتر ہو جاتی تھی (تیسیر الوصول جلد ۲ صـ۳۰۵) یہ روایۃ بھی دیکھو توفی بعض کنائن مروان فشہدھا الناس وشہدھا ابوھریرۃ

ومعہا النساء یبکین فانہاھن مروان فقال ابوھریرۃ دعہن فانہ اتی علی رسول اللہ صلعم جنازۃ ومعہا البواکی فنہرھن عمر فقال لہ رسول اللہ دعہن فان النفس مصابۃ والعین دامعۃ یعنی مروان کے خاندان کی کوئی عورت مرگئی تو عورتیں روتی تھیں۔ مروان نے منع کیا۔ اس پر حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ انھیں رونے دو حضرت رسولخداؐ کے پاس سے بھی ایک جنازہ گزرا تھا تو حضرت عمر نے رونے والوں کو جھڑکا تھا۔ اس پر آنحضرتؐ نے اُن سے فرمایا کہ ان عورتوں کو رونے دو اس لئے کہ یہ مصیبت زدہ ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں رک نہیں سکتے (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۱۰ و ۲۷۳ و ۴۰۸ وغیرہ)

پینتیسواں باب ۳۵

کیا میت پر نوحہ و ماتم کرنا ممنوع اور حرام ہے

مولوی صاحب۔ یہ سب واقعات تو فطری اثر اور قہری جذبات کے ہیں مگر امام حسین رضہ پر تو لوگ اہتمام کرکے روتے اور نوحہ و زاری کرتے ہیں۔ اس کو کیسے کوئی پسند کرسکتا ہے۔

حسینی بیگم۔ پہلے یہ دیکھو کہ عام میت پر نوحہ و ماتم کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ پھر حضرت امام حسینؑ کا نوحہ و ماتم خود ہی معلوم ہو جائیگا۔

مولوی صاحب۔ خیر یہی سہی۔

حسینی بیگم۔ اب دیکھو کہ لوگوں بلکہ خدا کے مقرب بندوں نے مظلوم مقتولوں اور معزز مردوں پر اہتمام کرکے نوحہ و ماتم کیا ہے یا نہیں۔ حضرت آدم کے فرزند ہابیل قتل کئے گئے تو ان پر نوحہ کیا اور مرثیہ پڑھا۔ ایک شعر یہ ہے ؎

تغیرت البلاد ومن علیہا ــــ فوجہ الارض مغبر قبیح

یعنی شہروں کا اور جوان پر آباد ہیں سب کا رنگ بگڑ گیا اور زمین کی صورت غبار آلود بدنما ہوگئی (تاریخ کامل جلد ا صکا) حضرت آدم فراق جنت میں بھی بے قرار ہوکر رویا کرتے تھے۔ حضرت یعقوب بھی فراق حضرت یوسف میں خاص اہتمام کر کے روتے تھے حضرت عائشہ نے آنحضرتؐ کے انتقال پر جو نوحہ وماتم کیا اسکو ابھی بیان کرچکی جناب سیدہ حضرت رسولخدا صلعم کی وفاۃ کے بعد اس قدر روئیں کہ اہل مدینہ گھبرا گئے۔ آپنے مرثیہ بھی نظم فرمایا اور نوحہ وبین کر کے بھی روتی تھیں اور حضرت عائشہ بھی زاری کرتی تھیں۔ جناب سیدہؑ کے نوحہ کے یہ دو شعر بھی سن لو۔ اذا اشتد شوقی زدت قبرک باکیا۔ انوح واشکو ماارک مجاوبا + یاساکن الغبراء علمنی البکاء وذکرک انسانی جمیع المصائبا یعنی اے باباجب آپکے دیکھنے کو میرا دل تڑپتا ہے تو روتی ہوئی جاتی ہوں اور آپکی قبر کی زیارت کرلیتی ہوں۔ وہاں نوحہ وزاری کرتی اور شکوہ کرتی ہوں۔ مگر افسوس آپ سے کوئی جواب نہیں ملتا۔ اے خاک میں آرام کرنے والے بتایئے تو میں کس طرح رووٗں۔ آپکی یاد نے تو میری تمام مصیبتیں بھلا دیں (مدارج النبوۃ جلد ۲ صہ ۵۲۵) اور آنحضرت صلعم کے انتقال پر حضرت عمر کی یہ حالت ہوئی کہ میر یخت اشکہاے او و بر می رفت آہ و نالہ اویعنی آنسو جاری تھے اور آہ ونالہ بلند کرتے تھے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صہ ۵۱۳)۔ اور وفاۃ رسولخداؐ کے بعد صحابہ کی یہ حالت ہوئی کہ فضج الناس یبکون یعنی صحابہ کے روتے روتے ہچکیاں بندھ گیئں (صحیح بخاری جلد ا صہ ۵۱۷) واز ہر کدام از اہل بیت کرام وصحابہ عظام مرثیہ در وفاۃ آنحضرتؐ درسلک انتظام می کشید ند یعنی اہلبیت کرام اور صحابہ عظام سے ہر شخص آنحضرتؐ کی وفاۃ پر مرثیہ پڑھتا تھا (مدارج جلد ۲ صہ ۵۲۵) چوں رقیہ وفات یافت زنان می گریستند وآں حضرت ایشاں را منع نمی کرد وفاطمہ زہرا بر سر قبر رقیہ بوپہلوے رسول نشستہ بود و می گریست رسول بگوشہ ردا اشک از چشم وے پاک می کرد یعنی جب رقیہ نے انتقال کیا تو عورتیں ان پر روتی تھیں مگر حضرت رسولخداؐ ان سب

کو منع نہیں کرتے تھے بلکہ حضرت فاطمہ ع تو رقیہ کی قبر کے سرہانے بیٹھی تھیں۔ وہیں حضرت رسولخدا صلعم بیٹھے تھے۔ فاطمہ روتی جاتی تھیں اور حضرت رسولخدا صلعم اپنی ردا کے کنارے سے آنسو پونچھتے جاتے تھے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۱۱) جب حضرت ابوبکر کا انتقال ہوا تو اقامت عائشہ علیہ النوح حضرت عائشہ نے حضرت ابوبکر پر نوحہ و ماتم شروع کیا (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۶۱) جب حضرت عمر کا جنازہ اٹھا تو حضرت عائشہ کی کیا حالت ہوئی آواز کشید واحمداہ واابوبکراہ ... یک بار آواز اہل مدینہ برخاست زلزلہ در زمین و زمان افتاد یعنی حضرت عائشہ نے نوحہ شروع کیا کہ ہائے محمد ہائے ابوبکر ... اس پر ایک بارگی اہل مدینہ نے چیخنا چلانا شروع کیا اور زمین و زمان میں زلزلہ پڑ گیا (روضۃ الاحباب) حضرت عمر کا اہتمام سنو قال عمر رحم اللہ زید بن الخطاب انی لاحسب لو کنت اقدر علی ان اقول الشعر لبکیتہ انھوں نے کہا خدا زید (میرے بھائی) پر رحم کرے۔ اگر میں شعر کہہ سکتا تو زید کا مرثیہ کہہ کر ان پر روتا (طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۲۷۵) عجبا یقول الناس ان عمر نھی عن النوح لقد بکی علی خالد بن الولید بمکۃ والمدینۃ نساء بنی المغیرہ سبعا یشققن الجیوب ویضربن الوجوہ یعنی تعجب ہے کہ لوگ کہتے ہیں حضرت عمر نے نوحہ و ماتم سے منع کیا ہے۔ حالانکہ خالد بن ولید پر مکہ اور مدینہ میں بنی مغیرہ کی عورتوں نے سات دن تک ماتم کیا۔ اس غم میں انھوں نے اپنے گریبان بھی پھاڑ ڈالے اور منہ پر طمانچے بھی مارے (کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۱۱۹) لما توفی عبد الرحمن فلما قدمت عائشہ اتت قبرہ وجعلت تقول ۔ وکنا کندمانی جذیمۃ۔ حقبۃ من الدھر یعنی جب حضرت ابوبکر کے بیٹے عبد الرحمن مرگئے اور حضرت عائشہ اس شہر میں گئیں تو انکی قبر پر پہونچکر نوحہ پڑھنے لگیں کہ ہم لوگ جزیمہ کے دو ندیموں کیطرح ایک مدت تک ساتھ رہے۔ اب زمانہ نے ان کو مجھ سے چھڑا دیا (جامع ترمذی صفحہ ۱۲۴) آنحضرت صلعم کی رحلت پر حضرت عمر بدحواس ہوگئے اور اپنا اور اپنے باپ کا نام تک

بھول گئے (تحفہ اثنا عشریہ باب جواب مطاعن عمر) جب حضرت رسولخدا صلعم نے
حفصہ کو طلاق دے دیا فبلغ ذلک عمر فحثا علی راسہ التراب یعنی یہ خبر حضرت عمر نے
سُن لی تو وہ اپنے منہ پر خاک ڈالنے لگے (استیعاب جلد ۲ صـ ۷۳۲) جب حضرت
ابوبکر کا انتقال ہوا تو مدینہ میں اس قدر گریہ ہوا ایسا کہرام مچا جیسا رسولخدا کی وفات
میں ہوا تھا (عقد فرید جلد ۲ صـ ۷) ولما نعی نعمان بن مقرن الی عمر بن الخطاب
وضع یدہ علی راسہ وصاح یا اسفاہ علی النعمان یعنی جب نعمان بن مقرن
کے مرنے کی خبر حضرت عمر نے سُنی تو اپنا سر پکڑ لیا اور چیخکر رونے لگے کہ ہائے نعمان
(عقد فرید جلد ۲ صـ ۵) حضرت عمر کے بیٹے کو زنا اور شراب خواری کی سزا میں کوڑے
لگائے گئے۔ وہ مرگیا تو حضرت عمر کی کیا حالت ہوئی ثم جعل راسہ فی حجرہ وجعل
یبکی ویقول بابی من قتلہ الحق۔ بابی من مات عند انقضاء الحد۔ بابی من لم
یرحمہ ابوہ واقاربہ فنظر الناس الیہ فاذا ہو قد فارق الدنیا فلم یر یوم اعظم منہ
وضج الناس بالبکاء والنحیب یعنی حضرت عمر نے اپنے بیٹے کا سر اپنی گود میں رکھکر
رونا شروع کیا اور کہتے جاتے تھے میرا باپ فدا ہو اس پر جسے حق نے قتل کیا
میرا باپ فدا ہو اس پر جو سزا ختم ہوتے ہی چل بسا۔ میرا باپ فدا ہو اس پر جسکے
اوپر نہ اسکے باپ نے رحم کھایا نہ اسکے رشتہ داروں نے۔ لوگوں نے دیکھا تو ابو شحمہ
(فرزند حضرت عمر) مرچکا تھا۔ پھر مدینہ میں اس زور کا ماتم کیا گیا کہ اس سے زیادہ
عظیم الشان ماتم کبھی نہیں ہوا تھا۔ لوگ ڈاڑھیں مار مار کر اس پر روتے اور نوحہ و
ماتم کرتے تھے (ازالۃ الخفا جلد ۲ صـ ۱۵۱) جب حضرت عمر کے زخمی ہونے کی خبر جناب
حفصہ نے سُنی تو عورتوں کو ساتھ لیکے آئیں اور اُن کے پاس بیٹھکر رونے لگیں پھر
لوگ عیادۃ کو آئے تو حفصہ پردے کے اندر چلی گئیں مگر ان کا رونا اور سسکنا سب
لوگ سُن رہے تھے (شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صـ) عقد فرید جلد ۲ میں ایک کتاب البکاء
فی التعازی والمراثی یعنی مردوں کی تعزیت کرنا اور انپر مرثیہ پڑھنے کی باتیں ہے۔ اسکو ضرور دیکھ جاؤ

چھتیسواں باب ۳۶

کیا شہادۃ امام حسینؑ پر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم کے عوض فخر و مباہاۃ اور خوشی کرنی چاہئیے

مولوی صاحب۔ مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر تو گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم نہیں بلکہ فخر و مباہاۃ کرنی چاہئیے کہ ان کو خدا نے ایسی عظیم الشان شہادۃ کا درجہ عطا کیا۔

حسینی بیگم۔ تو اسلام کے مقابلہ میں آج سے تم بھی ایک نیا دین۔ جدید مذہب نکال لو۔ دنیا میں جہاں ہزاروں مذہب ہیں تمہارا بھی الگ مذہب ہو جائے۔

مولوی صاحب۔ یہ کیا تم بکنے لگیں۔

حسینی بیگم۔ تم خود کہتے ہو کہ امام حسینؑ کو خدا نے شہادت کا درجہ دیا تو لوگوں کو حضرت کی اس عزت و شرف پر رونا یا نوحہ و ماتم کرنا نہیں بلکہ خوشی کرنی چاہئیے یہ اسلام کے خلاف ہی بات تو ہے جسکی تلقین تم کرتے ہو۔

مولوی صاحب۔ تمہاری بیہودہ باتوں سے مجھے غصہ آرہا ہے۔ یہ اسلام کے خلاف کیسے ہوا

حسینی بیگم۔ غصہ تو برا ہے۔ اسلام کے خلاف اس سبب سے ہے کہ خدا نے فرمایا ہے ولقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اے مسلمانو! حضرت رسولخداؐ کی ذات میں پیروی کرنے کو تمہارے لئے سب سے اچھا نمونہ موجود ہے (پ ۲۱ ع ۱۹)

مولوی صاحب۔ اس سے کون انکار کرتا ہے۔ فضول باتوں میں وقت ضائع کرتی ہو۔ میں تو حضرت حسینؓ پر فخر و مباہاۃ کی ضرورت کہہ رہا ہوں۔

حسینی بیگم۔ بات تو پوری ہونے دو۔ جب حضرت رسولخداؐ کی پیروی سب مسلمانوں کے لئے بہترین طرز عمل ہے تو شہیدوں پر حضرتؐ نے جو کیا وہ بھی بہترین عمل قرار پائیگا اور چونکہ خدا نے رسولؐ کی پیروی کا حکم دیا ہے اس وجہ سے وہی فعل خدا کا بہترین دین بھی ہے۔

مولوی صاحب - ہاں ہاں اس سے کون انکار کرتا ہے - بیشک آنحضرتؐ کا عمل خدا کی مرضی بلکہ حکم کے مطابق ہوتا تھا لہذا اسکو خدا و رسولؐ کا پسندیدہ کام ہی کہا جائیگا -

حسینی بیگم - اب یہ بتاؤ کہ حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں کوئی مسلمان یا صحابی شہادت کے درجہ پر پہونچا یا نہیں -

مولوی صاحب - بہت صحابہ کبار کو یہ شرف ملا - ایک دو تھے کہ نام بتاؤں -

حسینی بیگم - تو کیا انکے شہید ہونے پر حضرت رسولخدا صلعم نے خوشی کی ؟ مسرت و شادمانی کا اظہار کیا - عید منائی - فخر و مباہاۃ کی ؟ کوئی دلیل ہو تو بتاؤ - تم تو حدیث تفسیر کی سب کتابیں چاٹے بیٹھے ہو -

مولوی صاحب (چپ ہیں کچھ بول نہیں سکے - کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد)

حسینی بیگم - چپ کیوں ہوگئے - پہلے تو خوب گرجتے اور کڑکتے تھے اب وہ غیظ و غضب کہاں گیا - کسی ایک ہی شہید کا نام بتادو جو اس عالی درجہ پر پہونچا تو آنحضرت صلعم نے خوشی و شادمانی ظاہر کی ہو - انکے اس درجہ پر فائز ہونے کے بعد فخر و مباہاۃ کی ہو ۔ انکے رونے والوں کو رونے کے عوض مسرت کا حکم دیا ہو -

مولوی صاحب - مجھے تو کسی کتاب میں یہ بات یاد نہیں پڑتی -

حسینی بیگم - تم پہلے کہتے تھے کہ حضرت حمزہ سید الشہداء ہیں اور یقیناً حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی زندگی کے شہیدوں میں حضرت حمزہ کی شہادت کو سب سے زیادہ عظیم الشان سمجھا مگر کیا اس شہادت پر حضرتؐ نے خوشی کی ؟ مسرت و ابتہاج فرمایا ؟ فخر و مباہاۃ کی کہ واہ وا واہ میرے چچا کو شہادۃ کا کتنا بڑا مرتبہ حاصل ہوگیا - کیسی اچھی بات ہوئی کہ وہ قتل کردیے گئے -

مولوی صاحب - نہیں ایسا تو حدیث یا تاریخ کی کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا ہے بلکہ ابھی تم نے کتنی کتابوں سے ثابت کیا کہ آنحضرتؐ ان پر خود روئے اور دوسروں

کو رلایا بلکہ انصار کی عورتوں کے نوحہ و ماتم کرنے پر ان سے خوشی ظاہر کی۔ دعا دی اور شکریہ ادا کیا۔ اور یہ نوحہ و بکا ہی حضرت کے زخم دل کا مرہم ہوا۔

حسینی بیگم - پھر جناب جعفر جو حضرت کے چچا زاد بھائی تھے جنگ موتہ میں شہید ہوئے تو حضرت نے خوشی کی؟ یا خود بھی روئے اور دوسروں کی بھی تعزیہ کی؟

مولوی صاحب - نہیں خوشی تو نہیں کی بلکہ گریہ و بکا ہی کیا۔

حسینی بیگم - تو کیا یہ دونوں بزرگ شہادت کے درجہ سے محروم رہے جو آنحضرت نے انکی اس فضیلت پر فخر و مباہاۃ نہیں کی؟

مولوی صاحب - نہیں ان حضرات کے درجہ شہادت کی عظمت تو کوئی بیان ہی نہیں کر سکتا۔

حسینی بیگم - تو جس طرح حضرت رسولخدا صلعم نے شہیدوں پر گریہ و بکا کیا ہم لوگوں کو بھی یہی کرنا چاہیئے۔ یا اسکے برعکس خوشی و شادمانی؟ فخر و مباہاۃ؟ اچھا یہ بتاؤ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے تھے یا نہیں؟

مولوی صاحب - یہ بھی کچھ پوچھنے کی بات ہے؟ حضرت تو ابو لولوۃ کی تلوار سے زخمی ہو کر شہید ہو گئے۔ یہ اسلام کا مشہور واقعہ ہے۔

حسینی بیگم - تو انکی شہادت پر انکی بیوی بچوں نے خوشی کی؟ عید منائی؟ جشن کیا؟ فخر و مباہاۃ کی؟

مولوی صاحب - نہیں سب رو دیئے بیٹے۔ بلکہ کل مسلمانوں نے اپنے ایسے پیارے خلیفہ کی شہادت پر گریہ و بکا کیا۔

حسینی بیگم - تو یہ ان لوگوں نے برا کیا؟ انکو اسکے عوض شادی کے لوازم پورے کرنے تھے؟ ذرا انصاف سے بتاؤ کہ آج ہم سب مسلمان حضرت فاروق کی شہادت پر خوشی ظاہر کریں۔ عید منائیں۔ فخر و مباہاۃ کریں تو دنیا ہم لوگوں کو کیا کہیگی۔ اچھا حضرت عثمان

شہید ہوئے یا نہیں۔

مولوی صاحب۔ وہ بھی اس شرف سے سرفراز ہوئے۔ انکی شہادت بھی اسلام کا مشہور واقعہ ہے۔ ہائے وہ بھی بڑی بے دردی سے قتل کئے گئے۔

حسینی بیگم۔ تو اس پر ہائے کیوں کرتے ہو۔ اٹھو کہ باجو۔ بھر کے لگو۔ محفل نشاط و سرور قائم کرو کہ حضرت کو خدا نے اتنا بڑا مرتبہ دے دیا۔

مولوی صاحب۔ مگر ان پر ہم لوگ اب نوحہ و ماتم بھی تو نہیں کرتے۔

حسینی بیگم۔ ہاں یہ میں کب کہتی ہوں۔ مگر انکی شہادت پر عید کیوں نہیں مناتے فخر و مباہاۃ کیوں نہیں کرتے۔ جس طرح حضرت امام حسینؑ کے بارے میں کہتے ہو کہ آپ اس درجہ پر پہونچے کہ خوشی میں مسلمانوں کو عید منانی چاہئے۔

مولوی صاحب۔ عید نہ مناؤ مگر نوحہ و ماتم کیوں کیا جائے۔

حسینی بیگم۔ گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم کی بحث پہلے پوری ہو چکی۔ اب اسکو کیوں چھیڑتے ہو۔ جب کسی شخص پر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم برا نہیں ہے تو حضرت پر کیوں برا ہوگا۔ بلکہ یہ بہت اعلے درجہ کی عبادت ہے۔

مولوی صاحب۔ معاذ اللہ۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر رونا اور نوحہ و ماتم کرنا عبادت کیسے ہو جائیگا۔ جب حضرت عمر و حضرت عثمان کی شہادت پر نوحہ و ماتم کرنا عبادت نہیں تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر نوحہ و ماتم کیوں عبادت کہا جائیگا۔

حسینی بیگم۔ اس لئے کہ امام حسین کے لئے خدا نے اس عمل کو اپنی مخلوقات سے انجام دلایا اور حضرات رسولخدا صلعم نے خود یہ عمل کیا۔ اور حضرت عمر و حضرت عثمان کے لئے خدا و رسولؐ نے ایسا نہیں کیا۔

مولوی صاحب۔ وہ کس طرح ذرہ میں بھی تو سنوں۔

حسینی بیگم۔ خدا نے تو اس طرح اپنی مخلوقات سے اس عبادت کو انجام کرایا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ نے تحریر فرمایا ہے "جب یہ واقعہ شہادت واقع

ہوگیا اب اسکے حال کا اشتہار (خدا کی طرف سے) اس طرح دیا گیا کہ مٹی خون بن گئی آسمان سے خون برسا غیبی ہاتفوں نے حضرتؑ کے مرثیے کہے اور جنات نے حضرت پر نوحہ پڑھا اور گریہ و بکا کیا۔ اور حضرتؑ کے جسم مبارک کی حفاظت کرنے کے لئے شیر اور دوسرے درندے اسکے گرد گھومتے رہے اور حضرتؑ کے قاتلوں کے نتھنوں میں زندہ سانپ گھستے اور نکلتے رہے ... بلکہ خدا نے اس امۃ میں اس تدبیر کو جو جاری کیا کہ لوگ ہمیشہ اس پر رویا اور نوحہ و ماتم کیا کریں اور قیامۃ تک اس پر حزن و غم کریں۔ اور ان ہولناک مصیبتوں کو ذکر کیا کریں۔ اسکی غرض بھی یہی ہے کہ اس کا ابھی طرح اشتہار ہوتا رہے" (سر الشہادتین صـ۴۲) لہ اس سے صاف معلوم ہوا کہ خدا ہی نے امام حسینؑ کا نوحہ و ماتم اور گریہ و بکا جاری کیا ورنہ مٹی۔ آسمان۔ شیر سانپ صاحبان عقل نہیں ہیں کہ اپنے ارادہ سے اس عبادت کو انجام دیتے ہیں۔ اسی طرح غیبی ہاتف اور جنات نے بھی نوحہ خدا ہی کے حکم سے پڑھا۔ آخر میں صاف فرما دیا کہ خدا ہی نے یہ تدبیر جاری کی کہ لوگ اس پر قیامۃ تک رویا اور نوحہ و ماتم کیا کریں۔

مولوی صاحب۔ البتہ مولانا شاہ صاحب کی اس تحقیق کے بعد تو کوئی شخص کچھ نہیں بول سکتا

حسینی بیگم۔ صرف شاہ صاحب ہی کی تحریر نہیں ہے۔ ہر دوسری اردو کتابوں میں بھی یہ دلیلیں بھری ہیں۔ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا ہے ھبط علی قبر الحسین بن علی یوم اصیب سبعون الف ملک یبکون علیہ الی یوم القیامۃ یعنی حضرت امام حسینؑ کے مشہد پر روز عاشوراء ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے جو قیامت تک حضرت پر رویا کرینگے (غنیۃ الطالبین صـ۶۰۴) تباؤ فرشتے تو صرف وہی کرتے ہیں جس کا حکم خدا سے پاتے ہیں۔ اور جب وہ روز عاشوراء سے اس عمل کو کر رہے ہیں تو واضح ہے کہ خدا ہی چاہتا ہے کہ امام حسین پر رویا جائے۔ اگر حضرت کی شہادہ پر خوشی اور فخر و مباہاۃ مناسب ہوتی تو خدا فرشتوں کو بھی مامور کرتا کہ معاذ اللہ روضہ امام

لہ عربی عبارت اسی کتاب تصویر عزا کے صـ۱۵۱ پر درج ہو چکی ہے ۱۲

حسین پر خوشیاں منائیں جشن کریں۔ فخر و مباہات کے ادھم مچائیں۔ اسی طرح جنات کا گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم بھی واضح کرتا ہے کہ یہی خدا کا مطلوب ہے۔ ورنہ وہ سب بھی مسرت و نشاط کے سامان مہیا کرتے۔ اخرج ابونعیم فی الدلائل عن ام سلمۃ قالت سمعت الجن تبکی علی الحسین وتنوح علیہ حضرت ام المومنین ام سلمہ فرماتی تھیں کہ میں نے جنوں کو امام حسینؑ پر روتے اور نوحہ کرتے سنا ہے (تاریخ الخلفاء صـ۱۴۱ وصواعق محرقہ صـ۱۱۷ وغیرہ) اخرج ثعلب فی امالیہ عن ابی جناب الکلبی قال اتیت کربلاء فقلت لرجل من اشراف العرب اخبرنی بما بلغنی انکم تسمعون نوح الجن فقال ماتلقی احدا الا اخبرک انہ سمع ذلک قلت فاخبرنی بما سمعت انت۔ قال سمعتہم یقولون مسح الرسول جبینہ۔ فلہ بریق فی الخدود + ابواہ من علیا قریش۔ وجدہ خیر الجدود یعنی ثعلبی نے اپنی امالی میں ابوجناب کلبی سے روایت کی ہے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ کربلا پہونچا اور عرب کے ایک معزز شخص سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم لوگ جنات کے نوحے سنتے ہو۔ انھوں نے جواب دیا یہاں جس شخص سے تم ملوگے یہی کہیگا کہ وہ بھی سنتا ہے۔ میں نے کہا اچھا مجھے بھی بتاؤ کہ تم لوگ کیا سنتے ہو۔ انھوں نے کہا میں نے یہ نوحہ پڑھتے سنا ہے۔ حضرت رسولخداصلعم کس پیار سے امام حسینؑ کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ اور کیوں نہ ہو کہ حضرتؑ کے رخساروں میں خدا نے خاص نورانیت پیدا کردی تھی۔ حضرتؑ کے ماں باپ قریش کے شریف ترین خاندان سے تھے اور ان کے نانا سب سے بہتر وافضل تھے (تاریخ الخلفاء صـ۱۴۱ وغیرہ)۔ اور اس سے پہلے میں وہ قدرتی آثار بیان کرچکی ہوں جو حضرتؑ کی شہادت پر خدا کی طرف سے ظاہر کئے گئے[1] وہ سب صاف کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کے غم میں نوحہ و ماتم اور گریہ و بکا کرنے کے لئے وہ حادث کئے گئے۔ اسی وجہ سے بعض کتابوں میں آسمان کا رونا موجود ہے مثلاً لما قتل الحسین بکت علیہ السماء یعنی جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو حضرت پر

[1] دیکھو صـ۲۸۲

آسمان تک رویا (ینابیع المودۃ) اور صرف آسمان و زمین ملائکہ اور جنات ہی سے خدا نے یہ عبادت نہیں انجام دلائی بلکہ بڑے بڑے انبیاء کے ذریعہ سے بھی اس عمل خیر کو جاری کیا۔

مولوی صاحب ۔ کیا تمہارا اشارہ حضرت رسولخدا صلعم کے علاوہ بھی کسی نبی کیطرف ہے

حسینی بیگم ۔ ہاں حضرت سے پہلے بھی حضرت امام حسینؑ پر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم کیا گیا ہے ۔ مثلاً جناب ملا حسین کاشفی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے ابراہیم علیہ السلام چوں شمہ ازیں واقعہ (کربلا) بشنید قطرات حسرت از چشم سار چشم بر صفحات رخسار فرو بارید خطاب رسید کہ اے ابراہیم ثواب گریستن تو بر حسین دالمے کہ بدل تو رسید برابر آں مثوبت است کہ بدست خود فرزند خود را قربان می کردے یعنی حضرت ابراہیمؑ نے جب کچھ مختصر حال اس واقعہ کربلا کا سنا تو حسرت کے آنسو کے چند قطرے آپ کے رخسار پر جاری ہو گئے ۔ اس پر خدا کا حکم نازل ہوا کہ اے ابراہیم تم جو ابراہیم پر روتے ہو اور انکی شہادت سے جو الم تمہارے دل کو پہونچا ہے ۔ اس کا ثواب تمہیں اتنا ہی ملیگا جس قدر اس اطاعۃ کا ملتا کہ تم اپنے ہاتھ سے اپنے فرزند اسمٰعیل کو میری خوشی میں ذبح کر دیتے ۔ (روضۃ الشہداء صـ۲۷) ۔ اب حضرت رسولخدا صلعم کے شہادت امام حسین پر رونے کی دلیل سنو ۔ اگرچہ اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے ۔ جناب ام الفضل بنت حارث کا خواب دیکھنا اور امام حسینؑ کی ولادۃ پر انھیں حضرت صلعم کی گود میں دینا اور حضرتؐ کا رونا ۔ ام الفضل کا پوچھنا کہ یا حضرت آپ کیوں رونے لگے ۔ فرمایا جبرئیل نے کہا ہے کہ میری امت میرے اس فرزند کو قتل کریگی ۔ پہلے بیان کر چکی ہوں (دیکھو مشکوٰۃ شریف جلد ۸ صـ۱۴۰) [1] یہ روایۃ بھی سن لو عن علی رضؓ بکر بلاعند مسیرہ الی صفین وحاذی بنینوی قریۃ علی الفرات فوقف وسال عن اسم ھذہ الارض فقیل کربلا فبکی حتی بل الارض من دموعہ ثم قال دخلت علی رسول اللہؐ وھو یبکی فقلت ما

[1] اس کتاب کے صـ۱۲۵ پر یہ پوری عبارت درج ہو چکی ہے ۱۲

صواعق محرقہ ۔ نفس المہموم ۔ تفسیر لقمان جلد ۸ صـ۳۲۶ وغیرہ

نبکیک - قال کان عندی جبرئیل انفا واخبرنی ان ولدی الحسین یقتل بشاطی الفرات بموضع یقال لہ کربلا ثم قبض جبرئیل قبضۃ من تراب شمنی ایاہ فلم املک عینی ان فاضتا ورواہ احمد مختصرا عن علی دخلت علی النبیؐ الحدیث وروی الملا ان علیا مر بقبر الحسین فقال ھھنا مناخ رکابھم وھھنا موضع رحالھم وھھنا مھراق دمائھم فتیۃ من آل محمد یقتلون بھذہ العرصۃ تبکی علیھم السماء والارض یعنی طبقات ابن سعد میں امام شعبی سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ ایک مرتبہ جب جنگ صفین میں جاتے تھے مقام کربلا میں پہونچے اور نینوی کے مقابل ہوئے جو فرات پر ایک قریہ ہے تو حضرت وہاں ٹھہر گئے اور لوگوں سے پوچھا اس جگہ کا کیا نام ہے لوگوں نے کہا اسکو کربلا کہتے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ حضرت نے رونا شروع کیا اس قدر روئے کہ آپکے آنسوؤں سے وہاں کی زمین تر ہوگئی۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ میں حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو دیکھا کہ حضرت رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ یا حضرتؐ آپ کیوں اس درجہ گریہ و بکا فرماتے ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ ابھی میرے پاس جبرئیلؑ موجود تھے انھوں نے بیان کیا کہ میرا بیٹا حسینؑ فرات کے کنارے ایک مقام پر قتل کیا جائیگا اس جگہ کا نام کربلا ہے۔ پھر جبرئیل نے اس جگہ کی تھوڑی مٹی اپنے ہاتھ میں اوٹھائی اور مجھے سنگھائی۔ اس پر میں دل کو روک نہیں سکا اور میری دونوں آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔ اس کو امام احمد نے بھی اپنی مسند میں مختصر طور پر درج کیا ہے۔ اور دوسری روایت بھی حضرت علیؑ سے اس طرح ہے کہ فرماتے تھے میں حضرت رسولخدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ملا نے روایۃ کی ہے کہ حضرت علیؑ ایک دفعہ اس جگہ سے گزرے جہاں بعد میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا روضہ بنا تو حضرت نے پیشینگوئی کے طور پر فرمایا کہ ان لوگوں کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ یہ ہوگی۔ اور ان لوگوں کے پالانوں کی جگہ یہ ہوگی۔ اور اس جگہ ان لوگوں کا خون بہایا جائیگا۔ آل محمدؐ کے کچھ بہادر اسی میدان میں قتل کئے جائینگے جن پر آسمان و زمین بھی روئیں گے (صواعق محرقہ صـ ۱۱۵)۔ اگر امام حسینؑ

پر رونا اور نوحہ و ماتم کرنا خدا کی خوشنودی کا سبب نہیں ہوتا تو حضرت رسولخدا صلعم کیوں یہ عمل کرتے۔ اور صرف زندگی ہی میں نہیں بلکہ وفات پانے کے بعد بھی آنحضرت صلعم اپنے حسینؑ کی شہادت پر روئے اور نوحہ و ماتم کا پورا سامان کیا ہے۔

مولوی صاحب - وہ کس طرح۔

حسینی بیگم - خود امام ترمذی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے ان ام سلمۃ رات النبی باکیا وبراسہ ولحیتہ التراب فسالتہ فقال قتل الحسین آنفا وکذلک راہ ابن عباس نصف النہار اشعث اغبر بیدہ قارورۃ فیہا دم یعنی حضرت ام سلمہ نے خواب میں حضرت رسولخدا صلعم کو دیکھا کہ رو رہے ہیں اور اپنے سر مبارک اور ریش مقدس پر مٹی ڈالے ہوئے ہیں انھوں نے حضرت سے پوچھا کہ آپکی یہ حالت کیوں ہو رہی ہے تو فرمایا ہائے میرا حسین ابھی قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح حضرت ابن عباس نے بھی آنحضرتؐ کو دوپہر کے بعد خواب میں دیکھا کہ آنحضرتؐ کے بال پریشان اور خاک آلود ہیں اور حضرتؐ کے دست مبارک میں ایک شیشی ہے جسمیں خون بھرا ہے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۵ و تاریخ الخلفا صفحہ ۱۴۱ وغیرہ) اسکے بعد حضرت ام سلمہ بھی امام حسینؑ کی شہادت پر رویا کرتی تھیں (ترمذی شریف صفحہ ۲۳۹) کچھ معمولی طور پر حضرت کا نوحہ و ماتم نہیں کرتیں بلکہ اس زور کا کہ لوگ آپ کے پاس تعزیت کو آتے مثلاً امام طبرانی نے لکھا ہے شہر بن حوشب قال اتیت ام سلمۃ اعزیہا علی الحسین یعنی شہر بن حوشب کہتے تھے کہ میں حضرت ام سلمہ کے پاس امام حسینؑ کی تعزیت کرنے حاضر ہوا (معجم صغیر طبرانی صفحہ ۳۴) اور تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم یعنی میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں۔ جسکی بھی تم لوگ پیروی کروگے ہدایت ہی پر رہوگے (مشکوۃ شریف جلد ۵ صفحہ ۱۰۱) اسکے مطابق دیکھو کہ صحابہ بھی حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر خوشی اور فخر و مباہات کرتے رہے یا روئے ہیں۔ مثلاً کان زید بن ارقم عند ابن زیاد فقال لہ ارفع قضیبک فو اللہ رایت رسول اللہؐ یقبل مابین ہاتین الشفتین ثم بکی زید یعنی ابن زیاد کے دربار میں حضرت رسولخداؐ کے صحابی زید بن ارقم موجود تھے۔

انہوں نے ابن زیاد سے کہا کہ اپنی چھڑی (امام حسینؑ کے منہ پر سے) ہٹالے کیونکہ خدا کی
قسم میں نے حضرت رسولِ خدا صلعم کو دیکھا تھا کہ ان دونوں لبوں کا بوسہ لیا کرتے تھے یہ کہکر زید
بن ارقم رونے لگے (ینابیع المودۃ ص۳۲۴) تابعین کرام بھی حضرت امام حسینؑ کی شہادت
پر خوشی اور فخر و مباہاۃ کرتے تھے یا روتے تھے قال الزہری لما بلغ الحسن البصری
خبر قتل الحسین بکی حتی اختلج صدغاہ ثم قال اذل اللہ امۃ قتلت ابن
نبیہا امام زہری بیان کرتے تھے کہ جب امام حسن بصری کو حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر
معلوم ہوئی تو اس قدر روئے کہ انکو اختلاج شقیقہ ہوگیا - اسکے بعد وہ کہنے لگے کہ خدا
اس امت کو ذلیل کرے جس نے اپنے نبیؐ کے فرزند کو قتل کیا (ینابیع المودۃ جزو ۲ ص۳۵۶)
اسی طرح ہمارے بہت سے بزرگوں کا شہادت امام حسینؑ پر رونا مرقوم ہے (ینابیع المودۃ
جلد ۲ ص۳۳۱) - حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی پیشینگوئیوں کو میں اس سے پہلے تفصیل
سے بیان کرچکی ہوں ان میں بھی امام حسینؑ کی شہادت پر رونے کا ذکر ہے - انکو پھر خیال
کرلو اسکے بعد بتاؤ کہ جو لوگ حضرتؑ کی شہادت پر بجائے گریہ و بکا کے خوشی و شادمانی کی رائے
دیتے ہیں وہ خدا اور رسولؐ کے خلاف ایک جدید مذہب ایجاد کرتے ہیں یا نہیں - بس اس سے
زیادہ میں نہیں کہہ سکتی - رسالہ "غم حسینؑ" وغیرہ کو دیکھو تو معلوم ہو کہ ان بزرگان دین نے
حضرت کا کس کس طرح نوحہ کیا ہے مثلاً حضرت شیخ الاسلام بابا فرید گنج شکر عاشورے کے
دن اس واقعہ کا ذکر کرکے ہائے ہائے کا نعرہ کرنے لگتے اور بیہوش ہو جاتے تھے اور یہ
بزرگان اس دن سادات کرام سے تعزیت و ماتم پرسی کرتے تھے اور علماء و مشائخین
کی خدمت میں بھی تعزیت کے لئے حاضر ہوتے تھے - چنانچہ حضرت مخدوم شیخ شرف الدین
احمد یحییٰ منیری قدس سرہ کی بھی یہی حالت تھی جیسا کہ آپکے ملفوظ مخ المعانی میں ہے روز عاشورا
سعادت زمین بوس حاصل شد - خلق شہر بیشتر حاضر بودند وجماعتے از سادات عزیز بندگی
حضرت مخدوم عظمہ اللہ روئے مبارک بر آں سید آورد فرمود امروز تعزیت خاندان شمار است
ماہمہ طفیل شمائیم - بعد ازاں فرمود سبحان اللہ تعزیت خاندان شماہمہ راواجب است -

آنگاه گفت کہ ہم چنیں گویند در آں روز کہ امیر المومنین حسین رضی اللہ عنہ شہادت خواہند یافت
شب آں بزرگے فاطمہ رضی اللہ عنہا را در خواب دید کہ با جملہ زنان انبیاء دامن مبارک خود در
کمر بستہ در دشت کربلا در آمدہ است و ہماں جا کہ امیر المومنین حسین رضی اللہ عنہ خواہد
افتاد جاروب می دہند و بہ آستین مبارک خود پاک می کنند پرسید کہ اے خاتون
روز قیامت ایں چہ مقام است؟ گفت حسین غریب ما سر ایں جا خواہد نہاد۔ آنگاہ
گفت کہ نقل است کہ حضرت رسالت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم چوں ایں قصہ از
جبرئیل علیہ السلام شنید پرسید کہ چوں میان ما کسے نباشد تعزیت ایشاں کہ دارد
گفت یا رسول اللہ امتان تو برائے فرزندان تو تعزیتہا کنند و ماتم دارند کہ صفت
آں نہ تواں کرد۔ یعنی عاشورا کے روز زمین بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ شہر کی اکثر
مخلوق حاضر تھی اور سادات کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ حضرت مخدوم علیہ الرحمٰن
سیدوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ آج آپ لوگوں کی تعزیہ کرنے کا دن ہے۔
کیونکہ ہم سب آپ لوگوں ہی کی طفیل میں ہیں۔ اسکے بعد فرمایا کہ سبحان اللہ آپ
حضرات کے خاندان کی تو تعزیہ ادا کرنا سب پر واجب ہے۔ اسکے بعد کہا کہ اسی طرح
لوگ کہتے ہیں کہ جس دن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہونے والے تھے اسکی
رات میں ایک بزرگ نے خواب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ انبیاء کی بی بیوں
کے ساتھ اپنے دامن مبارک کو کمر میں باندھکر میدان کربلا میں آئی ہیں اور اس جگہ
جہاں حضرت امام حسین رضؓ شہید ہوکر گرنے والے تھے جھاڑو دے رہی ہیں اور اپنی
آستین مبارک سے اوس جگہ کو پاک کر رہی ہیں۔ ان بزرگ نے جناب سیدہ سے پوچھا کہ
اے خاتون روز قیامت یہ کون جگہ ہے؟ فرمایا میرے غریب حسین شہید ہوکر اسی جگہ
اپنا سر رکھیں گے۔ اس وقت فرمایا کہ روایت ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم نے جب اس
واقعہ کو جناب جبرئیل سے سُنا تو پوچھا کہ جب ہم لوگوں کے درمیان کوئی نہیں رہیگا تو ان
لوگوں کی تعزیہ کون ادا کرے گا؟ جناب جبرئیلؑ نے کہا یا رسول اللہ آپکی امت کے

لوگ آپ کے فرزندوں کی تعزیت ادا کرینگے اور ماتم کرینگے جسکی حد بیان ہی نہیں ہو سکتی ہے اور حضرت سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی چشتی قدس سرہ کی یہ حالت تھی کہ محرم کا چاند دیکھکر وہ بے قرار ہو جاتے تھے اور گریہ وزاری میں مصروف ہو جاتے تھے اور رسم عاشورا بر پا کرتے تھے اور فرماتے تمام اکابر و سادات کا یہی طریقہ ہے اور ذکر مقتل پڑھتے تھے اور اس پر رونے کو ثواب فرماتے تھے۔ لطائف اشرفی میں اُن کے احوال میں لکھا ہے کہ رسم عزا بر پا می داشت چنانکہ لباس رعونت درین عشرہ نمی پوشیدند و اسباب عیش و شادمانی ترک می کردند (یعنی رسم عزا بر پا کرتے تھے چنانچہ عمدہ لباس اس عشرہ میں نہیں پہنتے تھے اور آرام و خوشی کے کل اسباب چھوڑ دیتے تھے) اور حضرت شیخ الاسلام مخدوم علاء الحق پنڈوی قدس سرہ کے احوال میں بھی لکھا ہے کہ دس دن محرم کے وہ برابر گریہ وزاری کرتے اور فرماتے تھے طرفہ دلے باشد کہ بر ماتم خاندان رسول و جگر گوشگان بتول نگرید و عزا ادا ندارد۔ سبحان اللہ چہ نیاز است ؎ کسے کو در چنیں ماتم نہ گرید۔ دل آں کس مگر از سنگ باشد (یعنی وہ کون کمبخت دل ہوگا جو خاندان رسول اور جگر گوشگان بتول کے ماتم میں نہ روئے اور اُن حضرات کی تعزیت نہ ادا کرے سبحان اللہ کیا نیاز ہے۔ جو شخص کہ ایسے ماتم میں نہ روئے اُس کا دل بس پتھر ہی کا ہوگا) اور حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز آپ بھی اس محرم میں گریہ و بکا میں مصروف رہتے تھے جیسا کہ آپ کے ملفوظات سے ظاہر ہے یہ تو وہ لوگ ہیں جو ساتویں آٹھویں صدی اسلام میں گزرے ہیں۔ اُنکے بعد بھی برابر یہی طور رہا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں فرماتے ہیں کہ امجد شیبانی قدس سرہ اور دیگر بزرگان کا بھی یہی دستور رہا اور عاشورا کے دن وہ لوگ کھانا سادات کے گھر لے جاتے تھے اور گریہ وزاری کرتے تھے۔ اور شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارے دیار (اطراف دہلی) میں یہ قدیم دستور ہے کہ عورتیں بروز عاشورا مجتمع ہو کر گھروں میں گریہ وزاری کرتی ہیں۔ اور سید عبدالرزاق بانسوی قدس سرہ پر بھی اس عشرہ محرم کا بڑا ہی اثر ہوتا تھا

(رسالہ غم حسین صـ) - یہ بھی سن لو حضرت بابا فرید گنج شکر سے منقول ہے کہ بغداد میں ایک بزرگ تھے - ان کے سامنے امام والامقام کی شہادت کا ذکر ہوا - وہ اس قدر روئے اور سر کو زمین سے دے دے مارا کہ سر پھٹ گیا اور انتقال فرما گئے - اسی رات لوگوں نے خواب میں دیکھا اور حال پوچھا - انھوں نے فرمایا میں نے اہل بیت اطہار کی محبت میں اپنی جان دیدی تھی اسلئے خداوند تعالےٰ نے مجھے بخش دیا" (غم حسین صـ۶۷) ان کے علاوہ خواجہ منصور بادشاہ اصفہان مجد دین ہمدانی - شیخ الفتوح نصر آبادی - خواجہ محمود حدادی حنفی - خواجہ امام شرف الائمہ ابونصر السجانی خواجہ اشعری حنفی نیشاپوری - شیخ احمد محمد شیبانی وغیرہم بھی امام حسینؑ پر گریہ و بکا فرماتے تھے - (اخبار الاخیار شیخ عبدالحق - کتاب نقض الفضائح ملا عبدالجلیل الرازی) سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری تو اس حد تک قیام عزاء حسین پر شغف رکھتے تھے کہ حضرت نے اسکی وصیت کی کہ ایام عشرہ میں برابر میرے حرم میں مجالس حسینؑ برپا کیجائے چنانچہ آج تک اس پر عمل ہوتا ہے - بس ایک بات اور بیان کرکے اس بحث کو ختم کرتی ہوں تم جانتے ہو کہ صحابہ کرام کی کیا عزت تھی - اگر امام حسینؑ کی شہادت پر رونے کے عوض فخر و مباہاۃ کرنا مناسب ہوتا تو وہ حضرات بھی خوشی اور شادمانی کرتے مگر اسکے عوض اس درجہ گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم کرتے تھے کہ ان کی آنکھیں جاتی رہتی تھیں -

مولوی صاحب - ارے - یہ تم کیا کہتی ہو - تمہاری بھی باتیں کیا نرالی ہوتی ہیں

حسینی بیگم - میری کون سی بات نرالی ہوئی - اس وقت تک جو کچھ میں نے کہا اس کا ثبوت عقل اور قرآن و حدیث و کتب تاریخ سے پیش کر دیا - کسی ایک بات کو بھی بتاؤ تو جسکی دلیل میں نے نہیں دی ہو -

مولوی صاحب - اچھا اس کا پتا بتاؤ کہ کہاں لکھا ہے کہ کسی صحابی نے امام حسینؑ کے گریہ و بکا میں آنکھیں کھو ڈالیں -

حسینی بیگم - اسلام کے نہایت مشہور معتبر اور قدیم مورخ علامہ مسعودی ہی نے لکھا ہے

میں کتاب ہی لاکر عبارت سنا دیتی ہوں (اٹھکر گئیں اور تاریخ کامل جلد ۷ لاکر بولیں)
دیکھو حضرت رسول خدا صلعم کے چچا زاد بھائی اور حضرت کے نہایت جلیل القدر اور بڑے ہی
مقدس صحابی حضرت ابن عباس کی وفاۃ کے حال میں لکھا ہے مات عبد اللہ بن العباس
سنہ ۶۸ھ وکان قد ذھب بصرہ لبکائہ علی علی و الحسن و الحسین یعنی حضرت عبد اللہ
بن العباس ۶۸ھ میں وفات پائی انکی آنکھیں حضرت علی و امام حسنؑ و امام حسینؑ پر روتے
رہنے کی وجہ سے جاتی رہی تھیں (تاریخ مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۷ ص ۱۸)

مولوی صاحب - یہ تو تم نے بہت ہی عجیب و غریب بات دکھا دی حضرت عبد اللہ
ابن عباس بہت جلیل القدر بزرگ اور مسلمانوں کے مذہبی پیشوا تھے - ہم لوگوں کے
مذہبی مسائل بہت زیادہ انھیں کی حدیثوں سے بنے ہیں - جب ایسے بزرگ اس قدر
امام حسینؑ پر روئے کہ انکی آنکھیں جاتی رہیں - مگر انھوں نے رونا موقوف نہیں کیا تو
بے شک میں غلطی پر تھا کہ اس شہادت پر خوشی اور فخر و مباہات کرنے کو مناسب سمجھا - لہذا
ہر مسلمان کو اس شہادت پر رونا اور نوحہ و ماتم ہی کرنا ضروری ہے -

حسینی بیگم - اسی وجہ سے شروع سے آج تک لاکھوں علماء و فضلاء نے حضرتؑ
کے مرثیے لکھے اور برابر لکھتے جاتے ہیں - بلکہ یورپ کے تعلیم یافتہ گرایجوایٹ حضرات
بھی حضرتؑ کا مرثیہ لکھنا اپنا فخر سمجھتے ہیں - آج جناب ڈاکٹر سر محمد اقبال بیرسٹر لاہور
پر تمام اسلامی ہندوستان فخر کرتا ہے - اُنھوں نے بھی حضرتؑ کا زبردست مرثیہ
لکھا ہے - اسکے بعض اشعار سنو:

عشق را آرام جاں حریت است — ناقہ اش را ساربان حریت است
آں شنیدستی کہ ہنگام نبرد — عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد
آں امام عاشقاں پور بتول — سرو آزادے ز بستان رسولؐ
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر — معنئ ذبح عظیم آمد پسر
بہر آں شہزادہ خیر الملل — دوش ختم المرسلیں نعم الجمل

سرخ رو عشق غیور از خونِ او — شوخیِ ایں مصرع از مضمونِ او
در میانِ امت آں کیواں جناب — ہم چو حرف قل ہو اللہ در کتاب
موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید — ایں دو قوت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوت شبیری است — باطل آخر داغ حسرت میری است
چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت — حریت را زہر اندر کام ریخت
خواست آں سر جلوۂ خیر الامم — چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
بر زمین کربلا بارید و رفت — لالہ در ویرانہا کارید و رفت
تا قیامت قطع استبداد کرد — موج خون او چمن ایجاد کرد
بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است — پس بنا لا الہ گردیدہ است
مدعایش سلطنت بودے اگر — خود نہ کردے با چنیں ساماں سفر
دشمناں چوں ریگ صحرا لاتعد — دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد
سر ابراہیمؑ و اسمعیلؑ بود — یعنی آں اجمال را تفصیل بود
عزم او چوں کوہساراں استوار — پایدار و تند سیر و کامگار
تیغ بہر عزت دیں است و بس — مقصد او حفظ آئین است و بس
ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست — پیش فرعونے سرش افگندہ نیست
خون او تفسیر ایں اسرار کرد — ملت خوابیدہ را بیدار کرد
تیغ لا چو از میاں بیروں کشید — از رگ ارباب باطل خوں کشید
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت — سطر عنوانِ نجات ما نوشت
رمز قرآں از حسینؑ آموختیم — ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم
شوکت شام و فر بغداد رفت — سطوت غرناطہ ہم از یاد رفت
تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز — تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز
اے صبا اے پیک دور افتادگاں — اشک ما بر خاک پاک او رساں

(مثنوی اسرار بیخودی و رموز ص ۱۲۶)

سینتیسواں باب ۳۷

غم امام حسینؑ میں رونے کا ثواب

مولوی صاحب۔ میرا مطلب یہ ہے کہ شہادت امام حسین رضؓ کا ذکر کرنا یا اس پر رونا اور نوحہ و ماتم کرنا ایک نیک امر ضرور ہے مگر نہ کار ثواب ہے نہ باعث نجات۔

حسینی بیگم۔ تمہاری منطق کے قربان جاؤں۔ خود کہتے ہو کہ ایک نیک امر ضرور ہے۔ پھر اسکے کار ثواب اور باعث نجات ہونے سے انکار کرتے ہو۔ کیا اسلام میں کوئی ایسا بھی نیک امر ہے جو باعث ثواب نہ ہو؟ کیا خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت امام حسینؑ پر رونے کا ثواب دیکر اس رونے کو کار ثواب نہیں بنایا؟ کیا خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ رسولؐ کی پیروی تمہارے لئے باعث نجات ہے اور کیا رسول اللہؐ امام حسینؑ پر روتے نہیں تھے؟ کیا عمل نیک میں صحابہ کی تقلید کرنے سے ثواب نہیں حاصل ہوگا۔ اچھا اب کتابوں کے حوالے سنو:۔ امام احمد بن حنبل کتنے بڑے امام تھے جنکی کتاب مسند صحیح احادیث کا اعلے ذخیرہ ہے۔ اسمیں بھی اس کا ثواب موجود ہے چنانچہ علامہ محمد مبین فرنگی محلی نے لکھا ہے وفی مسند احمد بن حنبل من دمعت عیناہ بقتل الحسین دمعتہ او قطرۃ بوأہ الجنۃ یعنی امام احمد بن حنبل کی کتاب مسند میں ہے کہ جس شخص کی آنکھوں سے شہادت امام حسینؑ پر آنسو نکلیں یا ایک ہی قطرہ آنسو کا نکلے خدا اس کو بہشت میں جگہ دے دیگا (وسیلۃ النجاۃ ص ۳۰۵) وفی تفسیر الثعلبی باسنادہ قال مطرنا دما ایام قتل الحسینؑ یعنی تفسیر ثعلبی میں انکی اسناد سے مروی ہے کہ روز قتل حسینؑ آسمان سے خون کی بارش ہوئی۔ جب آسمان

خون کے آنسو اس واقعہ پہ روئے تو ہم لوگوں کا اپنی آنکھوں کے آنسوؤں سے رونا کیوں کار ثواب نہیں ہوگا۔ اور جناب مولوی مہدی علی صاحب حنفی نے لکھا ہے۔ "جو حسینؑ پر رونے والا ہوگا واجب ہوگی اس پر بہشت اور شاد و خرم ہوگا دونوں جہان میں" (کتاب انیس الذاکرین مطبوعہ مظہر العجائب پریس مدراس ص ۱۵) اور ملا حسین کاشفی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے "عزیزان تامل فرمایند کہ ثواب گریستن در مصیبت حسینؑ چہ مقدار است از ائمہ اہل بیت نقل کردہ اند کہ ہر قطرہ آب کہ در ماتم حسین از دیدہ کسے فرو بارد آں را در صدف شرف دری می سازند و در قلادۂ عمل آں کس می کشند و قیمت آں در روز بازار قیامۃ بر خلق ظاہر خواہد شد۔ شیخ سہیل بن عبد اللہ تستری رحمہ اللہ فرمود کہ روز عاشورا را می گریستیم و با خود می گفتم اگر آں روز حاضر نہ بودم کہ در پیش آں شاہ شہید خونم بریزند امروز بارے در حسرت آں قطرہ چند آب از چشم خود بریزم شبانہ حضرت رسالت صلعم در واقعہ دیدم کہ مرا گفت اے سہیل بجلال حضرت ذوالجلال کہ یک قطرہ آب دیدہ تو در مصیبت فرزند دلبند من ضائع نیست و بداں گریہ کہ امروز کردی فردا ترا چنداں ثواب دہند کہ محاسبان تختۂ خاک و مستوفیان خانۂ افلاک از عہدہ حصر و حساب و ثواب آں بیروں نتوانند آمد۔ در آثار آمدہ است کہ حسینؓ روز قیامت بعرصات در آید بچہرہ خون آلود و گوید رب شفعنی فمین بکی علی مصیبتی خدایا مرا شفاعت دہ در حق کسے کہ بر مصیبت من گریستہ است۔ الٰہی ہر کہ در دنیا بر شہیدی و غریبی و محرومی و مظلومی و بے کسی و بے برگی و تشنگی و گرسنگی من گریہ کردہ اور ابمن بخش شفاعۃ آں سید بمحل قبول رسیدہ گریہ کنندگان حسینؓ را برات نجات از رزانی دادند۔ یعنی اے عزیزو غور کرو کہ امام حسینؑ پر رونے کا ثواب کس قدر ہے۔ حضرات ائمہ اہلبیت سے مروی ہے کہ امام حسینؑ میں آنکھ سے آنسو کا جو قطرہ ٹپکے اس کو فرشتے شرف کے صدف میں موتی بنا کر رکھتے ہیں اور اس شخص کے اعمال کے ہار میں اسکو پرو دیتے ہیں اور اس موتی کی قیمت قیامت کے بازار میں لوگوں پر ظاہر ہوگی۔ شیخ سہیل بن عبد اللہ تستری رحمہ اللہ نے

فرمایا ہے کہ عاشورار کے روز میں روتا اور اپنی جگہ کہتا تھا کہ اگر میں اس روز حاضر ہوتا تو اس شاہ شہید کے سامنے اپنے خون میں لوٹتا تو آج اس حسرت میں (کہ میں بھی کیوں نہ حضرت کے ساتھ شہید ہوا) اپنی آنکھوں سے آنسو تو بہالوں میں خوب رو دیا اسی رات کو میں نے خواب میں حضرت رسولخدا صلعم کو دیکھا کہ مجھ سے فرماتے ہیں اے سہیل حضرت رب العزت کے جلال کی قسم تمہاری آنکھوں سے جو آنسو آج میرے فرزند دلبند پر بہے ہیں - اس کا ایک قطرہ بھی ضائع نہیں جائیگا اور آج جو تم روئے ہو اسی رونے کی وجہ سے کل (قیامت میں) تم کو اتنا ثواب ملیگا کہ تختہ خاک کے حساب کرنے والے اور خانہ افلاک کے شمار کرنے والے اسکے جاننے سمجھنے اور اسکے ثواب کا اندازہ کرنے سے عاجز رہیں گے - حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ امام حسین رض بروز قیامت اپنے خون بھرے چہرے سے میدان حشر میں تشریف لائیں گے اور عرض کرینگے کہ اے خدا جو شخص میری مصیبت پر رویا ہے مجھے اسکی شفاعت کی اجازت دے - اے خدا دنیا میں جو شخص میری شہادت غریبی - محرومی - مظلومی - بے کسی - بے بسی - پیاس اور بھوک پر رویا تھا اُس کو آج بخشدے حضرت کی شفاعت فوراً قبول کیجائیگی اور امام حسین کے رونے والوں کو نجات کی سند دیدی جائیگی (روضۃ الشہداء صـ۲۷) بہت سے علماء نے تو اپنی کتابوں میں مستقل باب قرار دیکر ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جنمیں امام حسین پر رونے کا ثواب وارد ہے (مثلاً دیکھو ینابیع المودۃ جلد ۲ صـ۳۵۷ وسیلۃ النجاۃ صـ۳۰ وغیرہ) اگر آخر میں ایک نئی بات بیان کروں تو تم اپنے آپے میں نہیں رہو گے -

مولوی صاحب - وہ کیا؟

حسینی بیگم - یہ کہ جو شخص امام حسینؑ پر روتا اور نوحہ و ماتم کرتا ہے اسکو بہشت میں انبیاء و اولوالعزم کے درجہ میں جگہ ملیگی -

مولوی صاحب - بس تم بالکل پاگل ہوگئیں -

حسینی بیگم - پاگل ہوں میرے اور تمہارے دشمن - علامہ ابن حجر عسقلانی کو جانتے ہو

مولوی صاحب - ہاں ہاں وہ تو اہلحدیث کے بہت بڑے پیشوا تھے۔ انکے برابر کوئی محدث نہیں ہوا۔ انکے برابر مصنف محقق بھی شاید ہی کوئی ہوا ہو۔ انھوں نے صحیح بخاری کی بڑی شرح فتح الباری لکھی۔ صحابہ کے حالات میں بڑی بھاری کتاب اصابہ لکھی۔

حسینی بیگم - بس اسی اصابہ میں دیکھو لکھا ہے قال ما من عبد بکی یوم اصیب ولدی الحسین الا کان یوم القیامۃ مع اولی العزم من الرسل وقال البکاء فی یوم عاشوراء نور تام یوم القیامۃ یعنی جو شخص میرے فرزند حسینؑ پر بروز عاشورا رو ئیگا خدا اسکو بروز قیامۃ انبیاء اولی العزم کے ساتھ بہشت میں رکھیگا۔ یہ بھی فرمایا کہ عاشوراء کے روز رونا قیامت میں اعلے درجہ کا نور ہوگا (اصابہ جلد۲ ص۲۲۶ مطبوعہ مصر) اس سے زیادہ کے لئے کتاب وسیلۃ النجاۃ ص۳۰ و ینابیع المودۃ وغیرہ دیکھو۔

اڑتیسواں باب ۳۸

کیا امام حسینؑ پر تباکی کرنا چاہئے

مولوی صاحب - خیر یہ سب تو ہے مگر رافضی امام حسینؓ پر تباکی کرنے کا ثواب بھی بہت بیان کرتے ہیں۔ یہ کیسی مہمل بات ہے۔ ان لوگوں کو کب عقل آئیگی۔

حسینی بیگم - یہ تو تمہارے ہاں بھی بہت سی کتابوں میں ہے کہ جسکو رونا نہ آئے وہ تباکی کرے۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے سورہ زمر کی آخری آیات پڑھنے کے بارے میں فرمایا کہ فمن بکی منکم وجبت لہ الجنۃ یعنی جو روئیگا اس پر جنت واجب ہوگی صحابہ نے کہا ہم نے کوشش کی مگر رونا نہیں آیا تو فرمایا فمن لم یبک فلیتباک یعنی جو رو نہ سکے وہ تباکی کرے (تفسیر درمنثور جلد۵ ص۳۳۵) سورہ تکاثر کے بارے میں بھی حضرت نے یہی فرمایا کہ جو اسپر رو نہ سکے وہ تباکی کرے (درمنثور جلد۶ ص۳۸۷) کنز العمال میں بھی

متعدد حدیثیں ایسی ہیں کہ جو رو نہ سکے وہ تباکی کرے (دیکھو منتخب کنز العمال جلد اول ص ۱۷۳ و ۳۸۲ و ۳۸۳ و جلد ۳ ص ۳۱۸ و جلد ۴ ص ۹۷ وغیرہ)

مولوی صاحب ۔ مگر یہ تو قرآن سُننے کے بارے میں ہے ۔

حسینی بیگم ۔ ہاں مگر یہی تو ہے کہ جسکو رونا نہ آئے وہ تباکی کرے کہ یہی بکا کا قائم مقام ہوگا ۔ اور امام حسینؑ پر بکا کرنے کو میں پہلے ضروری ثابت کر چکی ہوں ۔ تو اب جن لوگوں کو رونا نہ آئے وہ تباکی کریں ۔ کیونکہ خود آنحضرت صلعم نے تباکی کو بکا کا قائم مقام فرمایا ہے

مولوی صاحب ۔ ہاں بات تو انصاف کی ہے ۔

حسینی بیگم ۔ اسی وجہ سے حضرت عمر کو بھی رونا نہ آتا تو تباکی کرتے تھے ۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے قال عمرؓ فغدوت الی النبیؐ و ابی بکرؓ وھما یبکیان فقلت ماذا یبکیک فان وجدت بکاء بکیت وان لم اجد بکاء تباکیت یعنی حضرت عمر نے کہا کہ میں صبح کو رسولِ خداؐ کے پاس پہونچا دیکھا وہ اور ابوبکر روتے ہیں میں نے کہا آپ کیوں روتے ہیں بتائیے کہ اگر مجھے بھی رونا آئیگا تو رووں گا ورنہ تباکی کروں گا (درمنثور جلد ۳ ص ۱۷۰ و مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۱۶۳)

اب خاص امام حسینؑ پر تباکی کرنے کا ثواب سنو ۔ ملا حسین کاشفی نے تحریر فرمایا ہے وگریہ در ماتم موجب حصول رضاء ربانی و سبب وصول بریاض جاودانی است ۔ چنانچہ در آثار آمدہ کہ من بکی علی الحسین او تباکی وجبت لہ الجنۃ یعنی ہر کہ بر حسین بگرید یا خود را بتکلف بگریہ دارد سزاوار باشد کہ او را بہ بہشت برند شیخ جار اللہ علامہ می فرماید کہ ہر کہ بر حسین بگرید بہشت مراورا واجب شود وہر کہ خود را گریاں فرا نماید بحکم من تشبہ بقوم فھو منھم در وعدہ وجبت لہ الجنۃ داخل است یعنی امام حسینؑ کے ماتم میں رونا خوشنودی خدا حاصل ہونے کا ذریعہ اور بہشت جاودانی میں پہونچنے کا سبب ہے ۔ حدیث میں ہے کہ جو حسین پر روئے یا تباکی کرے اُس پر بہشت واجب ہے ۔ شیخ جار اللہ علامہ نے فرمایا ہے کہ جو حسینؑ پر روئے بہشت اس پر واجب ہوگی اور جو اپنی صورت رونے والوں کی بنائے اس پر بھی بہشت واجب ہوگی کیونکہ حدیث میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم یعنی جو شخص کسی قوم کی صورت

بنائے وہ انھیں لوگوں میں ہوگا (روضۃ الشہدا ص ۲۷) اسی وجہ سے خدا نے دنیا میں بھی لوگوں کو خواب کے ذریعہ سے بتا دیا کہ جو امام حسینؑ پر روئیگا یا رونے والے کی صورت بنائیگا یا حسرت و افسوس کریگا اسکو خدا ضرور بخشدیگا اور اس پر جنت ضرور واجب ہوجائیگی چنانچہ مولانا محمد مبین صاحب فرنگی محلی نے لکھا ہے عمر بن لیث کہ از سلاطین خراسان بود و پہلوان و توانا و قوی دولت بود یا غیر او را در خواب دیدند و پرسیدند کہ چہ کرد خدائے تعالیٰ با تو و بچہ آمرزید ترا گفت روزے بر بلندی کوہے بودم و نظر کردم و مشرف شدم بہ لشکرہائے خود پس خوش آمد مرا کثرت ایشاں و حسرت خوردم کہ کاش در روز محاربہ حضرت امام حسین علیہ السلام و اہل بیت آنحضرت حاضر می بودم و مخذول می گردانیدم یزیدیان را پس بہ سبب ایں نیت آمرزید مرا خدائے تعالیٰ ہذا مافی مدارج النبوۃ (وسیلۃ النجاۃ) یعنی عمر بن لیث جو سلاطین خراسان سے ایک بہادر۔ پہلوان اور قوی دولت تھا یا کسی اور بادشاہ کو لوگوں نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا نے آپکے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور کس وجہ سے آپکو بخشدیا۔ اس نے کہا میں ایک روز پہاڑ پر چڑھا تو اپنے لشکر کو دیکھا اسکی کثرت پر نظر کی تو دل میں یہ حسرت پیدا ہوئی کہ کاش میں اس لشکر کے ساتھ بروز عاشورا حضرت امام حسینؑ اور حضرتؑ کے اہلبیت کے ساتھ ہوتا اور لڑکر یزیدی لشکر کو شکست دے دیتا۔ بس اسی نیت کی وجہ سے خدا نے مجھے بخشدیا یا اسی طرح ہے مدارج النبوۃ میں (وسیلۃ النجاۃ ص ۳۰۵) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب دہلوی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں اس کو لکھا ہے۔ اور خود حضرت رسولخدا صلعم کو جناب ام سلمہ و جناب ابن عباس نے جو خواب میں دیکھا کہ حضرت اپنی صورت غمگین بنائے اور بالوں کو پریشان اور خاک آلود کئے ہوئے ہیں۔ یہ بھی تباکی ہی تھا کیونکہ تباکی کا معنے رونے والے کی صورت بنانا اور آنحضرت صلعم نے یہ بھی کیا تھا۔ لہذا جس طرح امام حسینؑ پر رونا سنت رسولؐ ہے اسی طرح اس غم میں تباکی کرنا بھی سنت رسول صلعم ہی ہوا۔

انتالیسواں باب ۳۹

کیا کتب شیعہ میں امام حسینؑ پر نوحہ و ماتم کرنیکو منع کیا ہے

کئی روز تک اس مسئلے کے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی۔ اسی زمانہ میں حضرات اہل حدیث کا ایک بڑا اجلاس لاہور میں تھا جس میں دور دور سے علمار اہلحدیث خاص اہتمام سے بلائے گئے تھے۔ مولوی عبدالغفار صاحب بھی اسمیں مدعو ہوئے۔ آپ گئے اور تقریباً ایک ہفتہ وہاں رہ گئے۔ جب الہ آباد واپس آئے اور آرام کرنے کو کمرے میں پہونچے تو بیوی سے حالات سفر وغیرہ دیر تک بیان کرنے کے بعد سوتے وقت کہا

مولوی صاحب - اس دفعہ لاہور میں ایک رسالہ ملا جس کا نام ہے "ماتم کی شرعی حیثیت" جس میں حضرت رسولخداؐ حضرت علیؑ امام حسینؑ اور امام جعفر صادقؑ کے ارشادات گرامی اور اہلسنت اور شیعوں کی معتبر کتب سے ثابت کیا گیا ہے کہ نوحہ و ماتم حرام ہے اور تعزیے۔ گھوڑے کی نمائش و تعظیم کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں"۔

حسینی بیگم - یہ تو تم بڑا اچھا تحفہ لائے۔ کہاں ہے۔

مولوی صاحب - بس اب تم کو کیوں نیند آنے لگی۔ کتاب کا نام سنا اور شوق پیدا ہو گیا۔ اب اس وقت سو رہو۔ میرے بکس میں ہے کل نکال کر دیکھ لینا۔

حسینی بیگم - اچھا ہے۔ اس وقت سو ہی رہنا چاہئے۔ یہ کہکر چپ ہو گئیں۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد جب یقین ہو گیا کہ مولوی صاحب اطمینان کی نیند سو رہے ہیں تو دبے پاؤں اٹھیں مولوی صاحب کا بکس کھولا۔ وہ رسالہ نکالا اور تخت پر بیٹھکر اسے دیکھنے لگیں۔ ایک گھنٹے میں اس کو ختم کر دیا۔ پھر آہستہ سے اسکو اسی طرح بکس میں رکھکر بند کر دیا اور آکر سو رہیں۔ دوسرے دن مولوی صاحب اٹھکر اور ضروریات سے فراغت کر کے باہر گئے۔ جب رات کو پھر میاں بیوی جمع ہوئے تو:-

مولوی صاحب - کہو وہ رسالہ دیکھا تھا۔
حسینی بیگم - ہاں میں تو رات ہی دیکھ گئی۔
مولوی صاحب - میں تو جانتا ہی تھا۔ کتاب کا نام سنکر پھر تم کہاں سو سکتی ہو رسالہ تو خوب لکھا ہے۔
حسینی بیگم - خوب کی ایک ہی کہی۔ سوال از آسمان اور جواب از ریسمان ہے۔
مولوی صاحب - یہ کیونکر؟
حسینی بیگم (اٹھکر گئیں اور رسالہ لاکر بولیں) دیکھو اس میں پہلے حضرت حمزہ کی شہادت لکھی اور انکی بہن کا صبر دکھایا ہے۔ تو میں پہلے بیان کر چکی کہ رونا خلاف صبر نہیں ہے۔ حضرت رسولخدا صلعم اپنے فرزند ابراہیم کی موت پر روئے۔ پھر ظاہر کیا کہ یہ فعل خلاف صبر نہیں ہے۔ پھر لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب حمزہ پر نوحہ کرنے سے منع کیا"۔ اسکو بھی میں پہلے معتبر کتابوں سے ثابت کر چکی کہ خود حضرت ہی نے جناب حمزہؓ پر نوحہ کا اہتمام کیا ہے۔ شیعی کتابوں میں بھی یہی لکھا ہے۔ بحار الانوار انکی بڑی مشہور اور معتبر کتاب ہے اسکی جلد ۶ میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ پھر اس رسالہ میں لکھا ہے کہ "حضرت رسولخدا صلعم نے اپنی اولاد کی وفات پر کیا اسوہ قائم کیا"۔ اس کو بھی میں پہلے تفصیل سے بیان کر چکی کہ آنحضرتؐ خوب روئے اور یہ منافی صبر نہیں ہے۔ شیعی کتابوں بحار الانوار جلد ۶ وغیرہ میں بھی یہی ہے۔ پھر صہ ۱۳ میں لکھا ہے "جزع فزع کے خلاف حکم علی المرتضیٰ رضؓ" - یہ بھی صحیح ہے کہ جو شخص بغیر کسی کے قتل کیے یا زہر دیے ہوئے اپنے مرض یا اتفاقی حادثہ سے مر جائے اس پر جزع فزع نہیں کرنا چاہیے مگر امام حسینؑ ایسے نہیں ہیں بلکہ ان پر جس قدر جزع و فزع کیا جائے باعث خوشی خدا اور رسولؐ ہے۔ کیونکہ خود خدا نے اس غم میں جزع و فزع ظاہر کیا کہ آفتاب کو گہن لگ گیا۔ آسمان سے خون برسا۔ آسمان رویا۔ پتھروں کے نیچے سے خون تازہ جوش مارتا ہوا نکلا۔ حضرتؑ کی قبر پر ستر ہزار فرشتے مقرر کیے گئے کہ قیامت تک دن رات روتے رہیں۔ جن سب کی

دلیلیں پہلے گزر گئیں۔ پس جب امام حسینؑ عام میت نہیں ہیں تو جزع و فزع کا عام حکم بھی آپ سے متعلق نہیں ہوگا۔ بلکہ حضرتؑ پر جزع و فزع کرنا سنت رسولؐ کی پیروی ہے کیونکہ حضرتؐ نے تو اس قدر جزع و فزع کیا کہ خواب میں لوگوں نے آپ کو بال بکھرائے منہ پر مٹی ڈالے دیکھا۔ اس سے زیادہ جزع و فزع کیا ہوگا۔ پھر اس رسالہ کے صد ۱۵ پر لکھا ہے کہ "ماتم کے خلاف امام حسینؑ کا عمل و حکم" اور اسکی دلیل یہ دی ہے کہ کتاب انارۃ العمائر اور جلاء العیون میں لکھا ہے کہ "جناب امام حسینؑ نے وقت رخصت حضرت زینبؑ اور اہلبیتؑ کو صبر کی تاکید کی"۔ تو یہ بھی درست ہے مگر اس سے امام حسینؑ پر رونے یا نوحہ و ماتم کی ممانعت کیسے نکلی؟ یہ تو ثابت ہو چکا کہ رونا خلاف صبر نہیں ہے اور امام حسینؑ نے اپنے اوپر رونے یا نوحہ و ماتم کرنے سے منع نہیں کیا دیا پھر کے ہمارے علماء جمع ہو جائیں جب بھی اپنی یا شیعوں کی کتابوں سے اس کو ثابت نہیں کر سکتے کہ امام حسینؑ نے یا کسی امامؑ نے امام حسینؑ پر رونے یا نوحہ و ماتم کرنے سے منع کیا ہو۔ اور کوئی کیونکر منع کرتا جب خود حضرت رسولخدا صلعم اور جناب امیرالمومنینؑ اور جناب سیدہ اس غم میں برابر روتی رہی ہیں۔ پھر اس رسالہ کے صد ۱۷ میں اسکو ثابت کیا ہے کہ "حضرت رسولخدا صلعم کی رحلت امت کے لئے سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت تھی کسی امام و شہید کی مصیبت موت اسکے سامنے ہیچ ہے"۔ مگر یہ بالکل غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو آنحضرتؐ کے انتقال پر بھی آفتاب کو گہن لگتا۔ آسمان اس پر روتا۔ اس کا افق سرخ ہو جاتا۔ آسمان سے خون کی بارش ہوتی۔ حضرتؐ پر رونے کے لئے فرشتے مقرر کئے جاتے۔ مگر یہ سب کچھ نہیں ہوا اور حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر سب ہوا۔ اس وجہ سے ماننا پڑیگا کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت ہی امت کے لئے بھی سب سے بڑی مصیبت ہے اور جب حضرت رسولخدا صلعم ہی کے لئے یہ سب سے بڑی مصیبت تھی تو امت کے لئے کیوں نہیں ہوگی۔ اس رسالہ کے صد ۱۸ و ۱۹ میں اس پر بھی زور دیا ہے کہ "جب حضرت رسولخداؐ کی وفات۔ یا حضرت علیؑ و حضرت حسنؑ کی شہادت کی تاریخ روز ماتم نہیں قرار پائی تو روز عاشورا کیوں ہوا۔ اس کا

جواب بھی واضح ہے کہ ان لوگوں کی وفاۃ یا شہادت پر نہ خدا نے آسمان زمین سے نوحہ و ماتم کرایا نہ رسولخدا صلعم نے ماتم کیا مگر حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر یہ سب ہوا اس وجہ سے اس روز ایسا ہی کرنے سے خدا و رسولؐ خوش ہو سکتے ہیں۔ اس رسالہ کے صفحہ ۲۰ پر یہ بات ایجاد کی ہے کہ "زوجہ یزید نے امام حسینؑ پر ماتم کیا شیعہ اسکی تقلید کرتے ہیں" حالانکہ خود حضرت امام حسینؑ کی بہن زینبؑ و ام کلثوم اور امام زین العابدین علیہ السلام نے شام میں سات روز تک اس زور شور کا ماتم کیا ہے کہ شہر دمشق گویا ہلنے لگا (دیکھو ہمیں شیعوں کی کتاب بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۶ وغیرہ) پھر زوجہ یزید نے بھی ان لوگوں کی تقلید کی تو آج ہم لوگوں کا ماتم زوجہ یزید کی تقلید کیونکر کہا جائیگا؟ حضرت زینب و امام زین العابدینؑ کی تقلید ہند زوجہ یزید نے بھی کی اور آج تمام مسلمان بھی کرتے ہیں۔ ہند زوجہ یزید تو نماز بھی پڑھتی تھی۔ پھر آج جو تم نماز پڑھتے ہو تو کوئی عقل والا یہ کہ سکتا ہے کہ تم زوجہ یزید کی تقلید کرتے ہو؟ پھر صفحہ ۲۱ پر لکھا ہے "ماتم و نوحہ کی ممانعت پر متفقہ احادیث" یہ حدیثیں بھی اپنے اعزہ و احباب ان پر نوحہ و ماتم کرنے کے بارے میں ہیں کہ جو لوگ اپنی طبعی موت سے مرتے ہیں ان پر ماتم و نوحہ نہیں کرنا چاہیئے مگر حضرت امام حسینؑ تو تین روز کے بھوکے پیاسے دشمنوں کے ظلم و بے رحمی سے شہید کیئے گئے اور چونکہ خاصکر آپ پر خدا نے آسمان و زمین اور مخلوقات سے نوحہ و ماتم کرایا اور حضرت رسولخدا صلعم نے گریہ و بکا کیا اور بال پریشان کیئے اور منہ پر مٹی ڈالی اس وجہ سے اب ہر مسلمان کا بھی حضرت پر نوحہ و ماتم کرنا ضروری ہے۔ پھر صفحہ ۲۳ میں اس پر زور دیا ہے کہ "شیعی تفسیر سے نوحہ و ماتم کی ممانعت" تو یہ بھی امت کے مُردوں کے لئے ہے۔ مگر امام حسینؑ کا ماتم خاص اور سب سے علیحدہ ہے۔ کیونکہ حضرتؑ کے نوحہ و غم کا انتظام تو خدا و رسولؐ و صحابہ و تابعین و علماء کرام برابر کرتے رہے کہ آسمان روتا۔ آسمان سے خون برستا۔ رسولخدا صلعم بال پریشان کیئے اور منہ پر مٹی ڈالے دکھائی دیتے۔ صحابہ روتے روتے اندھے ہو جاتے مگر امام حسینؑ کے

نوحہ وغم کو نہیں چھوڑتے۔ اسی وجہ سے شیعی کتب میں بھی امام حسینؑ پر نوحہ ماتم کی بڑی تاکید کی اور اس کا بے حد وحساب ثواب لکھا ہے۔ یہ تک ہے کہ جو شخص حضرت پر نوحہ ماتم کرے گا وہ بہشت میں رسولخدا صلعم کے ساتھ ہوگا (دیکھو بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۳ وغیرہ) پھر اس رسالہ کے صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے "حوادث تازہ پر رونا فطرتی ہے اور حوادث قدیمہ پر بناوٹی" مگر یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ غنیۃ الطالبین صفحہ ۶۰ سے معلوم ہو چکا کہ خدا نے قبر امام حسینؑ پر ستر ہزار فرشتے مقرر کیے جو حضرتؑ پر قیامت تک روتے رہیں گے۔ پس وہ فرشتے آج بھی وہاں روتے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ حوادث قدیمہ پر رونا بناوٹی نہیں ہوگا۔ جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے ہاں مجالس امام حسینؑ منعقد ہونا اور حضرت شاہ صاحب کا بھی رونا پہلے بیان کر چکی ہوں۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ حوادث قدیمہ پر رونا بناوٹی ہے۔ شاہ صاحب سے کم از کم ایک ہزار برس پہلے واقعہ کربلا ہوا اس پر بھی حضرت شاہ صاحب روتے تھے۔ پھر صفحہ ۲۵ پر لکھا ہے کہ "مصنوعی ماتم کو حزن یعقوب سے کیا نسبت" یہ بھی بے تکی بات ہے۔ کون کہتا ہے کہ امام حسینؑ پر ماتم مصنوعی ہے۔ یہ تو ایسا فطری ہے کہ آج ہندو۔ آریہ عیسائی بھی واقعات کربلا سنتے ہیں تو تڑپ جاتے اور انکے جگر بھی پگھل جاتے ہیں۔ حضرتؑ کے ماتم کو مصنوعی کہنا حد درجہ کا ظلم نہیں تو کیا ہے۔ پھر صفحہ ۲۶ پر لکھا ہے کہ "حضرت یعقوب غم جناب یوسف میں روئے نہیں بلکہ صبر کیا" سبحان اللہ تمام کتابوں کو پس پشت ڈالدیا۔ تفسیر درمنثور تفسیر معالم التنزیل۔ تفسیر روح المعانی۔ تفسیر فتح البیان۔ تاریخ کامل وغیرہ کو دیکھو کہ حضرت یعقوب کس قدر اپنے فرزند پر روتے رہے۔ پھر صفحہ ۲۷ میں لکھا ہے "سیاہ ماتمی لباس کے خلاف شیعی علماء کے فتوے" مگر یہ فتوے بھی ان صورتوں کے ہیں جب انسان اپنے شوق سے سیاہ لباس پہنے۔ اور محرم کے زمانہ میں تو سیاہ لباس ایسے شوق سے نہیں بلکہ عزاداری اور غم امام حسینؑ میں تباکی (رونے والوں کی صورت بنانے) کے لیے پہنتے ہیں۔ پس اُس کا حکم اس پر کیونکر ہوگا۔ پھر صفحہ ۲۸ میں

لکھا ہے "اگر بازاروں میں ماتم کرنا کار ثواب ہوتا تو اس میں شیعی علماء شریک ہوتے نہ کہ زنان بازاری" یہ بھی عجیب بات لکھی ہے شیعہ علماء برابر بازاروں میں ماتم میں شریک ہوتے ہیں۔ ہاں جن عوام مسلمانوں کے ماتم میں بازاری عورتیں کھیل جاتی ہیں انکو چونکہ روکنے کا حق نہیں ہے اس وجہ سے وہاں سے علیحدہ ہو جاتے اور اس ماتم میں شریک ہوتے ہیں جس میں نامحرم عورتیں نہیں آتیں۔ اسی طرح پورا رسالہ محض تعصب اور اخفاء حق میں لکھا گیا اور ناقابل توجہ ہے۔

چالیسواں باب ۴۰

کیا بازاروں میں نوحہ و مرثیہ پڑھنا اور ماتم کرنا مناسب نہیں ہے

مولوی صاحب۔ مگر بازاروں میں تو نوحہ اور مرثیہ نہیں پڑھنا چاہئے تم ہی بتاؤ کہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر کی عورتوں کا ذکر برسر مجمع عام ہونے سے کیسی شرم ہوتی ہے کہ ہم مسلمان کٹ کٹ مرتے ہیں۔ پردہ نشین عورتوں کے حالات سڑکوں پر پڑھنا ظلم نہیں تو کیا ہے؟

حسینی بیگم۔ اگر عقل و انصاف سے کام لو تو اپنے اس خیال کو بھی صحیح نہیں پاؤ گے

مولوی صاحب۔ وہ کس طرح تم تو ہر بات میں میری ہی غلطی بتاتی ہو۔

حسینی بیگم۔ ہر صاحب عقل اس بات کو جانتا اور سمجھتا ہے بلکہ یہ مسئلہ بدیہی طور پر تسلیم شدہ ہے کہ مظلوم سے محبت ہمدردی مواساۃ اور ظالم سے نفرت عداوۃ یا کم از کم اس پر نفرین و ملامت اور اسکے فعل سے بیزاری اور علیحدگی اختیار کرنا ہر شخص ضروری بلکہ انسانیت کا مقتضے جانتا ہے۔ دنیا کا کوئی صاحب عقل یا کسی مذہب کا پیرو اس سے انکار نہیں کر سکتا اور یہ بھی واضح ہے کہ مظلوم سے ہمدردی اور محبت اور ظالم سے علیحدگی اور نفرت اس وقت تک ہا نہیں ہو سکتی جب تک یہ نہ معلوم

ہو جائے کہ وہ شخص کون ہے جس پر ظلم کیا گیا اور وہ فعل کیا ہے جو ظلم ہے اور وہ شخص کون ہے جس نے یہ ظلم کیا یا اس ظلم کا بانی ہوا۔ اسی سبب سے ابتدا ہی سے علمار و عقلار زمانہ نے فن تاریخ ایجاد کیا تاکہ ہر شخص کے حالات اسکے ذریعہ سے معلوم ہو سکیں اور اچھے بُرے کی تمیز ہو سکے جس سے لوگ ظالموں کی عادات سے الگ ہیں اور مظلومین کے صبر و تحمل کی خوبیاں اپنے میں پیدا کریں۔ پس اگر مظلوموں اور ظالموں اور انکے ظلموں کا تذکرہ کتابوں میں نہ کیا جائے تو فن تاریخ ناقص اور بے نتیجہ چیز ہو جائے۔

مولوی صاحب ۔ یہ تم علم تاریخ کی بحث کیا چھیڑ بیٹھیں۔ کون نہیں جانتا کہ علم تاریخ ضروری علم ہے۔

حسینی بیگم ۔ تم ہی کہتے ہو کہ آنحضرت صلعم کے گھر کی عورتوں کا ذکر برسر مجمع عام کرنا مناسب نہیں ہے۔ پھر تاریخوں میں انبیار کی مظلومیت کے تذکرے کیوں کئے گئے اُنکی عورتوں کے حالات کیوں لکھے گئے جنکے سبب سے کئی ہزار برس کے بعد بھی ابتک تمام دنیا کے لوگوں کو ان باتوں کا علم ہو جاتا ہے کہ فلاں پیغمبر کی بیوی نے یہ کیا۔ فلاں نبی کی بہن بیٹی پر یہ گزرا۔ کیا بازار وں سے زیادہ کتابوں کے اوراق سے ان واقعات کا اشتہار نہیں ہوتا؟

مولوی صاحب ۔ خیر علم تاریخ تو خدا یا رسولؐ کا لکھا ہوا نہیں ہے۔

حسینی بیگم ۔ کیا خوب۔ تو جو علم خدا و رسول کا لکھا ہوا نہیں ہو اس کو چھوڑ دو۔ اچھا قرآن شریف ہی دیکھو۔ اللہ پاک نے بھی اسمیں انبیار کرام کی بیویوں۔ بہنوں اور بیٹیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جیسے حضرت آدمؑ کے قصہ میں انکی بیوی حضرت حوا کا ذکر کیا اور ان کا حال صاف صاف لکھدیا جسکو آج ہر مسلمان بڑا ہو یا بچہ پڑھتا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ ... فوسوس لھما الشیطان لیبدی لھما ما وری عنھما من سوآتھما ... فدلھما فلما ذاقا الشجرۃ بدت لھما سوآتھما وطفقا یخصفان علیھما من ورق الجنۃ ... قالا ربنا ظلمنا انفسنا یعنی اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو ... پھر شیطان نے دونوں کو بہکایا تاکہ انکی شرم گاہیں کھولدے

غرض شیطان نے انکو دھوکے سے مائل کر لیا تو جوں ہی انھوں نے درخت چکھا دونوں کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں اور لگے بہشت کے پتوں کو اپنے اوپر ڈھکنے.... ان دونوں نے کہا اے پروردگار ہم نے اپنے تئیں آپ تباہ کیا (پ ع ۹)

مولوی صاحب۔ تو سڑکوں پر مرثیہ نوحہ پڑھنے اور خاندان رسولؐ کی عورتوں کے ظلموں کے بیان کرنے سے اس کو کیا مناسبت ہوئی۔

حسینی بیگم۔ کیا خوب۔ جس طرح مرثیہ نوحہ پڑھنے میں یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ دشمنوں نے اہلبیت رسولؐ پر یہ ظلم کیا۔ اسی طرح اس آیۃ میں خدا نے یہ ذکر کیا ہے کہ شیطان نے حضرت آدم اور حوا پر ایسا ظلم کیا کہ انکی شرمگاہیں نظر آنے لگیں (تمہارے خیال کے مطابق) اس سے زیادہ شرمناک بات اور کیا ہوتی۔ پھر فرمایا ہے یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنۃ ینزع عنہما لباسہما لیریہما سواتہما یعنی اے بنی آدم شیطان تم کو بھی بہکا نہ دے جس طرح اس نے تمہارے باپ آدم اور ماں حوا کو بہشت سے نکال دیا کہ لگا ان کا لباس تروانے تا کہ انکی شرمگاہیں ظاہر ہو جائیں۔ (پ رکوع ۱۰) حضرت آدم و حوا کا قصہ قرآن مجید میں کئی جگہ ہے میں کس کس کو پڑھوں اسی طرح حضرت لوط کی بیوی اور بیٹیوں کا ذکر بھی خدا نے بالکل بے شرمی اور بے تکلفی سے کیا ہے حضرت لوط نے اپنی قوم سے فرمایا یاقوم ھولاء بناتی ھن اطہر لکم اے میری قوم یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں۔ یہ سب تم لوگوں کے لئے زیادہ پاکیزہ ہیں۔ ولا یلتفت منکم احد الا امراتک انہ مصیبہا ما اصابہم یعنی تم میں سے کوئی مڑ کر بھی نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی کہ جو عذاب ان لوگوں پر ہونے والا ہے اس پر بھی ہوگا۔ (پ ۱۲ ع ۷) قال ہؤلاء بناتی ان کنتم فاعلین۔ یعنی حضرت لوط نے فرمایا کہ اگر تم کو ایسا ہی کرنا ہے تو یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں ان سے جو کرنا ہو کر لو.... یہ بھی فرمایا واتقوا اللہ ولا تخزون یعنی خدا سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو (پ ۱۴ ع ۵) اسی طرح حضرت شعیب پیغمبر اور انکی بیٹیوں کے حالات پڑھو کہ جب حضرت موسیٰ ان کے گاؤں میں پہونچے وجد

من دونهم امرأتين تذودان یعنی وہاں حضرت موسیٰ نے اور لوگوں سے الگ دو
عورتوں کو دیکھا کہ اپنی بکریوں کو روکے کھڑی ہیں ... فجاءته احدٰهما تمشی علی استحیاء
یعنی اتنے میں حضرت موسیٰ کے پاس ان عورتوں سے ایک شرماتی ہوئی پہونچیں ۔ بتاؤ یہ
پیغمبر زادیوں کے اور غیر مردوں کے مجمع میں رہنے کا ذکر کر کے کیا خدا نے انکی توہین کی ؟ اچھا
اب حضرت عیسےٰ اور انکی مادر گرامی حضرت مریم کے حالات کو پڑھو جب حضرت مریم
کے پاس فرشتہ آیا تو انھوں نے کیسے شرم کی بات کہی لم یمسسنی بشر ولم اک بغیا
یعنی نہ تو کسی مرد نے مجھے لپٹایا اور نہ میں بدکار ہوں ... فاتت به قومها تحمله قالوا یا
مریم لقد جئت شیئا فریا یا اخت هارون ما کان ابوک امرأ سوء وما کانت
امک بغیا جب حضرت مریم اپنا وہ لڑکا جو بے باپ کے پیدا ہوا تھا اپنی قوم کے پاس
لائیں تو لوگوں نے کہا اے مریم یہ تو تو نے بہت ہی شرمناک حرکت کی ہے ۔ اے
ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی (پ ۱۶ ع ۵)
انصاف کرو کہ حضرت مریم کا واقعہ کس درجہ قابل اخفا رتھا کہ بغیر باپ کے آپ کے بطن سے
حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے ۔ جن کو یہود تو معاذ اللہ جو کہتے ہیں وہ بیان ہی نہیں ہو سکتا
جو لوگ عیسائی یا مسلمان نہیں ہیں وہ بھی کس قسم کا خیال ان کے متعلق کرتے ہیں ۔ خدا
نے اپنی قدرت سے حضرت عیسےٰ کو پیدا کیا تھا تو خیر ایک بات ہو چکی تھی اسکے ڈھنڈھورا
پیٹنے کی کیا ضرورت تھی کہ قرآن مجید میں اس شد و مد سے اس واقعہ کا ذکر کر دیا جس کا نتیجہ یہ
ہے کہ آج جو لوگ اس واقعہ کو نہیں بھی جان سکتے تھے قرآن مجید سے جان جاتے اور
اور ہر ماہ اسکی تلاوت کر کے اسکی یاد تازہ کرتے ہیں ۔ پس اگر عورتوں کا ذکر باعث شرم اور
سبب انکی توہین کا ہوتا تو خود خدائے پاک اس سے باز رہتا ۔ اسی طرح حضرت رسولخدا
صلعم کی بیوی جناب زینب کا ذکر خدا نے اس طرح کیا ہے واذ تقول للذی انعم الله
علیه وانعمت علیه امسک علیک زوجک واتق الله وتخفی فی نفسک ما الله مبدیه
یعنی اے پیغمبر اس بات کو بھی یاد کرو جب تم اس شخص (زید) کو سمجھاتے تھے جس پر اللہ

نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ اپنی زوجہ کو رہنے دو اور اللہ سے ڈرو اور تم اس بات
کو اپنے جی میں چھپاتے تھے جسکو اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ فلما قضی زید منہا وطرا
زوجنا کہا یعنی جب زید اپنی بیوی سے بے تعلقی کر چکا (یعنی طلاق دے دی اور عدۃ
کی مدت پوری ہوگئی) تو ہم نے تمہارے ساتھ اسکی شادی کر دی (پ ۲۲ رکوع ۲) پھر
عام طور پر ازواج رسول کا تذکرہ کیا کہ یا نساء النبی من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ
یضاعف لہا العذاب ضعفین یعنی اے رسول صلعم کی بیبیو تم میں سے جو بیوی کھلی ہوئی
بدکاری کرے گی اسکو دہرا عذاب کیا جائیگا ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع
الذی فی قلبہ مرض یعنی اگر تم کو پرہیزگاری منظور ہے تو چبا چبا کر کسی سے باتیں نہ کرو کہ
ایسا کروگی تو جسکے دل میں کھوٹ ہے اسکے دل میں تمہارا لالچ پیدا ہوگا (پ ۲۲ رکوع ۱)
اور حضرت عائشہ و حفصہ کے بارے میں بھی فرمایا اور کیسے شرمناک واقعہ کا تذکرہ بھی کر دیا
ارشاد ہوتا ہے واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فلما نبات بہ واظہرہ
اللہ علیہ عرف بعضہ واعرض عن بعض یعنی جب میرے رسول صلعم نے اپنی بعض بیوی
سے ایک راز کی بات کہی اور اس بیوی نے اس راز کو دوسری سے کہہ دیا اور خدا نے
اپنے رسول صلعم کو مطلع کر دیا کہ تمہاری بیوی نے تمہارا بھید کھول دیا تو رسول نے کچھ جتایا اور
کچھ ٹال دیا۔ ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما وان تظاہرا علیہ فان اللہ
ہو مولاہ وجبریل وصالح المومنین والملئکۃ بعد ذلک ظہیرا یعنی اے عائشہ و
حفصہ اگر تم دونوں توبہ کرو تو خیر ہے کیونکہ تم دونوں کے دل گمراہ ہو چکے لیکن اگر پیغمبر کے خلاف
میں سازشیں ہی کرتی رہوگی تو کچھ پروا نہیں کیونکہ انکا مددگار اللہ اور جبریل اور صالح المومنین
اور فرشتے ہیں (پ ۲۸ ع ۹)۔ غرض خود قرآن مجید میں بڑے بڑے نبی اور رسول حضرت
آدم۔ حضرت ایوب۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت سلیمان۔ حضرت لوط۔ حضرت یوسف۔ حضرت
عیسٰی۔ حضرت رسولخدا صلعم کی بیبیوں۔ بہنوں اور بیٹیوں کے تذکرے بھرے ہوئے
ہیں۔ پس اگر عورتوں کا ذکر باعث شرم اور سبب توہین ہوتا تو خدا قرآن شریف میں ان

باتوں کو ذکر کیا اشارہ بھی نہیں فرماتا۔

اکتالیسواں باب ۴۱

تعزیہ بنانا جائز ہے یا نہیں من جدد قبرا او مثل مثالا کا مطلب

مولوی صاحب۔ مگر رافضی صرف اپنے گھروں میں نوحہ و مرثیہ نہیں پڑھتے بلکہ ایک بت بنا کر اسکو تمام گھماتے اور انکے ساتھ ان ذلتوں کو چیخ چیخ کر پڑھتے اور لوگوں کو سناتے ہیں اس کو تو ہر شخص بت پرستی اور شرک ہی کہیگا۔

حسینی بیگم۔ رافضی بت کیسا اور کب بناتے ہیں۔

مولوی صاحب۔ کیا تم نہیں جانتیں یہ جو محرم میں کاغذ اور بانس کی تیلیوں سے بناتے ہیں کیا ہے

حسینی بیگم۔ وہ تو تعزیہ ہوتا ہے۔ حضرت امام حسینؑ کے روضہ مبارکہ کی شبیہ۔

مولوی صاحب۔ یہی تو بت ہے۔ قبر کی شبیہ بنانا اور رکھنا بت پرستی نہیں تو اور کیا ہے۔ اور لطف یہ کہ خود انکی کتابوں میں اس کو منع کیا ہے۔ انکی بڑی معتبر کتاب من لایحضرہ الفقیہ میں خود سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ من جدد قبرا او مثل مثالا فقد خرج عن الاسلام۔

حسینی بیگم۔ تو اس سے تعزیہ بت کیسے ہو جائیگا۔ دیکھو ہمارے اور تمہارے پیشوائے اعظم مولانا وحید الزماں خاں صاحب حیدر آبادی نے تحریر فرمایا ہے "من جدد قبرا او مثل مثالا فقد خرج من الاسلام جس نے قبر کو نیا کیا اسکی مرمت کی۔ اس پر گلادہ یا چونا کاری کی یا قبر کو کھود کر اسمیں سے لاش نکالی یا مورت جاندار کی بنائی یا بدعۃ نکالی وہ اسلام سے باہر ہو گیا" (انوار اللغۃ پارہ ۵ صہ ۱۸) اس حدیث کا مطلب واضح ہے کہ (۱) جو شخص تجدید قبر کرے یعنی قبر کھود کر اسمیں کسی اور کو دفن کرے (۲) جو شخص کوئی مورت بنائے وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اور اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق

ہے کہ قبر کی تجدید کرنی یعنی ایک پرانی قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کرکے اس کو نئی قبر بنانا
حرام ہے نہ یہ کہ کسی قبر پر مٹی ڈالنا یا اسکی مرمت کرنا حرام ہو۔ چنانچہ مولانا نے بھی یہی
لکھا کہ "قبر کو کھود کر اس میں سے لاش نکالے" بس یہی تجدید قبر کا معنے ہے۔ اگر اور
کوئی مطلب ہوتا تو من جدد قبرا نہیں فرماتے بلکہ من اصلح قبرا (جو شخص کسی قبر کو
درست کرے یا مرمت کرے) فرماتے۔ رہا دوسرا جملہ تو وہ بھی ٹھیک ہے کہ کسی جاندار
کی تصویر بنانا منع کیا گیا ہے۔ لیکن بے جان چیزوں کی تصویر بنانا تو ممنوع نہیں ہوا
اگر بے جان چیزوں کی تصویر منع ہوتی تو ایک مسجد کی نقل دوسری مسجد بنائی جاتی ہے وہ
بھی منع ہوتی۔ ایک قرآن کی مثال دوسرا قرآن لکھا اور چھاپا جاتا ہے وہ بھی منع ہوتا
تم نے ایک اچھی انگوٹھی کسی کے ہاتھ میں دیکھی ویسی ہی خود بھی بنوائی جو اسکی مثال کہی
جائیگی۔ تو یہ کیا حرام ہو جائیگی؟ ایک عمدہ مکان نظر آیا۔ اسکی نقل میں نے بھی ایک مکان
بنوایا۔ تو کیا اُس مکان کے ایسا دوسرا مکان بنوانے سے کوئی اسلام سے خارج ہو جائیگا
پس تعزیہ بھی کسی جاندار چیز کی مثال نہیں ہے بلکہ بے جان چیز روضہ حضرت امام حسینؑ
کی مثال ہے۔ اس کا بنانا اسی طرح جائز ہے جس طرح ایک مسجد کی مثال دوسری مسجد
بنوانی یا ایک قرآن کے مثل دوسرا قرآن لکھنا یا چھاپنا۔ مولانا ممدوح نے اس کو بھی صاف
صاف لکھدیا ہے فرماتے ہیں "من مثل مثالا خرج من الاسلام جو شخص جاندار
کی صورت بنائے وہ اسلام سے نکل گیا۔ مجسم صورت جاندار کی بنانا تو باتفاق حرام ہے
اُس کو توڑ ڈالنا شیوہ اسلام ہے لیکن نقشی تصویر میں فوٹو گراف کی تصویر میں اختلاف بھی
غیر جاندار کی تو بالاتفاق درست ہے۔ اور جاندار کی بعضوں نے جائز رکھی ہے" دیکھو
(انوار اللغۃ پ ۲۴ ص ۱۶) اس عبارت میں غور کرنے کے بعد بتاؤ کہ قبر امام حسینؑ تو غیر جاندار
ہی چیز ہے۔ پھر اسکی تصویر یا مثال بھی (جو تعزیہ ہوتا ہے) بالاتفاق درست ہوئی
اب صحیح بخاری شریف کی اس عبارت کو بھی دیکھو قال النووی قال اصحابنا وغیرہم
من العلماء تصویر صورۃ الحیوان حرام شدید التحریم لان فیہ مضاھاۃ لخلق اللہ

... واما تصویر صورۃ الشجر ورحال الابل وغیر ذلک مما لیس فیہ صورۃ حیوان فلیس بحرام ھکذا حکم نفس التصویر یعنی علامہ نووی بیان کرتے تھے کہ ہمارے اصحاب اور نیز دیگر علماء کا قول ہے کہ حیوان کی تصویر بنانا شدید حرام ہے کیونکہ اسمیں خلق خدا سے مشابہت ہوتی ہے۔ لیکن درخت۔ پالان شتر یا کسی غیر ذی روح چیز کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے یہی حکم بنی ہوئی تصویر کا ہے یعنی تصویر ذی روح خواہ کسی چیز پر بنی ہوئی ہو اس کا رکھنا حرام اور ناجائز ہے لیکن غیر ذی روح کی تصویر کا بنانا جس طرح جائز ہے اس کا رکھنا بھی جائز ہے (حاشیہ بخاری شریف جلد ۲ پارہ ۲۸ صـ ۸۸۰ مطبوعہ نظامی کانپور) اب تو صاف ہو گیا کہ تعزیہ کا بنانا اور رکھنا جائز ہے کیونکہ یہ ایک غیر ذی روح چیز (روضہ امام حسینؑ) کی تصویر ہے۔ اگرچہ بعض روایات صحاح سے ثابت ہوتا ہے کہ ذی روح کی تصویر بنانا اور رکھنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں ہے عن عائشہ ان جبریل جاء بصورتھا فی خرقۃ حریر خضراء الی النبیؐ فقال ھذہ زوجتک فی الدنیا والاخرۃ یعنی حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ جناب جبریل میری تصویر ایک ریشمی کپڑے کے ٹکڑے میں حضرت رسولؐ کے پاس لائے اور کہا دنیا و آخرۃ میں یہ آپکی بیوی ہیں (جامع ترمذی جلد ۲ صـ ۲۲۸) اس سے معلوم ہوا کہ خود خدا نے حضرت عائشہ کی تصویر بنوائی۔ اور سنو عن عائشہ قالت کنت العب بالبنات عند رسول اللہؐ وکان لی صواحب یلعبن معی وکان رسول اللہ اذا دخل۔ ینقمعن منہ فیسربھن الی فیلعبن معی یعنی حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ میں حضرت رسولخدا صلعم کے پاس ہی گڑیاں کھیلا کرتی تھی اور میری ہمجولیاں بھی میرے ساتھ گڑیاں کھیلا کرتیں اور حضرت رسولخدا صلعم جب میرے پاس آتے تو میری ہم جولیاں سرک جایا کرتی تھیں مگر حضرت رسولخدا صلعم ان سب کو میرے پاس بھیجدیتے تھے تو وہ میرے پاس آکر کھیلنے لگتی تھیں (صحیح بخاری جلد ۲ پارہ ۲۵ صـ ۹۰۵) یہ حدیث صحیح مسلم جلد ۲ صـ ۲۸۵ وغیرہ میں بھی ہے عن عائشہ قالت کنت العب بالبنات وانا عند رسول اللہؐ فکان یسرب الی صواحباتی یلاعبنی یعنی حضرت عائشہ بیان

فرماتی تھیں کہ حضرت رسولخدا صلعم کے پاس میں گڑیاں کھیلا کرتی تھی اور حضرت میری ہمجولیوں کو بھی میرے پاس بلا بھیجتے تھے جو آ کر میرے پاس کھیلنے لگتی تھیں (سنن ابن ماجہ جلد ۱ صـ۱۴۳) عن عائشۃ قالت کنت العب بالبنات فربما دخل علیّ رسول اللہؐ وعندی الجواری فاذا دخل خرجن واذا خرج دخلن یعنی حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ میں برابر گڑیاں کھیلا کرتی تھی اسی حالت میں اکثر حضرت رسولخدا صلعم میرے پاس پہونچ جاتے تھے اور وہ ہمجولیاں بیٹھی رہتی تھیں لیکن جب حضرت میرے پاس آجاتے تو وہ سب ہٹ جاتیں اور جب حضرت چلے جاتے تو پھر چلی آتی تھیں (سنن ابوداؤد جلد ۴ صـ۳۱۹) یہ روایت بھی سُن رکھو عن عائشۃ قالت قدم رسول اللہؐ من غزوۃ تبوک او خیبر وفی سهوتها ستر فهبت الریح فکشفت ناحیۃ الستر عن بنات لعائشہ لعب فقال ما ھذا یا عائشۃ۔ قالت بناتی ورای بینھن فرسا لہ جناحان من رقاع فقال ما ھذا الذی اری وسطھن قالت فرس ۔ قال وما ھذا الذی علیہ ۔ قلت جناحان ۔ قال فرس لہ جناحان ۔ قالت اما سمعت ان لسلیمان خیلا لہا اجنحۃ قالت فضحک رسول اللہؐ حتی رائیت نواجذہ یعنی حضرت عائشہ بیان فرماتی تھیں کہ حضرت رسولخدا صلعم غزوۂ تبوک یا غزوۂ خیبر سے واپس تشریف لائے تو میرے گھر پر وہ پڑا ہوا تھا۔ اتنے میں ہوا چلی جسنے اُس پردے کو ہٹا دیا جو میری گڑیوں پر پڑا ہوا تھا۔ آنحضرتؐ نے فوراً پوچھا عائشہ یہ کیا ہے ۔ میں نے جواب دیا میرے کھیلنے کی گڑیاں ہیں۔ ان گڑیوں کے درمیان ایک گھوڑا بھی تھا جسکے دونوں طرف پر لگائے ہوئے تھے۔ حضرتؐ نے اسکی طرف اشارہ کر کے پوچھا اور یہ کیا چیز ہے؟ میں نے کہا گھوڑا۔ حضرت نے پوچھا اور یہ (دونوں طرف) کیا ہے ۔ میں نے کہا گھوڑے کے پر ہیں۔ آنحضرت نے پوچھا کیا گھوڑے کے بھی دونوں طرف پر ہوتے ہیں؟ میں نے کہا کیا آپ نے نہیں سُنا کہ حضرت سلیمان پیغمبر کے گھوڑا تھا جسکے پر بھی تھے ۔ یہ سنکر حضرتؐ اس قدر

ہنسے کہ آپ کے دانت دکھائی دینے لگے (سنن ابو داؤد جلد ۴ صفحہ ۲۹۴) ان صحیح حدیثوں سے ثابت ہوا کہ ذی روح کی سایہ دار تصویر بنانا اور رکھنا بھی جائز اور حلال بلکہ ایسا ہے جو خود حضرت رسولخدا صلعم کے گھر میں ہوتا اور حضرتؐ اوسکو پسند فرماتے۔ اگر یہ ذرہ برابر بھی برا یا مکروہ ہوتا تو آنحضرت صلعم ضرور اس سے نفرت ظاہر فرماتے۔ ان گڑیوں میں آگ لگا دیتے۔ یا کم از کم ان سب کو پھینک دیتے اور حضرت عائشہ کو منع فرماتے کہ خبردار آئیندہ اس قسم کی چیزیں نہ بنانا نہ رکھنا۔ اسکے عوض حضرت ان گڑیوں اور انکے کھیل کو اس درجہ پسند فرماتے اور اس قدر خوش ہوتے تھے کہ حضرت عائشہ کی ہمجولیوں کو بھی بلا کر بھیجتے تھے کہ جاؤ کھیلو۔ پس جب ذی روح کی سایہ دار تصویر بنانا اور رکھنا جائز اور سنت رسولؐ ہے تو تعزیہ بنانا۔ رکھنا۔ سڑکوں پر گھمانا بدرجہ اونی جائز اور حلال ہے جس پر کوئی اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔

بیالیسواں باب ۴۲

تعزیہ کی ضرورت کیا ہے۔ اسکی ایجاد کب ہوئی۔ اسکی تاریخ

مولوی صاحب۔ مگر اسکی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیا صرف حضرت حسینؓ کے مصائب سُننے سے رونا نہیں آتا جو خواہ مخواہ حضرتؐ کے روضہ کی نقل بنا کر اور اوسے دیکھکر رونے کی کوشش کیجاتی ہے۔

حسینی بیگم۔ جو ضرورت حضرت رسولخداؐ کے لئے تھی کہ خدا نے حضرت کو صرف امام حسینؑ کے مصائب سے خبر نہیں دی بلکہ حضرتؐ کے پاس گویا تعزیہ بھی بنوا کر بھیجا تاکہ حضرت کو اسے دیکھکر زیادہ رونا آئے۔ بہت بے تاب ہوں۔ شدت سے روئیں۔

مولوی صاحب۔ معاذ اللہ یہ کیا کفر بکنے لگیں۔ خدا نے کب اور کیوں حضرتؐ کے پاس تعزیہ بنوا کر بھیجا۔

حسینی بیگم۔ میں پہلے کئی دفعہ یہ روایۃ بیان کر چکی ہوں کہ ام الفضل بیان کرتی
تھیں کہ میں نے حضرت رسولخدا صلعم سے عرض کی کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ کے
جسم کا ٹکڑا میری گود میں رکھدیا گیا حضرت نے فرمایا فاطمہؑ کا بیٹا تمہاری گود میں رہیگا
واقعاً ایسا ہی ہوا۔ پھر ایک روز میں نے امام حسینؑ کو حضرتؐ کی گود میں دیا تو حضرت
رونے لگے۔ میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا میری اُمۃ اسے قتل کریگی اور جبرئیلؑ نے
انکے قتل گاہ کی سرخ مٹی بھی دی ہے (مشکوٰۃ شریف جلد ۵ صفحہ ۱۴۰)۔ اسی جملہ پر
غور کرو کہ خدا نے جناب جبرئیلؑ کے ذریعہ سے آنحضرتؐ کے پاس امام حسینؑ کے قتل گاہ
کی سرخ مٹی بھیجی۔ یہ معلوم ہے کہ کربلا کی مٹی پہلے سے سرخ نہیں تھی بلکہ جو رنگ ہمیشہ
وہاں کی مٹی کا تھا ویسی ہی تھی۔ مگر خدا نے اس مٹی کو وہاں سے نکلوا کر سرخ کرایا
تب حضرت کے پاس بھیجا یعنی امام حسینؑ کے قتل گاہ کی مٹی حضرتؑ کی شہادۃ اور آپکا
خون بہنے کے بعد جیسی سرخ ہونے والی تھی ویسی ہی سرخ خدا نے اس مٹی کو بنوایا
غرض اس مٹی کی شبیہ طیار کرائی اور حضرت رسولخدا صلعم کے پاس بھیجی تاکہ حضرت
اس کو دیکھکر سمجھیں کہ امام حسینؑ کے قتل ہونے سے وہاں کی مٹی ایسی ہی سرخ ہو جائیگی
اور اس وجہ سے آپ اس زمین کا تصور کریں اور ان مصائب کا تذکر کرکے خوب روئیں
اور اپنی آنکھوں سے آنسو کے دریا بہائیں۔ اگر خدا امام حسینؑ کے قتل گاہ کی زمین
کی شبیہ نہیں بنواتا تو وہ مٹی اپنے معمولی رنگ پر رہتی سرخ نہیں ہو جاتی مگر خدا نے
شہادۃ کے وقت کی مٹی کی شبیہ بنا کر اس مٹی کو سرخ کردیا تب بھیجا۔ پس جب خدا نے
امام حسینؑ کے قتل گاہ کی شبیہ بنا کر وہ سرخ مٹی بھیجی تو معلوم ہوا کہ حضرتؑ کے قتل گاہ
یا روضہ کی شبیہ بنانا خدا کی عملی تعلیم ہے۔ اب وہ شبیہ خواہ مٹی کی صورت میں بنائی
جائے خواہ تعزیہ کی صورت میں خواہ دلدل۔ علم۔ تابوت کی صورت میں۔ سب خدا
ہی کی تعلیم کی پیروی کہی جائیگی۔ البتہ بعد کو ان باتوں میں ترقی ہوتی گئی اور بہت کچھ
اضافہ بھی ہوا مگر یہ اضافہ ویسا ہی ہے جیسا حضرت رسولخدا صلعم کی مسجد مدینہ کے

اضافے ہوئے۔ جناب مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے مسجد مدینہ کے حالات میں لکھا ہے "مسجد نبوی طیار ہوئی تو اسلام کی سادگی کا بہترین نمونہ تھی۔ لکڑیوں کے ستون تھے۔ کھجور کی شاخوں کی چھت اور پتھر کی چوکھٹ تھی حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی میں صرف اضافہ کیا تھا مگر اسکی اصلی ہیئت قائم رکھی تھی لیکن حضرت عثمانؓ نے مسجد کا پورا نقشہ ہی بدلنا چاہا ... نہایت شان و شوکت کے ساتھ مسجد نبوی کو تعمیر کرایا ... ولید نے ان سب کا کفارہ کردیا اردگرد کے مکانات کے ساتھ ازواج مطہرات کے حجرے بھی تھے جو رسول اللہؐ کے زہد و تقشف کی یاد گار تھے بجبر مسجد میں شامل کرلئے ... آس پاس کے مکانات کو ڈھاکر زمین ہموار کیگئی اور ۸۸ھ یا ۹۱ھ ہجری میں نہایت وسیع پیمانہ پر تعمیر کا کام شروع ہوا ... ولید نے جب گھوم پھر کے اچھی طرح مسجد کی سیر کرلی تو حضرت ابان بن عثمان کیطرف مخاطب ہوکر فخریہ لہجہ میں کہا کہ ہماری عمارت کہاں اور تمہاری عمارت کہاں۔ ابان نے جواب دیا کہ ہم نے مسجد بنوائی تھی اور تم نے گرجا بنوایا ہے" (رسالہ معارف اعظم گڈھ جلد ۱ نمبر ۳ ص ۲۳) غرض جس طرح اس کثرت سے اضافہ ہونے کے بعد بھی مدینہ کی مسجد کو سب لوگ مسجد رسولؐ ہی کہتے ہیں بالکل اسی طرح کچھ اضافہ ہونے کے بعد بھی موجودہ تعزیہ وہی ہے جسکو خدا نے ۴ھ ہجری میں ایجاد کیا اور جناب رسولخدا صلعم کے پاس بھیجا اور حضرت نے اس تعزیہ کو جناب ام سلمہ کے پاس بغرض حفاظت رکھوایا۔ اگر یہ کسی آدمی کا فعل ہوتا تو یہ لوگ حضرت رسولخدا صلعم حضرت فاطمہؑ۔ حضرت علیؑ۔ حضرت حسنؑ کی قبروں کی شبیہ کیوں نہیں بناتے۔ کسی نے حضرت سیدہ یا حضرت علیؑ یا حضرت حسنؑ کا تعزیہ سنا ہے؟ پھر صرف امام حسینؑ کا تعزیہ کیوں رائج ہوگیا۔ انصاف سے غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر انسان آسانی سے پہونچ سکتا ہے کہ چونکہ امام حسینؑ کا تعزیہ (یعنی حضرتؑ کے روضہ کی شبیہ) خدا نے بنایا اور رسولؐ کے پاس بھیجا اس وجہ سے آج تک مسلمان بھی صرف امام حسینؑ ہی کا تعزیہ یعنی حضرت کے روضہ کی شبیہ بناتے ہیں اور چونکہ خدا نے حضرتؑ کے سوا اور کسی پیغمبر

یا امام کے روضہ کی شبیہ نہیں بنائی اس وجہ سے مسلمان بھی کسی اور بزرگ کے روضہ کی شبیہ یعنی تعزیہ نہیں بناتے۔ اگر یہ فعل مسلمانوں کا ہوتا تو یہ لوگ پہلے حضرت رسولخدا یا حضرت علیؑ یا حضرت سیدہؑ یا حضرت امام حسنؑ کے روضہ کا تعزیہ بناتے اسکے بعد امام حسینؑ کے روضہ کا تعزیہ تجویز کرتے مگر ایسا نہیں ہے لہذا ماننا پڑیگا کہ صرف امام حسینؑ کے روضہ کا تعزیہ اس وجہ سے بنتا ہے کہ خدا نے اسی کو بنوایا تھا۔

تینتالیسواں باب ۴۳

قرآن مجید سے تعزیہ کا ثبوت

مولوی صاحب۔ تم نے یہ بھی سنا کہ ایک دفعہ آگرہ میں ایک بڑا سائن بورڈ لگایا گیا جس پر لکھا تھا "پچاس روپیہ انعام پہلے اس مسلمان کو دیا جائیگا جو قرآن کی کسی آیت سے تعزیہ بنانا ثابت کردے"۔

حسینی بیگم۔ پھر کسی نے ثابت کیا یا نہیں۔

مولوی صاحب۔ تم بھی کیا باتیں کرتی ہو۔ کون ثابت کر سکتا ہو۔ کیا کھیل ہے۔

حسینی بیگم۔ آسان تو ضرور ہے۔ مگر ان اشتہار دینے والے کی عقل کے قربان ہوں کہ کیا سوجھی اٹھی۔ قرآن مجید تو حضرت رسولخدا صلعم کی زندگی ہی میں سنہ ۱۱ ہجری تک نازل ہوتا رہا۔ اسکے بعد کوئی آیت نہیں آئی۔ اور امام حسین علیہ السلام سنہ ۶۱ ہجری میں شہید کیے گئے جسکے بہت دنوں کے بعد حضرتؑ کا روضہ بنا اسی روضہ کی نقل اور شبیہ تعزیہ ہوتا ہے۔ پھر قرآن مجید سے تعزیہ کا ثبوت طلب کرنا ایسا ہی تو ہے جیسے کوئی کہے کہ قرآن مجید سے ثابت کرو کہ حضرت رسولخدا صلعم کے روضہ کی زیارت جائز ہے۔

مولوی صاحب۔ مگر تم نے اس کو آسان کیونکر کہہ دیا۔

حسینی بیگم۔ بہت سی آیتوں سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً یہ آیہ

یعملون لہ ما یشاء من محاریب و تماثیل و جفان کالجواب وقدور
راسیات۔ ان آیات کا ترجمہ مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی نے اس طرح کیا ہے سلیمان
کو جو کچھ (بنوانا) منظور ہوتا (یہ جنات) ان کے لئے بناتے (جیسے مسجد بیت المقدس
کی بڑی) اونچی شاندار عمارتیں اور (ڈھلی ہوئی) مورتیں اور ایسے بڑے لگن جیسے
حوض اور بڑی بھاری دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں (حمائل پ ۲۲ ع ۸ صفحہ ۶۸۶) ان آیۃ
سے صاف معلوم ہوا کہ (۱) خدا نے جنات کو حضرت سلیمان کا تابع کردیا تھا (۲) جنات
جو کچھ حضرت سلیمان کے لئے کرتے پروردگار کے حکم ہی سے ہوتا (۳) وہ جنات حضرت
سلیمان کے لئے مورتیں بھی بناتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کے حکم سے جنات حضرت سلیمان
کے لئے مورتیں بناتے تھے۔ یہ مورتیں تماثیل کا ترجمہ ہے۔ اس کے متعلق مفسرین
کی تحقیق بھی سنو۔ علامہ بیضاوی نے لکھا ہے وتماثیل وصورا وتماثیل للملائکۃ
والانبیاء علی ما اعتادوا من العبادات لیراھا الناس فیعبدوا نحو عبادتہم
یعنی تماثیل کا معنے تصویریں اور شبیہیں ہیں جو انکی عادت کے مطابق فرشتوں اور انبیاء
کی تصویریں تھیں تاکہ ان کو دیکھکر دوسرے لوگ بھی انھیں کی طرح عبادت کریں (تفسیر
بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۷۳) اور علامہ بغوی کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ جنات فرشتوں
اور نبیوں اور نیکو کاروں کی تصویریں مسجد میں بناتے تھے تاکہ لوگ انکو دیکھیں اور
اس سے زیادہ عبادت کرنے لگیں (معالم التنزیل صفحہ ۴۳۷)۔ یہی مضمون تفسیر کشاف جلد ۲
صفحہ ۲۴۵ تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۲۲۸ وغیرہ میں بھی ہے۔ ان عبارتوں سے واضح ہوا کہ خدا
کے حکم سے وہ جنات حضرت سلیمان کے لئے مختلف چیزوں کی تصویریں اور شبیہیں بنایا کرتے
اور انکی غرض صرف یہ تھی کہ ان شبیہوں کو دیکھکر لوگ زیادہ عبادت کریں۔ اب تم ہی فیصلہ
کرو کہ تعزیہ بھی روضہ امام حسینؑ کی شبیہ ہے اور اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کو دیکھکر
لوگ زیادہ گریہ وبکا کریں جس کا عبادت ہونا میں پہلے بیان کرچکی ہوں۔ اس سے واضح تر
دلیل تعزیہ بنانے کے جائز ہونے کی اور کیا چاہیئے کہ یہ وہ عمل ہے جسکے کرنے کا حکم خدا نے

جنات کو دیا تھا اور یہ عمل حضرت سلیمان پیغمبر کے لئے کیا جاتا تھا جب حضرت سلیمان
کے لئے اس کا بنانا جائز تھا تو ہم لوگوں کے لئے بھی جائز ہے ۔ کیونکہ خدا نے فرمادیا
ہے اولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده یعنی یہ اگلے پیغمبر وہ تھے
جنکی خدا نے ہدایت کی پس تم بھی انکی ہدایت کی پیروی کرو (پ سورہ انعام آیۃ ۹) پس
اس زمانہ کے مسلمان بھی انھیں حضرت سلیمان کی پیروی میں گریہ و بکا کی عبادت زیادہ انجام
دینے کے لئے شبیہ (تعزیہ) بناتے اور اس کو دیکھکر اس طرح روتے ہیں جس طرح حضرت
رسول خدا صلعم روتے تھے تو حضرت سلیمان ہی کی پیروی ہوئی بلکہ خدا کی پیروی ہوئی
کیونکہ خدا ہی نے تو جنات کو حکم دیا تھا کہ سلیمان کے لئے شبیہیں بناؤ ۔

چوالیسواں باب ۴۴

کیا تعزیہ کی تعظیم کرنی چاہئے کیا تعزیہ شعائر اللہ داخل ہیں

مولوی صاحب ۔ خیر اگر تعزیہ بنانے اور رکھنے کو جائز بھی کہیں تو اس کی
اس قدر عزت اور تعظیم کس عقل سے کیجاتی ہے ۔

حسینی بیگم ۔ تم جانتے ہو کہ دنیا میں زیادہ تر کسی نسبت سے کسی چیز کی عزت
یا تعظیم کیجاتی ہے ۔ ذاتی عظمت اور احترام شاید ہی ہوتا ہو ۔ اور ایک ہی چیز نسبت
کے بدل جانے سے کبھی قابل عزت اور کبھی قابل ذلت ہو جاتی ہے ۔ ہر لڑکا ایک
ہی قسم کے ہاتھ پاؤں کا پیدا ہوتا ہے مگر بادشاہ کا ہونے سے سب اسکی عزت کرتے ہیں
اور گنوار کا ہونے سے کوئی بھی اس کو نہیں پوچھتا ۔ اسی اینٹ اور پتھر سے پل
بھی بنائے جاتے ہیں ۔ جسپر سے لوگ جوتا پہنے چلتے ہیں اور اسی سے مندر بنتا
ہے تو اسکی دوسری ہی حالت ہوتی ہے ۔ اسی سے بیت الخلا ر بنایا جاتا ہے
جہاں خوشی سے کوئی بیٹھ بھی نہیں سکتا اور اسی سے مسجد بھی بنائی جاتی ہے جسمیں

لوگ سجدہ کرتے ہیں۔ وہی کاغذ اخباروں میں لگایا جاتا ہے تو لوگ پڑھنے کے بعد
اس سے اپنے جوتے صاف کرتے ہیں اور اسی کاغذ پر حدیث یا قرآن شریف لکھا جاتا
ہے تو اسکو سر آنکھوں سے لگایا جاتا ہے۔ تعزیہ بھی اگرچہ کاغذ ہی کا بنتا ہے مگر چونکہ
یہ اس محسن اسلام کیطرف منسوب ہے جس نے اس دین خدا کی حمایۃ میں اپنی جان
دیدی اور اپنا گھر بھر نثار کردیا اس وجہ سے اسکی عزت اور تعظیم بھی ضروری ہے۔
کیونکہ ایسے فدائے دین وملۃ کی نشانیاں شعائر اللہ ہی کہی جائینگی جس طرح کوہ صفا و
مروہ خدا کی نشانیاں اور ہدی و قلائد اور کعبہ شریف کے حاجی مستحق تعظیم ہیں۔ کوہ
صفا و مروہ کی تعظیم کیوں کیجاتی ہے؟ صرف اسی وجہ سے تو کہ وہ اس بات کی یاد دہانی
کرتے ہیں کہ جناب ہاجرہ اپنے فرزند اسمعیل کی پیاس کی وجہ سے کوہ صفا و مروہ کے
درمیان کئی مرتبہ آئیں اور گئیں جسکی یادگار خدا نے یہ قرار دی کہ صفا و مروہ کے درمیان
سعی کرنے کو ارکان حج میں داخل کردیا۔ یہ کیوں؟ غالباً اس وجہ سے کہ حضرت ابراہیم نے
خدا کی محبت میں اپنی محبت کی کوئی پروا نہیں کی اور خدا کے حکم سے اپنی بیوی ہاجرہ اور
فرزند اسمعیل کو ایسی زمین میں چھوڑ دیا جہاں نہ کھانا مل سکتا تھا نہ پانی بس اتنی
بات کا جب خدا نے یہ احترام کیا کہ اپنی عبادت حج میں اسکی یادگار کو مستقل جزو قرار
دیدیا تو حضرت امام حسینؑ نے خدا کے حکم کی تعمیل اور اسکے دین کی حفاظت میں اپنی اور
اپنے خاندان بھر کی جان قربان کردی۔ پھر انکی یادگار کیوں شعائر اللہ میں داخل
نہیں کیجائیگی؟ ماننا پڑیگا کہ تعزیہ اور اسکے سب لوازم شعائر اللہ ہیں اور ان سب
کی تعظیم ضروری اور انکی توہین حرام ہے۔ جس کو خدا نے بھی فرمادیا ہے کہ یا ایھا الذین
آمنوا لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشھر الحرام ولا الھدی ولا القلائد ولا آمین
البیت الحرام یعنی اے ایمان والو خدا کی نشانیوں کی توہین و تذلیل نہ کرو اور نہ حرام مہینہ
کی اور نہ قربانی کی اور نہ پٹے دار قربانی کی (پارہ ۶ رکوع ۵)۔ یہ بھی فرمایا ہے ومن
یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ عند ربہ یعنی جو شخص خدا کی قابل احترام چیزوں کی عزت

وعظمت کریگا تو وہ اسکے لئے خدا کے ہاں بہت خوب ہوگا (پارہ ۱۷ ع ۱۱) یہ بھی فرمایا ہے ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب یعنی جو شخص خدا کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا تو یہ دلوں کی پرہیزگاری کی بات ہوگی (پ ۱۷ ع ۱۱) دیکھو ان آیات سے پہلی میں حکم ہے کہ خدا کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور دوسری آیۃ کہتی ہے کہ شعائر خدا کی تعظیم سے ہم لوگوں کا بھلا ہوگا اور تیسری آیۃ بتاتی ہے کہ شعائر خدا کی تعظیم ہم لوگوں کے دلوں کی پاکیزگی کو واضح کرتی ہے۔ اس سے بت پرستی کا اعتراض بھی دفع ہوگیا۔ اس لئے کہ غیر خدا کو خدا یا اس کا شریک سمجھکر اسکی عزت وعظمت کرنا بت پرستی اور شرک ہے مگر تعزیہ کو کوئی شخص خدا سمجھتا ہے نہ اس کا شریک بلکہ اسلام کے فدائی اور دین وایمان کے حامی وحافظ اور خدا کے ذبح عظیم کی یادگار خیال کرکے خدا ہی کے حکم سے اسکی تعظیم کرتے ہیں جو بعینہ خدا پرستی کی دلیل ہے۔

مولوی صاحب - مگر شعائر کا تقرر تو خدا اور رسولؐ کا کام ہے والبدن جعلناھا لکم من شعائر اللہ یعنی ہم نے تمہارے لئے قربانی کے اونٹوں کو بھی خدا کی نشانیاں قرار دی ہیں (پ ۱۷ ع ۱۲) سے ظاہر ہے کہ کسی چیز کو شعائر اللہ قرار دینا ہما وشما کا کام نہیں ہے کہ جس چیز کو چاہا قرار دے لیا۔ تمام شعائر سے مقصود طاعت الٰہی اور پیروی سنت رسول صلعم ہے۔ تو کیا تعزیہ داری کو خدا اور رسولؐ نے شعائر اللہ قرار دیا؟

حسینی بیگم - بے شک تعزیہ شعائر اللہ سے ہے۔ شعائر جمع ہے شعیرہ کی "ازہری نے کہا شعائر اللہ وہ مقامات جنکی طرف اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بلایا وہاں عبادت کرنے کا حکم دیا" (انوار اللغۃ پارہ ۱۳ صفحہ ۷۶) اور والبدن جعلناھا لکم من شعائر اللہ سے معلوم ہوا کہ خدا نے اونٹوں کو بھی ان چیزوں میں قرار دیا ہے جو خدا کے ساتھ نامزد کیجاتی ہیں۔ پس اسی طرح تعزیہ بھی جو خدا کی عبادت کے لئے نامزد کیا گیا ہے شعائر اللہ ہی میں داخل ہے۔ کیونکہ اسی خدا نے امام حسینؑ کے قتل گاہ کی مٹی کو سرخ کراکے اور اسکی شبیہ بناکر نہایت عزت واحترام سے حضرت

جبرئیل کے ذریعہ حضرت رسولخداؐ کے پاس بھیجا اور حضرتؐ نے اسکو دیکھکر گریہ کیا اور نہایت اکرام و تعظیم سے اسکو ایک شیشی میں رکھکر حضرت ام سلمہؓ کو دیا کہ اسکو حفاظت سے رکھو پس جس طرح والبدن سے کوئی خاص اونٹ نہیں بلکہ اونٹ کی عام نوع مراد ہے کہ جس اونٹ کو قربانی کے لئے اختیار کرینگے وہی شعائر اللہ میں ہو جائیگا - اسی طرح جو چیز قتلگاہ یا روضہ امام حسینؑ کی شبیہ بنائی جائے وہ شعائر اللہ میں داخل ہو جائیگی -

مولوی صاحب - مگر مسلمانوں کی تو یہ حالت ہے کہ امام صاحب کی بزرگی سے یہ فائدہ حاصل کرنیکی کوشش کرتے ہیں کہ مثل مشرکوں کے امام صاحب سے حاجتیں مانگتے ہیں اور مزار کی نقل بناکر اسکے گرد طواف کر کے اسپر شیرینی وغیرہ چڑھاتے ہیں - اسمیں اپنی حاجتونکی عرضیاں اور چٹھیاں لٹکاتے انکے نام کی سبیل اور تعزیہ کے چڑھاوے کو تبرک سمجھتے ہیں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس تعزیہ میں امام حسینؑ کی روح آجاتی ہے اور وہ تعزیہ داروں اور منتوں کے ماننے والوں سے خوش ہوتے اور انکی حاجت روائی کرتے ہیں - یہ سب تو شرک کی باتیں ہیں -

حسینی بیگم - جاہلوں کی بات کا خیال نہیں کرنا چاہئے - البتہ سمجھدار مسلمانوں کے افعال کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کیا کرتے ہیں - علاوہ بریں اس کی تصریح کرو کہ تم کس دلیل سے ان باتوں کو شرک کہتے ہو - تم لوگ خود اپنا اصول مذہب یہ بیان کرتے ہو۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن پس حدیث مصطفےٰ بر جان مسلم داشتن

تو بتاؤ کہ قرآن مجید یا حدیث شریف میں کہاں اور کیونکر ان باتوں کو شرک لکھا ہے - خود حضرت رسولخدا صلعم کو خدا کا حکم ہوا کہ حضرت علیؑ سے حاجت روائی کرو جناب مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے قصہ نادعلیاً مظہر العجائب ہم دریں معاملہ و معارکہ واقع شدہ است یعنی خدا نے جو حضرت رسولخدا صلعم کو حکم دیا کہ اپنی مدد کے لئے علیؑ کو پکارو وہ بھی اسی غزوہ احد میں ہوا (مدارج النبوۃ جلد ۲ صہ ۱۵۳) پھر اس وقت کے مسلمان اگر حضرت امام حسینؑ سے حاجۃ روائی کرتے ہیں تو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ اگر کہو کہ حضرت علیؑ تو زندہ تھے اور حضرت امام حسینؑ شہید ہو چکے تو خدا نے امام حسینؑ

کو بھی زندہ فرمادیا ہے فرمادیا ہے ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں انکو مردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس روزی پاتے رہتے ہیں (پ ۲ ع ۸) پس جب امام حسینؑ بھی شہید راہ خدا ہونے کی وجہ سے زندہ ہیں تو حضرتؑ سے حاجت روائی بھی حضرت رسولخدا صلعم کی پیروی ہے۔ اور تعزیہ کے گرد طواف کرنا اور اس پر شیرینی چڑھانا ویسا ہی ہے جیسا خانہ کعبہ کی شبیہ مسجدوں کے گرد طواف کرنا اور شیرینی چڑھانا۔ اگر مسجد کے گرد کوئی شخص طواف کرے یا اسمیں شیرینی چڑھائے تو کیا اسکو شرک کہدوگے؟ اسکی کوئی دلیل اور سبب بھی ہے یا صرف تمہارا کہدینا؟ اور یہ کہنا کہ "یہ عقیدہ کرکے کہ اس تعزیہ میں امام حسینؑ کی روح آجاتی ہے الخ" بالکل ایجاد بندہ ہے کبھی کوئی سمجھدار مسلمان یہ عقیدہ نہیں کرتا کہ تعزیہ میں امام حسینؑ کی روح آجاتی ہے۔ کسی نے تم سے مذاق کیا ہوگا اور تم نے اپنی خوش فہمی سے اسکو مان لیا۔ افسوس جو تعزیہ خدا کی عملی تعلیم کی پیروی میں بنایا جاتا ہے اس پر تو طرح طرح کے اعتراض کئے جاتے ہیں مگر ہم لوگ اپنی باتوں کا کوئی خیال نہیں کرتے۔ حضرت عائشہ کی محمل کئی سو سال سے برابر نہایت تزک و احتشام کے ساتھ مصر سے مکہ معظمہ میں آتی ہے اور اسی طرح اس کا جلوس گھمایا جاتا ہے جس طرح تعزیہ کا مگر اب تک کسی انصاف پسند بزرگ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ بدعت ہے یا بت پرستی ہے یا اسکی شبیہ سے اسلامی توہین ہوتی ہے۔ بتاؤ کہ یہ محمل کس لکڑی اور لوہے سے بنی ہوتی ہے جو لائق تعظیم ہے اور تعزیہ میں کیسے اجزا ہیں جو قابل احترام نہیں ہوسکتے۔ آخر میں حسب ذیل اشتہار دیکھو جو ہمارے بڑے علمار کا تعزیہ کی تعظیم کے بارے میں ہے۔

(نقل اشتہار)

"حضرت زبدۃ السالکین قدوۃ الواصلین سید شاہ عبد الرزاق بانسوی قدس اللہ سرہ العزیز۔ شیخ طریقت و مرشد حقیقت حضرت استاذ الہند ملا نظام الدین فرنگی محلی قدس سرہ و حضرت ملا کمال الدین فتحپوری قدس سرہ و حضرت شاہ محمد اسمعیل بلگرامی قدس سرہ و جمیع علمائے فرنگی محل وغیرہ کا تعزیہ کے ساتھ عمل جس کا احترام

تمام عقیدتمندان حضرت سید صاحب قدس سرہ الاصفے کو لازم ہے۔

(۱) زیارت ضریح مبارک (جسکو تعزیہ کہتے ہیں) کے لیے حضرت کا تشریف لے جانا۔

(۲) حضرت سید الشہدا امام علیہ السلام کا حکم پاکے عشرہ محرم میں ہر روز جانے کو لازم کر لینا۔

(۳) تعزیہ کے لیے فرمانا کہ کاغذ اور لکڑی نہ سمجھنا چاہیے بلکہ ارواح مقدس متوجہ ہوتی ہیں۔

(۴) تعزیہ کی پیشوائی کرنا اور اپنے مکان پر لانا اور جب تک تعزیہ رہے دست بستہ کھڑے رہنا یہاں تک کہ ضعف پیری کے وقت بھی تکیہ دیوار سے یا لکڑی دیکے کھڑا رہنا۔

(۵) تعزیہ کے دفن میں شریک ہونا۔ یہی طریقہ حضرت کے فرزند حضرت شاہ غلام دوست محمد صاحب اور اونکے فرزند حضرت غلام علی صاحب قدس سرہم کا تھا اور اب تک جاری ہے۔

اسمائے گرامی اُن علمائے فرنگی محل کے جن سے تعظیم تعزیہ کی منقول ہے

ملک العلماء حضرت مولانا بحر العلوم قدس سرہ۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا انوار الحق قدس سرہ۔ استاذ الاساتذہ مولانا نور الحق قدس سرہ۔ حضرت مولانا عبد الاعلی فرزند حضرت مولانا بحر العلوم قدس سرہ۔ حضرت مولانا عبد الواجد فرزند حضرت مولانا عبد الاعلے قدس سرہ۔

نوٹ: جن حضرات کو ان واقعات کی تصدیق منظور ہو وہ ملفوظ رزاقی اور رسالۃ الغراء فی جواز التعزیہ مصنفہ مولانا عبد الواجد نبیرہ حضرت مولانا بحر العلوم قدس سرہ دیکھیں یا اس پتہ پر تشریف لا کر تصدیق کر سکتے ہیں: مولوی شیخ محمد الطاف الرحمن قدوائی ساکن بڑا گاؤں بارہ بنکی مقیم حال فرنگی محل۔ لکھنؤ۔

التماس: جو مسلمان اس نیک کام میں شرکت کر کے ثواب حاصل کرنا چاہے وہ اسکی نقلیں چھپوا کر اپنے حلقہ میں شایع کرے۔

ھدایت: اہل سنت کو چاہیے کہ لامذہبوں، دہریوں اور غیر مقلدوں اور دیوبندیوں اور ندویوں کے فتوؤں سے بچیں اور علماء سلف کی پیروی کریں۔

افترے اور غلط بیانی

فرنگی محل کے علماء میں سے مولینا عبد القادر صاحب و مولینا حجت اللہ محمد شفیع صاحب پر افترا ہے کہ اُنھوں نے تعزیہ داری کو حرام اور شدید ترین گناہ ہونیکا فتویٰ دیا ہے یا تعزیہ داری کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی سخت بیزاری کا باعث کہا ہے یا تعزیہ داری کو اسلام اور امام حسینؑ کے ساتھ دشمنی کا نام بتایا ہے یا محرم کی روشنی باجا اور جلوس کو یزید کے ساتھیوں کا کام کہا ہے ان حضرات نے خود ایک گروہ کے سامنے اقرار کیا ہے کہ ہم نے ان الفاظ کے ساتھ کوئی فتویٰ نہیں دیا ہے

المشتھر: حاجی چودھری شبراتی نواب گنج محلہ بڑا چوک نے مسلمانان تعزیہ دار کی طرف سے شایع کیا۔" (مطبوعہ اصح المطابع تھوی ٹولہ لکھنو)

مولوی صاحب - فرنگی محل لکھنؤ میں تو ہم اہلسنت کے بڑے بڑے علماء رہتے ہیں - وہ مخزن علماء اہلسنت ہے - البتہ اُن حضرات کا فتویٰ بہت قابل قدر ہے۔

پینتالیسواں باب ۴۵

نئے سال کے خیال سے محرم میں خوشی کرنی چاہئے اور روز عاشوراء کو اچھے کپڑے پہننے اور عمدہ کھانے پکوانے چاہئیں کیا۔ عاشوراء کا روزہ مستحب ہے

مولوی صاحب۔ مگر یہ بات تو ضرور خیال کرنے کی ہے کہ فارسی مثل ہے سالیکہ نکوست از بہارش پیداست مسلمانوں کا سال چونکہ محرم سے شروع ہوتا ہے اور واقعہ مسلمان واقعہ شہادت کی وجہ سے اسکے شروع سے رونا شروع کر دیتے ہیں۔ اس لئے مصرع مذکور کے ماتحت سارا سال ہی روتے رہتے ہیں۔ کبھی کوئی مصیبت ہے تو کبھی کوئی آفت۔ پس اب مسلمانوں کے سامنے دو راستے ہیں (۱) یا تو محرم میں رونا چھوڑ دیں۔ (۲) یا اپنے سنہ کی ابتداء بدل دیں مگر دوسری صورت تو انکے اختیار کی بات نہیں کیونکہ وہ ایک تاریخی واقعہ ہے نیز کل مسلمانان دنیا کا بالاتفاق کام ہے۔ اسلئے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا ہاں پہلی صورت ممکن ہے کہ محرم میں رونا دھونا چھوڑ دیں۔

حسینی بیگم۔ مذکور بالا مصرع کس موقع پر کہا گیا اسکی تصریح تو اس وقت پیش نظر نہیں ہے۔ مگر ایک بچہ بھی کہہ دیگا کہ یہ مصرع تمہارے دعوی سے بالکل بے ربط ہے۔ فصل بہار سے مختلف غلوں کی پیداوار اور بہت سے پھلوں۔ میووں۔ درختوں اور زراعتوں کے نشو و نما کا تعلق ہے جن کو انسانی زندگی سے خاص لگاؤ ہے اس وجہ سے شاعر کہتا ہے کہ جس سال کی بہار اچھی ہے وہ سال نیک ہے کہ کثرت سے غلے پیدا ہوں گے میووں کی زیادتی ہوگی۔ زراعت سرسبز و شاداب رہیگی جس سے ملک میں ہر چیز سستی ہوگی اور لوگ خوشحالی اور اطمینان کے ساتھ بسر کرینگے۔ اسی طرح اور بہت سے شاعرانہ اور فطری معانی اس مصرع کے ہیں۔ نہ یہ کہ جس سال کے شروع میں کوئی رو یا وہ سال بھر تک مصائب

آفات میں رہیگا اسکی کوئی بھی عقلی وجہ اور دلالات ثلث سے کوئی دلالت ہے؟ اور شرع
یعنی قرآن وحدیث میں بھی کہیں یہ مضمون نہیں ہے کہ جو شخص شروع سال میں چند دنوں روئے
وہ سال بھر تک مصائب وآفات میں مبتلا ہوتا جائیگا۔ بلکہ غور کرو تو عقل اور شرع دونوں
کا فیصلہ اسکے خلاف ہے یعنی جو شخص شروع میں روئیگا وہ بعد کو آرام سے رہیگا۔ زیادہ ترقی
کرے گا اور اچھی خوشی دیکھے گا۔ دنیا میں ہر کمزور وناتوان بچہ کا پیدا ہوتے ہی رونا اور اسکے بعد
قوۃ۔ توانائی جسم۔ ادراک عقل غرض ہر چیز میں ترقی کرتے جانا اس امر کی واضح دلیل ہے
بلکہ جو بچہ دنیا میں آتے ہی روتا نہیں وہ مردہ سمجھا جاتا ہے اور لوگ اسے بجائے گھر میں رکھنے
کے قبر میں پھینک دیتے ہیں اور جو بچہ پیدا ہوتے روتا ہے اسکی عافیۃ وراحۃ کا سامان مہیا کیا
جاتا اس کے رونے سے گھر میں خوشی کے شادیانے بجائے جاتے ہیں۔ اعزہ واقربہ
والدین کو اسکی مبارکباد دیتے اور اس مولود سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کیجاتی ہیں۔ دنیا میں
جس قدر علماء وحکماء ومحدثین وائمہ وانبیاء پیدا ہوئے سب پہلے روئے تب اُن درجوں پر
فائز ہوئے جس قدر فلاسفر۔ سائنسداں ہوئے سب نے پیدائش کے وقت اچھی طرح گریہ و
بکا کیا تب اس شرف تک پہونچے اور جس قدر سلاطین وامراء اور ذی اقتدار لوگ ہوئے سب
دنیا میں آنکھ کھولتے ہی پہلے رو لئے ہیں پھر اپنی عظمت وعروج کے مدارج طے کرنے لگے۔
جس سے واضح تر عقلی دلیل رونے کے بعد ہنسنے اور رنج واندوہ کرنے کے بعد عافیۃ ونعم
حاصل ہونے کی اور کیا چاہئے اور خدا ہی سے نہ پوچھو کہ رونے کے بعد آرام ہے یا رونا ہے
وہ تو صاف فرماتا ہے فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا یعنی یقیناً ہر سختی کے بعد
نرمی اور ہر رنج کے بعد خوشی ہے (پ ۳۰ ع ۱۹)۔ کیا اسکے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ شروع سال
میں رونے سے سال بھر تک رونا ہی پڑیگا۔ اچھا امام حسینؑ پر رونے والوں اور حضرتؑ کی
عزاداری کرنے والوں ہی کو دیکھو کہ خلفاے بنی امیہ وبنی عباس وغیرہ انکو کس قدر مٹاتے رہے
مگر اس عزاداری کی وجہ سے وہ اس وقت تک حیرت انگیز ترقی کرتے جاتے ہیں کہ پہلے اگر انکی
تعداد دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں لاکھ میں ایک بھی تو اب ۵۰ فیصدی ضرور ہو گئے ہیں

پس گریہ کرنے سے انسان ایسی حیرت انگیز ترقی کرے تو اس سے زیادہ ضروری بلکہ واجب کام اور کیا ہوگا۔ اسی وجہ سے حدیث میں ہے جس کو مولانا وحید الزماں خانصاحب نے بھی لکھا ہے عرج علی الارض کربلاء وافرح اللہ مع بالل ماء زمین کربلا پر اپنی سواری ٹھہرا اور آنسوؤں کے ساتھ خون ملا یعنی جناب شہید کربلا صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے مصائب یاد کرکے اتنا رو کہ آنکھوں سے خون بہ نکلے۔ (انوار اللغتہ پارہ ۱۸ صفحہ ۶۴ جب)

مولوی صاحب - تم رافضیوں کی کس کس بات کو ثابت کروگی۔ اسی کو دیکھو کہ ہمارے ہاں عاشوراء کے دن سرمہ لگانے۔ غسل کرنے۔ مہندی لگانے۔ عمدہ کھانے پکانے۔ نئے کپڑے پہننے خوشی کرنے کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔ فرمایا رسول اللہ نے کہ جو شخص اپنے اہل وعیال پر فراخی کرے یعنی کھانے میں زیادتی کرے دن عاشوراء کے اللہ تعالیٰ سارے سال میں اسکے اوپر اوسکی روزی فراخ کریگا۔ مگر رافضی ان سب باتوں کے خلاف کرتے اور دن بھر روتے پیٹتے ہیں اور فاقہ میں دن کاٹتے ہیں پھر اُنکی یہ عقلمندی بھی دیکھو کہ دن بھر تو کچھ کھاتے پیتے نہیں مگر غروب آفتاب سے پہلے روزہ توڑ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ عاشوراء کو روزہ نہیں رکھنا چاہیئے بلکہ صرف فاقہ کرنا چاہیئے۔ حالانکہ اس روز روزے کا بڑا ثواب ہے۔

حسینی بیگم - مجھے تو اس میں بھی شیعہ ہی حق پر معلوم ہوتے ہیں معاذ اللہ جس روز حضرت رسولخدا صلعم خواب میں مصیبت زدہ بال بکھرائے۔ چہرے پر خاک ڈالے اُنھوں اس روز کو کون بدبخت مسلمان خوشی کا دن قرار دیگا اور سرمہ مہندی لگائیگا۔ اچھے کھانے کھائے اور عمدہ لباس پہنے گا۔ اسی وجہ سے ہمارے تمہارے علماء نے ان تمام باتوں کو بھی باطل ثابت کردیا ہے۔ ہم لوگوں کے بڑے محقق علامہ ابن حجر مکی نے تحریر فرمایا ہے انکار ابن تیمیہ ان التوسعہ لم یرد فیہا شئ عند یعنی ان حدیثوں سے علامہ ابن تیمیہ نے انکار کیا اور کہا ہے کہ عاشوراء کے روز اپنے اہل وعیال پر فراخی کرنے کی حدیث غلط ہے کیونکہ اس بارے میں آنحضرت صلعم سے کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی ہے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۰) خود علامہ ابن حجر نے اس حدیث

نکے ثابت کرنے کی بڑی کوشش کی مگر انھیں بھی کہنا ہی دینا پڑا وقد سئل بعض ائمۃ الحدیث والفقہ عن الکحل والغسل والحناء وطبخ الحبوب ولبس الجدید واظہار السرور یوم عاشوراء فقال لم یرد فیہ حدیث صحیح یعنی عاشوراء کے دن سرمہ لگانے غسل کرنے مہندی لگانے عمدہ کھانے پکانے نئے کپڑے پہننے اور خوشی ظاہر کرنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی ہے کذلک ومن وسع علی عیالہ فیہ وسع اللہ علیہ سائر سنۃ یعنی اسی طرح یہ حدیث بھی غلط ہے کہ جو شخص اپنے عیال پر عاشوراء کے دن فراخی کریگا اللہ تعالےٰ سارے سال میں اسکے اوپر روزی فراخ کرے گا فکل ذلک موضوع الاحادیث التوسعۃ علی العیال لکن فی سندہ من تکلم فیہ یعنی یہ کل حدیثیں موضوع ہیں سوا اس حدیث کے جس میں عیال پر فراخی کرنے کا ذکر ہے مگر اسکی سند میں بھی وہ شخص ہے جس پر اعتراض کیا گیا ہے (صواعق محرقہ صنہ ۱۱۰) ۔ بتاؤ اب کس حدیث سے تم اس روز عیال پر فراخی کرنے کا ثواب ثابت کرسکتے ہو؟ رہا روز عاشوراء کا روزہ تو افسوس کسی صحیح حدیث سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی ہے کہ اس دن روزہ رکھنے سے ثواب ہوگا۔ ہم مسلمانوں کے رکن اعظم جناب عمدۃ المحققین مولانا شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے تحریر فرمایا ہے عن عائشۃ قالت کان یوم عاشوراء تصومہ قریش فی الجاھلیۃ وکان رسول اللہ یصومہ فی الجاھلیۃ فلما قدم المدینۃ صامہ وامر بصیامہ فلما فرض رمضان ترک عاشوراء یعنی حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ جاہلیۃ کے زمانہ میں قریش بھی عاشوراء کو روزہ رکھتے اور حضرت رسولخدا ؐ بھی۔ پھر حضرت مدینہ میں آئے تو عاشوراء کا روزہ خود بھی رکھا اور مسلمانوں سے بھی کہا مگر جب ماہ رمضان کا روزہ واجب ہوا تو حضرت ؐ نے عاشوراء کا روزہ ترک کردیا۔ (کتاب ماثبت من السنۃ مطبوعہ لاہور صـ۳) یہی حدیث بعینہ صحیح بخاری پارہ ۸ باب صیام یوم عاشوراء مطبوعہ دہلی صـ۳۱۳ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ اگر عاشوراء کا روزہ

رکھنا باعث ثواب ہوتا تو حضرت رسولخدا صلعم اس کو ترک کیوں فرمادیتے - اور اگر یہ روزہ سنت ہوتا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن عمر ایسے جلیل القدر صحابی کیوں اس کو برا سمجھتے - علامہ ابن حجر عسقلانی نے تحریر فرمایا ہے وکان ابن عمر یکرہ قصدہ بالصوم یعنی حضرت ابن عمر عاشورا کے دن روزہ رکھنے کا قصد تک کرنا مکروہ جانتے تھے (فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۲۱۳)

حسینی بیگم کا دنیا سے انتقال

افسوس ابھی مولوی صاحب اور حسینی بیگم کی باتیں اسی حد تک پہونچنے پائی تھیں کہ سخت حادثہ ہوگیا - حسینی بیگم کے ہاں ولادت ہونے والی تھی جب زمانہ وضع قریب پہونچا تو حسینی بیگم ایسی سخت بیمار ہوئیں کہ گھر بھر بدحواس ہوگیا لیڈی ڈاکٹر سول سرجن سب کا علاج کیا گیا مولوی صاحب نے ہزاروں روپئے اسمیں پھونک دیئے مگر تقدیر بگڑ چکی تھی - افسوس بچہ پیدا ہونے کے کچھ دیر کے بعد بیچاری نے دنیا سے انتقال کیا جس سے مولوی صاحب کی آنکھوں میں دنیا اندھیری ہوگئی لیکن اختیار کیا تھا جس امام باڑہ کو بیگم نے بنوایا تھا اسی میں دفن کردی گئیں اور اس طرح ان بحثوں کا خاتمہ بھی ہمیشہ کے لئے ہوگیا - انا للہ وانا الیہ راجعون

کتاب تصویر عزا پر بعض معزز ناظرین کی رائیں

کتاب تصویر عزا کی مدح و ثنا میں اس کثرت سے خطوط آئے جن سب کا نقل کرنا دشوار ہے۔
چند حضرات کی رائیں نقل کیجاتی ہیں (۱) جناب مرزا اکرار حسین صاحب نے دفتر پولیس میرٹھ
سے لکھا۔ "تصویر عزا کی تمہید ماشاء اللہ نہایت عمدہ پیرایہ سے شروع ہوئی ہے جسکے پڑھنے
سے آیندہ پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ کئی ایک اور حضرات نے بھی پسند فرمایا" (۲) جناب
سید مشتاق حسین صاحب نے نگینہ ضلع بجنور سے لکھا "تصویر عزا کا مضمون ملاحظہ کیا واقعی
یہ کتاب بہت ہی لاجواب ہوگی۔ جناب نے بہت اچھے پیرایہ سے شروع کی ہے۔ پروردگار
آپکی ہمت میں ترقی عطا فرمائے" پھر لکھا "کتاب تصویر عزا درحقیقت لاجواب ہے میرے
نزدیک یہی ایک کتاب تشیع کے واسطے کافی ہے۔ کوئی بات اسمیں چھوٹی نہیں۔ خدا آپکو اس کا
اجر دے" (۳) جناب حاجی محمد تقی صاحب ہڈ کلرک کلکٹری ٹیٹی ضلع چوبیس پرگنہ سے لکھا۔
"کتاب تصویر عزا ملی۔ آپکی زحمت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ نہایت اچھی کتاب ہوگی قرینہ
سے معلوم ہوتا ہے" پھر لکھا "کتاب تصویر عزا نہایت خوبی کے ساتھ لکھی جا رہی ہے۔
خداوند کریم آپکے مقاصد دلی کو پورا کرے" پھر لکھا "اللہ تعالیٰ آپکو پریشانیوں سے مطمئن کردے
کہ اپنے کاموں میں حصہ لینے کا اور زیادہ موقع ملے۔ ہماری قوم آپ دونوں باپ بیٹے کے احسان
کو بھول نہیں سکتی۔ پرچہ اصلاح نے تاریک دلوں کو روشن کر دیا اور کر رہا ہے۔ مگر رسالہ الشمس کی
کتاب تصویر عزا نے تو گویا مردہ دل کو زندہ کر دیا۔ یہ کتاب تو ایسی ہے کہ ہر گھر میں شیعوں کے
بطور تبرک رکھی جائے ایسی کتاب کی سخت ضرورت ہے جس سے مخالف کو دنداں شکن جواب
دینے میں آسانی ہو" (۴) جناب محمد حسین خانصاحب اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس نے
سوہاوا ضلع جہلم سے لکھا "الشمس لاجواب ثابت ہوا"۔ (۵) جناب مولوی سید محمد مجتبیٰ
صاحب نے دار الشفا حیدر آباد دکن سے لکھا "آپ نے کتاب تصویر عزا کا جو سلسلہ قائم
کیا ہے وہ بہت ہی پسندیدہ ہے۔ طرز تحریر بہت دلچسپ اور کار آمد و مفید ہے۔ امروز فردا

میں عزاء کا منی آرڈر آپکی خدمت میں روانہ کیا جاتا ہے۔ براہ کرم الشمس کے پانچ
پرچے ماہانہ میرے نام پر ارسال فرمایا کیجیے"۔ (۶) جناب شیخ محمد الدین صاحب نے گول
بازار لائلپور پنجاب سے لکھا "رسالہ الشمس تصویر عزاء بطور نمونہ ملا جسکے دیکھنے سے
میں فرط مسرت سے پھولے نہ سمایا نہایت ہی لاجواب پایا۔ آپکی اس خدمت دینی کا اجر
سرکار حسینی سے ملیگا اور ضرور ملیگا۔ آپنے بڑی بھاری خدمت دینی اپنے ذمہ لی ہے
خدا اس خدمت کو انجام کرے آمین"۔ (۷) جناب سید ذاکر حسین صاحب سب انسپکٹر
انچارج مراد آباد نے لکھا "یہ مضمون (تصویر عزاء) اس قدر بہتر لکھا گیا ہے کہ بے
اختیار تعریف منہ سے نکل جاتی ہے۔ خداوند عالم آپکو جزائے خیر دے"۔ (۸) جناب مولوی
شیخ کوثر حسین صاحب مدرس ریاست رام پور نے لکھا "دام ظلکم العالی۔ پروردگار عالم
اس مردہ قوم کے سروں پر جناب کا سایہ تا صد و سی سال دائم قائم رکھے۔ این دعا از من و
از جملہ جہاں آمین باد حقیقۃً تصویر عزا ایک بے مثل خزانہ ہے جسکی تعریف و توصیف نہیں
ہو سکتی۔ قائل ہیں عنادل بھی کہ یہ رنگ نیا ہے"۔ (۹) جناب سید شبیر حسن صاحب زیدی
نے محلہ کوریاں کانپور سے لکھا "تصویر عزاء حقیقۃً وہ نعمت ہے کہ محض فضل خدا سے
آپ کے ہاتھوں قوم کو وصول ہو گئی سب سے زیادہ ضرورت اور تعریف جو فی زمانہ ہے
وہ بوجہ کثرت طباعۃ کتب دلچسپی کا وجود ہے وہ بحمد اللہ بدرجہ اتم بلکہ ضرورت سے زائد
اسمیں موجود ہے اور بہر ضروری چیزوں کو اپنے دامن میں لئے ہے۔ دلائل نقلی اور بہر معقولات
سے وابستہ۔ اللہ تعالے آپکو جزائے خیر دے"۔ (۱۰) جناب سید ابرار حسین صاحب سب انسپکٹر
پنشنر سید پور ضلع الہ آباد نے لکھا "خداوند عالم آپ کو اور آپ کے جملہ اعزہ کو ہمیشہ بتصدق
محمد صلعم و آل محمد تندرست و صحیح و سالم رکھے اور طویل العمر کرے۔ واقعی آپ نے مذہب کی خدمت
کا زبردست کام سر انجام دیا مگر واہ رے ہماری قوم کہ تعداد مردم شماری تو روزانہ بڑھتی
ہوئی نظر آتی ہے مگر بے توجہی اور غفلت اور بے اعتنائی کے اصلی معنے کے جامہ کو انھیں نے
زینت بدن کرکے دکھلا دیا ورنہ رسالہ ... اس قابل تھے کہ ہزاروں کی تعداد میں

غیر لوگوں کو مفت تقسیم کیئے جاتے مگر یہی خدا کا شکر ہے کہ اصل پرچہ کی بقا قائم ہے" (۱۱) جناب میر الطاف حسین صاحب ٹرسٹی وقف امام باڑہ ہوگلی نے ٹالیگنج کلکتہ سے لکھا "تصویر عزا، واقعی ایک نایاب کتاب ہوگی اور مخالفوں کے لئے شمشیر برہنہ کا کام دیگی۔ خداوند عالم آپ صاحبوں کو ساتھ صحت و عافیت کے رکھے جس سے شیعہ مذہب کو ترقی ہوتی رہے اور صلاح کے دنداں شکن جوابوں سے دشمن ہمیشہ سرنگوں رہا کرے" (۱۲) جناب سیاہ پوش صاحب نے درگاہی والا ضلع گجرانوالہ پنجاب سے لکھا "بندہ کی اور والدہ مظفر حسین شاہ کیطرف سے ہر دو کتب مجالس خاتون اور تصویر عزا کے عید نادر ہونے کی بابت ہر دو رسالجات میں ضرور تحریر کردیں ایسی نایاب کتاب سے کسی مومن اور مومنہ کا گھر خالی نہیں ہونا چاہئے۔ تصویر عزا ایک مکمل مناظرہ کی کتاب طیار ہوئی ہے جسکے ہوتے دوسری کتابوں کی چنداں ضرورت نہ رہیگی" (۱۳) جناب حکیم مرزا عابد حسین صاحب گورنمنٹ پنشنر نے بنارس سے لکھا "رسالا الشمس ربیع الثانی و جمادی الاولی پہونچا۔ مجھکو اس قدر مرغوب پسند ہے کہ میں نے اس کو کئی بار پڑھا خصوصاً مضمون حسینؑ منی وانا من الحسینؑ اس خوبی و بسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ زبان میں قوت نہیں اور تحریر میں ایسا لفظ نہیں ملتا کہ تعریف کرسکوں۔ دل ہی خوب مزا اٹھاتا ہے اور ہر جملہ پر یہ دعا ہے کہ خداوند کریم آپ کو صحیح و تندرست باعافیۃ رکھے بحق محمدؐ و آلہ الامجاد (۱۴) جناب ممدوح نے دوسرے خط میں لکھا "الشمس ماہ صفر و ربیع الاول کا موصول ہوا آپکی اس عنایت کا بہت شکر گزار ہوا اور اسکو پڑھکر اس قدر محظوظ ہوا کہ بیان نہیں کرسکتا خصوصاً آیہ تطہیر کو اس لطف سے مدلل بیان کیا ہے اور ازواج کو اس آیہ سے علیحدہ ہونا ایسا ثابت کیا ہے کہ جائے دم زدن نہیں رہی۔ خداوند کریم آپکو صحیح و تندرست رکھے اور جناب قبلہ و کعبہ کو صحۃ و قوۃ عطا فرما کر آپ کو مطمئن فرمادے بحق محمدؐ و آلہ الامجاد۔

(۱۵) جناب سید نذر حسین شاہ صاحب ساکن زیارت ضلع اٹک نے لکھا "مجالس خاتون جلد دوم کے مضمون اور الشمس جلد ۱۶ نے وہ دینی و علمی کام شروع کیا کہ انکی تعریف میں ہم ایسے حقیر و ناچیز کی زبان و تحریر میں طاقت نہیں، اور نہ ہی ایسے الفاظ ہیں کہ انکی ... حد تک بہو بچیں

جزاک اللہ فی الدارین خیرا"۔ (۱۶) جناب سید محمد جعفر صاحب طالب پکیر ڈپٹنر نے جلالی ضلع
علیگڈھ سے لکھا "مکرمی تسلیم۔ مجھے آپکی کتاب تصویر عزا رکا الشمس کے پرچوں میں غیر مسلسل
باوقات مختلفہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میں دیگر اشخاص کی دیکھا دیکھی آپکی تعریف نہیں کر رہا ہوں
بلکہ بلا تصنع حق اللہ کہتا ہوں کہ جس عنوان سے یہ کتاب لکھی گئی ہے ہر طریقہ پر اس قدر
دلچسپ ہے کہ بار بار پڑھتا ہوں اور دلچسپی حاصل ہوتی ہے۔ آل محمدؐ کے اعزاز اور فضائل
و مناقب حضرات اہلسنت کی کتب ہائے معتبرہ سے انتخاب کرکے بذریعہ تکلم و کلام اسطرح
بے تعصبی سے دکھلائے ہیں کہ اسلام میں یقیناً عام طور پر دلچسپ ہیں۔ آپ نے اپنے اور ہمارے
پیشواؤں کے اوصاف میں وہ حق وکالت ادا کیا ہے کہ جس کا اجر بے حساب دین و دنیا
میں انھیں حضرات سے ملیگا اور وہی آپ کے کفیل مہمات ہو سکتے ہیں۔ آپنے مشین پریس
ولایت سے منگا لیا ہے۔ یہ اونھیں خدا کے پیارے بندوں کا طفیل سمجھا جاتا ہے جسکی مدح
سرائی میں آپ قدیم سے منہمک ہیں اور وہی حضرات آیندہ بھی آپکی بہبودی دارین کے
مددگار ہیں"۔ (۱۷) جناب میر علی اکبر صاحب نے کوٹاپڈ ضلع ویزاگاپٹام صوبہ مدراس سے
لکھا "بخدا تصویر عزا ایسی کتاب دیکھی نہ سنی۔ اس کا عوض دربار حسینی سے آپکو ضرور ملیگا"
(۱۸) جناب سید محمد خلیل صاحب امروہوی نے یادگیری ریاست دکن سے لکھا "تصویر عزا
جو الشمس میں شایع ہو رہی ہے اسکے باقی ماندہ اجزا کا اشتیاق باقی ہے۔ یہ کتاب جناب والا نے
نہایت عمدہ موضوع پر بہترین پیرایہ میں تالیف فرمائی ہے امید ہے کہ مکمل شائع ہو کر عام
فائدہ رساں ہو گی"۔ (۱۹) جناب مولانا حکیم سید محمد صادق صاحب لکھنوی مولوی فاضل و
صدر الافاضل نے ریاست حیدرآباد دکن سے لکھا۔ "الشمس پہونچا اسکی تعریف نہیں ہو سکتی
نہایت ضرورت کی چیز ہے اور بے حد مفید۔ اس مفید چیز کو آپنے ایسے دلچسپ پیرایہ میں
لکھا ہے کہ ہر شخص مدح کرنے پر مجبور ہے۔ صرف میرا ہی یہ خیال نہیں ہے بلکہ جن جن لوگوں نے
اسکو دیکھا بے حد پسند کیا۔ خداوند کریم آپکو اپنے ارادوں میں کامیاب فرمائے بحق آئمہ
طاہرین اور آپکی ہر قسم کی مشکلات کو آسان فرمائے۔ غرض بہترین کام اور بہترین عنوان ہے"۔

(۲۰) جناب پرنس سید محمد عباس صاحب صفوی نے شمس آباد ضلع فرخ آباد سے لکھا "نام شریعت مظلہ العالی تسلیم وتحیات ۔ عتبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہوکر اواخر ستمبر میں وطن مالوف واپس آیا اور پارسل واخبارات کے انبار میں سے اصلاح اور الشمس کا مطالعہ شروع کر دیا ۔ تصویر عزا کی تعریف حیطہ امکان سے خارج ہے ۔ ایک ایک بات کیلئے سو سو ثبوت اور ثبوت بھی ایسے کہ ہلائے نہ ہلیں ۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ان سب امور سے بہتر یہ امر ہے کہ زمانہ موجودہ کی روش کا خیال کر کے بطرز ناول لکھا ہے اور تہذیب متانت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے ۔ کیا آپ اس قسم کے ناولوں کے سلسلے کو برابر جاری رکھیں گے ؟" (۲۱) جناب کریم بخش صاحب حیدری منتظر نے چھینا ضلع میانوالی سے لکھا "قبلہ محترم حضرت مولانا السید علی حیدر صاحب دام مفاخرہ ۔ السلام علیکم مزاج گرامی ۔ آج الشمس کا پیکٹ موصول ہوا کھول کر دیکھا تو صفحہ اولیں پر تصویر عزا لکھا ہوا پایا ۔ فرط مسرت سے باچھیں کھل گئیں مطالعہ سے اطمینان قلب میسر ہوا ۔ یقین ہے کہ اس کا مستقبل نہایت شاندار اور امید افزا ہوگا ۔ ابھی ابتدائی اوراق کا مطالعہ کیا ہے مگر میں بوثوق کہہ سکتا ہوں کہ یہ کتاب مخالفین عزاداری کے جملہ اعتراضات کا دنداں شکن اور تشفی بخش جواب ہوگی ۔ امید کہ اسکے بعد کسی کو بھی جرأت نہ پڑیگی کہ عزاداری سید نا حضرت امام حسینؑ کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نکالے ۔ جس اچھوتے انداز میں آپ نے کتاب لکھنی شروع کی ہے یہ آپ ہی کا حصہ ہے ۔ اگر سچ پوچھئے تو کتاب کی دلچسپی کا راز اسی میں مضمر ہے میں آپکو اس مبارک کام کے لئے ہدیہ تبریک عرض کرتا ہوں کہ آپنے ایک بڑی بھاری دینی خدمت اپنے ذمہ لی ہے ۔" (۲۲) جناب سید عابد علی صاحب رئیس نے پان دریبہ الہ آباد سے لکھا "سلام علیک ۔ آپ کا محبت نامہ پڑھا ۔ دل خوش بھی ہوا ۔ اور رنجیدہ بھی ۔ مسرت تو آپکی محبت وصحت و یاد آوری کی ۔ اور دکھ درنج جناب علامہ حکیم صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی ناسازی مزاج و پریشانی کا ۔ واللہ میں برابر بعد نمازوں کے دعا صحت و درازی عمر جناب ممدوح کے لئے کیا کرتا ہوں ۔ اس لئے کہ یہ وہ ذات ہے جس نے اردو دنیا میں دین کا ڈنکا بجا دیا ۔ اور ہزاروں

گمراہوں کو راہ مستقیم دکھلادی بلکہ تمام شیعوں کا ایمان و اسلام مضبوط کر دیا جس طرح پڑھے لکھوں کے لئے جناب علامہ مولوی سید مجاحسین صاحب قبلہ مرحوم و مغفور کی عبقات الانوار ہے اسی طرح ہم سے جاہلوں کیلئے جناب موصوف کی اصلاح جسکی اب آپکے ہاتھوں اشاعت ہو رہی ہے۔ خدا اس نور کو قائم رکھے اور آپ کے اور ہم لوگوں کے سروں پر تا دیر ممدوح قبلہ کا سایہ رکھے آمین" (۲۳) جناب مولوی محمد علی الحاج سالمین صاحب (مصنف علیؑ دی خلیفہ حسینؑ دی گریٹسٹ مارٹر۔ دی ہولی پرونٹ محمدؐ وغیرہ انگریزی کتب اسلام) نے بمبئی سے لکھا "خداوند اور آپکے قلم کو زور اور قوۃ عطا فرمائے آمین۔ آپ نے کتاب تصویر عزاء اور مجالس خاتون لکھکر فدایان اہلبیت پر احسان عظیم کیا اور اس پیرایہ میں کہ کسی کی دل شکنی بھی نہ ہو۔ اسمیں ذرہ برابر بھی غلو نہیں ہے کہ آپ کے کارہائے نمایاں شیعی تاریخ میں جواہر ریز بنکر چمکینگے انشاء اللہ۔ آپ کی ذات اس وقت مغتنمات سے ہے اور میری دعا ہے کہ خداوند آپ کو اہلبیت کی خدمت کے لئے تا دیر سلامت رکھے بحق محمدؐ و آلہ الطاہرین تصویر عزاء اگر شایع ہو تو دس کتابیں میرے نام پر وی پی ارسال فرما کر مشاب ہوں" (۲۴) جناب آغا سید مرتضیٰ شاہ صاحب رضوی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس میانوالی پنجاب نے لکھا "محسن قوم جناب مولانا صاحب۔ بعد از سلام مسنون الاسلام آنکہ میں خریدار اصلاح عرصہ بعید سے اور نیز خریدار الشمس ہوں۔ جو کچھ دینی خدمات آپکے خاندان ذی شان نے اور خود آپ نے انجام دی ہیں اور دے رہے ہیں تمام زمانہ پر روشن ہے اور انکا ذکر حیطہ تحریر سے باہر ہے اس کا اجر بے حساب ہے جو ایزد متعال لایزال بوسیلہ جناب چہاردہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین جنکی عصمت و عظمت و صداقت کو آپ نے روز روشن کیطرح واضح و ہویدا کیا دے سکتا ہے۔ ہر قسم کے بے شمار مضامین نہایت مدلل طریقہ سے مکمل طور پر مومنین تک پہونچے اور اسکی گونج جملہ مسلمین میں پہونچی اور راہ ہدایت انکو نصیب ہوئی۔ علماء و ذاکرین کے لئے وہ خزینہ بے بہا مہیا کر دیا کہ منابر پر بیان ہوتے ہیں اور ختم ہونے میں نہیں آتے۔ بحث و مباحثہ کے دوران میں اصلاح و الشمس کے مضامین کے حوالجات کام دے

رہے ہیں۔ اور اب آخری دو کتابیں تو ایسی مفید و لاجواب ہیں کہ ایک معمولی خواندہ
شخص بھی اور صنف نازک بھی نہایت جرأت و دلیری سے انکو آگے رکھکر مخالف سے
بذریعہ مباحثہ برسرپیکار ہو سکتے ہیں اور ایام محرم اور مجالس عزا کے موقع پر جہاں کہیں
بھی حضر و سفر میں ہوں مضامین اعلےٰ بیان کر سکتے ہیں۔ وہ مجالس خاتون اور تصویر
عزا ہیں۔ جس گھر میں یہ دو کتابیں ہوں وہاں مطلق اور کسی کتاب کی ضرورت نہیں رہتی
تمام حوالجات ہر دو کتب میں واضح طور پر کتب مخالف و موافق سے موجود ہیں اور ہر ایک بیدھڑک
مناظرہ کر سکتا ہے۔ کسی کی محتاجی نہیں رہتی۔ سبحان اللہ اُن کے مفید ہونے کی انتہا نہ
بیان ہی نہیں ہو سکتی۔ یہ ہر دو کتابیں تو نہایت اعلےٰ کاغذ پر نہایت خوبصورت چھپنی لازم
تھیں کہ جس طرح ان کے مضامین ہیں اُسی سیرت کے مطابق صورت بھی نہایت ہی دیدہ زیب
ہوتی مگر یہ امر آپ پر نہیں قوم پر ہے۔ مضامین کا ضبط تحریر میں لانا آپکا کام تھا اور
چندہ بڑھا کر انکی ظاہری خوشنمائی کو بڑھانا قوم کا کام تھا۔۔۔" (۲۵) اخبار خورشید مظفر نگر
مورخہ ۲۲ فروری ۱۹۳۳ء نے لکھا "جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ صاحب اصلاح
کھجوا کی دینی خدمات تقریباً تیس ۳۰ سال کے عرصہ سے قوم کو ممنون احسان بنائے ہوئے ہیں
آپکی ایک جدید تالیف تصویر عزا ہر پہلو سے نہایت ہی معرکۃ الآرا ہے۔ دلچسپ ایسی
کہ شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کئے چھوڑنے کو جی نہ چاہے۔ طرز بیان اس قدر مرنجاں مرنج
شیعہ سنی حنفی وہابی ہر فرقہ کا شخص نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ پڑھ سکتا ہے نام گو
تصویر عزا ہے مگر اس کا موضوع اس قدر وسیع ہے کہ واقعہ عزا کے ہیرو امام حسین علیہ السلام
کی ذات سے جس قدر واقعات اور مسائل نسبت رکھتے ہیں سب پر بحث کی گئی ہے۔
ائمہ معصومین علیہم السلام کو علیہ السلام کہنا۔ آپ پر درود بھیجنا۔ انکا اہلبیت میں شامل
ہونا۔ اہلبیت کے صحیح مصداق کون ہیں۔ مجالس و ذکر حسین کا جواز۔ آپکا فرزند رسولؐ ہونا۔ اور اسی قسم
کے سیکڑوں مباحث ایک سے ایک زیادہ دلچسپ اسمیں بیان کئے گئے ہیں اور مستند کتب اہل سنت کے حوالوں نے
اس کتاب کی وقعت کو بڑھا دیا۔ عبارت نہایت سلیس ہے اور ۵۰۰ صفحات کی کتاب ہوتے ہوئے صرف دو
روپیہ قیمت بہت ارزاں ہے۔ ناظرین کو چاہیے کہ ہاتھوں ہاتھ لیں۔"